بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ۱/۱۶ رقم: ۷۱، صحيح مسلم ۱/۳۳۳ رقم: ۱۰۳۷)

کتاب النوازل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ سابع عشر)

بقیہ کتاب الحظر والاباحۃ – تا – کتاب الاشتات

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : کتاب النوازل (جلدِ سابع عشر)

○ منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

○ ترتیب وتحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

○ ناشر : **المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد**

09412635154 - 09058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اشاعتِ اول : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق فروری ۲۰۱۶ء

○ صفحات : ۶۲۴

○ قیمت : ۴۳۰/روپئے

ملنے کے پتے:

○ مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد **09058602750**

○ مکتبہ صدیق اینڈ کلاتھ ہاؤس لال باغ مرادآباد **09997747293**

○ کتب خانہ یحیوی محلہ مفتی سہارن پور

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❒❖❒

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبيآء: ۷]

ترجمہ: پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۱/ ۴۹ رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجۃ ۱/ ۴۳ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

اجمالی فہرست

بقیہ کتاب الحظر والاباحۃ

کتاب الرہن

کتاب الاشتات

عبادات

معاشرت

معاملات

تفصیلی فہرست

بقیہ کتاب الحظر والاباحۃ

قومی وملی معاملات ومسائل ۳۰

مسائل موبائل ۵۵

کتاب الرہن

رہن سے متعلق مسائل

کتاب الاشتات

عقائد و اِیمانیات

تحقیق اَحادیثِ شریفہ وغیرہ

بدعات ورسومات ۲۳۹

عبادات

طہارت ۲۴۷

نماز ۲۵۰

جمعہ کی نماز ۲۸۳

عیدین ۲۹۴

تراویح

وتر کی نماز

مسافر کی نماز

زکوٰۃ وصدقات ۳۵۴

روزہ ۳۸۰

معاشرت

متعلقاتِ نکاح ۴۲۱

متعلقاتِ طلاق

نفقہ و حضانت و نسب ۴۷۶

عدت ۴۸۹

قسم

معاملات

بیوع

دیت وتاوان ۵۰۶

اِجارہ ۵۰۷

سود ۵۱۳

کتاب الوقف ۵۵۸

متفرقات

❒❖❒

بقیہ کتاب الحظر والاباحۃ

قومی وملی معاملات ومسائل

مذہب اور سیاست میں فرق؟

سوال (۱۰۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِسلامی اعتبار سے مذہب اور سیاستِ شرعیہ دونوں آپس میں مربوط ہیں؛ لیکن یہاں غیر اِسلامی ملک کی سیاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی ۹/۳۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۸/۶/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اِسلام میں سیاسی رہنمائی موجود ہے؟

سوال (۱۰۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا سیاسی اُمور کے سلسلہ میں اسلام نے رہنمائی دی ہے، اور کیا ایک مسلمان کے لئے اُس رہنمائی کی اتباع ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِسلام کامل دین ہے، اُس میں سیاسی رہنمائی بھی

موجود ہے، تمام مسلمانوں کو حتی المقدور اُن رہنمائیوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ (اِسلامی حکومت ودستور مملکت ۱۵۱، اِفادات: حضرت تھانویؒ، مرتبہ: مفتی محمد زید صاحب مظاہری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۳/۷ھ

تنظیمی سربراہان کی اِطاعت کہاں تک واجب ہے؟

سوال (۱۰۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تنظیمی سربراہان کی اُن کے لوگ پیغمبر سے زیادہ عزت اور اَہمیت کا اہتمام کرتے ہیں، اُن کا عمل اور اُن کا قول اُن کی ساری حرکات وسکنات یوں آگے پیچھے کہ اُن کی ذراسی لاپرواہی اُن کو ناراض نہ کردے، عام لفظوں میں پرستش کی حد تک عزت اور احترام اور اہمیت جب کہ حضراتِ صحابہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے انداز میں احترام ثابت نہیں ہے، اِن ساری باتوں کو دیکھ کر بے شمار اندیشے اور تردد پریشان کرتے ہیں، صحیح کیا ہے؟ صحیح کون ہے؟ جس سے بھی بات ہوتی ہے وہ اپنے لحاظ سے اپنی تائید میں اَحادیث کے حوالے پیش کرتا ہے، خواہش ہے کہ ایک ایک موضوع پر اپنے رسالہ میں مضمون شائع کریں؛ تاکہ مجھ جیسے بے شمار لوگ اُس سے استفادہ کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے سربراہان کی اِطاعت اُسی حد تک ضروری ہے جب تک کہ وہ شریعت کے خلاف کوئی حکم نہ کریں، اگر وہ شریعت کے خلاف کوئی حکم دیں تو اُن کی اتباع ہرگز جائز نہیں ہے، نیز اپنے کسی سربراہ کو نعوذ باللہ پیغمبر سے بھی زیادہ عزت دینا کسی مسلمان سے متصور نہیں ہے، اِس لئے ایسی ہیئت سے بچنا لازم ہے۔

عن الحکم بن عمر الغفاري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا طاعة لأحد في معصیة اللّٰه عزوجل. (المعجم الأوسط ۲۰۹)

وتقبیل الأرض بین یدي العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به

اثمان؛ لأنه يشبه عبادة الأوثان. (الدر المختار مع الشامي ٥/٢٣٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۶/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہم وطنوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کس طرح کرنی چاہئے؟

سوال (۱۰۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آپ حضرات سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات سے مطلع فرمائیں، ہم آپ کے اِرسال کردہ جوابات کو کتابی شکل میں شائع کر کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات اور اِسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کے متمنی ہیں، وطن مالوف میں اِن دنوں جو انتشار کا ماحول ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جو نفرت ہے، غلط فہمیاں پنپ رہی ہیں، اُنہیں دور کرنے اور بھائی چارگی کی فضا پیدا کرنے، اَمن واماں بحال کرنے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کی راہ میں ہماری ایک کوشش ہوگی۔

ہمیں اُمید ہے کہ آپ ہمارے اِن سوالوں کے مدلل جوابات دے کر ہمیں ممنون فرمائیں گے، اور مزید گذارش یہ ہے کہ ہماری اُن کتب کی طرف رہنمائی فرمائیں، جن میں ہمیں اِن سوالوں کے متعلق مزید تفصیلات مل سکیں۔

سوال یہ ہے کہ جس وطن میں رہنا ہے، اِس وطن میں مسلمانوں کا کیا حق ہے؟ ہمیں وطن کے ساتھ محبت کس طرح کرنی چاہئے؟ اور کس طرح سے وطن کا حق ادا کرنا چاہئے؟ اِس کے بارے میں ہمیں اور ہماری عوام کو معلوم ہو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِسلام اپنے ماننے والوں کو اَمن واَمان کی تاکید کرتا ہے، اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے، اِس لئے مسلمان جہاں بھی رہیں اُنہیں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اور فتنہ وفساد اور تخریبی عمل سے ہر طرح

بچنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ میں رہنے والے سبھی فرقوں کے ساتھ ایک معاہدۂ اَمن طے فرمایا، جس میں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور مشترکہ دشمن سے مقابلہ کے لئے متحدہ جد وجہد کا عہد کیا گیا تھا، یہ طریقہ ہم وطنوں کے ساتھ معاملات کیسے ہوں؟ اِس کے لئے روشن نظیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

قال ابن إسحاق وکتب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کتابًا بین المهاجرین والأنصار، وَادَعَ فیه یهود وعاهدهم، وأمرهم علی دینهم وأموالهم، وشرط لهم، واشترط علیهم. (السیرة النبویة لابن هشام ٤٤٥/٢ مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ملکی اور حکومتی قانون کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

سوال (۱۰۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم مسلمانوں کے اندر جو ملک کے قانون کے خلاف کام کرتے ہیں، اور وطن سے غداری کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اِسلام کی ہدایت اور اُس کی سزا کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قانون اور حکم شریعتِ اِسلامی کے خلاف نہ ہو، اُس میں ملکی قانون کی پابندی کی جائے گی، اور اُس کی خلاف ورزی کی اِجازت نہ ہوگی، اور خلاف ورزی کرنے پر حکومت حسبِ ضابطہ سزا دینے کی مجاز ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۲۹/۱۷)

عن النواس بن سمعان رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصیة الخالق. (مشکاة المصابیح ۳۲۱/۲، المکتبة الأشرفیة دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ملکی باشندوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟

سوال (۱۰۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس ملک میں ہم رہ رہے ہیں، اُس ملک کی عوام، چاہے وہ عیسائی، یہودی، ہندو اور غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، اُن کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمہوری ممالک میں دستوری طور پر ہر ایک شہری کو خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، یکساں طور پر آزادی حاصل ہوتی ہے؛ لہٰذا کسی بھی شہری کو دوسرے شہری کی حق تلفی کرنا یا اُس پر ظلم کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۲۵۵، مرقاة المفاتیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۱۱۸/٦ المکتبة الأشرفیة دیوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۷۲/٥، شعب الإیمان للبیهقي ۳۸۷/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟

سوال (۱۰۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہمارا کوئی دوست یا پڑوسی غیر مسلم ہو اور اُس کے گھر میں پیدائش سے لے کر اُس کی موت تک ہم مسلمانوں کو اُس کے ساتھ کس طرح کا معاملہ اور اخلاق پیش کرنا چاہئے؟ اِس کے بارے میں کچھ حدیثیں اور واقعات تحریر فرمائیں۔

اگر اُن کا کوئی تیوہار ہو تو اُن میں ہمارا کردار کیا ہو؟ اور ہمارے تیوہار میں، خوشی یا غمی میں اُن لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی اِسلام میں تعلیم دی گئی ہے؛ لہٰذا اگر پڑوس میں غیر مسلم ہو تو مسلمان کو اُس کی غمی اور خوشی میں شریک رہنا چاہئے، بشرطیکہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہو، یعنی مذہبی رسومات کو چھوڑ کر دیگر مواقع میں اُس کی دل جوئی کرنے کے لئے ہر طرح کی پیش قدمی درست اور مستحسن ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمائی ہے، اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کیا ہے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن غلامًا من اليهود كان مرض، فأتاه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يعوده. (سنن أبي داؤد ۲/۴۴۱)

عن مجاهد أن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه ذُبحت له شاة في أهله، فلما جاء، قال: أهديتم لجارنا اليهودي، أهديتم لجارنا اليهودي؟ سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ما زال جبرئيل يوصيني بالجار، حتى ظننت أنه سيورثه. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في حق الجوار ۲/۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلموں کی حمایت کرکے علاقے میں کشیدگی پیدا کرنا

سوال (۱۰۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قصبہ بلہرہ میں ہندوؤں کے دسہرہ کا جلوس دو تین سال سے نکلتا تھا، اِمسال اُن لوگوں نے قرب وجوار کے ہندوؤں کو دعوت دی کہ سب لوگ اپنی مورتیاں اور جلوس بلہرہ لے کر آئیں اور ساتھ میں دریا پر چلیں، اس کے تحت قریب کے سرجن پور گاؤں کا جلوس آرہا تھا، راستے میں بھٹوا مئو گاؤں کے لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے گاؤں سے نہیں گذرنے دیں گے، تنازع بڑھتا دیکھ کر انتظامیہ نے دوسرے راستہ سے نکلوادیا، جب یہ خبر بلہرہ میں پہنچی تو بلہرہ کے ایک شخص نے - جو مسلمان ہے

-باہر ہ کے جلوس کو رکوا کر راستہ جام کر وادیا، اور یہ کہہ کر دھرنے پر بیٹھ گیا کہ سرجن پور کا جلوس بھٹوا مئو ہوکر ہی آئے تب باہر ہ کا جلوس جائے گا، رفتہ رفتہ کافی بھیڑ اِکھٹا ہوگئی اور ٹکراؤ کی نوبت آ گئی؛ بلکہ خشت باری ہونے لگی، سب کو خبر ہوگئی پولس اور پی اے سی کافی تعداد میں آ گئی، یہ حالت دیکھ کر کچھ دور اندیش لوگوں نے کوشش اور محنت کر کے اپنے لوگوں کو روکا اور ٹکراؤ سے باز رکھا، اور ڈی ایم و ایس پی نے اُس شخص کو اُٹھا کر جلوس شام کو نکلوادیا، حالات اَب بھی بہت کشیدہ ہیں، جو اس آدمی کی وجہ سے ہیں، یہ شخص اِس سے پہلے پردھان بھی رہ چکا ہے، اور ہمیشہ ہندؤں کے ہر جلوس اور پروگرام میں شرکت ہی نہیں بلکہ قیادت کرتا رہا ہے، نئے مندروں کی تعمیر میں مالی اور سیاسی تعاون کرتا رہا ہے، ایک مندر ایسی جگہ بنوادیا جہاں پر مسلمان بہت پریشان ہیں؛ کیوں کہ مندروں کے لاؤڈاسپیکر اکثر نمازوں کے وقت تیز آواز میں بجتے ہیں جس سے نماز اور تراویح وغیرہ میں خلل پڑتا ہے، اِس سے پہلے اُس نے شیعہ سنی فساد کروایا اور شیعوں کی قیادت کر کے بات اتنی بڑھادی کہ ایس پی وڈی ایم کو آنا پڑا تب معاملہ رفع دفع ہوا۔ ۱۹۹۷ء میں اُس نے باہر ہ بھٹوا مئو کا فساد کروایا جس میں دونوں طرف مسلمان تھے، کئی لوگ زخمی ہوئے ایک آدمی مر گیا، مقدمہ ابھی بھی چل رہا ہے، صلح کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ خلل انداز ہوتا ہے، کچھ عرصہ پہلے یہ جمعہ کی نماز میں کچھ آدمی لے کر جاتا تھا اور عین خطبہ کے بعد جیسے ہی امام مصلی پر کھڑا ہوتا، بس یہ اُن لوگوں کو لے کر مسجد سے اُٹھ کر چلا جاتا تھا، جنم اَشٹمی کا جلوس یہ چاہتا ہے کہ ایک مسلمان کے دروازے کے سامنے سے نکلے، جب کہ پولیس منع کر رہی ہے کہ نیا راستہ نہیں دیا جائے گا، اور یہ کہتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کسی دن کوئی بڑا جھگڑا ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں ایسے شخص کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟ جو مسلمانوں کا کھلا دشمن ثابت ہورہا ہے، مدلل جواب دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تفصیلات اگر صحیح ہیں، تو مذکورہ مسلمان شخص کا بلاوجہ غیر مسلموں کی حمایت کر کے علاقہ میں کشیدگی پیدا کرنا نہایت مذموم عمل ہے،

اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنی غلط حرکتوں سے باز آئے اور سچے دل سے توبہ کرے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ، وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ [هود: ۱۱۳]

ولا تـميلوا إلىٰ الظالين بجودة أو مداهنة أو رضي بأعمالهم أو استعانة بهم أو اعتماد عليهم فتصيبكم النار بركونكم إليهم. (تفسير المنير ۶/۴۹۲ بحواله: المسائل المهمة ۲/۴۵۳)

عـن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مـن تشبه بقوم فهو منهم. (سـنـن أبـي داؤد، كتـاب اللباس / باب في لبس الشهرة ۲/۵۵۹ رقم: ۴۰۳۱ دار الفكر بيروت، مشكاة المصابيح، كتاب اللباس / الفصل الثاني ۲/۳۷۵)

عـن ابـن مسـعـود رضـي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من كثـر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكًا في عمله. (كنز العمال / كتاب الصحبة من قسم الأقوال ۲/۱۱ رقم: ۲۴۷۳۰ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر محلے کے غیر مسلم لوگ ہم پر حملہ آور ہوں، تو اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

سوال (۱۰۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اللہ نہ کرے اگر ہمارے محلّہ میں فساد ہو، اور غیر مسلم جو ہمارے محلّہ میں رہتے ہیں، ہم سے مل جل کر یا دشمنی رکھ کر ہمارے ساتھ زیادتی کریں، تو اُس وقت ہم مسلمانوں کو اُن کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؟ اُس وقت ہمارے معاملات کیسے ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر فسادات کے موقع پر فسادی لوگ ہمارے اوپر حملہ

آور ہوں، خواہ محلّہ کے ہوں یا باہر سے آئے ہوئے، تو ہمیں اپنے دفاع کا قانونی اور شرعی حق حاصل ہے، اور ایسے نازک حالات میں اپنی طاقت بھر مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے؛ لیکن اگر حملہ آور باہر کے ہوں، اور مقامی غیر مسلم آبادی اُن حملہ آوروں کے ساتھ نہ تو شریک ہوا ور نہ اُن کی معاون ہو، تو ایسی صورت میں مقامی بے قصور لوگوں سے بدلہ لینا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۱۷۴، کفایت المفتی ۹/۳۳۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلاَ یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ [المائدة، جزء آیت: ۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمانوں کا غیروں سے معاملہ کے لئے تیاری کرنا؟

سوال (۱۰۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ [الأنفال، جزء آیت: ٦٠] (اور تیاری کرو اُن کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے) (ترجمہ شیخ الہند)

جس کا مقصود قرآن ہی نے آگے بیان فرمایا: ﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ جس کی تفسیر ترجمہ شیخ الہند کے حاشیہ نمبر ۴ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ یوں فرماتے ہیں: ''یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اَسبابِ ضروریہ کو ترک کر دیا جائے؛ نہیں؛ بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو، سامانِ جہاد فراہم کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں گھوڑوں کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ ہوائی جہاز، آب دوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا؛ بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامانِ جہاد ہے۔ اِسی طرح آئندہ جو اسلحہ وآلاتِ حرب وضرب تیار ہوں، انشاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں الخ''۔ (ترجمہ شیخ الہند ۲۴۴)

مذکورہ آیت وتفسیر کے بعد جواب طلب اُمر یہ ہیں کہ:

(۱) مذکورہ آیت میں خطاب صرف صحابہ کو ہے، یا عام مسلمانوں کو بھی ہے؟

(۲) یہ حکم عام حالت کا ہے یا خاص حالت کا؟ اگر خاص حالت کا ہے تو خاص حالت (لڑائی) میں مذکورہ چیزیں تیار کی جائیں گی، سیکھی جائیں گی، یا اِس وقت مقابلہ کیا جائے گا؟

(۳) نیز خاص حالت کا حکم ہے تو اِس حکم کی حیثیت کیا ہے؟ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ نیز مفسر کی مراد مطلق فرض سے کیا ہے؟ اور اگر فرضِ عین ہے، تو جہاں یہ حالت پیدا ہوئی وہیں یا تمام ملک اور تمام عالم میں؟ اگر فرضِ کفایہ ہے، تو اُس کا حکم عالمی اعتبار سے ہوگا یا ملکی اعتبار سے یا پھر صوبائی اعتبار سے؟ اور اگر مذکورہ آیت میں حکم عام حالت کا ہے، تو اُس سے کونسی حالت مراد ہے، عام حالت کے حکم کی کیا حیثیت ہے؟ فرض عین یا فرض کفایہ، اگر فرض کفایہ کا حکم ہے، تو کس اعتبار سے عالمی یا ملکی یا صوبائی؟

نیز موجودہ حالت کے اعتبار سے کیا فرماتے ہیں جب کہ غیر مسلم تنظمیں (بجرنگ دل) باقاعدہ بندوق استعمال کرنے کی ٹریننگ وتربیت دے رہی ہے، اور روزانہ کسی نہ کسی طریقہ سے اُن کے دلوں کے عزائم کی ترجمانی بزبانِ خود اخباروں میں شائع ہوتی رہتی ہے۔

اگر ہم فرض کفایہ کے طور پر بھی اِس پر عمل کریں اور حکومت رخنہ اندازی کرے، تو کیا اُس کو چھوڑ دیں اور حکومت کی بات پر عمل کریں یا قرآنی ارشادات پر؟ عمل نہ کرنے کی صورت میں گنہگار کون ہوگا؟ خاص طبقہ (علماء) یا تمام مسلمان۔ اُمید ہے کہ تفصیل سے باحوالہ جواب دے کر تشفی فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ خطاب قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو ہے۔

(۲) یہ آیت عام اور خاص ہر طرح کے حالات کے لئے ہے، جیسا کہ خود آپ نے حضرت

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صاحبؒ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ہر زمانے کی مصلحت کے اعتبار سے جو بھی تیاری کرنا ممکن ہو اُس کا اہتمام ہونا چاہئے، مثلاً ورزش، نشانہ بازی وغیرہ۔

(۳) خاص جنگی حالت میں یہ حکم فرضِ عین ہوجاتا ہے، اور عام حالات میں فرضِ کفایہ رہتا ہے، یعنی ہر علاقہ میں کچھ لوگ ایسے تیار رہنے چاہئے، جو بوقت ضرورت مقابلہ کرسکیں، ہندوستان کے موجودہ حالات میں جمہوری حکومت کے قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی مسلمانوں کو اِس طرح کی تیاریوں کے مواقع مہیا ہیں، مثلاً ورزش کرنے یا خود حفاظتی تدبیریں سیکھنے کی کوئی پابندی نہیں، اگر ہر آدمی انفرادی طور پر یا چند لوگ مل کر ایسی کوشش کریں تو قانوناً اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے؛ اِس لئے اِس طرح کی کوششوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے؛ تاکہ بوقتِ ضرورت اِس سے فائدہ اٹھایا جاسکے، ورنہ خواص وعوام سب جواب دہ ہوں گے۔

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ﴾ خطاب لكافة المؤمنين لما أن المامور به من وظائف الكل، ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ أي من كل ما يتقوى به في الحرب كائناً ما كان ...... وأنت تعلم أن الرمي بالنبال اليوم لا يصيب هدف القصد من العدو؛ لأنهم استعملوا الرمي بالبندق والمدافع. (روح المعاني للعلامة الآلوسي ٣٥/٦-٣٦ زكريا)

وفي تفسير الفخر الرازي تحت هٰذه الآية: هٰذا عام في كل ما يتقوى به على حرب العدو، وكل ما هو آلة للغزو والجهاد فهو من جملة القوة ...... أن الكفار إذا علموا كون المسلمين متأهبين للجهاد ومستعدين له مستكملين لجميع الأسلحة والآلات خافوهم، وذلك الخوف يفيد أمورًا كثيرةً. (تفسير الفخر الرازي ١٩١/٨)

وهو فرض كفاية ...... إذا حصل المقصود بالبعض ابتداء، وفرض عين إن هجم العدو فيخرج الكل. (الدر المختار مع الشامي ١٩٩/٦-٢٠٥ زكريا، كفايت المفتى ١٤٦/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۷/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قدرتی آفات میں مسلمانوں کا تعاون پہلے کریں یا غیر مسلموں کا؟

سوال (۱۰۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فساد، بھوکم (زلزلہ) طوفان یا کوئی خطرناک بیماری یا کوئی قدرتی آفت میں ہم مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ اُن کی مدد کرنا، کھانا، پینا، دوا دارو یا کس طرح کی مدد کرنی چاہئے؟ اور پہلے کس کی کریں، مسلم کی یا غیر مسلم کی؟ حالاں کہ دونوں قومیں امدادی ضرورت مند ہیں، اِس بارے میں ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فرمان ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قدرتی آفات میں سبھی متاثرین کی بلا امتیاز مدد کرنی چاہئے، اور جو جتنا زیادہ ضرورت مند ہو اُسی اعتبار سے اُس کو ترجیح دینی چاہئے۔

من أغاث ملهوفًا كتب اللّٰه ثلاثًا وسبعين مغفرةً، واحدة فيها صلاح أمره كله، وثنتان وسبعون له درجات يوم القيامة. (مشكاة المصابيح ٤٢٥/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلم ممبران پارلیمنٹ واسمبلی پر کفر وشرک کا حکم لگانا؟

سوال (۱۰۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ڈاکٹر .... صاحب نے اپنے رسالہ ماہنامہ ''اللہ کی پکار'' کے ستمبر ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں ایک مضمون ''کیا یہ شرک نہیں ہے'' کے عنوان سے شائع کیا ہے، جس میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ ''اِسلامی نقطہ نظر سے اپنے آپ کو بھارتی دستور کے مطابق حکمراں یا قانون ساز تسلیم کرنا قانون ساز اِداروں، پارلیمنٹ یا اسمبلی وغیرہ کے الیکشن میں ووٹ دے کر اپنا حکمرانی اور قانون سازی کا حق دوسروں کو منتقل کر دینا یا ایسے الیکشن میں خود نمائندہ کی حیثیت سے کھڑا ہونا، یہ واضح طور سے کفر بھی ہے اور شرک بھی، اور اسلام ایمان اور اُس کی اَساس عقیدۂ توحید کے منافی اور ضد ہے، جو

حضرات اِس کے جائز اور صحیح ہونے کے قائل ہوں، اُن سے قرآن یا اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں واضح دلیل طلب کرنی چاہئے، اور اُن سے دریافت کرنا چاہئے کہ کیا یہ شرک نہیں ہے"۔ اِس مضمون کی فوٹو کاپی دی جارہی ہے۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اِس کی وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں دستوری اعتبار سے ہر شخص کو مذہبی آزادی دی گئی ہے، پارلیمنٹ میں جو حلف اٹھایا جاتا ہے اُس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر پارلیمنٹ مذہب کے خلاف کوئی فیصلہ کرے تو بھی اُسے تسلیم کرلیا جائے، یہ معاہدہ دراصل صرف اُن انتظامی معاملات میں ہے جو مذہب سے ہٹ کر ہیں، اور اِس طرح کے انتظامی معاملات میں کسی غیر مسلم سے معاہدہ کرلینا شریعت کے خلاف نہیں ہے، اِس کی نظیر وہ معاہدہ جات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ منورہ کے اَطراف میں رہنے والے یہودیوں سے کئے تھے؛ لہٰذا مذکورہ مضمون میں ہندوستان جیسے جمہوری ملک کے مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ وممبرانِ اسمبلی وغیرہ اور انتخابات میں کسی بھی طرح حصہ لینے والوں پر جو کفر وشرک کا فتویٰ لگانے کی جسارت کی گئی ہے وہ بے اصل، نا قابل اعتبار اور حقیقی صورتِ حال کی غلط تعبیر پر مبنی ہے۔ اور اِس سلسلہ میں جن آیاتِ قرآنیہ کا حوالہ دیا گیا ہے اُن کا تعلق اسی صورت سے ہے جب کہ مذہبی معاملات میں بھی غیر اللہ کی مکمل متابعت اختیار کی جائے اور اپنے کو مکمل طور پر غیروں کے حوالہ کردیا جائے، ہندوستان میں یہ صورتِ حال نہیں ہے، یہاں اگر اتفاق سے کوئی فیصلہ پالیمنٹ یا اسمبلی میں شریعت کے خلاف ہوتا ہے تو دستوری اعتبار سے اُس پر احتجاج کرنے کا پورا حق حاصل ہے؛ تاہم یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مسلمانوں کو اِس کی کوشش برابر کرتے رہنا چاہئے کہ اُنہیں اقتدار اعلیٰ حاصل ہوجائے؛ تاکہ دین ومذہب پر منڈلاتے ہوئے خطرات سے تحفظ ہوسکے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰٓى

اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ﴾ [النساء، جزء آيت: ۹۲]

قال تعالیٰ: ﴿لَا يَنۡهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡا اِلَيۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ﴾ [الممتحنة: ۸]

وكتب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كتابًا بين المهاجرين والأنصار وادعَ فيه يهود وعاهدهم، وأقرّهم على دينهم وأموالهم، وشرط لهم واشترط عليهم. (الروض الأنف / كتاب الموادعة لليهود ٣٤٦/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۷/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وطنی یا مذہبی تعصب پسندی

سوال (۱۰۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مذہبِ اسلام میں کیا وطنی تعصب، خاندانی تعصب، مسلکی تعصب جائز ہے یا جہالت وگمراہی ہے؟ پھر کون سا تعصب جائز، یا مباح، یا سنت ہے؟ آج کل وطنی تعصب پر بہت زیادہ زور ہے، تو یہ کیسا ہے؟ تعصب پر کچھ تبصرہ کیجئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں کسی بھی طرح کی عصبیت پسندیدہ نہیں ہے، مذہبِ اسلام عصبیت کی نہیں؛ بلکہ اِنصاف واعتدال کی تعلیم دیتا ہے؛ البتہ کوئی شخص اگر کسی حق کے معاملہ میں اپنی قوم کی یا برادرانِ وطن کی تائید وحمایت کرتا ہے تو یہ عصبیت نہیں ہے؛ بلکہ حق نوازی کے قبیل سے ہے، بالخصوص رشتہ داروں کے حقوق حاصل کرانے کے لئے اُن کے ساتھ نصرت وتعاون کرنا مستقل طور پر کارِ ثواب اور صلہ رحمی میں داخل ہے۔

عن سراقة بن مالك بن جُعشُمٍ المُدلِجي قال: خطبنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: خيركم المدافع عن عشيرته ما لم يأثم. (سنن أبي داؤد، كتاب

الأدب / باب في العصبية ٦٩٨/٢ رقم: ٥١٢٠ دار الفكر بيروت)

والعصبية أيضًا إن كان بحق فهو مستحسن، وإن كان ظلمًا من غير حق فهو مذمومٌ. (حاشية سنن أبي داؤد ٦٩٨/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۲/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دستورِ ہند کی حلف برداری

سوال (۱۰۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آپ سے درج ذیل سوالوں کے سلسلہ میں اِستفادہ مطلوب ہے، اُمید کہ اِسلامی شریعت کی روشنی میں جوابات عنایت فرمائیں گے، جب کوئی شخص کسی پنچایت، ضلع تحصیل یا گاؤں کا صدر، نائب صدر، یا ممبر منتخب ہوتا ہے، تو حلف برداری کے الفاظ سے اُس کی حقیقی مراد کیا ہوتی ہے؟ حلف کے الفاظ اِس طرح ہیں۔

میں دستورِ ہند پر سچا اعتقاد رکھوں گا اور اُس کا وفادار رہوں گا۔ (مغربی بنگال)

میں دستورِ ہند پر سنجیدہ اعتقاد اور وفاداری برقرار رکھوں گا۔ (کیرالہ)

میں دستورِ ہند پر جیسا کہ قانون کے ذریعہ طے پایا ہے اعتقاد رکھوں گا، اور اُس کا وفادار رہوں گا، میں بھارت کے اقتدارِ اعلیٰ اور سالمیت کو برقرار رکھوں گا۔ (اتر پردیش)

ہمارے خیال میں اِن الفاظ کا مطلب ہے کہ:

(۱) میں سنجیدگی کے ساتھ دستورِ ہند کی پابندی کروں گا اور کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو اِس کے منافی ہو۔

(۲) میں دستورِ ہند کا وفادار رہوں گا۔

(۳) میں بھارت کے اقتدارِ اعلیٰ اور اُس کی سالمیت کو قائم وبرقرار رکھوں گا۔

سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا حلف کے الفاظ کسی بھی صورت میں پارلیمنٹ کے ذریعہ دستور کی تبدیلی کرکے ہندوستانی شہریوں کے حق کو پابند یا متأثر کرتے ہیں۔

(۲) کیا یہ اِعلان فرد کے اِس عقیدے کے خلاف ہے کہ کائنات اور خود بھارت جو اس کائنات کا ایک جز ہے، خدائے قادر مطلق کا پیدا کردہ ہے جو حقیقی رب، حاکم اور فرماں روا ہے؟

(۳) کیا حلف کے الفاظ کسی بھی صورت میں اُس کو مذکورہ عقیدہ کی تبلیغ اور اُس کے لئے کام کرنے سے روکتے ہیں، باوجودیکہ وہ دستور کی نہ خلاف ورزی کرتا ہو اور نہ اُس کی خلاف ورزی پر کسی کو اُکساتا ہو؟ آپ سے گذارش ہے کہ اپنا قیمتی وقت فارغ کرکے جوابات سے جلد نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حلف برداری کے وقت جو الفاظ ادا کئے جاتے ہیں اُن کا تعلق مذہبی اور دینی عقیدہ سے نہیں ہوتا؛ بلکہ دراصل اُن الفاظ سے ملکی وفاداری کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اور شرعی حدود اور دستورِ ہند میں دی گئی مذہبی آزادی کے دائرے میں رہتے ہوئے چوں کہ ملکی وفاداری میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اِس لئے حلف برداری کے وقت وفاداری کے معنی ادا کرنے والے الفاظ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اِن الفاظ سے دستور ہند کے بنیادی اُصولوں میں کوئی رخنہ نہیں پڑتا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳۷۲/۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱۱/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسلام میں دہشت گردی کی گنجائش نہیں ہے

سوال (۱۰۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل منصوبہ بند طریقہ پر مذہب اسلام، قرآنِ پاک اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کو دہشت گردی سے جوڑ کر بدنام کیا جارہا ہے، اور قرآنی آیات اور اَحادیثِ شریفہ کو غلط معانی میں ڈھال کر عوام وخواص کو مذہب اسلام سے بدظن کرنے کی مہم پوری شدت سے

جاری ہے؛ اس لئے وضاحت فرمائیں کہ اَمن عالم کے سلسلہ میں اسلام کا واضح موقف کیا ہے؟ اور قرآن وحدیث میں اِس بارے میں انسانیت کو کیا ہدایتیں دی گئی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِسلام اَمن وسلامتی کا مذہب ہے، اُس کی نظر میں روئے زمین کے کسی بھی خطہ پر فتنہ وفساد، بداَمنی اور خوں ریزی اور بے قصوروں کے ساتھ قتل وغارت گری بدترین اِنسانیت سوز جرم ہے۔ قرآنِ پاک میں کئی جگہ دنیا میں بدامنی پھیلانے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلاَ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلاَحِهَا﴾ [الاعراف: ۵٦]

(اور روئے زمین میں بعد اِس کے کہ اُس کی درستگی کردی گئی، فساد مت پھیلاؤ)

اور ایک جگہ فسادیوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لاَ یُحِبُّ الْفَسَادَ. [البقرة: ۲۰۵]

(اور جب وہ (فسادی) پیٹھ پھیرتا ہے تو اِس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ دنیا میں فساد مچائے اور کسی کے کھیت یا جانوروں کو تلف کردے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے)

اور ایک جگہ فرمایا:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلاَ تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ [البقرة: ٦۰]

(اور دنیا میں فساد مچاتے مت پھرو)

قرآن اور اسلام کی نظر میں ایک قتل ناحق پوری انسانیت کے قتل کے مرادف ہے؛ کیوں کہ یہ دروازہ جب کھل جاتا ہے تو پھر کسی کے قابو میں نہیں رہتا، جب کہ ایک آدمی کی جان بچانا پوری انسانیت کو بچانے کے قائم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَى النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ [المائدة: ٣٢]

(اِسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے، بغیر کسی فساد کے جو زمین میں اِس سے پھیلا ہو قتل کرڈالے، تو گویا اُس نے تمام آدمیوں کو قتل کرڈالا، اور جو شخص کسی شخص کو بچالیوے، تو گویا اُس نے تمام آدمیوں کو بچالیا)

اور ایک جگہ واضح طور پر یہ حکم دیا:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ. [بنی اسرائیل ٣٣]

(اور جس شخص کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اُس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر)

اِسلام کی اَمن پسندی کی انتہاء یہ ہے کہ وہ اگر چہ مظلوم کو اپنے دفاع کی اجازت دیتا ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ ہدایت بھی کرتا ہے کہ مظلوم بدلہ لینے میں اپنے حدود سے تجاوز نہ کرے اور بے قصوروں کو نشانہ نہ بنائے۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [البقرة: ١٩٠]

(اور جو لوگ تم سے لڑنے کو آئیں تم بھی اُن سے اللہ کے راستہ میں لڑو اور حد سے تجاوز مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے)

چناں چہ اَحادیثِ شریفہ میں جنگی حالات میں بھی انسانی حقوق کی پوری رعایت رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، جس کی تفصیلات اَحادیث میں موجود ہیں۔

چناں چہ روایت میں ہے کہ خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جہادی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے کمانڈر کو دس ہدایتیں ارشاد فرمائیں:

(١) لَا تَقْتُلَنَّ صَبِيًّا. (کسی بچہ کو قتل مت کرنا)

(٢) وَلَا امْرَأَةً. (کسی عورت پر ہاتھ مت اٹھانا)

(٣) وَلَا كَبِيْرًا هَرِمًا. (کسی ضعیف بوڑھے کو مت مارنا)

(٤) وَلاَ تَقْطَعَنَّ شَجَرًا مُثْمِرًا. (کوئی پھل دار درخت مت کاٹنا)

(٥) وَلَا تُخَرِّبَنَّ عَامِرًا. (آباد عمارتوں کومت ڈھانا)

(٦) وَلَا تَعْقِرَنَّ شَاةً وَلَا بَعِيْرًا إِلاَّ الْمَأْكِلَةِ. (کسی بکری اور اونٹنی وغیرہ کوخواہ مخواہ ذبح مت کرنا، ہاں اگر کھانے کی ضرورت ہوتو حرج نہیں)

(٧) وَلَا تَغْرِقَنَّ نَخْلاً. (کسی باغیچہ میں پانی چھوڑ کر اسے تباہ مت کرنا)

(٨) وَلَا تُحَرِّقَنَّهُ. (کسی باغ کو نہ جلانا)

(٩) وَلَا تَغْلُلْ. (غنیمت کے مال میں خیانت مت کرنا)

(١٠) وَلَا تَجْبُنْ. (بزدلی مت کرنا) (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۴۸۷)

الغرض اِسلام ہر طرح کے بے جا تشدد، بداَمنی، خوں ریزی اور قتل وغارت گری کی قطعاً نفی کرتا ہے اور دنیا میں فتنہ فساد یا دہشت گردی میں ملوث اَفراد کے ساتھ کسی طرح کے بھی تعلق سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔ اِسلام کا یہ اُصول ہے کہ اچھی اور نیک باتوں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے اور گناہ اور ظلم میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۲]

(نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کے معاون مت بنو)

قرآنِ پاک اور اَحادیثِ شریفہ کی اِن واضح ہدایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ اِسلام جیسے اَمن عالم کے ضامن مذہب پر دہشت گردی کا الزام لگانا قطعاً جھوٹ ہے، اسلام دہشت گردی کو مٹانے کے لئے آیا ہے، نہ کہ دہشت گردی بڑھانے کے لئے۔ اور اگر کوئی فرد یا جماعت اسلامی اَحکامات کی اَن دیکھی کرتے ہوئے کوئی کارروائی انجام دیتی ہے تو مذہبِ اسلام یا قرآن اُس کا ذمہ دار ہرگز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۲/ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ملک میں دہشت گردی پھیلانے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۰۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے کچھ مسلمان بھائی، ہمارے شہر میں یا ملک میں بے وجہ دہشت گردی پھیلا رہے ہیں، اور دھن ودولت اِکٹھا اور جمع کرنے کے لئے معصوم اور بے گناہ لوگوں کی جان لے رہے ہیں، تو ہمیں اُن کی مدد کرنا چاہئے؟ یا اُن کے خلاف رہنا چاہئے، اور اگر اُن کا ساتھ دیں تو کس بنیاد پر دیں؟ یا اُن کے خلاف رہیں تو کس بنیاد پر رہیں؟ اِس میں ہمارے آقا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فرمان ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دہشت گردی اِسلام کے نزدیک قطعاً حرام ہے، اور دنیا میں بے قصوروں کو قتل کرنے والے اور خوں ریزی اور فتنہ وفساد مچانے والے لوگ قرآن کی نظر میں انتہائی قابل مذمت اور لائق سزا ہیں، اِسلام کی نظر میں قتلِ ناحق بہت بڑا جرم ہے، جس کی کسی صورت میں اِجازت نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا، وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۳۲]

وقال تعالیٰ: ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۰۵] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۸/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمانوں کو آتنک وادی اور دہشت گرد کہنے والوں کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۰۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دنیا کی نظر میں ہم مسلمان اِسلام کے ماننے والے لوگوں کو آتنک وادی، جھگڑالو، دادا گیری

کرنے والے، دنیا کی تمام برائیوں کو مسلمانوں پر تھوپتے ہیں، تو ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور حدیثیں بتائیے، جس سے دنیا میں ہم مسلمان اَمن پسند ثابت ہوسکیں، اور ہماری اِسلامی تعلیم بھی اَمن پسند اور خیر لانے کا ذریعہ ثابت ہو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جولوگ مسلمانوں کو بداَمن اور اِسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دیتے ہیں، دراصل وہ خود ہی سب سے بڑے ظالم اور دہشت پسند ہیں، اُنہوں نے اپنے مکروہ جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے اِسلام کو نشانہ بنا رکھا ہے، جب کہ اِسلام کی تعلیمات سو فیصد اَمن پر مبنی ہیں، اِس سلسلے کی چند اَحادیث ذیل میں درج ہیں:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الراحمون یرحمہم الرحمٰن، ارحموا من في الأرض یرحمکم من في السماء. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في رحمة الناس ١٤/٢)

ترجمہ:- مہربانوں پر اللہ تعالیٰ مہربان ہیں، تم زمین والوں پر مہربانی کرو، آسمان والا تم پر مہربانی فرمائے گا۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الخلق کلہم عیال اللّٰہ، فأحب الخلق إلی اللّٰہ أنفعہم لعیالہ. (شعب الإیمان للبیهقي ٤٣/٦-٤٤ بیروت)

ترجمہ:- تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اور اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسوں پر دہشت گردی اور طالبان سازی کا الزام لگانا؟

سوال (۱۰۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کے دور میں جو ہمارے مدرسوں پر غیر مسلم انگلیاں اٹھاتے ہیں، اور اُس کو آتنگ

وادیوں کا اڈہ بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس میں طالبان تیار ہوکر دنیا میں دہشت گردی پھیلاتے ہیں، تو اس میں مدرسے والوں کو چاہئے کہ کتابوں اور پرچاروں کے ذریعہ غیر مسلموں اور مسلمانوں کو بتائیں کہ اِن مدرسوں میں تعلیم کا مقصد کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسوں کی تعلیم کا مقصد علم دین کی اِشاعت اور انسانیت کی تبلیغ ہے، جو لوگ مدرسوں پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہیں، وہ سو فیصد جھوٹ پر مبنی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دہشت گردی میں مارے جانے والے غیر مسلموں کا تعاون

سوال (۱۰۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر دہشت گردی کے کسی واقعہ میں غیر مسلم زخمی ہوتے ہیں یا مرتے ہیں، تو ہمیں اُن لوگوں کی مدد یا تعاون کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کرنا چاہئے تو کس حد تک اور نہیں کرنا چاہئے تو کیوں نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ملک میں جو لوگ کسی بدامنی کے واقعہ میں مارے جائیں یا زخمی ہوجائیں، تو اُن کی انسانی رشتہ سے مدد کرنا مستحسن اور قابل تعریف ہے، چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۳۲۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا یَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ [الممتحنۃ: ۸] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہاد کے لئے شرائط لازم ہیں

سوال (۱۰۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ کریم میں چند وجوہات کی بنا پر جہاد کا حکم ہے، من جملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوتا ہو، تو کیا ایسی صورت میں ہمارے اسلامی ممالک پر ہندوستانی مسلمانوں کی مدد کرنا لازم نہیں ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [النساء، جزء آیت: ۷۵]

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ کے لوگوں پر ظلم ہو اُن پر ظلم کی مدافعت لازم ہے؛ لیکن جہاد اُسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اُس کی تمام شرطیں پائی جائیں، اور یہاں اِس طرح کی شرطیں متحقق نہیں ہیں، اور رہ گئے اِسلامی ممالک، تو وہ پہلے خود اپنے ہی ملک میں اسلام نافذ کرلیں تو بسا غنیمت ہے، اِس سے آگے کی اُن سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟ اور آیت: ﴿وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ﴾ جو سوال میں پیش کی گئی ہے وہ مطلق نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم اُسی وقت ہے جب کہ شرائط جہاد متحقق ہوں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲/۴۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ووٹ؛ اور اُس کی شرعی حیثیت

سوال (۱۰۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انسان اپنی ضروریات کو پوری کرنے نیز اپنی حفاظت اور دفاع کے لئے اپنے ہی جیسے بہت سے انسانوں کا محتاج ہوتا ہے، اِس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ سماج کو نظم وضبط کی لڑی میں پرو دیا جائے، تنظیم کا ایک دائرہ تو نسبتاً محدود ہوتا ہے جس کو ''ہم خاندان'' کہتے ہیں، دوسرا دائرہ اس سے وسیع تر ہوتا ہے، جس کو سلطنت اور حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایسے کسی نظام کے بغیر انسان کی تمام ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں؛ اسی لئے ہر مہذب سماج ریاست کے زیر سایہ زندگی گذارتا آیا ہے۔

حکومت کی تشکیل کے مختلف طریقے زمانہ قدیم سے مروج رہے ہیں، موجودہ عہد میں جس سیاسی نظام کو مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں غلبہ حاصل ہے، وہ ہے جمہوری نظام، جمہوریت کے بعض اُصول اِسلام کے طرزِ حکمرانی سے بہت قریب ہیں اور بعض اسلامی تعلیمات کے مغایر بھی ہیں؛ لیکن چوں کہ جمہوریت کی متنوع شکلیں دنیا میں پائی جاتی ہیں اور اُس میں مختلف طرز حکومت کو سمو لینے کی گنجائش ہے؛ اِس لئے بہت سے مسلمان ملکوں میں ایسی جمہوریت کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی ہے، جو شریعتِ اسلامی سے ہم آہنگ ہو۔

جمہوریت کا ایک اہم عمل عوامی رائے سے حکمراں کا انتخاب کرنا ہے، اَب چوں کہ ہر ملک میں آبادی کا پھیلاؤ غیر معمولی حد تک بڑھ گیا ہے، اِس لئے ملک کے ہر بالغ شہری کی رائے حاصل کرنے اور اُس کو انتخاب کے عمل میں شریک کرنے کے لئے الیکشن کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، الیکشن کے ذریعہ گاؤں اور شہر کی سطح پر بھی عوام اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں، صوبہ کی سطح پر بھی اور ملک کی سطح پر بھی، پھر اُن منتخب نمائندوں کی رائے سے ہیئتِ حاکمہ وجود میں آتی ہے، ملک کا سربراہ منتخب کیا جاتا ہے اور تمام فیصلے کئے جاتے ہیں، الیکشن کا مسئلہ اُن مسلمانوں کے لئے بھی اَہمیت کا حامل ہے جو کسی مسلمان ملک میں بستے ہوں اور اُن مسلمانوں کے لئے بھی جو اَقلیت کی حیثیت سے کسی خطہ میں مقیم ہوں، نیز اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ الیکشن کے موجودہ طریقۂ کار میں بہت سے شرعی مفاسد بھی شامل ہو گئے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ الیکشن سے مسلمانوں کے وسیع تر دینی و ملی مفادات متعلق ہیں، اگر وہ جمہوری نظام میں الیکشن سے بے تعلق ہو جائیں تو اُس سے اُن کو غیر معمولی نقصان پہنچ سکتا ہے، اور اُن کے مفادات پر کاری ضرب لگ سکتی ہے، یہ صورتِ حال نہ صرف غیر مسلم اکثریت ممالک میں ہے؛ بلکہ اکثر مسلمان ملک کی صورتِ حال بھی اِس سے مختلف نہیں ہے۔

ہندوستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، گذشتہ ساٹھ سال کے عرصہ نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ ہمارا جمہوری نظام مستحکم بنیادوں پر قائم ہے، گرد

وپیش کے جتنے مما لک ہیں (جن میں ہمارے ساتھ اور ہمارے بعد آزاد ہونے والے مما لک بھی شامل ہیں) اُن کے یہاں جمہوری نظام کو وہ استحکام حاصل نہ ہوسکا جو ہمارے ملک میں ہے، مشکل حالات میں بھی ہم نے جمہوری طرز فکر پر اپنے بھرپور ایقان کا ثبوت دیا ہے، یہ مستحکم جمہوریت جہاں ملک کے لئے سلامتی کی ضامن ہے، وہیں مذہبی لسانی اور تہذیبی اَقلیتوں کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، یہ جمہوریت کے زیر سایہ انتخابی عمل ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک میں بار بار حکومتیں بدلتی رہتی ہیں؛ لیکن یہ تبدیلی نہایت پر اَمن طریقہ پر کسی تشدد اور بغاوت کے بغیر وجود میں آتی ہے، اور عوام ووٹ کی طاقت سے اپنی ناپسندیدہ حکومتوں کو ہٹا کر پسندیدہ حکومتوں کو لاتے ہیں۔

موضوع کی اَہمیت اور موضوع سے متعلق مذکورہ پس منظر کی روشنی میں چند سوالات عرضِ خدمت ہیں، اُمید ہے کہ کتاب وسنت اور فقہاء سلف کے اجتہادات نیز معاصر اہل علم کی آراء کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں گے:

(۱) ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے، تو اُس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟ ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

(۳) الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت اُمیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۴) غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں اُن اِداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے ویپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے، اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

(۵) جو لوگ قانون سازِ اداروں کے رکن منتخب ہوں، اُنہیں دستور سے وفاداری کا حلف اُٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلافِ شریعت بھی ہوتی ہیں، تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

(۶) بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم اَرکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

(۷) بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں؛ لیکن اُن کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، اُن کی طرف سے انتخاب لڑنا اور اُن کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

(۸) جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور اُن کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے اُس پارٹی میں شریک ہونا ناجائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اُس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو کیا اُس کے لئے اُس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

(۹) ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اَقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جب کہ اُسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کردیتا ہے، اور اُس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اُٹھالیتی ہیں۔

(۱۰) ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہئے؟ کیا اُنہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہئے؟ کیا اُن کے لئے الیکشن میں اُمیدوار بننا جائز ہے؟ کیا وہ قانون ساز اِداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟ اِس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ہندوستان میں تیزی سے یہ رجحان پنپ رہا ہے کہ سیاست میں عورتوں کی حصہ داری کو یقینی بنایا جائے، اِس کے لئے مختلف ریاستوں میں اور مختلف سطحوں پر خواتین کے لئے سیٹیں ریزرو کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ ہندوستان کی بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لئے ریزرو کردی گئی ہیں، اور لوک سبھا سے پارلیمنٹ میں خواتین کے لئے ۳۳/ فیصد ریزرویشن کا بل پیش کیا جاچکا ہے، اور قومی

اُمید ہے کہ یہ قانون کی شکل اختیار رلے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں سیاسی نظام، شریعت کے اُصولوں کے موافق نہیں ہے؛ لہٰذا اگر اِس سیاسی غیر شرعی ڈھانچے کو اِسلامی اُصول کے موافق کرنے کی کوشش کی جائے گی، تو اُس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آئے گا، اور جن جزئیات کو سوال میں اُٹھایا گیا ہے اگر اُن کا حقیقی شرعی حکم واضح کردیا جائے، تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان من حیث القوم اِس نظام سے بالکل الگ ہوجائیں جو دوسرے الفاظ میں سیاسی خودکشی کے مرادف ہوگا؛ اِس لئے اِن سب سوالات کا جواب اُن اُصولوں کی روشنی میں دیا جائے گا جن کو فقہاء نے ایسے مشکل حالات کے لئے وضع فرمایا ہے کہ جب آدمی دو مصیبتوں سے دوچار ہو یا دو مفسدوں کا مقابلہ ہو، تو کمتر مفسدہ کو اختیار کرکے بڑے مفسدہ سے بچا جائے، ہندوستان جیسے ممالک میں سیاسی نظام سے مسلمانوں کا بالکل الگ تھلگ رہنا یہ بڑا مفسدہ ہے، اور بعض ناگوار باتوں کو انگیز کرتے ہوئے توبہ واستغفار کے ساتھ جمہوری نظام میں حصہ لیتے رہنا اُس پہلے مفسدہ کے مقابلے میں کمتر ہے، اِس لئے اس کمتر مفسدہ کو ملی اور قومی مصالح کی بنیاد پر گوارا کرتے ہوئے جہاں تک ہوسکے سیاسی نظام میں حصہ لینے کی کوشش جاری رہنی چاہئے، اور اس میں کسی ایک راستہ کو متعین کرنے کے بجائے تمام متبادل راستوں کو کھلا رکھنا چاہئے، یعنی وقت اور حالات کے اعتبار سے جو فیصلہ مناسب اور جو راستہ کم نقصان دہ ہو، اسے اختیار کیا جائے۔

الضرر یزال. (الأشباہ والنظائر ۳۰۵ مکتبۃ فقیہ الأمۃ دیوبند)

إن الإمر إذا ضاق اتسع و إذا اتسع، ضاق. (الأشباہ ولنظائر ۳۰۴ مکتبۃ فقیہ الأمۃ دیوبند)

الضرورات تبیح المحظورات. (الأشباہ والنظائر ۳۰۷ مکتبۃ فقیہ الأمۃ دیوبند)

لو کان أحدھما أعظم ضررا من الآخر، فإن الأشد یزال بالأخف. (الأشباہ والنظائر ۳۱۵ مکتبۃ فقیہ الأمۃ دیوبند)

إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررًا بارتكاب أخفيهما. (الأشباه والنظائر ۳۱۹ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

ثم الأصل في جنس هٰذه المسائل أن من ابتلى ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء، وإن اختلفا يختار أهونهما؛ لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا للضرورة، ولا ضرورة في حق الزيادة. (الأشباه والنظائر / النوع الأ/ل من الفن الأول في القواعد الكلية ۳۱۹ مكتبة فقيه الأمة ديو بند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۳۴/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موجودہ دور میں ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سوال (۱۰۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ موجودہ دور میں ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اُمیدوار سے اکثر حضرات ناواقف ہوتے ہیں، اور جیسا اُمیدوار ظاہر اور ثابت کرتا ہے اُسی کو وہ صحیح سمجھتے ہیں، جب کہ اکثر اُن کے اَقوال فرضی ہوتے ہیں، اور بعض علماء اُس کو شہادت کہتے ہیں، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فقہی مقالات میں، اور مفتی شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں فرماتے ہیں، اور ایک مقولہ اُن کے تقریباً بالکل متعارض، حضرت فقیہ الامتؒ کا ملفوظاتِ فقیہ الامت قسط اول ص: ۳۴ میں مذکور ہے کہ ووٹ کو شرعی حیثیت حاصل نہیں، برائے کرم دفع تعارض فرمادیں، اور مفصل جواب عنایت فرمادیں عند اللہ ماجور ہوں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ملک ہندوستان میں ووٹ کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک مشورہ کی ہے، یعنی جس آدمی کو ووٹ دینے والا ملک وقوم کے حق میں زیادہ بہتر سمجھتا ہے، اُس کے بارے میں اپنی رائے دیتا ہے، اور عموماً الیکشن میں کھڑے ہونے والے اُمیدوار یا تو

غیر مسلم ہوتے ہیں یا بے عمل مسلمان ہوتے ہیں، اِس لئے اُن کے حق میں رائے دہی کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتی، اور نہ اَز روئے شریعت کسی اُمیدوار کے بارے میں حتمی طور پر تائید کی بات کہی جاسکتی ہے؛ اِس لئے کہ ممکن ہے کہ ایک اُمیدوار کسی شخص کی نظر میں مفید ہو اور دوسرے شخص کی نظر میں مفید نہ ہو، اِسی اعتبار سے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے یہ فرمایا ہے کہ ووٹ کو شرعی حیثیت حاصل نہیں ہے، اور جن علماء نے اِس کو شہادت کے درجہ میں رکھا ہے وہ مسلم ملکوں میں تو کسی حد تک درست ہوسکتا ہے؛ لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں یہ بات علی الاطلاق نہیں کہی جاسکتی۔

(مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱؍۲۷۵، کتاب الفتاویٰ ۶؍۲۷۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸؍۶؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلم سیاسی پارٹی

سوال (۱۰۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب کسی ملک میں جیسے (ہندوستان) اِسلام دشمن سیاسی پارٹیوں کے درمیان معرکہ گرم ہو۔

(۲) جب اہل اِسلام کا سوادِ اَعظم یہ محسوس کرتا ہو کہ اُن پارٹیوں میں سے کوئی بھی مسلمانوں کے لئے مخلص نہیں ہے۔

(۳) نیز ماضی میں کسی کی حکومت بھی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت نہ ہوسکی ہو، تو ایسی صورتِ حال میں مسلمان کس سیاسی پارٹی کو ترجیح دے اور ووٹ جو ایک اَمانت ہے کس کے حق میں ڈالیں اور کیوں؟ کیا ایک نئی مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کا وقت آپہنچا ہے؟ اگر جواب اِثبات میں ہے تو اُس کی نمائندگی صرف علماء ہی کرسکتے ہیں یا کوئی اور بھی؟ اس کی نمائندگی کیسے حضرات کرسکتے ہیں، نمائندگی کرنے پر ثواب ملے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی اِس طرح بکھری

ہوئی ہے کہ ملکی سطح پر خاص مسلم سیاسی پارٹی سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوسکتا، اِس لئے دوسری اقلیتوں اور سیکولر ذہنیت کے اَفراد کو ساتھ لے کر محاذ بنانا چاہئے، اس میں کامیابی کی زیادہ اُمید ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۵/۷/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیاسی پارٹی کی ورکری

سوال (۱۰۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی بھی پارٹی کی ورکری درست ہے یا نہیں؟ نیز اخراجات کے لئے جو روپئے ملتے ہیں اُن کا لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی پارٹی کی ورکری کرنے میں اگر عوام کو نفع ہو، تو درست ہے اور اُس سے ضروری اخراجات بھی لئے جاسکتے ہیں؛ لیکن کسی غلط اُمیدوار کی تائید یا بے جا اِخراجات دکھلا کر اُمیدوار سے زائد رقم وصول کرنا اور اُس کے ساتھ خیانت اور دھوکہ کا معاملہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳۷۵/۹، ۳۶۹/۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۵/۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمانوں کو ووٹ دیں یا غیر مسلم کو؟

سوال (۱۰۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی ایک پارٹی سے دو آدمی (ایک مسلم دوسرا غیر مسلم) کو ٹکٹ ملا، تو اَب مسلمان کس کو اپنا ووٹ دے؟

(۲) اگر ایک پارٹی سے ایک غیر مسلم کو ٹکٹ ملا، تو اَب مسلمان غیر مسلم کو اپنا ووٹ دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ملک میں ووٹ دیتے وقت شخصی کے بجائے قومی مفادات کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جو اُمیدوار خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، عام مسلمانوں کے لئے خیر خواہ معلوم ہوتا ہو، تو اُس کی تائید کرنی چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/۳۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روپیہ لے کر غیر مسلم اُمیدوار کو ووٹ دینا؟

سوال (۱۰۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر چناؤ میں کانگریس کا اُمیدوار مسلمان ہو، قوم وبرادری کا خیر خواہ ہو اور بھاجپا کا اُمیدوار غیر مسلم ہو، اَب اگر کوئی مسلمان بجائے مسلمان اُمیدوار کو ووٹ دینے کے غیر مسلم اُمیدوار سے پیسہ وغیرہ لے کر اُس کو ووٹ دیتا ہے، تو شرعاً ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس اُمیدوار کی حمایت کرنے میں مسلمانوں کے قومی مفادات پر زد پڑتی ہو، اُس کی حمایت کسی طرح جائز نہیں ہے، جو شخص ایسے نقصان دہ اُمیدوار کی تائید کرے اُس کو اپنے فعل سے باز آنا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/۳۶۹) اور روپئے لے کر ووٹ دینا رشوت ہے جو بالکل جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مارکسسٹ کمیونسٹ پارٹی (C.P.M) میں شرکت اور اُس کا تعاون کرنا؟

سوال (۱۰۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک اہم استفتاء اور اُس کا جواب (منجانب امیر شریعت مغربی بنگال حضرت مولانا محمد طاہر صاحب شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ کلکتہ) ارسال خدمت ہے، حضرت والا اپنی اور اپنے مدرسہ کے اساتذۂ کرام ومفتیانِ عظام کی رائے سے جلد مطلع فرمائیں، شکر گذار رہوں گا، جوابی رجسٹری لفافہ منسلک ہے۔ دعواتِ صالحہ کا خواست گار رہوں فراموش نہ فرمائیں۔

مارکسسٹ کمیونسٹ پارٹی (سی پی ایم) جس کی بنیاد دہریت اور لادینیت پر ہے اور جس نے شروع ہی سے مذہب اور دین کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے، تحریراً وتقریراً وعملاً اُس نے زندگی کے ہر شعبوں میں اتباعِ دین وشریعت، مذہبی کتاب کو خدا کا کلام اور نا قابل تنسیخ ماننا، دینی وعظ وتقریر، مسلم پرسنل لاء، مدارس، مکاتب، خالص دینی اداروں کا قیام، مساجد کی تعمیر وغیرہ کو مذموم بنیاد پرستی اور فرقہ پرستی بتلا کر اور آل انڈیا تبلیغی جماعت، جمعیۃ علماء ہند وغیرہ کو اس بنیاد پرستی اور فرقہ پرستی کا سب سے بڑا مجرم اور سرغنہ قرار دے کر اپنے کارکنوں کو اِس قسم کے افراد اور اِداروں کے خلاف للکارا ہے اور ہدایت جاری کی ہے کہ وہ اِس قسم کے اِدارے اور اَفراد سے تعلقات منقطع کر لیں اور دوسروں کو اُس سے قطع تعلق کرائیں، چناں چہ حسبِ ہدایت پارٹی کے لوگوں نے مختلف انداز سے اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ مزید براں وہ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے نام پر بنگال اسمبلی میں ایک بل پاس کرنے جا رہی ہے جس کا مقصد ضبط تولید نکاح، نابالغان پر پابندی، عمر کا تعین بتلایا گیا ہے، اور یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اِس بل کے سلسلہ میں کسی بھی مذہب اور رواج کی پروانہیں کی جائے گی، اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق شادی ہو، اگر رجسٹرڈ نہیں تو ناقابل تسلیم اور موجبِ سزا اور اُس کے برخلاف کتنے ہی غیر شرعی طریقہ پر شادی ہو، اگر وہ رجسٹرڈ ہے تو واجب التسلیم، اِن حالات میں تحفظ دین وایمان کی خاطر مسلمانوں کو ایسی جماعتوں اور اس قسم کے افراد کے ساتھ کیا رویہ اور سلوک ہونا چاہئے؟

اِن اُصول اور نظریات سے اتفاق کرنا، اُن کا ممبر بننا، اُن کا تعاون کرنا، اُن کے مشن کو فروغ دینا، اُن کی ہدایت پر عمل کرنا، اُن سے باہمی راہ ورسم اور دوستانہ تعلق قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا

نہیں؟ اِس کے باوجود جو مسلمان اُن کے ممبر بنتے ہیں اور حکم شرع کے خلاف پارٹی کے حکم پر عمل کرتے ہیں، اُن کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اُس پارٹی کے جو ممبر اپنے کو مسلمان کہلاتے ہیں، کیا وہ حقیقت میں مسلمان ہیں؟

[جواب: حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ جامعہ مدنیہ دم دم کلکتہ]

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی جماعت اور پارٹی کے اُصول ونظریات سے اتفاق کرنا، اُن کا ممبر بننا، اُن کا کسی بھی قسم کا تعاون کرنا، اُن کی ہدایات پر عمل کرنا، اُن سے باہمی ربط وضبط مراسم اور دوستانہ تعلق کرنا قطعاً حرام ہے؛ بلکہ کفر ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ الخ [المائدۃ:] جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں مانتے، جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم دین کی بعض باتیں تو مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے اور ایک درمیانی راستہ پر چلنا چاہتے ہیں وہ پکے کافر ہیں۔

اِسی طرح سورۂ نساء میں اللہ کا اعلان ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ الخ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو کوئی شخص بلا تردد تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں جو مارکسسٹ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں؛ بلکہ بظاہر نماز وروزہ بھی کرلیتے ہیں، مگر مارکسزم پر ایمان رکھتے ہیں، اُس کے اُصول ونظریات سے متفق ہیں اُس کے ممبر اور رکن بنتے ہیں، اِسلام کی باتوں کے مقابلہ میں مارکس اور پارٹی کی باتوں کو صحیح سمجھتے ہیں، وہ صرف یہی نہیں کہ حرام کے مرتکب ہوتے ہیں؛ بلکہ وہ مؤمن اور مسلمان ہی نہیں، اِس لئے اُن کے ساتھ مسلمانوں کی طرح برتاؤ کرنا، رشتہ ناطہ، شادی بیاہ وغیرہ جائز نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ الخ [النساء:] جب تم لوگوں کو اللہ کی آیات کا انکار کرتے اور مذاق اُڑاتے دیکھو تو اُن کے ساتھ ہرگز مت بیٹھو، جب تک

کہ وہ یہ انکار، مذاق اور تمسخر چھوڑ نہ دیں، پھر بھی اگر تم ان کے ساتھ اُٹھے بیٹھے، تو تم بھی اُنہیں جیسے ہوجاؤ گے۔ (منافق ہوجاؤ گے) اور اللہ تعالیٰ منافق اور کافروں کو جہنم میں اِکٹھا اور جمع کرے گا۔

اِسی طریقہ سے سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب تم لوگوں کو اللہ کی آیات میں جھگڑتے، طعن اور تمسخر کرتے دیکھو تو اُن سے کنارہ کشی اختیار کرو، اور بھول ہوجائے تو یاد آجانے کے بعد فوراً علیحدگی اور دوری اختیار کرو۔ اِسی طریقہ سے سورۂ مائدہ میں اللہ کا حکم ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰیٰ اَوْلِیَآءَ﴾ اے ایمان والو! جو اہل کتاب اور کفار تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشہ بناتے ہیں اُنہیں دوست نہ بناؤ۔

سورۂ ممتحنہ میں ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ﴾ اے ایمان والو! تم میرے اور تمہارے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لا طاعة لمخلوقٍ في معصية الخالق''. کسی مخلوق کے کہنے پر اللہ کی نافرمانی نہیں کی جاسکتی، جائز نہیں۔ (مشكاة المصابيح ۳۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی کتبِ حدیث میں مشہور وموجود ہے، ظالم امراء کے پاس جو جائے گا، اُس کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا، اُن کے مظالم میں تعاون کرے گا، وہ میرا نہیں ہے اور نہ میں اُس کا ہوں، اُس سے میرا کسی قسم کا تعلق نہیں۔ سيكون بعدي أمراء ألیٰ آخر الحديث. (مشكاة المصابيح)

اللہ تعالیٰ کا صاف حکم ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ﴾ تم گناہ اور ظلم کی باتوں میں ہرگز ہرگز تعاون نہ کرو۔

اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ﴾ ظالموں کی طرف جھکاؤ بھی موجب عذابِ خداوندی اور موجب جہنم ہے۔

کتبہ: العبد الحقیر محمد طاہر غفرلہٗ خادم الحدیث النبویۃ
فی الجامعۃ الاسلامیۃ المدنیۃ مدنی نگر کلکتہ ۵۱

[جواب از: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد]

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں دو طرح کی کمیونسٹ پارٹیاں مشہور ہیں: ایک ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی (سی پی آئی) دوسرے مارکسوادی کمیونسٹ پارٹی (سی پی ایم) ہماری معلومات کے مطابق اُن میں اول الذکر پارٹی کی حیثیت محض سیاسی ہے، اور اُس کی ممبری کے لئے کمیونزم کے عقائد اختیار کرنا لازم نہیں ہے، اور ثانی الذکر جماعت یعنی سی پی ایم صرف ایک سیاسی جماعت ہی نہیں؛ بلکہ تحریک الحاد وزندقہ کا عنوان ہے، اور اِس پارٹی کے مستقل ممبروں کو اُس کے بانیوں - کارل مارکس لینن وغیرہ - کے باطل اور خلافِ شریعت عقائد کو تسلیم کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے؛ لہٰذا جو شخص محض سیاسی پارٹی سمجھ کر نہیں؛ بلکہ اُس کے مذموم مقاصد اور باطل وملحدانہ عقائد اختیار کرتے ہوئے سی پی ایم کا ممبر بنے، تو وہ حرم اسلام میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اور غالباً ہم رشتہ فتویٰ کا مصداق بھی یہی صورت ہے، ورنہ محض سیاسی پارٹی کی حیثیت سے کسی جماعت میں شریک ہونا موجبِ کفر نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ وفي الكشاف: والنهي تناول للانحطاط في هواهم والانقطاع إليهم ومصاحبتهم ومجالستهم وزيارتهم ومداهنتهم والرضا بأعمالهم والتشبه بهم والتزئ بزيهم ومد العين إلىٰ زهرتهم وذكرهم بما فيه تعظيم لهم. (تفسير الكشاف ۹۵/۲)

وقال في الدر: الداعي إلى الإلحاد والإباحيُ كالزنديق. وفي الشامي: والإباحي أي الذي يعتقد إباحة المحرمات وهو معتقد الزنادقة، ففي فتاویٰ قاري الهداية: الزنديق هو الذي يقول: ببقاء الدهر ويعتقد أن الأموال والحُرُم مشتركة. (شامي ۳۴۳/۴ كراچی، ۳۸۵/۶ زكريا)

علاوہ اَزیں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر اُس جماعت اور تنظیم سے علیحدگی اختیار

کرلیں جس کے بنیادی مقاصد اِسلام اور مسلمانوں کے حق میں مضر ہوں اور مداخلت فی الدین کی جوسازشیں رچائی جارہی ہیں، خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہوں، اُن کا پامردی کے ساتھ دفاع کریں اور اِس راہ میں زیادہ سے زیادہ اپنی دینی حمیت اور ملی غیرت کا ثبوت دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۴/۲۱ھ

کمیونسٹ پارٹی وغیرہ کو ووٹ دینا کیسا ہے؟

سوال (۱۰٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں بہت سی پارٹیاں ہیں، جن کے سرکردہ کفار ہیں، خواہ کانگریس ہو یا سی پی ایم، بی جے پی، جنتا پارٹی، یا سی پی آئی، اِن میں سے کسی پارٹی کو ووٹ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہم مغربی بنگال کے رہنے والے ہیں، سی پی ایم، سی پی آئی وغیرہ متحدہ پارٹیوں کی حکومت کے ماتحت ہیں، خدا کے فضل سے اَمن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہیں، دینی اُمور میں رکاوٹ نہیں ہے، دو صوبوں میں فرقہ وارانہ فساد ہے، گائے ذبح کرنا قانوناً منع ہے؛ لیکن یہاں وہ سب نہیں ہے، اِس پارٹی کے ایک شریک نے بعض جگہ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپئے مسلمانوں کے مقبرہ کیلئے خرچ کر کے محفوظ کردئے، بعض مولوی فتویٰ دیتے ہیں کہ سی پی ایم کی سرکار کو ووٹ دینا ناجائز ہے، یعنی اِس بنا پر اپنی بیوی کو اس پارٹی کو ووٹ دینے کی وجہ سے طلاق طلاق دے دی، اِس لئے بہت ضروری ہے کہ اِس کشمکش اور تردد کو رفع کیا جائے؛ لہٰذا مہربانی فرما کر جواز اور عدم جواز جو بھی شرعی حکم ہو تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیونسٹ پارٹی کو ووٹ دینے کی بنیاد اگر یہ ہو کہ اُس پارٹی کے بانیوں کے ملحدانہ نظریات کی حمایت کی جائے تو ظاہر ہے کہ ایسی پارٹی کو ووٹ دینا جائز نہ ہوگا؛ لیکن محض سیاسی صورتِ حال کو دیکھ کر چند اُمیدواروں میں سے مسلمانوں کے لئے جو اُمیدوار کسی درجہ میں فائدہ مند یا کم نقصان دہ ہو، اُس کا انتخاب کرنا ضرورۃً جائز ہے، اگرچہ وہ اُمیدوار

کمیونسٹ پارٹی کا کیوں نہ ہو، اِس لئے علی الاطلاق سی پی ایم کے اُمیدوار کو ووٹ دینے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۲/۲۹۴، فتاویٰ محمودیہ ۴/۴۱۸ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۶/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شنکھ کے اِنتخابی نشان پر مہر لگانا؟

سوال (۱۰۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اُڑیسہ کی علاقائی پارٹی بیجو جنتا دل کے نام سے ہے، جس کا نشان ''شنکھ'' ہے اور یہ پارٹی این ڈی اے (بی جے پی) کی اتحادی پارٹی ہے، مسلمان بھی بیجو جنتا دل سے تعلق رکھتے ہیں، اِسی بنا پر شنکھ کے نشان پر ووٹ بھی دئے ہیں، کچھ لوگوں نے فتویٰ دیا ہے کہ شنکھ ہندو مذہب کی پہچان ہے، جن مسلمانوں نے اِس نشان پر ووٹ دیا ہے وہ مسلمان اسلام وایمان سے خارج ہوگئے۔ بعض لوگ سلام سے بھی رک گئے ہیں، تو کیا اِس نشان پر ووٹ دینے سے اسلام اور ایمان سے خارج ہو جائیں گے؟ از روئے شرع شنکھ کے نشان پر ووٹ دینے والوں پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

جن لوگوں نے اِسلام واِیمان سے نکل جانے کا فتویٰ دیا ہے نہ تو وہ علماء ہیں نہ مفتیانِ کرام؟ اُن پر شرع حکم کیا عائد ہوتا ہے؟

نوٹ: - اِسلام ایمان سے خارج ہونے کے کتنے اَقسام ہیں اور کن کن وجوہات پر ایمان جاتا ہے؟ اِس کی بھی وضاحت فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں کسی سیاسی پارٹی سے وابستگی یا اُس کے کسی نشان پر ووٹ دینا اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ووٹ دینے والے کے مذہبی عقائد بھی اُس پارٹی کے لوگوں کے عین موافق ہوں؛ بلکہ یہاں اپنے دنیوی مفادات یا ذاتی اغراض کے لئے پارٹیوں کا ساتھ دیا جاتا ہے؛ اِس لئے محض کسی پارٹی کا ساتھ دینے کی وجہ سے کسی شخص پر خارج از

اسلام ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اور مسئولہ صورت میں شنکھ کے چناؤ نشان پر ووٹ دینا شنکھ کی تعظیم پر دال نہیں ہے؛ بلکہ یہ محض ایک پارٹی کی تائید کرنے کی علامت ہے، اِس لئے اُسے موجب کفر نہیں کہا جاسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۱۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۴/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خواتین کا چناؤ لڑنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

سوال (۱۰۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومت بہار نے پنچایت چناؤ میں خواتین کے لئے پچاس فیصد سیٹ مخصوص کردی ہیں، جس کی وجہ سے مسلم خواتین بھی مردوں کے شانہ بشانہ چناؤ لڑرہی ہیں، کیا خواتین کا اِس طرح چناؤ کے میدان میں آنا قرآن وحدیث کی رو سے درست ہے؟ نیز جس جامع مسجد وعیدگاہ میں نماز جمعہ وعیدین اَدا کرتا ہوں، اُس کے امام صاحب کی شریکِ حیات بھی گرام پنچایت سے مکھیا عہدہ کے لئے چناؤ لڑرہی ہے، کیا اِمام صاحب کے لئے یہ درست ہے، اور اُن کی اقتداء میں نماز جمعہ وعیدین اَدا کرنا صحیح ہے؟ اور اُن کا امام بنے رہنا قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِسلام میں عورت کے لئے بے پردگی اور اَجنبی مردوں سے بے محابا اختلاط جائز نہیں ہے، اگر شرعی حدود کی مکمل پابندی کرتے ہوئے ممبر بننے کی صورت ہو، تو مسلمانوں کے مفاد کی خاطر عورت کے لئے اُمیدوار بننے کی گنجائش ہے، اور اگر شرعی حدود کی حفاظت و پاس داری نہ ہوسکے، تو اِس کی اِجازت نہ ہوگی، پس اگر مذکورہ اِمام کی بیوی شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے چناؤ میں شرکت کررہی ہے، تو اُن کی اِمامت اور اقتداء بلاکراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۹۱، کفایت المفتی ۶/۹ ۴۵-۱۷۳، دعوتِ فکر وعمل ۳۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا الیکشن میں کھڑا ہونا؟

سوال (۱۰۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض اِنتخابی حلقوں کو حکومتِ ہند نے صرف خواتین کے لئے خاص کردیا ہے، جب کہ پردھانی، ممبری، نیز چیئر مینی کی حد تک تمام اُمور کی ذمہ داری مرد ہی انجام دیتے ہیں، خواتین کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی، اُن کے صرف نام ودستخط ہی استعمال ہوتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں اُن خواتین کا انتخاب میں حصہ لینا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے بے پردگی کسی حال میں جائز نہیں ہے، مگر قومی وملی ضرورت کے لئے مجبوراً اگر اُن کو پردھانی یا چیئر مینی کے لئے نامزد کیا جائے، تو لازم ہے کہ وہ پردہ کی پابند رہیں، اَجنبی مردوں کے ساتھ میل جول نہ رکھیں، اگر اِن باتوں کی رعایت نہیں رکھی جائے گی تو وہ گنہگار رہوں گی۔

إذا كان خارج الصلوة يجب الستر بحضرة الناس اجماعًا، وفي الخلوة على الصحيح. (شامي ۷۵/۲ زكريا)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال، لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة (الدر المختار) والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة. (الدر المختار مع الشامي ۷۹/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت اور الیکشن؟

سوال (۱۰۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورتوں کو الیکشن میں کھڑا ہونا اور اُن کو ووٹ دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے شرعی پردے کا التزام بہرحال ضروری ہے، اور خواتین کے لئے بے پردگی اور بے حجابی کسی حال میں جائز نہیں ہے، اَب اگر الیکشن میں شرعی حجاب کی پابندی کے ساتھ اُمیدوار بنے کہ اُس کی طرف سے سب کام اُس کا کوئی محرم یا شوہر اَنجام دے، اور وہ خود کسی اَجنبی کے سامنے نہ آئے، تو اُس کے اُمیدوار بننے کی گنجائش ہوسکتی ہے، ورنہ نہیں؛ لیکن اگر کوئی عورت الیکشن میں کھڑی ہوجائے تو ووٹ دینے والوں کو یہ دیکھنا چاہئے کہ قومی وملکی اعتبار سے کس کو ووٹ دینا مناسب ہوگا؟ اُن کی نظر میں جو اُمیدوار زیادہ بہتر ہو تو ''اہون البلیتین'' اختیار کرتے ہوئے اُسے ووٹ دینے کی اجازت ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۹۱-۹۳، کفایت المفتی ۹/۶ ۴۵، دعوتِ فکر وعمل ۳۷۰-۳۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۲۲/۷/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا اَلیکشن میں اُمیدوار بننا؟

سوال (۱۰۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومتِ بہار نے مکھیا، سرپنچ پنچایت سمیتی اور وارڈ نمبر کے عہدے کو پچاس فیصد عورتوں کے لئے خاص کردیا ہے، مرد اُمیدوار کی حیثیت سے کھڑا نہیں ہوسکتا، کچھ علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت کی بنا پر وہاں کا مکھیا سرپنچ مسلمان ہی ہمیشہ سے بنتا چلا آرہا ہے۔ اَب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں مسلمان عورت ووٹ کے لئے کھڑی ہوسکتی ہے، اگر کھڑی نہیں ہوتی ہے تو یہ عہدہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا، ایک تو ویسے ہی مسلمان حکومت کی نظر میں بے حیثیت ہے، اَب اگر مکھیا سرپنچ بھی مسلمان نہ ہوگا تو وہ اور بے حیثیت بن جائے گا، اِدھر شریعت کا حکم یہ ہے کہ عورت بلاضرورت گھر سے نہ نکلے؛ لہٰذا ملکی حالات اور شریعت دونوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مدلل جواب عنایت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِسلام کی نظر میں کسی عورت کے لئے بے پردگی اور اَجنبی مردوں کے ساتھ بے محابا اختلاط ہرگز جائز نہیں، اگر شرعی حدود کی مکمل پابندی کے ساتھ ممبر وغیرہ بننے کی صورت ہو، تو ملکی تقاضے اور مسلمانوں کے مفاد کے خاطر عورت کے لئے اُمیدوار بننے کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور اگر شرعی حدود کی پاس داری نہ ہوسکے تو گنجائش نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۹۱، کفایت المفتی ۹/۴۵۶-۳۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۳/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا ریزرویشن بل سے فائدہ اٹھا کر مخصوص سیٹوں کا انتخاب لڑنا؟

سوال (۱۰۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج حکومت بہت سے شعبوں میں زیر رویشن دیتی ہے، جیسے مکھیا، سرپنچ وغیرہ ہیں، اِس میں بعض علاقہ کو عورتوں کے لئے خاص کردیتی ہے، تو اِن حالات میں مسلمان عورتوں کو انتخاب لڑنا درست ہے؟ جب کہ بے پردگی ہر حال میں ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کا بے پردہ رہنا کسی حال میں جائز نہیں، دوسری طرف اگر خواتین کے لئے مخصوص سیٹوں پر مسلم عورتیں اُمیدوار ہی نہ بنیں، تو ایسی صورت میں حکومت کی سیٹوں میں مسلم نمائندگی مفقود ہونے کی وجہ سے قومی وملی نقصان کا اندیشہ؛ بلکہ یقین ہے۔ بریں بنا ''اَھون البلیتین'' کو اختیار کرتے ہوئے مسلم عورتوں کو شرعی حدود میں رہ کر ایسی سیٹوں میں انتخاب میں حصہ لینے کی گنجائش دی جائے گی، اور اُن پر لازم ہوگا کہ انتخاب سے پہلے اور انتخاب کے بعد ممکن حد تک شرعی پابندیوں کا لحاظ رکھیں، اگر نہیں رکھیں گی تو گنہگار ہوں گی۔ (مستفاد: دعوتِ فکر وعمل ۳۷۱)

إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررًا بإرتكاب أخفهما – إلىٰ قوله – من ابتلى ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء، وإن اختلفا يختار أهونهما. (الأشباه والنظائر ١٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا الیکشن میں وارڈ ممبر کے لئے کھڑا ہونا؟

سوال (۱۰۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں جھارکھنڈ سرکار نے پنچایتی چناؤ میں وارڈ ممبر کے لئے بعض سیٹیں عورت کے لئے مخصوص کردی ہیں، تو ایسی صورت میں اگر کوئی مسلمان عورت وارڈ ممبر کے لئے کھڑی نہ ہوتو مسلمان اپنے حق سے محروم رہیں گے، چوں کہ غیر مسلم کی تعداد زیادہ ہے، تو کیا ایسی صورت میں ایک مسلمان عورت اپنے حق کے حصول کے لئے الیکشن میں وارڈ ممبر بننے کیلئے کھڑی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر مسلمان عورت پر پردہ کی پابندی ضروری ہے، اِسی طرح اَجنبی مردوں سے اجتناب بھی لازم ہے، اگر اِن شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی عورت پنچایت وغیرہ کی ممبر بنتی ہے، تو اُس کی شرعاً گنجائش ہے اور اگر اِن شرعی حدود کی رعایت نہ رکھی جائے تو ظاہر ہے کہ گناہ ہوگا؛ اِس لئے کسی بھی باپردہ مسلم خاتون کو اِس طرح کی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لینا چاہئے؛ البتہ جو خواتین پہلے ہی سے عام زندگی میں شریعت کے احکامات کا خیال نہیں رکھتیں اور بلا حجاب بے تکلف گھر سے باہر آمد ورفت کرتی رہتی ہیں، وہ اگر اس قومی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے آئیں تو بہتر ہوگا؛ لیکن وہ ترکِ حجاب کی وجہ سے گنہگار بہرحال رہیں گی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ [النور، جزء آیت: ۳۱]

قال النووي: وسببه الصيانة والإحتراز من مقارنة النساء للرجال من غير حاجة. (شرح النووي على صحيح مسلم ۲۹۰/۱)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلىٰ﴾

[الاحزاب، جزء آیت: ۳۳]

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذي آخر أبواب النكاح ۲۲۲/۱ رقم: ۱۱۷۳، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۳۳۷/۹ رقم: ٥٤٦٨ ط: الرسالة، مسند البزار البحر الزخار ٤٢٧/٥ رقم: ٢٠٦١)

وزاد فيه: وأقرب ما تكون من ربها وهي في قعر بيتها. (صحيح ابن خزيمة ٨١٤/٢ رقم: ١٩٨٦)

المرأة إذا جعلت قاضيا فقضاء ها جائز في ما تجوز شهادتها فيه. (شرح آداب القاضي للخصاف ٣١٧)

المرأة فيما تصلح شاهدة تصلح قاضية. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٣/١١ رقم: ١٥٣٩٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۵/ ۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کو ٹرسٹ کا ممبر بنانا؟

سوال (۱۰۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرحوم کی زوجہ لا ولد اور دو خاتون میراث کی وارثین میں ہیں، جن کو شرعی طور پر مرحوم کی میراث ملی، اُنہوں نے اپنا پورا حصہ قوم وملت کی دینی درس گاہ قائم کرنے کے لئے وقف کر دیا، جس کو ایک ٹرسٹ کے تحت چلانے کا اِرادہ ہے، ایک شخص نے زوجۂ مرحوم کو ٹرسٹ میں شامل کرنے

کی پرزور سفارش کی، اور ممکن ہے کہ اُن کا نام ٹرسٹ میں شامل کیا جائے، جو گذشتہ پچیس سال سے ایک انگریزی اسکول کی ذمہ دار ہیں، اور اَب وہ دینی خدمات بھی انجام دینا چاہتی ہیں، ایک شخص کا خاتون کو ٹرسٹ میں شامل کرنے کی سفارش کرنا اور خاتون کا شریک ہونا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہٖ عورت کا مشیر کی حیثیت سے ٹرسٹ وغیرہ کا ممبر بننا شرعاً منع نہیں ہے، عورت شرعی حدود یعنی پردہ وغیرہ کی پابندی کے ساتھ ٹرسٹ کے معاملات میں مشورہ اور رائے دے سکتی ہے؛ البتہ بے حجابی اور اَجنبی لوگوں کے ساتھ اختلاط عورت کے لئے بہرحال منع ہے، اِس سے بچنا چاہئے۔

المرأة إذا جعلت قاضيًا فقضاء ها جائز في ما تجوز شهادتها فيه. (شرح أدب القاضي للخصاف ٣١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ووٹ دینے کی شرط پر اُمیدوار کا مسجد میں تعاون کرنا؟

سوال (۱۰۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری بستی کے اندر تین لوگ پردھانی کا الیکشن لڑرہے ہیں، اور کچھ خرچ ہورہا ہے، بستی کے اندر دو مسجدوں کی تعمیر بھی جاری ہے، جن کا لینٹر بھی باقی ہے، بستی والوں کا کہنا ہے کہ کھانے کا خرچ نہ کرکے جو آدمی مسجدوں کا لینٹر ڈلوائے گا، وہی گاؤں کا پردھان ہوگا، یہ بات سن کر پردھانی کے لئے اور لوگ بھی تیار ہوگئے کہ یہ خرچ ہم اٹھائیں گے، پردھان ہم کو چنو، کسی نے کہا کہ دس لاکھ روپئے مجھ سے لے لو اور پردھان مجھ کو چنو، اور کسی نے کہا کہ دونوں مسجدوں کے اندر لینٹر اور اوپر نیچے پتھر کا جو خرچ ہوگا وہ مجھ سے لے لو اور پردھان مجھ کو بنادو۔ تو مذکورہ صورت میں ووٹنگ نہ کرکے صرف پیسوں کی بنیاد پر یا لینٹر اور پتھر کے لالچ میں آکر بستی والوں کا کسی ایک آدمی کو

پردھانی کے لئے منتخب کرنا درست ہے؟ اور ملی ہوئی رقم رشوت تو نہیں؟ یا کوئی صورت اس رقم کو مسجد میں لگانے کی ہو تو قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پردھان بنانے کی شرط پر جو روپیہ مسجد میں دیا جائے گا وہ رشوت میں شامل ہو کر ناجائز ہوگا، اس لئے اِس عنوان سے کوئی پیسہ کسی شخص سے نہ لیا جائے اور مسجدوں کو سیاسی محاذ آرائی سے پوری طرح دور رکھا جائے، اور پردھان ایسے شخص کو بنانا چاہئے جو خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، اور امانت ودیانت سے متصف ہو، اِس لئے محض مسجد میں چندہ کو بنیاد بنانا صحیح نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أيها الناس! إن اللّٰه عز وجل طيب لا يقبل إلا طيبًا، وإن الله عز وجل أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ [المومنون، جزء آيت: ٥١] (شعب الإيمان ٢/٥٥ رقم: ١١٥٩)

وفي البرجندي: الرشوة مال يعطيه بشرط أن يعينه والذي يعطيه بلا شرط فهو هدية، كذا في فتاویٰ قاضي خان. (قواعد الفقه ص: ٣٠٧)

قال الفيومي: الرشوة ما يعطيه الشخص للحاكم أو غيره ليحكم له أو يحمله على ما يريد. (الموسوعة الفقهية ٢٢/٢١٩)

الرشوة: ما يعطى من المال ونحوه لإبطال حق أو لإحقاق باطل. (معجم لغة الفقهاء ص: ٢٢٣)

ويحرم طلب الرشوة وبذلها وقبولها كما يحرم عمل الوسيط بين الراشي والمرتشي. (الموسوعة الفقهية ٢٢/٢٢٢ كويت)

قال أبو موسیٰؓ: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لن نستعمل أو لا نستعمل على عملنا من أراده. (سنن أبي داؤد ٢/٥٠٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/۱/۱۴۳۷ھ

حقوقِ شہریت سے متعلق مسائل

اسلامک فقہی اکیڈمی کے ۲۳؍ویں فقہی سیمینار کے موقع پر منعقدہ جامعہ اسلامیہ جمبوسر گجرات میں ''شہریت سے متعلق بعض مسائل'' کے موضوع پر حضرت الاستاذ نے درج ذیل تحقیقی جوابات تحریر فرمائے تھے، جو قارئین کے اِفادہ کے لئے درج ذیل ہیں۔ (مرتب)

سوال (۱۰۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گذشتہ اَدوار میں کسی ملک میں بسنے کے لئے قانونی طور پر شہریت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، جب عالم اسلام ایک جھنڈے کے نیچے تھا تب تو یہ صورتِ حال تھی، جب مختلف مسلم مملکتیں موجود میں آگئیں، اس وقت بھی یہی صورتِ حال باقی رہی، غیر مسلم حضرات بھی مسلم ممالک میں اسی طرح آباد ہوسکتے تھے؛ البتہ جب ایک ملک میں بسنے والا وقتی ضرورت اور عارضی قیام کے لئے دوسرے ملک میں جاتا تو اسے امان حاصل کرنی پڑتی اور تجارتی مقاصد کے تحت جاتا تو ٹیکس ادا کرنا ہوتا؛ لیکن موجودہ دور میں قومی عصبیتوں اور علاقہ ووطن کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم کے مغربی تصور کے تحت ایک ملک کا رہنے والا یونہی نہ تو دوسرے ملک میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ وہاں آباد ہوسکتا ہے، یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اس معاملہ میں مغربی ملکوں سے زیادہ دل ونگاہ کی تنگی مسلم ملکوں میں پائی جاتی ہے۔

دوسری طرف عصر حاضر میں معاشی مقاصد، سیاسی حالات، تہذیبی مماثلت اور موسم کی موافقت وعدم موافقت کی وجہ سے نقل آبادی کا سلسلہ جاری ہے، اس پس منظر میں یہ مسئلہ جسے حق شہریت حاصل کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، بڑی اہمیت اختیار کرگیا ہے، اب یہ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور اقوام متحدہ نے اس سلسلہ میں کئی اہم فیصلے کئے ہیں۔

اِس پس منظر میں شرعی نقطۂ نظر سے چند سوالات آپ کی تحقیق وتوجہ کے طالب ہیں:

(۱) اسلام میں شہریت حاصل ہونے یا حاصل کرنے کے لئے کس بات کو بنیاد بنایا جاسکتا

ہے: کسی ملک میں بود و باش اختیار کر لینے کو، وہاں معاشی سرگرمیاں انجام دینے کو، ایک مخصوص مدت تک وہاں قیام کو، یا کسی اور بات کو؟

(۲) اگر ایک مسلم یا غیر مسلم ملک میں بسنے والا مسلمان اپنی کسی مجبوری یا خواہش کی وجہ سے دوسرے مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا چاہے تو اس دوسرے مسلم ملک پر اس کی درخواست کو قبول کرنا شرعاً ضروری ہوگا یا نہیں؟

(۳) بعض دفعہ کسی خاص خطہ میں مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں اور وہاں کے مسلمان کسی اور مسلم ملک کی پناہ لیتے ہیں تو انہیں پناہ گزیں کا درجہ دیا جاتا ہے؛ لیکن انہیں شہری تسلیم نہیں کیا جاتا، کیا یہ بات شرعاً درست ہے؟ کیا یہ بات جائز مانی جاسکتی ہے کہ مسلمان تارکین وطن کو دوسرے مسلمان ملک میں اس ملک کے قدیم باشندوں کی طرح ایک شہری ہونے کی سہولتیں نہیں دی جائیں؟

(۴) اسلامی نقطۂ نظر سے شہریت کے کیا حقوق مانے جائیں گے؟ جیسے: ووٹ دینے کا حق، انتخاب میں اُمیدوار ہونے کا حق، سرکاری اداروں میں ملازمت کا حق، سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم کا حق، سرکاری ہسپتالوں میں علاج کا حق، روزگار کا حق، عدالتی چارہ جوئی کا حق، معاشی تگ ودو کا حق، انصاف حاصل کرنے کا حق، ایک مقام سے دوسرے مقام پر کسی پیشگی اجازت کے بغیر آمدورفت کا حق، وغیرہ۔

(۵) شریعتِ اسلامی میں پناہ گزینوں کو کیا حقوق حاصل ہوں گے، نیز کون سے حقوق شہریوں کو حاصل ہوں گے اور ان کو حاصل نہیں ہوں گے؟

(۶) کیا کسی مسلمان کے لئے ضرورت ومجبوری کی بنا پر یا محض معاشی فوائد کی غرض سے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی اجازت ہوگی؟

(۷) کیا مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو مستقل شہری کی حیثیت سے آباد کرنا درست ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ دور میں شہریت کا معاملہ مذہبی سے زیادہ سیاسی

بن گیا ہے، اور یہ بھی دراصل دنیا کی بالادست طاقتوں کے بچھائے ہوئے جالوں میں سے ایک جال ہے؛ تاکہ اُن کے برپا کردہ نظام کو پورے عالم میں نافذ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، اور اِنسانوں کی نقل وحرکت پر اُن کی بھرپور نظر رہے، ورنہ اِسلامی نقطۂ نظر سے غیر اسلامی ملکوں کے غیر مسلم شہریوں کے لئے تو اِسلامی ملک میں آنے اور بود وباش اختیار کرنے کے لئے اِجازت شہریت وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن مسلم یا غیر مسلم ملکوں کے مسلمان شہریوں کے لئے کسی مسلم ملک میں رہائش شرعاً ممنوع نہیں ہے، اور اُس کے لئے کسی اجازت کی بھی شرعاً ضرورت نہیں ہے۔

البتہ چوں کہ اِس وقت ساری دنیا اَقوامِ متحدہ کے بنائے ہوئے چارٹر اور منشور سے متفق ہوکر گویا ایک معاہدہ کی پابند ہوچکی ہے، اِس معاہدہ میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی بھی ملک کا شہری دوسرے ملک میں ویزے کے بغیر نہ تو داخل ہوسکتا ہے اور نہ رہائش اختیار کرسکتا ہے، اور اِس میں مسلم اور غیر مسلم ملکوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اَقوامِ متحدہ سے جڑے ہوئے سبھی ممالک اِس کے پابند ہیں، تو جب تک یہ معاہدہ باقی ہے اُس کے موافق عمل کرنا شریعت کے خلاف نہیں ہے، اِس کی تائید صلح حدیبیہ کے واقعہ سے ہوتی ہے، جس میں یہ شرط لگادی گئی تھی کہ مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ جائے گا تو اُس کو وہاں رہنے نہیں دیا جائے گا، چناں چہ جب حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں واپس فرمادیا۔

ثم رجع إلی المدینة، فجاء أبوبصیر رجل من قریش، فأرسلوا في طلبه، فدفعه إلی الرجلین فخرجا به. (بذل المجهود ۹/۴۹۲-۴۹۳ بیروت)

فقال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: أکتب هٰذا ما قاضی علیه محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقص الخبر، فقال سهیل: وعلی أنه لا یأتیک منا رجل وإن کان علی دینک إلا رددته إلینا، فأنکر المسلمون علی هٰذا الشرط، فجاء أبوجندل بن سهیل بن عمرو فوقع الإصرار والإنکار في رده؛ لکن ردَّه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. (بذل المجهود ۹/۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳ بیروت)

وكـان فيـمـا اشتـرط سهيـل بن عمرو أنه قال: لا يأتيك منا أحد وإن كان علـى ديـنك إلا رددتـه إلينا وخلَّيت بيننا وبينه وأبى سهيل أن يقاضى رسول اللّٰه صـلـى الـلّٰـه عليه وسلم إلا على ذٰلك، فكره المؤمنون ذٰلك وامتعضوا فتكلموا فيـه، فلـمـا أبى سهيل أن يقاضى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلا على ذٰلك كاتبه رسول اللّٰه، فرد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أبا جندل بن سهيل بن عمرو إلى أبيه سهيـل بـن عمرو ولم يأت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أحدٌ من الرجال إلا ردَّه في تلك المدة وإن كان مسلمًا. (صحيح البخاري ۲/۱ ٦٠ رقم: ٤٠٨٢، فتح الباري رقم: ٤١٨١)

اس تمہید کی روشنی میں متعلقہ سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

جواب(۱): -شہریت دینے کا اختیار حکومت کو ہے، وہ اپنی مصلحت دیکھ کر جس کو چاہے شہریت دے جس کو چاہے انکار کردے، اوروہ اپنے طور پر اس کیلئے جو مناسب سمجھے، معیار بناسکتی ہے۔

الـمستـفـاد: يـجـب أن يـعـلـم بـأن الأمان كما يجوز مرسلاً يجوز معلقاً بالشرط. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٧/٧ رقم: ٩٩٧١ زكريا)

ولـلإمـام أن يؤقت في ذٰلك ما دون السنة كالشهر والشهرين. (الهداية مع فتح القدير ٢٢/٦)

جواب(۲): -کوئی بھی مسلمان کسی مسلم ملک میں شہریت اختیار کرنے کی کوشش کرسکتا ہے؛ لیکن اُس مسلم ملک پر اُس کی درخواست قبول کرنا اَقوامِ متحدہ کے منشور کے اعتبار سے ضروری نہیں ہے؛ البتہ اگر درخواست دہندہ کے حالات اُس کے متقاضی ہوں کہ اُس کو مسلم ملک میں شہریت دی جائے، تو اِسلامی اُخوت کی بنیاد پر ایسے افراد کو شہریت دینے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

يـجب أن يعلم بأن الأمان كما يجوز مرسلاً يجوز معلقاً بالشرط. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٧/٧ رقم: ٩٩٧١ زكريا)

مستـفـاد: إذا رأى الإمـام أن يـصـالـح أهـل الـحرب أو فريقاً منهم وكان

ذٰلک مصلحة للمسلمين، فلا بأس به، لقوله تعالیٰ: ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الهداية مع فتح القدير ٥/ ٤٤٠)

جواب (۳):- مسلم حکومتوں کا شرعی اور اخلاقی فرض یہی بنتا ہے کہ وہ مجبور اور بے کس مسلمانوں کو اپنے یہاں بلاکر اُن کو مکمل شہری حقوق سے نوازیں، اور اُن میں اور مستقل شہریوں میں کوئی تفریق نہ کریں؛ لیکن اگر قومی یا بین الاقوامی مصلحت اُس میں کسی وجہ سے مانع ہو، تو اسلامی حکومت کو ایسے مسلمانوں کو شہریت دینا لازم نہ ہوگا۔

القاعدة العامة في حقوق أهل الذمة: أن لهم مالنا وعليهم ما علينا، وهٰذه القاعدة جرت على لسان فقهاء الحنفية وتدل عليها عبارات فقهاء المالكية والشافعية والحنابلة. (بدائع الصنائع ٦/ ١١١ زكريا، المغني لابن قدامة ٥/ ٧٤٨، بحواله: الموسوعة الفقهية ٧/ ١٢٧ كويت)

ويؤيدها بعض الآثار عن السلف: فقد روي عن علي بن أبي طالب أنه قال: إنما قبلوا الجزية لتكون أموالهم كأموالنا ودماؤهم كدمائنا. (الموسوعة الفقهية ٧/ ١٢٧)

قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ألا من ظلم معاهدًا أو انتقصه أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئًا بغير طيبِ نفسٍ منه، فأنا حجيجه يوم القيامة. (سنن أبي داؤد، كتاب الخراج والإمارة والفيء / باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات ٣/ ٤٣٧ رقم: ٣٠٥٢ دار الفكر بيروت)

جواب (۴):- شہریت کے اندر آزادی سے متعلق تمام حقوق آتے ہیں، اور اُس کی تعیین کرنا حکومتوں کا کام ہے، حکومت جو بھی ذمہ داریاں شہریوں پر عائد کریں اور جو سہولتیں اُنہیں عطا کریں، اُس کی پابندی ہونی چاہئے۔

أما بعد: فقد نزل عليَّ رسلكم راجعين إلى قريتكم، فإذا جاء كم كتابي هٰذا فإنكم اٰمنون لكم ذمة اللّٰه وذمة رسوله، وإن رسول اللّٰه غافر لكم سيئاتكم،

ولا ظلم ولا عدویٰ وإن رسول اللّٰہ جارکم مما منع منه نفسه، وإن عليكم رجع ما خرجت نخلكم، فإن سمعتم وأطعتم فإن على رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم أن يكرم كريمكم ويعفو عن سيئكم وأن ليس عليكم أمير إلا من عند أنفسكم أو من أهل رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم. (طبقات ابن سعد ٢٨/١، ٣٠/٢)

إن القاعدة العامة في حقوق أهل الذمة هي: أن لهم مالنا وعليهم ما علينا حيث قال علي رضي اللّٰہ عنه: إنما قبلوا الجزية لتكون أموالهم كأموالنا ودماؤهم كدمائنا. (بدائع الصنائع ١١١/٦ زكريا، القوانين الفقهية ١٠٥، المذاهب للشيرازي ٢٥٦/٢، الأحكام السلطانية للماوردي ٢٤٧، المغني ٤٤٥/٨، بحواله: المواطنة في الإسلام وحقوق المواطنين غير المسلمين في ظله ٢٠)

ولنجران وحاشيتهم جوار اللّٰہ،ومن سأل منهم حقا فبينهم النصف غير ظالمين ولا مظلومين، ولا يؤاخذ أحداً منهم بظلم آخر، وعلى ما فيه هٰذه الصحيفة جوار اللّٰہ وذمة النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم الخ. (الطبقات الكبریٰ لابن سعد ٣٦/٢، فتوح البلدان للبلاذري ٧٦/١-٧٨، بحواله: المواطنة في الإسلام وحقوق الموانين غير لمسلمين في ظله ١٨)

جواب(۵): - شریعت میں پناہ گزینوں کی الگ سے اصطلاح نہیں ہے، یہ ایک سیاسی اصطلاح ہے، شرعی حکم تو یہی ہے کہ جو شخص بھی اِسلامی ملک میں رہائش اختیار کرے، اُس کو برابر کے حقوق ملنے چاہئے، اور پناہ گزینی کی وجہ سے تفریق نہیں ہونی چاہئے۔

القاعدة العامة في حقوق أهل الذمة: أن لهم مالنا وعليهم ما علينا وهٰذه القاعدة جرت على لسان فقهاء الحنفية وتدل عليها عبارات فقهاء المالكية والشافعية والحنابلة، ويؤيدها بعض الآثار عن السلف، فقد روي عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰہ عنه أنه قال: إنما قبلوا الجزية لتكون أموالهم كأموالنا ودماؤهم كدمائنا. (الموسوعة الفقهية ١٢٧/٧ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت، بدائع الصنائع ١١١/٦، المغني لابن قدامة ٧٤٨/٥)

وفـي كتاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لأهل نجران: ولنجران وحاشيتها جوار اللّٰه وذمة محمد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على أموالهم وملتهم وبيعهم، وكل ما تحت أيديهم. (أخرجه البيهقي في دلائل النبوة ٣٨٥/٥، البداية والنهاية ٤٨/٥)

وعلـى ذٰلک فـلأهـل الـذمة حـق الإقـامة آمـنيـن مطمئنين على دمائهم وأمـوالهـم وأعــراضهـم وعـلــى الإمــام حــمــايتهم كل من أراد بهم سوءاً من الـمسـلـمين أو أهل الحرب أو أهل الذمة؛ لأنه التزم بالعهد حفظهم من الاعتداء عـليهـم فيـجـب عـليـه الـذب عنهم ومنع من يقصدهم بالأذى من المسلمين أو الـكـفـار، واستـنـقاد من أسر منهم واسترجاع ما أخذ من أموالهم سواء كانوا مع الـمسـلـميـن أم مـنـفردين عنهم في بلدهم؛ لأنهم بذلوا الجزية لحفظهم وحفظ أموالهم. (بـدائع الصنائع ١١١/٧ بيروت، الشرح الصغير للدردير ٤٠١/١، المهذب ٢٥٦/٢، كشاف القناع ١٣٩/٣، المغني ٥٣٥/٨، بحواله: الموسوعة الفقهية ١٢٧/٧)

وحـكـم أمـوالهـم حكم أموال المسلمين في حرمتها. (ابـن عابدين ٢٤٣/٣، بحواله: الموسوعة الفقهية ١٢٨/٧)

لأهـل الـذمة أن يـقيـمـوا فـي دار الإسـلام آمـنين مطمئنين على أنفسهم وأمـوالهم ما لم يظهر ما ينتقص به عهدهم؛ لأنهم إنما بذلوا الجزية لتكون أموالهم كأموالنا ودماؤهم كدمائنا، والمسلمون على شروطهم. (الموسوعة الفقهية ١٢٨/٧)

جواب(٦): -مسلمانوں کے لئے غیرمسلم ممالک کی شہریت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ اپنے دین وایمان کے تحفظ کا پختہ نظام کرلیں، اگر ایسا انتظام نہ ہوتو اُن ممالک میں بود وباش اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔

فـقد جاء في تاريخ ابن كثير: قال محمد بن اسحق: فلما رأى رسول اللّٰه صـلـى الـلّٰه عليه وسلم ما يصيب أصحابه من البلاء وما هو فيه من العافية بمكانه

من اللّٰه عزوجل، ومن عمه أبي طالب وأنه لا يقدر على أن يمنعهم مما هم فيه من البلاء، قال لهم: لو خرجتم إلى أرض الحبشة فإن بها ملكاً لا يظلم عنده أحد وهي أرض صدق، حتى يجعل اللّٰه لكم فرجاً مما أنتم فيه، فخرج عند ذٰلک المسلمون من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى أرض الحبشة مخافة الفتنة وفراراً إلى اللّٰه بدينهم، فكانت أول هجرة كانت في الإسلام فكان أول من خرج من المسلمين عثمان بن عفان وزوجته رقية بنت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (البداية والنهاية ١٦٦/٤-١٦٧ بيروت، مسند أحمد ٤٦١/١)

جواز الهجرة إلى دار الكفر والبقاء فيها حيث إن هؤلاء الأصحاب بقوا إلى عام خيبر حيث يقول جعفر رضي اللّٰه عنه: فخرجنا حتى أتينا المدينة فتلقاني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم واعتنقني ثم قال: ما أدري أنا بفتح خيبر أفرح أم بقدوم جعفر. (البداية والنهاية ١٧٩/٤، معجم الكبير للطبراني ١٤٧٨/٢، مجمع الزوائد ٣٠/٦)

والمسلم يمكنه أن يعيش خارج دار الإسلام وحتى في دار الحرب إذا كان متمكناً من إظهار دينه، وإذا كان بعض الفقهاء تحدثوا عن وجوب الهجرة من دار الحرب فقد كان ذٰلک مشروطاً بعدم القدرة على إظهار الدين. (الموسوعة الفقهية باب دار الحرب نقلاً عن نهاية المحتاج ٨٢/٨، كشاف القناع ٤٣/٣، أسنى المطالب ٢٠٤/٤، المغنى ٤٥٦/٨، عمدة القاري ٣٥/١، الأنصاف ١٢١/٤، بحواله: المسلم موطناً في أوروبا ١٨)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: جاء الطفيل بن عمرو إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إن دوسًا قد هلكت عصت، وأبت فادع اللّٰه عليهم، فقال: اللّٰهم اهد دوسًا وأتِ بهم. (صحيح البخاري، كتاب المغازي / باب قصة دوسٍ والطفيل بن عمرو الدوسي ٦٣٠/٢ رقم: ٤٣٩٢ دار الفكر بيروت، السيرة الحلبية ٥١٣/١)

فهٰذا ضماد الأزدي أسلم ثم رجع إلى قومه وعاش معهم حتى هاجر

رسول اللّٰہ صلى اللّٰه عليه وسلم إلى المدينة الخ. (صحيح مسلم / كتاب الجمعة ٢٨٤/١)

جواب (۷): ـ مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو ذمی کی حیثیت سے حقوقِ شہریت عطا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، دورِ نبوت اور دورِ صحابہ سے ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے، بشرطیکہ قومی، ملی اور ملکی مصلحت کے خلاف نہ ہو۔

ولنجران وحاشيتها جوار اللّٰه وذمة محمد النبي رسول اللّٰه على أموالهم وأنفسهم وملتهم وغائبتهم وشاهدهم وعشيرتهم وبيعهم وكل ما تحت أيديهم من قليل أو كثير لا يغير أسقف من أسقفيته ولا راهب من رهبانيته. (الوثائق السياسية لعهد النبي ١٤٠، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ٣٦/١/٢، ٨٤–٨٥، فتوح البلدان للبلاذري ٧٦/١–٧٨، بحواله: المواطنة في الإسلام وحقوق المواطنين غير المسلمين في ظله ٤٠، بحواله: المسلمون موطنًا في أوروبا ٤٢، أخرجه البيهقي في دلائل النبوة ٣٨٥/٥، البداية والنهاية ٤٨/٥)

جمهور الفقهاء على أن عقد الذمة مع غير المسلمين يتولى إبرامه الإمام أو نائبه؛ لأن ذٰلک يتعلق بنظر الإمام وما يراه من المصلحة. (الخرشي ١٤٣/٣، القليوبي ٢٢٨/٤، مغني المحتاج ٢٤٣/٤، المغني لإبن قدامة ٥٠٥/٨، كشاف القناع ١١٦/٣، بحواله: الموسوعة الفقهية ١٢٢/٧ كويت)

لأن عقد الذمة فيه التزام أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات. (السير الكبير ١٨٧٠/٥، بحواله: الموسوعة الفقهية ١٢٦/٧)

وهو في الأسارى بالخيار إن شاء قتلهم؛ لأنه عليه السلام قد قتل، وإن شاء استرقهم؛ لأن فيه دفع شرهم مع وفور المنفعة لأهل الإسلام، وإن شاء تركهم احراراً ذمة للمسلمين. (الهداية مع فتح القدير ٤٦٠/٥) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸/۳/۱۴۳۵ھ

پاکستانی طلبہ دارالعلوم کیوں نہیں آتے؟ محمد علی جناح کون تھے؟

سوال (۱۰۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دارالعلوم دیوبند جو اُم المدارس ہے، جہاں دنیا کے ہر گوشے سے طلبہ آتے ہیں؛ لیکن پاکستان سے کوئی شخص علم حاصل کرنے نہیں آتا ہے، ایسا کیوں؟ نیز جس وقت پاکستان بنا، ہمارے بہت سارے علماء پاکستان بننے کے خلاف تھے، اِس کے باوجود وہ علماء پاکستان کیوں چلے گئے؟ نیز جو علماء تقسیم کے خلاف تھے، وہ بھی چلے گئے، نیز مسٹر جناح کو قائد اعظم کہنا کیسا ہے؟ وہ کس عقیدے کے آدمی تھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دارالعلوم کی طرف سے پاکستانی طلبہ پر کوئی پابندی نہیں؛ البتہ تعلیمی ویزا حکومت نہیں دیتی؛ اِس لئے پاکستانی طلبہ نہیں آپاتے، پاکستان بننے سے پہلے ہمارے بہت سے اکابر کو اِس مطالبہ سے اختلاف تھا؛ لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ کبھی پاکستان کے خلاف نہیں رہے۔ محمد علی جناح شیعہ تھے، اورتحریک قیام پاکستان کے بڑے قائد تھے، اِس لئے اُنہیں قائد اعظم کہا جانے لگا، یہ کوئی شرعی خطاب نہیں ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ۳/۴۷-۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۷/۷/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسائل موبائل

موبائل سے کسی کی گفتگو ٹیپ کرنا؟

سوال (۱۰۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بذریعہ موبائل بلا اِجازت کسی کی گفتگو کو ٹیپ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلا اِجازت موبائل میں کسی کی گفتگو ٹیپ کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجلسوں میں کہی گئی بات اَمانت ہے، اور ٹیپ کرنے کی وجہ سے یہ اَمانت محدود نہ رہ سکے گی؛ بلکہ اُس کے دوسروں تک پہنچنے کا عین امکان ہے۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا حدث الرجل الحديث، ثم التفت فهي أمانة. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء أن المجالس بالأمانة ۲/۱۷)

وقال محشيه: قوله ثم التفت فهي أمانة: يعني إذا حدث أحد عندك حديثًا، ثم غاب صار حديثه أمانة عندك، ولا يجوز إضاعتها، والخيانة فيها بإفشائها. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء أن المجالس بالأمانة ۲/۱۷ حاشية: ٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل سے دینی بیانات یا نعت وغیرہ تصویر کے ساتھ سننا؟

سوال (۱۰۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بذریعہ موبائل دینی بیانات یا نعت شریف وغیرہ کا تصویر کے ساتھ یا بغیر تصویر کے سننا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بذریعہ موبائل دینی بیانات اور نعتیہ نظموں وغیرہ کا سننا جائز ہے۔ (مستفاد از: امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۴۹)

اور جس تصویر کا آمنے سامنے دیکھنا جائز ہے، اس کو موبائل میں بھی دیکھنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/ ۶/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی رِنگ ٹون میں گانے باجے اور میوزک لگانا؟

سوال (۱۰۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کا اپنے موبائل کی رنگ ٹون میں گانے، باجے اور میوزک کو لگائے رکھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کی رنگ ٹون میں گانے باجے اور میوزک لگانا ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ سخت گناہ ہے۔

واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذٰلک حرام. وإن سمع بغتةً يكون معذورًا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٦/ ٣٩٥ كراچی، ٩/ ٥٦٦ زكريا، الهداية، كتاب الكراهية / مسائل متفرقة ٤/ ٤٧٥ شركت علمية ملتان، وكذا في الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السابع عشر في الغناء واللهو ٥/ ٣٥٤ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/ ۶/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رِنگ ٹون میں اَذان یا آیتِ قرآن اور نعت بھرنا؟

سوال (۱۰۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کا اپنے موبائل کی رنگ ٹون میں اَذان یا آیت قرآنی یا نعت وغیرہ کو لگانا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رنگ ٹون کا مقصد اِس بات کی اطلاع دینا ہے کہ کوئی شخص آپ سے بات کرنے کا متمنی ہے، گویا یہ دروازہ پر دستک دینے کے حکم میں ہے، اِس اطلاعی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قرآنِ پاک کی آیات یا اَذان کی آواز کو استعمال کرنا بے محل ہے؛ بلکہ ایک درجہ میں اس سے اِن مقدس کلمات کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ اِسی بنا پر حضرات فقہاء نے اِس طرح کے مقاصد میں کلماتِ ذکر کا استعمال ناجائز قرار دیا ہے؛ لہٰذا موبائل کی رنگ ٹون میں اَذان، آیاتِ قرآن اور نعت وغیرہ فیڈ کرنا درست نہیں ہے۔ علاوہ اَزیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی استنجاء خانہ میں موبائل لے کر جاتا ہے اور وہیں کال آنے پر قرآن کی آیت کی آواز آنی شروع ہوجاتی ہے، اِس میں بھی اِہانت کا پہلو نکلتا ہے، اِس سے بہرحال احتراز لازم ہے۔

ويكره أن يقرأ في الحمام؛ لأنه موضع النجاسات ولا يقرأ في بيت الخلاء كذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية ۳۱٦/۵)

وكذا قولهم بكفره إذا قرأ القرآن في معرض كلام الناس، كما إذا اجتمعوا، فقرأ جمعناهم جمعًا – وله نظائر كثيرةٌ في ألفاظ التكفير كلها ترجع إلى قصد الاستخفاف به. قال قاضي خان: الفقاعي إذا عند فتح الفقاع صل على محمد، قالوا: يكون آثمًا. (الأشباه والنظائر ۵۳ مكتبه دارالعلوم ديوبند، مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲۴۹/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل پر گانے سننا؟

سوال (۱۰۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بذریعہ موبائل بغیر تصویر کے گانا سننا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گانا سننا بہرحال گناہ ہے، خواہ تصویر کے ساتھ ہو یا بلا تصویر، موبائل سے ہو یا کسی اور آلہ سے۔

واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذٰلک حرام. وإن سمع بغتةً يكون معذورًا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٣٩٥/٦ كراچی، ٥٦٦/٩ زكريا، الهداية، كتاب الكراهية / مسائل متفرقة ٤٧٥/٤ شركت علمية ملتان، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السابع عشر في الغناء واللهو ٣٥٤/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل پر فلم دیکھنا

سوال (۱۰۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بذریعہ موبائل فلم دیکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فلم دیکھنا بہرحال ناجائز اور حرام ہے، خواہ موبائل پر دیکھے یا کسی اور جگہ۔

واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذٰلک حرام. وإن سمع بغتةً يكون معذورًا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة /

فصل في البيع ٣٩٥/٦ كراچی، ٥٦٦/٩ زكريا، الهداية، كتاب الكراهية / مسائل متفرقة ٤٧٥/٤ شركت علمية ملتان، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السابع عشر في الغناء واللهو ٣٥٤/٥ زكريا)

فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلىٰ وجهها، فحل النظر مقيدٌ بعدم الشهوة وإلا فحرام. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في النظر والمسّ ٥٣٢/٩ زكريا) (الدر المختار مع الشامي ٥٣٢/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل پر کرکٹ میچ دیکھنا؟

سوال (۱۰۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بذریعہ موبائل کرکٹ میچ دیکھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بذریعہ موبائل کرکٹ میچ دیکھنا تضیع وقت اور لغو کام ہے، بسا اَوقات اِس میں گناہ بھی شامل ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ میچ کے درمیان فحش تصاویر اور اشتہارات بھی دکھائے جاتے ہیں، جن سے نظر بچانا نہایت مشکل ہے۔ (مستفاد از: امداد الفتاویٰ ۲۵۷/۴)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه. (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء من تكلّم بالكلمة ليضحك الناس ٥٨/٢ رقم: ٢٢١٧، شعب الإيمان للبيهقي ٢٥٥/٤ رقم: ٤٩٨٧، المعجم الكبير ١٢٨/٣ رقم: ٢٨٨٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل پر گیم کھیلنا؟

سوال (۱۰۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بذریعہ موبائل گیم کھیلنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کے ذریعہ گیم کھیلنا اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنا اور لایعنی کام ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه. (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء من تكلّم بالكلمة ليضحك الناس ٥٨/٢ رقم: ٢٢١٧، شعب الإيمان للبيهقي ٢٥٥/٤ رقم: ٤٩٨٧، المعجم الكبير ١٢٨/٣ رقم: ٢٨٨٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی اسکرین پر ''اللہ رسول ﷺ'' کا نام لکھنا اور آیتِ قرآنی چسپاں کرنا

سوال (۱۰۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کا اپنے موبائل کی اسکرین میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو یا قرآن کی آیتوں کو یا کعبہ ومسجد نبوی وغیرہ مقاماتِ مقدسہ کی تصویر کو رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اُس کو لے کر استنجاء وبیت الخلاء میں جانا یا پائجامہ کی جیب میں رکھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کی اسکرین پر اللہ اور پیغمبر علیہ السلام کا نام یا قرآنی آیات وغیرہ لکھنا فی نفسہٖ درست ہے؛ لیکن اِن آیات وغیرہ کے ظاہر ہونے کی حالت میں اسے استنجاء میں لے جانا جائز نہیں، ایسی جگہوں پر جانے سے پہلے موبائل کو بند کر دینا چاہئے؛ تاکہ اِن مقدس کلمات کی بے ادبی نہ ہو۔ اِسی طرح جس موبائل کی اسکرین پر اللہ اور پیغمبر علیہ السلام کا

نام واضح ہو، اُس کو پائجامہ یا پینٹ کی جیب میں رکھنا بھی بے ادبی ہے۔

فلو نقش اسمه تعالیٰ، أو اسم نبيه صلى الله عليه وسلم استحب أن يجعل الفص في كمه إذا دخل الخلاء، وأن يجعله في يمينه إذا استنجى. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في اللبس ۹/۵۱۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی اسکرین پر قرآنی حروف ظاہر ہونے کی حالت میں اُسے بلا وضو ہاتھ لگانا

سوال (۱۰۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر موبائل کے اسکرین پر قرآنِ کریم کی آیات وحروف ظاہر ہوجائیں تو اُس پر بلا وضو ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ کی کتاب ''دینی مسائل اور اُن کا حل'' میں صفحہ: ۳۶۵ پر: ''قرآنِ کریم والے موبائل کو بلا وضو چھونا'' عنوان کے تحت یہ مسئلہ تحریر ہے کہ اگر موبائل کی اسکرین پر قرآن یا احادیث شریفہ کے حروف دکھائی دے رہے ہوں، تو اُن حروف پر بلا وضو ہاتھ رکھنا درست نہیں۔ اور دوسری طرف صفحہ: ۵۶۹ پر: ''اسکرین پر قرآنی آیت کو بلا وضو چھونا'' عنوان کے تحت یہ مسئلہ تحریر ہے کہ جس اسکرین پر قرآن کی آیت نمایاں ہو تو اس اسکرین کو بلا وضو چھونا احتیاط کے خلاف ہے، تو بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اور آپ کے تحریر کردہ مسئلہ کے بالمقابل جواہر الفقہ ۴/۷۵ پر یہ مسئلہ تحریر ہے کہ (گراموفون کے شرعی احکام کے عنوان کے تحت) گراموفون کے جس ریکارڈ (پلیٹ) میں قرآنِ مجید کی کوئی آیت محفوظ ہو اُس کو بلا وضو چھونا جائز ہے؛ کیوں کہ وہ قرآنِ مجید کے حکم میں نہیں اور نہ آیات وکلمات اس میں اس طرح لکھے ہوئے ہیں جس طرح عام طور پر لکھا جاتا ہے اور اس کے اندر قطعہ تو تیا پر جو کچھ حروف کی خارج کندہ ہوتی ہے اس کی وجہ سے ریکارڈ کو قرآن کا حکم نہیں دیا جاسکتا ہے، یہی مسئلہ احسن الفتاویٰ ۲/۱۸ پر اس طرح تحریر ہے کہ پلیٹ یا ٹیپ

ریکارڈ میں نہ قرآنِ کریم کی کتابت ہے اور نہ ہی اُس کی آواز قرآن کی آواز ہے؛ بلکہ صدائے بازگشت کی طرح آواز کی نقل ہے؛ لہٰذا اُس کے احکام قرآنِ کریم جیسے نہیں اسے بے وضو چھونا جائز ہے، براہِ کرم صحیح مسئلہ منقح ومحقق فرماکر دفع تعارض کے ساتھ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں، بہت احسان ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کی اسکرین پر جس وقت قرآنی آیات نمایاں ہوں تو اُنہیں بلا وضو چھونا خلافِ ادب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ اوردینی مسائل ص: ۳۶۹ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ اس اسکرین کو بلا وضو چھونا احتیاط کے خلاف ہے، یہ دراصل ممانعت کی علت کی طرف اشارہ ہے۔ اصل حکم یہی ہے کہ جب موبائل کی اسکرین پر قرآنی آیات نمایاں ہوں تو اُن حروف پر بلاوضو ہاتھ رکھنا درست نہیں۔ اور آپ نے جو ''جواہر الفقہ'' اور ''احسن الفتاویٰ'' میں ذکر کردہ جس جزئیہ سے اشکال فرمایا ہے، اُس کا تعلق ہمارے زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہے؛ کیوں کہ گراموفون کی پلیٹ یا ٹیپ ریکارڈ کی کیسٹ یا موبائل کی چپ وغیرہ میں حروف نظر نہیں آتے؛ لہٰذا اُس کا حکم یقیناً موبائل کی اسکرین سے جداگانہ ہوگا؛ کیوں کہ یہاں کوئی ممانعت کی وجہ نہیں پائی جارہی ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لَا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [الواقعة: ۷۹]

ويمنع دخول مسجد – إلىٰ قوله – ومسه أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائطٍ. (شامي ۱/۴۸۸ زكريا)

ويمنع مسه إلا بغلافه المنفصل أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالمجلد المشرز هو الصحيح، وعليه الفتویٰ؛ لأن الجلد تبع له. (شامي ۱/۴۸۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کمپنی والوں کی فلمی اسکیم میں حصہ لینا؟

سوال (۱۰۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض موبائل کی کمپنیاں جیسے ''ایرٹیل'' وغیرہ وہ اپنے کسٹمروں کو ''Vijeta وجے تا'' یا ''Kismat قسمت'' یا ''Win Swift ون سوفٹ'' کے نام سے یہ میسیج بھیجتی ہے کہ اگر کوئی شخص (بالی وڈ (Bollywood) سے متعلق کچھ آسان سوالوں کا جواب دے، تو اُس کو بطور انعام (Maruti Swift) دی جائے گی، تو کیا کسی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس فحش کھیل میں حصہ لے، اور ساتھ ہی اِس کی بھی وضاحت کردیں کہ اس میں ''جوے'' کی شکل تو نہیں پائی جارہی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فلموں کے متعلق سوالات کے مقابلے میں حصہ لینا قطعاً ناجائز اور گناہ ہے، اور سوال میں جو انعامی اسکیموں کی شکل لکھی ہے اُس میں لاٹری کی صورت پائی جاتی ہے؛ اِس لئے کہ جو بھی میسیج بھیجا جائے گا اُس کا عوض کمپنی کو ادا کرنا ہوگا، اور مقابلے میں شرکت صرف میسیج بھیجنے والوں کی ہی ہوگی، تو گویا جو میسیج کا عوض دیا جارہا ہے وہ لاٹری کے ٹکٹ کے درجہ میں ہے، اِس لئے یہ معاملہ جوئے کے دائرے میں آکر ناجائز ہوگا، اور اُن کے ذریعہ ملا ہوا انعام لینا بھی جائز نہیں ہوگا۔

وقال الجصاص: لا خلاف بین أهل العلم في تحریم القمار. (أحکام القرآن للتھانوی ۱/۲۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل پر گانے، عریاں تصاویر اور فلمیں ڈاؤن لوڈنگ کرنا؟

سوال (۱۰۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل موبائل کی خرید وفروخت اس کی ریپیرنگ اور ڈاؤن لوڈنگ (پروگرام اِدھر سے اُدھر

بھیجنا) بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، اِس میں کیمرہ موبائل بھی ہوتے ہیں، اور اسکرین سیور پر کبھی خوب صورت مناظر کبھی اداکار فلمیں اور نیم عریاں تصویریں، اِسی طرح ٹون (ساؤنڈ) میں مختلف گانے اور میوزک وغیرہ ہوتی ہیں، گاہک فرمائش کرتے ہیں کہ ہمارے موبائل پر فلاں تصویر بھیج دیں اور فلاں گانے کی میوزک لوڈ کردیں۔

اِس مسئلہ میں دریافت یہ ہے کہ اس صورت میں موبائل کی رپیرنگ اور خرید وفروخت، نیز اُس کی دوکان لگانا اور اُجرت کے عوض یہ سب کام کرنا شرعاً جائز ہوں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کی خرید وفروخت اور اس کی مرمت اور اس میں ایسے پروگرام ڈالنا جو مفید ہوں، اور اُن میں شرعی کوئی خرابی نہ ہو فی نفسہٖ درست ہے، اور اِس طرح کے عمل پر نفع اور اُجرت لینا بھی جائز ہے؛ لیکن موبائل میں گانے کی آوازوں، اِسی طرح فحش تصاویر کی ڈاؤن لوڈنگ کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے، اور اِس طرح کی ڈاؤن لوڈنگ پر اُجرت لینا بھی ناجائز ہے، اور اُس کی آمدنی ممنوع ہے۔

ولا یجوز الاستیجار علی الغنا والنوح، وکذا سائر الملاهي؛ لأنه استیجار علی المعصیة، والمعصیة لا تستحق بالعقد. (الهدایة ۳/۳۰۳)

ولا لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي. (الدر المختار، کتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة، مطلبٌ في الاستئجار علی المعاصي ۹/۷۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۷/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک موبائل سے دوسرے میں فلم یا گانا بھیجنا؟

سوال (۱۰۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کا اپنے موبائل سے دوسرے کے موبائل میں بلیوٹوتھ (Blue Thooth) یا

اِنفررڈ(Infrared) کے ذریعہ فلم یا گانا بھیجنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک موبائل سے دوسرے موبائل میں فلم یا گانا بھیجنا شرعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے۔

واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذٰلك حرام. وإن سمع بغتةً يكون معذورًا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٣٩٥/٦ كراچی، ٥٦٦/٩ زكريا، الهداية، كتاب الكراهية / مسائل متفرقة ٤٧٥/٤ شركت علمية ملتان، و كذا في الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السابع عشر في الغناء واللهو ٣٥٤/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل پر بلا وضو تلاوت وغیرہ

سوال (۱۰۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ موبائل جس کے اندر قرآنِ پاک ڈال دیا گیا ہے، کیا اُس کی تلاوت بلا وضو کرسکتے ہیں؟ نیز اِس موبائل کو لے کر بیت الخلاء کے اندر جانا کیسا ہے؟ اِزراہ کرم جوابات سے نواز کر احسان فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ موبائل میں جس وقت قرآن کے حروف اسکرین پر نظر آرہے ہوں، تو اس کو بلا وضو چھونا منع ہے؛ البتہ چھوئے بغیر زبانی تلاوت کی جاسکتی ہے، اور اس حالت میں اس کو بیت الخلاء میں لے جانا بھی سخت بے ادبی اور ممنوع ہے؛ لیکن جب قرآن کا فنکشن بند کردیا جائے تو اسے بے وضو چھونا اور بیت الخلاء وغیرہ میں لے جانا سب جائز ہے؛ کیوں کہ قرآن بند ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی بے ادبی نہیں پائی جاتی۔

يمنع دخول مسجد – إلىٰ قوله – ومسه أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط. (شامي ٤٨٨/١ زكريا، ٢٩٣/١ كراچی)

ولو نقش اسمه تعالىٰ أو اسم نبيه صلى الله عليه وسلم استحب أن يجعل الفص في كمه إذا دخل الخلاء. (شامي ٥١٩/٩ زكريا، ٣٦١/٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۶/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل میں قرآن، حدیث اور اَدعیۂ ماثورہ کو محفوظ کرنا؟

سوال (۱۰۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کا اپنے موبائل میں قرآن وحدیث یا اَدعیۂ ماثورہ کو تحریری شکل میں محفوظ کرنا کیسا ہے؟ اور اُس کو لے کر استنجاء وبیت الخلاء اور دیگر مقاماتِ نجسہ وخبیثہ جیسے رقص کے اَڈے اور فلم تھیٹر وغیرہ میں جانا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل میں قرآن وحدیث اور اَدعیۂ ماثورہ وغیرہ محفوظ کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ اگر اُنہیں کھول کر چلایا جارہا ہو، تو اِس حالت میں بیت الخلاء اور استنجاء خانہ وغیرہ میں اس موبائل کو لے جانا بے ادبی شمار ہوگا؛ لیکن موبائل اگر بند ہے یا وہ پروگرام بند ہے، جس میں آیات وغیرہ محفوظ ہیں، تو بند ہونے کی حالت میں موبائل کو استنجاء خانہ وغیرہ میں لے جانا جائز ہے۔

فلو نقش اسمه تعالىٰ، أو اسم نبيه صلى الله عليه وسلم استحب أن يجعل الفص في كمه إذا دخل الخلاء، وأن يجعله في يمينه إذا استنجى. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في اللبس ٥١٩/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل میں اِس طور پر گانا فیڈ کرنا کہ فون کرنے والے کو گانا سنائی دے؟

سوال (۱۰۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر زید بذریعہ موبائل رابطہ قائم کرے؛ لیکن درمیان رابطہ عمر کے موبائل کی گھنٹی بجتے ہی زید کے موبائل میں گانے کی آواز سنائی دینے لگے، تو کیا ایسی صورت میں زید کے لئے جائز ہے کہ وہ عمر سے رابطہ کو برقرار رکھے اور خود گناہ میں مبتلا ہو، اور کیا عمر کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے موبائل میں اِس طور پر گانے کو سیٹ کرے کہ جس کے ذریعہ دوسرے لوگ گناہ میں مبتلا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل میں ایسا پروگرام فیڈ کرنا کہ رابطہ کرنے والے کو گھنٹی کے بجائے گانا سنائی دے قطعاً جائز نہیں، یہ نہ صرف گناہ؛ بلکہ گناہ کی تبلیغ ہے، البتہ اگر کسی شخص کو ایسے آدمی سے رابطہ کی ضرورت پڑے جس نے موبائل میں گانا فیڈ کر رکھا ہو اور اِس بنا پر رابطہ کرنے والا بلا اِرادہ مجبوراً گانے کی آواز سن لے، تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذٰلک حرام. وإن سمع بغتةً يكون معذورًا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٣٩٥/٦ كراچی، ٥٦٦/٩ زكريا، الهداية، كتاب الكراهية / مسائل متفرقة ٤٧٥/٤ شركت علمية ملتان، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السابع عشر في الغناء واللهو ٣٥٤/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل سے جاندار کی تصویر لینا؟

سوال (۱۰۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بذریعہ موبائل کسی جاندار کی تصویر لینا شرعاً کیسا ہے؟ اور مزید یہ کہ اُس کو اپنے موبائل میں

محفوظ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اور جاندار کی تصویر کو محفوظ کر کے حالتِ نماز میں اپنے پاس رکھنے سے اُس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کے ذریعہ تصویر کھینچنا اکثر علماء کے نزدیک ناجائز ہے؛ تاہم چوں کہ یہ تصویر چھوٹی ہوتی ہے، اور موبائل کے جیب وغیرہ میں ہونے کی وجہ سے ڈھکی رہتی ہے، اِس لئے ایسے موبائل کو رکھنے کے باوجود نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا۔

لاتمثال إنسان أو طیر لحرمة تصویر ذي الروح. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة / فصل في اللبس ۹/۵۱۹ زکریا)

لو کان علی خاتم فضةٍ تماثیل لا یکره، ولیس کتماثیل في الثیاب في البیوت؛ لأنه صغیر. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة / فصل في اللبس ۹/۵۲۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض خواہ کے تقاضہ سے بچنے کیلئے موبائل نمبر کو ریجیکٹ کرنا؟

سوال (۱۰۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی قرض دار قرض خواہ کے تقاضہ سے بچنے کے لئے قرض خواہ کے نمبر کے ساتھ اپنے موبائل کو اِس طور پر بند کر دے کہ اگر قرض خواہ قرض دار سے رابطہ قائم کرنا چاہے تو اُسے قرض دار کے موبائل کا بند ہونا یا آؤٹ آف کوریج ہونا یا نمبر کا بزی ہونا سنائی دے، حالاں کہ حقیقت میں موبائل نہ بند ہو نہ آؤٹ آف کوریج میں ہو نہ نمبر بزی ہو، تو ایسا کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض خواہ کی رقم کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا شرعاً ظلم

ہے، اُس کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ درست نہ ہوگا؛ لہٰذا قرض خواہ کو پریشان کرنے کی غرض سے موبائل کو اِس طرح سیٹ کرنا کہ قرض خواہ کا رابطہ نہ ہو سکے درست نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مطل الغني ظلم. (صحيح البخاري، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس / باب مطل الغني ظلم رقم: ٢٤٠٠ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب تحريم مطل الغني وصحة الحوالة ١٨/٢ رقم: ١٥٦٤ بيت الأفكار الدولية، المسند للإمام أحمد ٧١/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیمرے والے موبائل خریدنا؟

سوال (۱۰۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسے موبائل کا خریدنا جس میں کیمرہ ہو کیا حکم رکھتا ہے؟ جب کہ بغیر کیمرہ والے موبائل سے بھی مقصود موبائل حاصل ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیمرے والے موبائل سے چوں کہ ایسے مناظر کی تصویر کشی بھی کی جاسکتی ہے جہاں کوئی جاندار نہ ہو، اِس لئے کیمرے والے موبائل کو خریدنا مطلقاً ناجائز نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ اُس کا ناجائز استعمال ہی ناجائز ہوگا، یعنی موبائل سے جاندار کی تصویر کھینچنا ہی منع ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ۲۴۹/۴)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر ٥٣، مكتبه دارالعلوم ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ہی کمپنی کے موبائل والوں کا مفت بات کرنا؟

سوال (۱۰۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اگر ایک ہی کمپنی کے دو موبائل دو الگ الگ آدمیوں کے پاس ہوں اور یہ دونوں اپنے ایک ہی کمپنی کے موبائل سے جتنی دیر چاہئے مفت بات کر سکتے ہیں، تو ایسی صورت میں یہ دونوں کتنی دیر تک بات کر سکتے ہیں؟ آیا بقدر ضرورت پر اکتفاء کریں یا ضرورت سے زائد بے جا گفتگو بھی کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کمپنی نے یہ سہولت دے رکھی ہے کہ اُس کے موبائل پر جتنی دیر تک چاہیں باتیں کر سکتے ہیں، تو شرعاً معاملے کے اعتبار سے باتیں کرنے میں وقت کی کوئی تحدید نہیں کی جائے گی؛ البتہ بلاضرورت جھک جھک کرنا کسی بھی حال میں درست نہیں، خواہ موبائل پر ہو یا موبائل کے بغیر۔

عن المغيرة بن شعبة رضي اللّٰه عنه قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حرم عليكم عقوق الأمهات ووأدِ البناتِ ومنعَ وهاتِ، وكره لكم قيل وقال، وكثرة السوال، وإضاعة المال. (صحيح البخاري، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس / باب ما ينهى عن إضاعة المال رقم: ۲۴۰۸ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی گھنٹیاں بجا کر پریشان کرنا؟

سوال (۱۰۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر زید عمرو کے موبائل سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ڈائل کرے، پھر فوراً ایک دو گھنٹی بجنے کے بعد بند کردے؛ تاکہ اُس کو پریشان کرے تو شرعاً اِس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کی گھنٹیاں بجا کر کسی کو پریشان کرنا درست نہیں ہے، یہ بھی ایذا رسانی میں داخل ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمؤمن من أمِنه الناس على دمائهم وأموالهم. (سنن الترمذي، أبواب الإيمان / باب ما جاء المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ۹۰/۲، صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب المسلم من سلم المسلمون الخ ٦/١ رقم: ١٠)

عن أبي موسىٰ الأشعري رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سئل أي المسلمين أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه ويده. (سنن الترمذي، أبواب الإيمان / باب ما جاء المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ۹۱/۲، صحيح البخاري / باب أي الإسلام أفضل رقم: ١١ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر کا مسجد میں موبائل چارج کرنا؟

سوال (۱۰۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسافر مثلاً کسی مدرسہ کا سفیر یا مبلغ وغیرہ اگر بضرورت مسجد میں ٹھہرے، تو اُن لوگوں کا مسجد کی بتی سے اپنے موبائل کو چارج کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی بجلی سے موبائل کو چارج کرنے کے بعد کچھ رقم مسجد کے فنڈ میں جمع کردینی چاہئے؛ کیوں کہ یہ نماز سے زائد ایک ضرورت پوری کی گئی ہے، اِس کا معاوضہ مسجد میں جمع کرنا چاہئے۔

تجب القيمة في القيمی يوم غصبه إجماعًا. (الدر المختار مع الشامي ٥٦٧/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کالنگ کے خرچہ سے بچنے کے لئے صرف مس کال کرنا؟

سوال (۱۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی کے موبائل پر اِس لئے مس کال کرنا کہ وہ فون ملائے اور مس کال کرنے والے کا خرچہ نہ ہو، کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مس کال کرنے کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ شخص جس کو مس کال کی جارہی ہے اُس سے بے تکلفی ہے، یا یہ علم ہے کہ وہ جب خود کال ملائے گا تو اُسے کوئی ناگواری نہیں ہوگی، تو ایسے شخص کو مس کال کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر کسی اَجنبی شخص یا ایسے شخص کو مس کال کی جائے جسے خود کال کرنے میں ناگواری ہو تو یہ عمل درست نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَوْ صَدِيْقِكُمْ﴾ [النور، جزء آیت: ٦١]

ثم إن نفي الحرج في الأكل المذكور مشروطٌ بما إذا علم الآكل رضا صاحب المال بإذن صريح، أو قرينة؛ لأن تخصيص هؤلاء لإعتياد التبسط بينهم. (روح المعاني ١٠/٣٢٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسٹیشن اور اِیئرپورٹ کی بجلی سے موبائل چارج کرنا؟

سوال (۱۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص کسی مسافر کو لینے یا رخصت کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن یا ایئرپورٹ یا بس اڈے وغیرہ پہنچے، دراں حالیکہ اُس کا اِرادہ سفر کرنا نہیں ہے، تو ایسے شخص کا ریلوے اسٹیشن یا ایئرپورٹ یا بس اڈے وغیرہ کی بتی سے فائدہ اُٹھا کر اپنے موبائل کو چارج کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ریلوے اسٹیشن، ایئر پورٹ وغیرہ کی بجلی سے موبائل چارج کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ یہاں جو لوگ بھی آتے ہیں خواہ سفر کے ارادے سے آئیں یا مسافر کو رخصت کرنے یا اُن کا استقبال کرنے کے ارادے سے آئیں، سب کو بلا امتیاز وہاں کی بجلی سے انتفاع کی اجازت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿أَوْ صَدِيقِكُمْ﴾ [النور، جزء آیت: ٦١]

ثم إن نفي الحرج في الأكل المذكور مشروطٌ بما إذا علم الآكل رضا صاحب المال بإذن صريح، أو قرينة؛ لأن تخصيص هؤلاء لإعتياد التبسط بينهم. (روح المعاني ۳۲۳/۱۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقامی باشندے کا مسجد کی بجلی سے موبائل چارج کرنا؟

سوال (۱۱۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مقیم شخص کا مسجد کی بتی سے اپنے موبائل کو چارج کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقیم شخص کا مسجد کی بجلی سے موبائل چارج کرنا درست نہیں ہے، اگر چارج کیا تو عوض ادا کرنا ضروری ہے۔

ولا يحمل الرجل سراج المسجد إلى بيته. (الفتاویٰ الهندية ۱۱۰/۱)

وتجب القيمة في القيمي يوم غصبه إجماعًا. (الدر المختار مع الشامي ۵٦٧/۹)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معتکف کا موبائل سے بات چیت کرنا؟

سوال (۱۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی معتکف کا حالتِ اعتکاف میں بذریعہ موبائل تجارت کرنا کیسا ہے؟ آیا اُس کی یہ تجارت منعقد ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ اعتکاف میں بذریعہ موبائل تجارت کرنے سے بیع تو منعقد ہوجائے گی؛ لیکن مسجد میں رہ کر دنیاداری کی بات کرنے کا گناہ ہوگا۔

قوله: أكله وشربه ونومه ومبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هٰذه الأشياء في المسجد – وأراد بالمبايعة البيع والشراء وهو الإيجاب والقبول، وأما إذا أراد أن يتخذ ذٰلک متجرًا؛ فإنه مكروهٌ وإن لم يحضر السلعة، واختاره قاضي خان في فتاواه، ورجحه الشارح؛ لأنه ينقطع إلى اللّٰه تعالىٰ، فلا ينبغي له أن يشتغل بأمور الدنيا. (البحر الرائق ۲/ ۳۰۳ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معتکف کا مسجد میں موبائل چارج کرنا؟

سوال (۱۱۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: معتکف کا مسجد کی بتی سے اپنے موبائل کو چارج کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتکف شخص مسجد کی بجلی سے موبائل چارج کرسکتا ہے؛ لیکن اُس کو بجلی کا عوض مسجد میں داخل کرنا چاہئے۔

إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب بسراج المسجد، إن كان سراجُ

المسجد موضوعًا في المسجد للصلاة، قيل: لا بأس به، وإن كان موضوعًا لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم وذهبوا إلى بيوتهم وبقي السراج في المسجد قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد لا يكون له حق التدريس كما في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية ٤٥٩/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کے ذریعہ اَجنبی لڑکے لڑکیوں سے دوستی قائم کرنا؟

سوال (۱۱۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعضے موبائل کی کمپنیاں (Ekcall، ایک کال) کے نام سے یہ میسیج بھیجتی رہتی ہیں، جس میں وہ اپنے کسٹمروں کو ایک مخصوص نمبر فراہم کرتی ہیں؛ تاکہ وہ اس نمبر پر ڈائل کرکے کچھ نئے دوستوں سے اپنی جان پہچان کرالیں، جس میں کبھی مردوں سے جان پہچان ہوتی ہے، تو کبھی عورتوں سے، تو کیا کسی کے لئے جائز ہے کہ وہ اِس مخصوص نمبر پر ڈائل کرکے نئے دوستوں مثلاً: مردوں یا عورتوں سے اپنی جان پہچان کرائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَجنبی مردوں سے بلاوجہ دوستی قائم کرنا وقت کی بربادی اور لایعنی مشغلہ ہے، اور اَجنبی لڑکیوں سے موبائل وغیرہ کے ذریعے دوستی کرنا شرعاً حرام ہے، اور بدترین معصیت تک پہنچانے والا ہے۔

قوله: إن صوتها عورةٌ هو ما في النوازل، وجرى عليه في المحيط والكافي حيث عللاً عدم جهرها بالتلبية، بأن صوتها عورة. (طحطاوي على المراقي ٢٤٢ المكتبة الأشرفية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنٹرنیٹ کیفے سینٹر چلانا اور اُس کی آمدنی کا حکم

سوال (۱۱۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انٹرنیٹ کیفے جو کہ موجودہ دور کی مقبول تجارت ہے، اُس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص آٹھ یا دس کمپیوٹر لگا کر انٹرنیٹ کنکشن لیتا ہے، لوگ وہاں پر دس روپئے گھنٹہ اپنی مرضی کے مطابق اس کا صحیح یا غلط استعمال کرتے ہیں، جیسے طالب علم تعلیم سے متعلق کوئی بھی معلومات رزلٹ وغیرہ یا کسی کتاب کا مطالعہ یا تاجر حضرات اپنی تجارت سے متعلق کوئی بھی ای میل بھیجے، یا رسیو کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ لوگ گانے ہالی وڈ، بالی وڈ کی کوئی بھی فلم، بلیو فلم حد یہ ہے کہ یہ گراہک پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس طرح استعمال کرتا ہے؟ اِس حالت میں تجارت اور اُس کے ذریعہ کمائی رقم جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِنٹرنیٹ کیفے میں اگر اس کا التزام کیا جائے کہ صارفین اس کا غلط استعمال نہ کرسکیں، تو اِس کاروبار کے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن اگر صارفین کو کھلی آزادی ہو کہ وہ کوئی بھی پروگرام دیکھیں یا استعمال کریں، جیسا کہ عام معمول ہے، تو گناہ پر تعاون کی بنا پر کاروبار مکروہ ضرور ہوگا، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة، جزء آيت: ۲]

وإن لم يكن محركًا وداعيًا؛ بل موصلاً محضًا، وهو مع ذلك سببٌ قريبٌ بحيث لا يحتاج في إقامته المعصية به إلى إحداث صفة من الفاعل الخ، فكله مكروه تحريمًا الخ. (جواهر الفقه ۲/ ٤٤۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تصویر والے ایس ایم ایس بھیجنا؟

سوال (۱۱۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کسی شخص کا دوسرے کو اُس کی طلب پر یا اُس کے طلب کئے بغیر ہی تصویر والے میسیج بھیجنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانداروں کی تصویر والے میسیج کا بھیجنا ناجائز ہے۔

قلت: وقدمنا ثمة معزيًا للنهر أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريمًا، وإلا فتنزيهًا. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٩/٥٦١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَجنبی لڑکی سے SMS کے ذریعہ گفتگو کرنا

سوال (۱۱۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی لڑکے کا اَجنبی لڑکی سے بذریعہ میسیج گفتگو کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میسیج پر گفتگو بھی آمنے سامنے گفتگو کی مانند ہے، اِس لئے جس طرح اَجنبی لڑکی سے بالمشافہ گفتگو منع ہے، اِسی طرح میسیج کے ذریعہ بھی گفتگو جائز نہیں۔

ولا يكلم الأجنبية إلا عجوزًا عطست أو سلمت. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في النظر والمسّ ٩/٥٣٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنے موبائل میں ری چارج کرایا اور غلطی سے پیسہ دوسرے کے موبائل میں چلا گیا؟

سوال (۱۱۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کسی شخص نے اپنے موبائل میں پیسے ری چارج کرائے (ڈلوائے) لیکن نمبر غلط مل جانے کی وجہ سے وہ پیسے کسی دوسرے کے موبائل میں چلے گئے، تو ایسی صورت میں ری چارج کروانے والے کے لئے حق مطالبہ حاصل ہے یا نہیں؟ اور جس کے موبائل میں غلطی سے پیسے آ گئے ہیں، ایسا شخص کیا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو پیسے غلطی سے دوسرے کے موبائل میں چلے گئے ہیں، تو ری چارج کرانے والے کو اُس کی واپسی کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، اور موبائل والے پر لازم ہے کہ یا تو وہ اتنے زائد پیسے جو اُس کی طرف آئے ہیں، اسے واپس کرے، یا کمپنی کے ذریعہ زائد رقم اپنے موبائل سے نکلوا دے۔

ومنها لو ابتلعت دجاجة لؤلؤة ينظر إلى أكثرهما قيمة، فيضمن صاحب الأكثر قيمة الأقل. (الأشباه والنظائر ١٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس موبائل میں صرف میوزک کی گھنٹی ہو اُس کی خرید وفروخت کرنا؟

سوال (۱۱۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کے لئے ایسے موبائل کا خریدنا یا بیچنا یا استعمال کرنا جس کی گھنٹیاں خالص میوزک ہی میوزک ہوں، اور مزید یہ کہ اُس میں ساری گھنٹی سیٹ کرنا بھی ممکن نہ ہو، شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس موبائل میں صرف میوزک والی ہی گھنٹی سیٹ ہو، اور سادی گھنٹی سیٹ نہ ہو سکے۔

قال: ومن كسر لمسلم بربطًا وطبلاً، أو مزمارًا أو دفًا، أو أراق له سكرًا،

أو منصفًا فهو ضامن، وبيع هٰذه الأشياء جائزٌ، وهٰذا عند أبي حنيفة. وقال أبو يوسف ومحمد: لا يضمن ولا يجوز بيعها. (الهداية ٣٨٨/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل یا ٹیلی فون پر ''ہیلو'' سے گفتگو کا آغاز کرنا؟

سوال (۱۱۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موبائل یا ٹیلی فون پر ''ہیلو'' سے کلام کا آغاز کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل یا ٹیلی فون پر گفتگو کا آغاز ''السلام علیکم'' سے کرنا چاہئے، اگر ''ہیلو'' وغیرہ کے ذریعہ گفتگو کا آغاز کیا گیا، تو یہ سنت کے خلاف ہوگا۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: السلام قبل الکلام. (سنن الترمذي، أبواب الاستیذان والآداب / باب السلام قبل الکلام ۹۹/۲، مستفاد: انوار رحمت ۱۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ درس اور تلاوت رُکوا کر موبائل پر گفتگو کرنا

سوال (۱۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مقصد تحریر یہ ہے کہ ندائے شاہی میں اور ایک کتابچہ میں جس میں حضرت والا کے موبائل سے متعلق جوابات شائع ہوئے تھے، دیکھ کر خوشی ہوئی، واقعۃً اِس کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی، موبائل سے متعلق اور بھی چند سوالات اٹھ رہے تھے، ارادہ ہوا کہ اِن سوالات پر مشتمل ایک استفتاء حضرت والا کی خدمت میں روانہ کیا جائے۔ اُمید ہے کہ جوابات بذریعہ ندائے شاہی شائع فرمائیں گے:

(۱) زید ایک مدرسہ میں اُستاذ ہے، دورانِ درس اُس کا موبائل بج رہا ہے، تو کیا وہ درس روک کر اُس کا جواب دے سکتا ہے؟ کیا اُس سے اوقاتِ مدرسہ کے تحفظ میں کوتاہی تو نہیں ہے؟ جب کہ موبائل کا جواب دئے بغیر یہ تعیین مشکل ہے کہ فون ضروری ہے یا غیر ضروری؟

اِسی طرح زید ایک حفظ کا مدرس ہے، طالب علم کا قرآن سن رہا ہے، درمیان میں موبائل کی گھنٹی بجی، تو کیا قرآن سنانے والے طالب علم کی تلاوت روک کر موبائل کا جواب دے یا تلاوت چلتی رہے، اور یہ اپنے موبائل میں بات کرتا رہے؟ کیا اس سے منع عن ذکر اللہ والی بات لازم آئے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل پر گفتگو کرنا بھی آمنے سامنے گفتگو کرنے کے مانند ہے، بہتر یہ ہے کہ مدرسہ کے اوقات میں بالخصوص درس کے دوران موبائل پر گفتگو نہ کی جائے، اور موبائل کو بند رکھا جائے؛ البتہ اگر کوئی نہایت ضروری گفتگو کرنی ہو تو اُس میں حد درجہ اختصار سے کام لیا جائے، خاص کر مدرسین حفظ کو اِس کا زیادہ اہتمام رکھنا چاہئے، اور جب بچے سبق سنا رہے ہوں، تو مدرسین کو موبائل پر یا کسی دوسرے شخص سے بات میں مشغول نہیں رہنا چاہئے؛ اِس لئے کہ قرآنِ پاک میں تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (معارف القرآن ۴/۱۶۱)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الأعراف: ٢٠٤] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی رِنگ ٹون میں جانور یا چڑیا کی آواز بھرنا؟

سوال (۱۱۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موبائل کی رِنگ ٹون کسی چڑیا یا جانور کی آواز ہے، تو کیا یہ بھی میوزک میں داخل ہے؟ اور موبائل کی سادہ (جو میوزک میں شمار نہ ہو) رنگ ٹون کی تعیین کیسے کی جائے؟ کیا لینڈ لائن فون کی رنگ سادہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چڑیایا جانور کی آواز میوزک میں داخل نہیں ہے، سادہ رنگ ٹون وہ کہلاتی ہیں جن میں گانا، ساز یا میوزک وغیرہ جیسی چیزوں کا استعمال نہ ہو، لینڈ لائن فون کی وہی رنگ سادہ کہلاتی ہے، جس میں ساز وغیرہ نہ ہو۔

تنبيه: عرف القهستاني الغناء بأنه ترديد الصوت بالإلحان في الشعر مع انضمام التصفيق المناسب لها. (شامي ۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل آفس کے کسٹمر کیئر میں عورت سے بات کرنا؟

سوال (۱۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موبائل آفس (Customer Care) کو فون کرنے پر وہاں ایک عورت فون پر موجود ہے، تو کیا اُس سے گفتگو کرنے میں کوئی حرج ہے؟ جب کہ بات کوئی اہم نہیں اِس کے بغیر بھی معاملہ حل ہوجائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا کسی ضرورت کے اَجنبی عورت سے بات چیت کی اِجازت نہیں؛ لیکن اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو اَجنبی عورت سے بقدر ضرورت بات چیت کی گنجائش ہے۔

وصوتها على الراجح عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه. وفي النهر وهو الذي ينبغي اعتماده. (الدر المختار مع الشامي ۲/۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکنیکی غلطی سے وقت سے زائد چلنے والے موبائل کا استعمال

سوال (۱۱۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکنیکی غلطی سے ہمارا موبائل وقت سے زائد چل رہا ہے، کمپنی کے قانون کے لحاظ سے ہمارا فون بند ہوجانا چاہئے تھا، مثلاً: ۱۵؍اکتوبر تک کا اس کا وقت ہے، اِس کے بعد اسے بند ہوجانا ہے، مگر اِس کے بعد بھی یہ چالو ہے، تو کیا اِس کے ذریعہ کال کرنا یا کال کا جواب دینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کو پہلے سے یہ معلوم ہے کہ فلاں تاریخ تک آپ کی مدت ختم ہوجائے گی، پھر بھی مذکورہ تاریخ پر موبائل فون کی سروس منقطع نہیں ہوئی، تو دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ فوراً موبائل کمپنی سے رابطہ کرکے اس تکنیکی غلطی پر اُسے مطلع کریں، اور مدت کے بعد جس قدر بھی آپ نے موبائل کا استعمال کیا ہے، اُس کی اُجرت کمپنی کے کھاتے میں جمع کرادیں۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ٢٥٥، مرقاة المفاتیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ١١٨/٦ المکتبة الأشرفیة دیوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٢/٥، شعب الإیمان للبیهقي ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶؍۱۰؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل میں نمبرات کی جگہ نام لکھنا؟

سوال (۱۱۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موبائل میں نمبرات کی جگہ نام لکھنا کیسا ہے؟ جب کہ بیت الخلاء وغیرہ میں بھی فون آسکتا

ہے، اور اسکرین پر یہ نام آئے گا، حالاں کہ اکثر ناموں کے ساتھ محمد، احمد، اللہ اور رحمٰن وغیرہ بھی شامل ہوتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ صحیح حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل وغیرہ میں نمبر کی جگہ نام لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور چوں کہ موبائل جیب میں رہتا ہے، اِس لئے اگر بیت الخلاء وغیرہ میں بالفرض اسکرین پر نام ظاہر بھی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی لکھا ہوا پرچہ آدمی کی جیب میں ہو، اور وہ اسی حالت میں استنجاء کو چلا جائے وغیرہ۔

وعلیٰ هٰذا إذا كان في جيبه دراهم مكتوب فيها اسم اللّٰه تعالىٰ ، أو شيء من القرآن فأدخلها مع نفسه المخرج يكره، وإن اتخذ لنفسه مبالاً طاهرًا في مكانٍ طاهرٍ لا يكره. (الفتاویٰ الهندية ۳۲۳/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۳/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت فون اُٹھا سکتی ہے یا نہیں؟

سوال (۱۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گھر پر ٹیلی فون رکھا ہوتا ہے، زید باہر کسی کام سے آتا جاتا رہتا ہے، اگر کسی کا فون آئے تو عورت فون اُٹھا سکتی ہے؟ اور فون اُٹھا کر سلام کرے یا ہیلو کرے؛ کیوں کہ فون اکثر غیر محرم کا ہی ہوتا ہے، فقہاء کی کیا رائے ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر یہ ہے کہ فون اُٹھانے کے بعد عورت بات کی ابتداء نہ کرے؛ بلکہ فون کرنے والا جو سوال کرے بس اُس کا جواب دیدے؛ البتہ اگر فون کرنے والا محرم ہو یا کوئی عورت ہو، تو پھر سلام کلام کرنے میں حرج نہیں۔

وكـذا الـرجـل مـع المرأة إذا التقيا يسلم الرجل أو لاً. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في النظر والمسّ ۵۳۰/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کے SMS سے اللہ ورسول کا نام ڈیلیٹ کرنا؟

سوال (۱۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موبائل میں میسیج وغیرہ کے ذریعہ قرآن کی آیات کا ترجمہ اَحادیث، اللہ اور اُس کے رسول کا نام آتا ہے، اُن چیزوں کو محو (ڈلیٹ) کرنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موبائل کی حیثیت ایک آئینہ کے مانند ہے جس میں عکس ظاہر ہوتا ہے، اور کسی چیز کے عکس کو مٹانے سے یا آئینہ کو سامنے ہٹانے سے اصل چیز کا مٹانا نہیں پایا جاتا ہے؛ لہٰذا قرآنی آیات، اَحادیثِ شریفہ اور اللہ ورسول کے اَسماء پر مشتمل میسیج کو ڈیلیٹ کرنا منع نہیں ہے۔

ولـو مـحـا لـوحًا كتب فيه القرآن واستعمله في أمر الدنيا يجوز. (الفتاویٰ الهندية ۳۳۲/٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن المرئي في المرأة مثاله لا هو. (شامي ١١٠/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں موبائل بجنے لگے تو کیا کریں؟

سوال (۱۱۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دورانِ نماز موبائل کی گھنٹی بجنے لگتی ہے اور مختلف طرح کی گھنٹیاں ہوتی ہیں، جن سے نماز

میں ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے، بعض لوگ ہاتھ جیب میں ڈال کر بند کرتے ہیں اور بعض کو دیکھا گیا کہ موبائل ہاتھ میں لے کر جیب سے نکال کر بند کرتے ہیں اور پھر رکھ لیتے ہیں۔ تو اِس بارے میں دریافت یہ کرنا ہے کہ:

(۱) دورانِ نماز موبائل کی گھنٹی بجنے لگے تو گھنٹی بند کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ یا موبائل سوئچ آف کرنے کا کیا طریقہ ہے کہ جس سے نماز خراب و فاسد نہ ہو؟

(۲) جیب میں ہاتھ ڈال کر یا جیب سے موبائل نکال کر موبائل یا اُس کی گھنٹی بند کرنے سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی؟

(۳) دورانِ نماز قیام کی حالت میں یا رکوع یا قعدہ وغیرہ کی حالت میں کئی مرتبہ موبائل کی گھنٹی بجی اور ہر مرتبہ موبائل کی گھنٹی بند کی، تو اِس صورت میں کیا نماز پر کوئی اثر پڑے گا؟

(۴) موبائل کی گھنٹی میں آیت، دعا، نعتیہ اور حمدیہ کلمات یا گانا، میوزک وغیرہ جیسی چیزیں لگا لیتے ہیں، اُن کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۵) نماز کے وقت یا اُس کے علاوہ اَوقات میں موبائل کی گھنٹی کھلی ہونے کی حالت میں مسجد میں آنا کہ جس سے مسجد میں گھنٹی کی وجہ سے شور ہوتا ہے، شرعاً کیسا ہے؟

(۶) ائمہ حضرات نماز شروع کرنے سے پہلے موبائل کو بند کرنے کا اعلان کریں یا نہ کریں؟ ازراہِ کرم عباراتِ فقہیہ سے فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) دورانِ نماز اگر موبائل کی گھنٹی بجنے لگے تو عمل قلیل کے ذریعہ گھنٹی یا موبائل بند کر دینا چاہئے، اور اِس کی صورت یہ ہے کہ جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالے بغیر وہیں بند کر دے، موبائل جیب سے باہر نہ نکالے۔

وأشار بالأكل والشرب ...... علىٰ أن كل عملٍ كثير فهو مفسد، واتفقوا على أن الكثير مفسد، والقليل لا؛ لإمكان التحرز عن الكثير دون القليل. (شامي

۲۸۵/۲ زکریا، البحرالرائق ۱۱/۲ کوئٹہ)

(۳) اگر عملِ قلیل کے ذریعہ سے ایک رکن میں وقفہ وقفہ سے موبائل کی گھنٹی بند کی، تو نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن اگر توقف کے بغیر لگا تار تین مرتبہ بند کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ عمل کثیر سمجھا جائے گا۔

ویفسد العمل الكثير وهو كل عمل لا يشك الناظر في فاعله أنه ليس في الصلاة عند عامة المشايخ وهو المختار، وقيل: ما يكون ثلاثًا متواليًا حتى لو روح على نفسه بمروحة ثلاثًا أوحكّ موضعًا من جسده ثلاثًا تفسدان على الولاء. (مجمع الأنهر ۱۲۰/۱)

(۴) گانا یا میوزک تو ہر حال میں منع ہے، خواہ موبائل کی گھنٹی ہو یا کسی اور چیز کی اور حمد ونعت وغیرہ موبائل کی گھنٹی میں لگانے سے بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے، گویا اِن مقدس کلمات کو محض فون آنے کی اطلاع کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے جو یقیناً ناپسندیدہ ہے، نیز بسا اَوقات بیت الخلاء میں رہتے ہوئے کال آنے لگتی ہے اور مقدس کلمات کی آوازیں ناپاک جگہ پر گونجنے لگتی ہے، جو ان کلمات کی توہین ہے۔

ويكره أن يقرأ في الحمام؛ لأنه موضع النجاسات ولا يقرأ في بيت الخلاء كذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية ۳۱۶/۵)

وكذا قولهم بكفره إذا قرأ القرآن في معرض كلام الناس كما إذا اجتمعوا فقرأ: ﴿جَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ وله نظائر كثيرةٌ في ألفاظ التكفير كلها ترجع إلى قصد الاستخفاف به، قال قاضي خان: الفقاعي إذا قال عند فتح الفقاع للمشترى صل على محمد، قالوا: يكون آثمان. (الأشباه والنظائر / الفن الأول ۵۳، مكتبة دارالعلوم ديوبند)

وفي الحديث الشريف: صوتانِ ملعونانِ في الدنيا والآخرة: مزمار عند نغمة، ورنة عند مصيبة. (الترغيب والترهيب ۱۸٤/٤)

واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلک حرام. (شامي / كتاب الحظر والإباحة ٥٦٦/٩ زكريا)

(۵) مسجد میں موبائل کھلا رکھ کر آنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے؛ کیوں کہ اگر اچانک موبائل کی گھنٹی بجنی شروع ہوجائے تو مسجد میں شور وغل ہوگا جو کہ ممنوع ہے۔

السادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ. (الفتاوىٰ الهندية ٣٢١/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٦) ائمہ حضرات کا نماز شروع ہونے سے قبل موبائل بند کرنے کا اعلان کرنا نہ صرف جائز بلکہ مناسب ہے؛ تاکہ دورانِ نماز موبائل کی گھنٹی بجنے سے نماز میں خلل نہ ہو۔

بقي من المكروهات أشياء أخر ذكرها في المنية وغيرها، منها: الصلاة بحضرة ما يشغل البال ويخل بالخشوع. (شامي ٤٣٥/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۳/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف کرتے وقت موبائل سے بات چیت کرنا

سوال (۱۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طواف کرتے وقت موبائل پر بات کرنا کیسا ہے؟ اکثر لوگ طواف کرتے وقت موبائل پر بات کرتے ہیں، تو ایسے بات کرنا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف کے دوران موبائل پر ضروری بات چیت کرنے کی گنجائش ہے؛ تاہم بہتر یہی ہے کہ دورانِ طواف بلاضرورت کوئی بات چیت نہ کی جائے؛ کیوں کہ فقہاء نے دورانِ طواف فضول بات چیت کو مکروہ قرار دیا ہے۔

وأما مکروهاته: فالکلام الفضول الخ. (غنیة الناسك ١٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''واٹس اَپ'' اور ''فیس بک'' استعمال کرنا؟

سوال (۱۱۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''واٹس اَپ'' اور ''فیس بک'' کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''واٹس اَپ'' اور ''فیس بک'' وغیرہ چیزیں دراصل ایک دوسرے تک معلومات منتقل کرنے کے لئے اِیجاد کی گئی ہیں، چناں چہ ان کے ذریعہ سے منٹوں سکنڈوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اطلاعات بھیجی جاسکتی ہیں۔ اَب اُن کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر جائز معلومات اور مباح مقاصد کے لئے اُن کا استعمال کیا جارہا ہے، تو شرعاً اِس میں حرج نہیں، اور اگر ناجائز باتوں اور فحش تصاویر وغیرہ کے لئے اُن کو استعمال میں لایا جارہا ہے، تو اُن کے استعمال کی قطعاً اِجازت نہ ہوگی۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباہ والنظائر ۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتاب الرہن

رہن سے متعلق مسائل

سونا رہن رکھ کر قرض حسنہ دینا؟

سوال (۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا سونا رہن میں رکھ کر کسی کو قرض حسنہ دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونا رہن میں رکھ کر قرضِ حسنہ دینے کی شرعاً اجازت ہے۔

ویجوز رهن الدراهم والدنانير والمكيل والموزون. (الفتاویٰ الهندية / الباب العاشر في رهن الفضة بالفضة والذهب بالذهب ۴۷۳/۵ زكريا، وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۵۸۳/۱۸ زكريا، مختصر اختلاف العلماء للإمام أبي بكر الجصاص ۲۹۲/۴ رقم: ۲۰۰۸ دار البشائر الإسلامية)

وما يجوز بيعه يجوز رهنه، ومالا يجوز بيعه لا يجوز رهنه. (الفتاویٰ الهندية، الباب الأول / الفصل الرابع فيما يجوز رهنه وما لا يجوز ۴۳۵/۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲۵/ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان دے کر پچاس ہزار روپئے قرض لینا؟

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روپئے کی سخت ضرورت ہے اور کوئی بلا سود کے اتنی بڑی رقم دینے پر آمادہ نہیں ہے، چناں چہ اسلم نے اکرم کو کہا کہ میرا مکان تو رکھ لے اور مجھے ۵۰؍ ہزار روپئے دیدے، تیرے روپیوں پر سود

نہیں، میرے مکان کا کرایہ نہیں ہے، جب میں ۵۰/ ہزار روپئے ادا کردوں گا، تو میرا مکان واپس کردینا، اکرم نے اسلم کا مکان لے لیا، تو کیا اکرم کو اس مکان میں فیملی کے ساتھ سکونت اختیار کرنا یا اس مکان کو کرایہ پر دے کر اُس کا کرایہ کھانا جائز ہے؟ کیا یہ سود میں داخل ہے، اسلم آخر کیا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ بظاہر رہن کی شکل میں ہوا ہے؛ لہٰذا اکرم کے لئے رہن کے مکان میں فیملی کے ساتھ رہنا یا اس مکان کو کرایہ پر دے کر روپیہ کمانا جائز نہیں ہے۔

هل للمرتهن الانتفاع بالرهن أم لا؟ فنقول: أفرد الشيخ المحقق عبد الحي اللكنوي رحمه اللّٰه تعالىٰ هٰذه المسئلة في رسالة سماها ''الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون'' وهي جزء من مجموعة رسائل اللكنوي (٣/٣٠٤-٤١٥) فذكر أن فيها خمسة أقوال: وأن أصحها وأوفقها بالروايات الحديثية أنّ الانتفاع إذا كان مشروطًا حقيقةً أو عرفًا يكره كراهةً تحريميّةً، وإن لم يكن مشروطًا لا يكره. وجمع بين الأقوال كلها، فقال: فمن قال بعدم الجواز يحمل على المشروط، ومن قال بالجواز يحمل على غير المشروط حقيقةً أو حكمًا، ومن قال بالحرمة فقوله قريب من القول الراجح، هٰذا حاصل ما ذكره، ومن أراد التفصيل فليراجعها.

وبهٰذا ظهر أن نهي العلماء عن الانتفاع بالمرهو لصون الناس عن الوقوع فيما لا يجوز؛ لأن الإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقي والعرفي في زماننا نادر. واللّٰه أعلم. (الفتاویٰ السراجية، كتاب الرهن / باب تصرف الراهن والمرتهن ٥٢٧، وكذا في الشامي / كتاب الرهن ١٠ /٨٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک لاکھ قرض کے بدلے ڈیڑھ لاکھ ادا کر کے مرہونہ زمین ایک سال کے اندر واپسی کا معاہدہ کرنا؟

سوال (۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہ ایگریمنٹ عبدالخالق اور عبدالقدوس کے درمیان دو گواہوں کے سامنے بنایا جارہا ہے، عبدالقدوس ایک لاکھ روپئے کے بدلے میں عبدالخالق سے ۲۵؍ گز زمین جس کا سروے نمبر ہے ۱۱۱۰۱۱-۱۰۹، پلاٹ نمبر ۱۳۵ مقام وسواس نگر سٹی حیدرآباد، اس زمین پر معاہدہ ہے اس طور پر کہ عبدالقدوس سے عبدالخالق نے ایک لاکھ روپئے لیا بطور جرمانہ کے وہ ۲۵ گز زمین بدلہ میں دیا، پھر معاہدہ ہوا کہ عبدالخالق وہ زمین ایک سال کے اندر اندر ڈیڑھ لاکھ میں واپس لے لیگا، اگر عبدالخالق وہ ایک لاکھ روپئے ایک سال کے اندر اندر واپس نہیں کرسکا، تو عبدالقدوس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ زمین جس کا سروے نمبر اتنا اتنا ہے جو اوپر گذرا اس کو فروخت کرکے اپنا ڈیڑھ لاکھ وصول کر لینے کا پورا پورا حق دار ہوگا۔

نوٹ:- ہم اگر وقت پر موجود نہ رہیں، یا پھر خدانہ خواستہ اللہ کو پیارا ہو جاؤں تو یہ رقم ہمارے کوئی بھی رشتہ دار یا پھر ہمارے اہل وعیال کو حاصل رہے گا۔

مفتیانِ کرام کے خدمت میں سلام مسنون؟

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام صورتِ مسئلہ مذکورہ میں جیسا کہ معاہدہ تھا؛ بلکہ عبدالخالق نے عبدالقدوس کو پوچھے بغیر چپکے سے وہی زمین جو اوپر درج ہے، کسی تیسرے کے ہاتھ دولاکھ روپئے میں بیچ ڈالا، جب کہ عبدالقدوس مزید اور کچھ روپیہ دینے کے لئے تیار تھا، عبدالخالق کو کہا کہ چلو اب ٹائم ختم ہوگیا معاہدہ کے مطابق روپیہ ادا کرو، یا پھر اور کچھ روپیہ لے کر زمین رجسٹری کرو، اس پر عبدالخالق چپکے سے کسی تیسرے کے ہاتھ اس زمین کو بیچ ڈالا، اور ایک لاکھ روپیہ ادا کردیا، معرفت اظہار حق کے جو اس معاملہ میں گواہ بھی ہیں مزید ۵۰؍ ہزار روپئے ادا نہیں کرتا ہے، جب کہ زمین بیچنے

کا حق عبدالقدوس کو معاہدہ کے اندر دے چکا ہے، اب پوچھنا ہے کہ عبدالقدوس کے لئے پچاس ہزار روپئے لینا کیسا ہے؟ اور عبدالخالق کے لئے ایسا کرنا درست ہے؟ شرعاً جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاہدہ نامہ کی یہ شق کہ راہن عبدالخالق ایک سال کے اندر ایک لاکھ کے قرض کے بجائے ڈیڑھ لاکھ روپئے ادا کر کے اپنی مرہونہ زمین واپس لے گا، خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے قطعاً باطل ہے؛ اس لئے کہ قرض پر نفع اٹھانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے؛ لہٰذا عبدالخالق اِس غیر شرعی معاہدہ کا ہرگز پابند نہیں ہے، اُسے اختیار ہے کہ وہ اپنی زمین کسی بھی شخص کے بدست جتنی چاہے قیمت پر فروخت کر دے، اور عبدالقدوس اُس سے اپنے دئے ہوئے ایک لاکھ روپئے کے علاوہ مزید کسی رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فيض القدير / حرف الكاف ٣٤/٥ رقم: ٦٣٣٦ مصطفىٰ الباز رياض، إعلاء السنن / كتاب الحوالة ٤٩٩/١٤ كراچی، طحاوي شريف ٢٢٩/٢، شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ٥١٨/١٤ إدارة القرآن كراچی)

كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا، وتكون الزيادة على القرض ربا. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة ٥٧٥/١ مكتبة دار العلوم كراچی)

القرض بالشرط حرام، والشرط لغو على أن يكتب به إلى بلد كذا ليوفى دينه، وفي الأشباه: كل قرض جر نفعًا حرام. (الدر المختار مع الشامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، مطلب في شراء المستقرض القرض الخ ٣٩٤/٧ زكريا)

لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه

أذن لـه فـي الـربـا؛ لأنـه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهٰذا أمر عظيم. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الرهن ١٠/ ٨٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۲/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر متعینہ مدت پر رقم کی ادائیگی تک کھیت کو رہن رکھنا ؟

سوال (۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگ کھیت کو رہن پر رکھتے ہیں، مثال کے طور پر کسی نے دو ہزار روپئے کسی سے لئے اور اپنا کھیت دے دیا اور کہا کہ جب تک روپئے نہ دوں، اُس وقت تک کھیت آپ جوتیں اور بوئیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کھیت کو رہن پر رکھنا درست نہیں ہے اور رہن رکھنے والے کے لئے شئ مرہون سے کسی طرح کا بھی فائدہ اٹھانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن محمد بن أسلم السمرقنديؒ وكان من كبار علماء سمرقند أنـه لا يـحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه إذن له في الربا. (شـامي / كتاب الرهن ٦/ ٤٨٢ دار الفكر بيروت، ١٠/ ٨٣ زكريا، كذا في شرح المجلة لخالد الأتـاسي ٣/ ١٩٦ رقـم المـادة: ٧٥٠، مجموعة رسائل اللكنوي / الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون ٢/ ١٢ إدارة القرآن كراچی، الفتاوى الكاملية ٢٤٤، المكتبة الحقانية پشاور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر متعینہ مدت کے لئے زمین دے کر پیسہ لینا؟

سوال (۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی کو روپئے وغیرہ کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور وقت پر

روپئے فراہم نہیں ہوتے، تو اپنی زمین کسی کو کچھ روپئے لے کر دو تین آدمیوں کی موجودگی میں دیتے ہیں، اور اُس زمین سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتے ہیں، اور سب مل کر یہ طے کر لیتے ہیں کہ جب تک میں تمہارے روپئے ادا نہ کردوں، تو ہماری زمین واپس نہ کرنا، اور زمین سے فائدہ اٹھانے کی کوئی مدت متعین نہیں ہوتی، جب اصل مالک زمین روپئے ادا کر دیتا ہے تو پھر زمین واپس مل جاتی ہے۔ اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اِس طرح روپئے لے کر زمین دینا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں اِس طرح کے لین دین کو سودبھرنا کہتے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اِس طرح زمین کا دینا اور روپئے لینا صحیح نہیں ہے، جو اصل صورتِ حال ہو، وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گروی رکھنے کی شکل میں تو یہ معاملہ جائز نہیں ہوسکتا؛ البتہ بوجہِ ضرورت جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زمین باقاعدہ مطلقاً فروخت کرکے مشتری کے حوالہ کردی جائے اور اُس سے زمین کی قیمت کے نام پر روپئے لئے جائیں کہ جب میں لی ہوئی قیمت ادا کردوں گا، تو میری دی ہوئی زمین میرے ہی ہاتھ فروخت کردینا، دوسرے کے ہاتھ فروخت مت کرنا، اِس کو ''بیع الوفاء'' کہا جاتا ہے، جس کی ضرورۃً بہت سے فقہاء نے اِجازت دی ہے۔

ونص في الحاوي الزاهدي أن الفتویٰ في ذٰلک أن البیع إذا أطلق ولم یذکر فیه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلی البائع أنه إن أوفی مثل ثمنه فإنه یفسخ معه البیع یکون باتًا. (شامي، کتاب البیوع / باب الصرف، مطلب في بیع الوفاء ۷/ ۵٤۷ زکریا)

وفي الدر: صح بیع الوفاء في العقار استحسانًا. (الدر المختار / باب الصرف، مطلب: باع داره وفاء ثم استأجر ۷/ ۵٤۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۷/۱۱/۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوؤں کی شرطوں پر رہن رکھنا؟

سوال (٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اگر کسی مسلمان کی زمین کسی ہندو کے پاس رہن ہے، تو کیا اس کو چھڑا کر کوئی مسلمان ہندو کی شرطوں پر اُس کو رہن رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس ہندو نے سود کی شرطیں لگا رکھی ہیں، تو اُن شرطوں پر رہن رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

كل قرضٍ جر نفعًا حرام، فكره للمرتهن سكنى المرهونة بإذن الراهن. (درمختار) وفي الشامي: وفي الأشباه: يكره للمرتهن الانتفاع بالرهن إلا بإذن الراهن. قلت: وهٰذا هو الموافق لما سيذكره المصنف في أول كتاب الرهن. وقال في المنح هناك: وعن عبد اللّٰه بن محمد بن أسلم السمرقندي – وكان من كبار علماء سمرقند – أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجهٍ من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ٣٩٥/٧ زكريا، مجمع الأنهر / كتاب الرهن ٢٧٣/٤ بيروت، تبيين الحقائق / كتاب الرهن ٦٧/٦ المكتبة الإمدادية ملتان) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۳/۱۴۱۱ھ

زمین کو گروی رکھ کر فائدہ اُٹھانے کی متعدد شکلیں؟

سوال (۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زمین سود بھرنا رکھنا نا جائز ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ زمین کو کٹ بھرنا رکھنا کیسا ہے؟ یعنی ایک بیگھہ زمین ۱۰/ ہزار روپئے میں رہن رکھی یہ کہہ کر کہ ایک سو روپئے سالانہ ان دس ہزار روپئے میں سے زمین سے فائدہ اٹھانے کے عوض کٹوتی ہوگی؟ دوسری شکل: یا یہ کہا کہ زمین مرتہن کا خراج اپنے زمانہ قبضہ تک مرتہن یعنی گروی لینے والا ادا کرے گا؟ تیسری شکل: پیداوار زمین کو گروی رکھا دس ہزار میں، اور زمین سے فائدہ اٹھانے کو جائز کرنے کے لئے ماہانہ یا سالانہ کچھ کرایہ مقرر کیا، تو کیا اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو کیا زمین کو گروی رکھ کر فائدہ اٹھانے کی

کوئی جائز صورت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گروی شدہ زمین سے انتفاع کی جو شکلیں آپ نے لکھی ہیں، وہ سب ناجائز ہیں اور سود پر مشتمل ہیں، جواز کی گنجائش اُس صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ زمین باقاعدہ بیچ دی جائے، اور بیچنے والا اخلاقی طور پر خریدار سے یہ شرط لگالے کہ میرے پاس جب روپے کا انتظام ہوجائے گا تو اتنے ہی روپے پر تم یہ مکان میرے ہی ہاتھ واپس بیچ دینا، اس کو ''بیع الوفاء'' کہا جاتا ہے، اور ضرورت کے وقت اس کی گنجائش دی گئی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر وغیرہ ۱/۱۷)

والصحيح أن العقد الذي جرى بينهما إن كان بلفظ البيع لا يكون رهنًا، ثم ينظر: إن ذكرا شرط الفسخ في البيع فسد البيع. وإن لم يذكرا ذٰلک وتلفظا بلفظة البيع بشرط الوفاء أو تلفظا بالبيع الجائز. وعندهما: هٰذا البيع عبارة عن عقد غير لازم فكذٰلک، وإن ذكرا البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمةً، فتجعل لازمةً لحاجة الناس. (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ الهندية / فصل في الشروط المفسدة ۲/۱٦٥ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعًا جائزًا مفيدًا بعض أحكامه، ومنهم الإمام نجم الدين نسفي، فقال: اتفق مشايخنا في هٰذا الزمان فجعلوه بيعًا جائزًا مفيدًا بعض أحكامه، وهٰذا الانتفاع به دون البعض وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه – إلى قوله – وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوىٰ. (زيلعي ۵/۱۸۳)

وكذا لو تواضعا الوفاء قبل العقد ثم عقدا بلا شرط الوفاء، فالعقد جائز، ولا عبرة بالمواضعة السابقة. (جامع الفصولين ۲/۲۳۷ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن، الفتاویٰ الأنقروية / فی بيع الوفاء ۱/۲۹۳ دار الإشاعة العربية قندهار، وكذا في الدر المختار مع الرد

المحتار، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء ٥/ ٢٧٦-٢٧٧ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۸/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رقم واپس کرنے تک انتفاء بالمرہون کو مشروط کرنا؟

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ہمارے صوبہ آسام وبنگال میں یہ معاملہ رائج ہے کہ کسی آدمی کو جب رقم کی ضرورت پڑتی ہے، تو وہ شخص کسی دوسرے آدمی کو اِس شرط کے ساتھ اپنی زمین دیتا ہے کہ مثلاً ایک بیگھہ زمین پانچ یا چھ ہزار روپئے میں دے دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جب تک میں روپیہ واپس نہیں کروں گا، اُس وقت تک زمین میں کھیتی کرتے رہنا، اور آپس میں دونوں رضامندی سے یہ معاملہ طے کرتے ہیں، تو کیا یہ معاملہ شریعت کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں، تو کوئی جائز متبادل شکل ہو، تو تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا معاملہ اُس وقت درست ہوگا جب کہ مقررہ رقم جو زمین کے بدلے میں لی گئی ہے، اُس میں سے ہر سال ۱۰۰/۲۰۰ روپئے کے حساب سے واپس کرتے وقت کم کی جائے، مثلاً زمین میں پانچ سال کھیتی کی ہے، تو ۲۰۰ روپئے کے حساب سے اگر پانچ ہزار روپئے لئے تھے، تو ایک ہزار کم کرکے چار ہزار واپس کرے، اور وہ کم کرکے لینے پر راضی ہو تو جائز، تو کیا یہ معاملہ مذکورہ صورت کے ساتھ جائز ہے؟ اس لئے کہ عام طور پر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، اور اس کو جائز سمجھتے ہیں، قرآن حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں ذکر کردہ صورت شئ مرہون سے نفع اٹھانے کی ہے جو راہن کی اجازت کے باوجود بھی شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں اگر یہ معاملہ بیع مطلق کا کیا جائے یعنی رقم کے بدلے میں وہ زمین پوری طرح فروخت کردی جائے، اور فریقین آپس میں

یہ طے کرلیں کہ بعد میں بیچنے والا جب چاہے گا اتنی رقم دے کر یہ زمین واپس خرید لے گا، اوراس پر دونوں متفق ہوجائیں، تو ایسی صورت میں جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے، اس کو ''بیع الوفاء'' کہا جاتا ہے، اوراس میں خریدار کے لئے زمین سے انتفاع شرعاً درست ہوسکتا ہے۔

وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاویٰ هو أن يقول: بعت منک علی أن تبيعه مني متی جئت بالثمن، فهٰذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن وهو الصحيح. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء ٥٤٥/٧ زكريا، إمداد الفتاوی ١٠٧/٣، فتاویٰ خليليه ٣٩٥/١)

ومن هٰذا القبيل بيع الأمانة المسمّٰی ببيع الوفاء جوّزه مشايخ بلخ وبخاریٰ توسعةً. (الأشباه والنظائر ١٣٠)

ومنها الافتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين علی أهل بخاریٰ، وهٰكذا بمصر، وسمّوه بيع الأمانة والشافعية يسمّونه الرهن المعاد. (الأشباه والنظائر ١٤٩)

(۲) اِس معاملہ میں رہن کے ساتھ عقد اجارہ مشروط ہے، تو بیع میں دو معاملہ کی شرط ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عن بيعتين في صفقة واحدة. (رواه الإمامُ البغوي في شرح السنة ١٤٤/٨، لمعات التنقيح ٥٧٢/٥ دار النوادر، كذا في المشكاة / باب المنهی عنها من البيوع ٢٤٨ رقم: ٢٨٦٩، الموسوعة الفقهية ٢٦٧/٩ كويت)

أما الإجارة فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة ...... وإن كان هو المرتهن وجدد القبض للإجارة ...... بطل الرهن، والأجرة للراهن. (الرد المحتار / كتاب الرهن ٥١١/٦ كراچی)

وكذٰلک لو استأجره المرتهن، صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد

القبض للإجارة. (الفتاویٰ الهندية/ الباب الثامن في تصرف الراهن ٥/ ٤٦٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵/ ہزار روپئے کی کاشت کی زمین رہن رکھ کر سالانہ ۵۰۰ روپئے اُس سے کم کرنا؟

سوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالد نے مبلغ ۲۵/ ہزار روپئے کی کاشت کی زمین رہن رکھی اور سالانہ پانچ سو روپئے اس سے وضع کر دیتا ہے، جس کو ہمارے یہاں گلاؤ رکھنا کہتے ہیں، جب کہ خالد کو اس زراعت کی زمین سے مبلغ ۱۵/ ہزار روپئے سالانہ کی آمد ہوتی ہے، تو اس صورت میں یہ معاملہ صحیح ہے یا غلط؟ اس رقم سے اتنی قلیل رقم کم کرنا کیا کاشت کار کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرتہن کے لئے گروی رکھی ہوئی زمین سے مذکورہ طریقہ پر فائدہ اٹھانا دراصل قرض پر نفع اُٹھانے ہی کی ایک شکل ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

قال الشامي عن المنح: لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن في الرباء – إلى قوله – قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهٰذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع. (شامي / كتاب الرهن ١٠/٨٣ زكريا، إمداد المفتيين ٨٧٠، كذا في مجمع الأنهر / كتاب الرهن ٤/٢٧٣ دار الكتب العلمية بيروت)

أجمع الجمهور على أن المرتهن لا ينتفع من الرهن بشيء. (الفلك المشحون ٣/ يوسفي لكناؤ، البحر الرائق / كتاب الرهن ٨/٢٣٨ زكريا، تبيين الحقائق / كتاب الرهن ٦/٦٧ المكتبة الإمدادية ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرتہن کا راہن کے راشن کارڈ سے راشن لاکر استعمال کرنا؟

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب کو پیسوں کی ضرورت تھی، اُنہوں نے سو روپئے کے بدلہ اپنا راشن کارڈ بنا رکھا ہے، جس کے پاس کارڈ رکھا ہے وہ اُس سے راشن لاکر استعمال کرتے ہیں، حالاں کہ مدت ہونے پر کارڈ اور پیسے جس کے تھے، اُس کو واپس ملتے ہیں، تو اِس شخص کا راشن لاکر کھانا درست ہے یا نہیں؟ اگر پیسے والا مدت پوری ہونے پر کارڈ واپس کردے اور پیسے نہ لے اور یہ کہہ دے کہ میں نے اِن پیسوں کے بدلہ راشن لیا ہے، تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اُس شخص کا راشن کارڈ سے راشن لاکر استعمال کرنا مطلقاً جائز نہیں؛ اس لئے کہ مرتہن کے لئے شئ مرہون سے نفع اٹھانا شرعاً ربا میں داخل ہے، خواہ راہن نے انتفاع کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴۵۴، احسن الفتاویٰ ۸/۴۹۸)

يكره للمرتهن أن ينتفع بالرهن وإن أذن له الراهن. قال في المنح: لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهٰذا أمر عظيم. وجزم في رد المحتار بما في جواهر الفتاوىٰ: من أنه إن كان مشروطًا، صار قرضًا جرّ فيه منفعةً وهو ربا، وإلا يكون مشروطًا فلا بأس ...... قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهٰذا بمنزلة المشروط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع. (شرح المجلة لخلد الأتاسي ۱۹٦/۳-۱۹۷ رقم المادة: ۷٦۰ المكتبة الحقانية پشاور، الدر المختار مع الشامي / كتاب الرهن ۸۳/۱۰ زكريا، مجموعة رسائل اللكنوي / الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون ۱۲/۳ إدارة القرآن كراچی، الفتاوىٰ الكاملية / كتاب الرهن ۲٤٤ المكتبة الحقانية پشاور، وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار / كتاب الرهن ۲۳٦/٤ دار المعرفة بيروت)

تاہم راشن کارڈ سے اس نے جتنے پیسوں کا نفع اٹھایا ہے اتنا قرض تو خود بخود ساقط ہو جائے گا اور بقیہ حصہ اس کے معاف کرنے سے معاف ہوگا۔

ولو كانت شاة فشرب المرتهن من لبنها كان ذٰلك محسوبًا عليه من الدين؛ لأن لبن الشاة يتقوم. (خانية على هامش الهندية، كتاب الرهن / فصل في الانتفاع بالرهن ٦٠٣/٣، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٧١/١٨ رقم: ٣٠٠٩٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرتہن کا مرہونہ زمین سے نفع اُٹھانا؟

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے دس بیگھہ زمین ہے، دس سال کے لئے رہن رکھی اور یہ بات طے ہوئی کہ جب میں روپئے دوں گا، اُس وقت زمین واپس لے لوں گا، تو اس زمین کی پیداوار سے جو نفع اُٹھایا، وہ قسط میں داخل ہوگا؟ اور یہ شریعت کے اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کی پیداوار کا مالک راہن (رہن رکھنے والا) ہے، مرتہن (اپنے پاس رہن رکھنے والے کو) اُس میں سے لینے کا حق نہیں ہے۔

عن الشعبي قال: إذا ولدت فالولد من الرهن، إنما هو زيادة فيها. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب البيوع / باب من رهن جارية ثم وطئها ٢٤٢/٨ رقم: ١٥٠٥٩)

أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه إذن له في الربا. (شامي ٤٨٢/٦، ٨٣/١٠ زكريا)

وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن. (الهداية ٤٠٥/٤)

الزائد الذي يتولد من المرهون كولد الدابة والثمر واللبن والصوف

والوبر والإرش يكون للراهن لتولده من ملكه غير أنه يكون مرهونًا مع الأصل.
(شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۹۳ رقم المادة: ۷۱۵ المكتبة الحنفية كوئٹه، الرد المحتار، كتاب الرهن / فصل في مسائل متفرقة ٥٢١/٦ کراچی، وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن / فصل رهن عصيرًا ٣٠٤/٤ المكتبة الغفارية كوئٹه)

ونماء الرهن كالولد والثمر واللبن والصوف والوبر والأرش ونحو ذٰلک للراهن لتولده من ملكه وهو رهن مع الأصل تبعًا له. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الرهن / فصل في مسائل متفرقة ٥٢١/٦ دار الفكر بيروت، ١٤٤/١٠ زكريا)

قال أبوحنيفة وأصحابنا: إذا ولدت المرهونة بعد الرهن، دخل ولدها في الرهن، وكذٰلک اللبن والصوف، وثمر النخل والشجر، وهو قول الثوري، والحسن بن حيّ.

قال أبوجعفر: الدين حق ثابت في رقبة الرهن؛ بدلالة أن المرتهن بعد الموت أحق به من سائر الغرماء، حتى يستوفى دينه (وكان كحق الكتابة في رقبة الأم) فيوجب دخول الولد فيها، ولا فرق بين الثمرة وبين الولد؛ لأن ذٰلک نماء حادث من الأصل، وقد أجاز مالک أن يشترط الثمرة الحادثة في المستقبل في الرهن، فتكون داخلة فيه. (مختصر اختلاف العلماء لأبي جعفر الطحاوي، كتاب الرهن / في ولد المرهونة ٢٩٠/٤ - ٢٩١ دار البشائر الإسلامية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۴ھ

غیر مسلم کی مرہونہ زمین سے فائدہ اٹھانا؟

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی جائیداد رہن رکھ سکتا ہے؟ اور اُس جائیداد یا کھیتی سے کسی قسم کا

فائدہ جیسے فصل وغیرہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رہن رکھنا درست ہے؛ لیکن مرہونہ زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ انتفاع بھی سود ہی کے حکم میں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳؍۴۴۵)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: اشترى رسول اللّٰه اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم طعامًا من يهودي بنسيئة ورهنه درعًا له من حديد. (صحيح البخاري / باب الكفيل في السلم رقم: ٢٢٥١، نصب الراية ٤/٣١٩)

الرهن لغة حبس الشيء بأي سبب كان ...... وهو مشروع لقوله تعالىٰ: ﴿فَرِهَانٌ مَقْبُوْضَةٌ﴾ ولما روي: أنه عليه السلام اشترى من يهودي طعامًا ورهنه به درعه. وقد انعقد على ذٰلک الإجماع. (الهداية / كتاب الرهن ٤١/٧ ٣ مكتبة البشرىٰ كراچی)

وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لا باستخدام ولا سكنى. (الهداية / كتاب الرهن ٤/٦ ٥٠ إدارة المعارف ديوبند، كذا في الفتاوىٰ السراجية / باب تصرف الراهن والمرتهن ٥٢٧ دار العلوم زكريا أفريقيا، البحر الرائق / كتاب الرهن ٤٣٨/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۱؍۳؍۱۴۱۱ھ

مرہونہ زمین پر نفع حلال نہیں ہے

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے میرے پاس ساڑھے تین بیگھہ زمین دو سال کے لئے رہن رکھی، میں نے اُن کو اِس کے عوض میں تیس ہزار روپے نقد دئے، اس کے بعد میں نے شخص مذکور کو یہی ساڑھے تین بیگھہ زمین آدھے پر کاشت کرنے کے لئے دے دی، اِس کی جوتائی، بوائی وغیرہ پر جو لاگت آئے گی اُس کو نکال کر بقیہ میں سے دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین آپ نے بطور رہن اپنے پاس رکھی ہے اُس سے کسی طرح کا نفع اٹھانا آپ کے لئے جائز نہیں ہے؛ بلکہ جب وہ زمین اصل مالک کو کاشت کے لئے واپس دے دی گئی، تو رہن کا معاملہ ہی ختم ہوگیا؛ کیوں کہ شئ مرہون پر آپ کا قبضہ نہیں رہا؛ لہٰذا آپ پیداوار میں سے کچھ حصہ بھی لینے کے حق دار نہیں ہیں، بس اپنے دئے ہوئے قرض کا مطالبہ کرسکتے ہیں، اِس سے زیادہ کوئی چیز لینا آپ کے لئے درست نہیں ہے۔

وقيل: لا يحل للمرتهن؛ لأنه ربا. وقيل: إن شرَطَه كان ربا، وإلا لا (الدر المختار) وقال الشامي بحثًا: قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهٰذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع. (شامي / كتاب الرهن ۱۰/ ۸۳ زكريا)

وبخلاف الإجارة والبيع ...... إذا باشر أحدهما بإذن الآخر حيث يخرج عن الرهن ثم لا يعود إلا بعقد مبتدإٍ. (الدر المختار، كتاب الرهن / باب التصرف في الرهن والجناية عليه ۱۰/ ۱۳۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۱۱/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرہونہ موقوفہ جائیداد کو زرِ رہن نہ ہونے کی وجہ سے راہن کے ورثہ کا فروخت کرکے قرض چکانا

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ستمبر ۱۹۱۹ء میں شیخ علی محمد مرحوم ولد شیخ احمد بخش مرحوم، قوم شیخ، پیشہ کرایہ خوری، ساکن توپخانہ بازار کہنہ شہر کانپور نے اپنی دو قطعہ غیر منقولہ جائیدادوں میں سے ایک قطعہ احاطہ نمبر ۳۹، ۵۴ واقعہ توپخانہ بازار کہنہ شہر کانپور کو دوسرے قطعہ مکان نمبر ۳۹، ۵۷ واقع مسٹن روڈ کانپور کی تعمیر ومرمت

ودیگر اپنی ضروریات ادائے قرضہ جات وغیرہ کی نیت سے بذریعہ رہن نامہ رجسٹرڈ مورخہ ۱۶؍ستمبر ۱۹۱۹ء مبلغ سات ہزار روپئے سودی قرض کے عوض ایک غیر مسلم لالہ کے پاس تین سال کے لئے رہن رکھ دیا، اور اقرار کیا کہ ''درصورت وعدہ خلافی یعنی بعد گذرنے تین سال میعاد مذکور کے وعدم ادائے زر اصل وسود بالائے سود کے، مرتہن موصوف کو اختیار حاصل ہوگا کہ بذریعہ نالش عدالت اپنا زر رہن معہ سود بالائے سود وخرچہ نالش جائیداد مرہونہ سے وصول کرلیں، نیز یہ کہ اگر جائیداد مرہونہ مطالبۂ مرتہن مذکور کے واسطے کافی نہ ہوتو مرتہن موصوف کو اختیار حاصل ہوگا کہ بقیہ مطالبہ اپنا، ذات وجائیداد منقولہ وغیر منقولہ میری سے وصول کرلیویں، مجھ مقر ووارثان وقائم مقامان کو کوئی عذر وحیلہ نہ ہوگا''۔ (خلاصہ رہن نامہ مورخ ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۹ء)

بعد ازاں راہن شیخ علی محمد مرحوم موصوف نے معاملہ رہن کے صرف چار دن بعد بتاریخ ۳۰؍ستمبر ۱۹۱۹ء اپنی متذکرہ بالا دونوں جائیدادوں (مرہونہ وغیر مرہونہ) کو بغرض کار خیر وصدقہ جاریہ بذریعہ وقف نامہ رجسٹرڈ وقف علی النفس وعلی الاولاد کردیا۔ اس وقف نامہ میں واقف شیخ علی محمد مرحوم موصوف نے لکھا ہے کہ میں مقر اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں اور حیات مستعار کا کوئی اعتبار نہیں ہے، عرصہ دراز سے میں مقر کا قصد تھا کہ اپنی جائیداد غیر منقولہ کا کوئی ایسا بندوبست کردوں کہ بعد وفات میں مقر کے بفضلہٖ تعالیٰ وہ قائم وبرقرار رہے اور قرضہ ذمے گی خود بھی ادا ہوجائے۔

آگے چل کر موصوف نے لکھا ہے کہ اب میں اپنی جائیداد غیر منقولہ کو اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد وقف علی النفس وعلی الاولاد کرتا ہوں، آج کی تاریخ سے جملہ اختیارات انتقالات مثل بیع، ہبہ، وغیرہ کے جو میں مقر کو حاصل تھے، یا بعد وفات میری وارثِ مقر کو حاصل ہوسکتے تھے وہ سب ساقط ہوگئے اور جائیداد اس وقت سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ملکیت ہوگئی۔

پھر آگے چل کر جائیداد مرہونہ مذکورہ کی بابت یہ لکھا ہے کہ چوں کہ دوکانات مسٹن روڈ پر بالاخانہ تعمیر کرانا لابدی ہے، جس کے لئے معقول رقم کی ضرورت ہے، اور میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے، ونیز قرضہ ذمہ گی خود بھی ادا کرنا ہے، جس کے لئے میں متولی کو ہدایت کرتا ہوں کہ احاطہ

نمبری ۳۹، ۵۴ جو زیر بار رہن بھی ہے، اس کی کرایہ کی آمدنی سے یا احاطہ مذکور سے بذریعہ کسی اور احسن ومناسب طریقہ سے روپیہ حاصل کرکے زرقرضہ بھی ادا کردیں اور دوکانات پر بالاخانہ بھی تعمیر کرادیں، اور اب میں واقف کوئی اضافہ باررہن کا احاطہ مذکور پر نہ کروں گا اور نہ آئندہ کوئی متولی بجز ادائے قرضہ وتعمیر بالاخانہ کے کسی دوسرے کام کے لئے اس احاطہ سے کوئی روپیہ حاصل کرے گا۔ (خلاصہ وقف نامہ مورخہ ۳۰ رستمبر ۱۹۱۹ء)

مگر راہن وواقف شیخ علی محمد مرحوم موصوف کے انتقال کے بعد ۱۸/ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ان کے اکلوتے پسر محمد مجتبیٰ مرحوم نے (جو از روئے وقف نامہ وقف مذکور کے نامزد متولی بھی تھے) جائیداد مرہونہ موقوفہ احاطہ نمبری ۳۹، ۵۴ کو محمد مجید احمد صاحب مرحوم کے ہاتھ مبلغ سترہ ہزار روپے کے عوض فروخت کردیا اور بیع نامہ کی رجسٹری کرادی۔

بائع محمد مجتبیٰ مرحوم نے اپنے اس عمل فروختنی کی وجہ بیع نامہ مذکور میں یوں بیان کی ہے کہ ''والد صاحب نے اپنے ذمہ قرضہ چھوڑ کر وفات پائی جس کا ادا کرنا بہت جلد ضروری ولازمی ہے؛ تا کہ اس کا بار میرے والد مرحوم پر نہ رہے، نیز احاطہ نمبری ۳۹، ۵۴ پر مبلغ ۷ / ہزار روپئے کا اصل قرض علاوہ سود بالائے سود کے بھی ہے جو والد مرحوم کے وقت کا ہے جس سے مجھ مقر (متولی) کو نہایت خوف واندیشہ ہے کہ چند روز میں جائیداد مذکورہ سود بالائے سود میں جاتی رہے گی، اور بجز علیحدگی جائیداد کے اور کوئی سبیل روپیہ ملنے کی نہیں ہے؛ لہذا بعد غور کمال، طریقہ بہتر ومناسب یہ سمجھ میں آیا ہے کہ احاطہ مذکورہ ۳۹، ۵۴ علیحدہ کردوں، تو اس کی قیمت سے جملہ قرضہ جات بھی ادا ہوجائیں گے اور ما بقیہ روپئے سے عمارت دومنزلہ دوکانات بھی تعمیر ہوجائیں گی، جس کا کہ تعمیر کرانا اشد ضروری ہے، اور اس روپئے سے جو عمارت جدید تعمیر ہوگی اُس کی آمدنی کرایہ کی احاطہ مذکور کی آمدنی سے بدرجہا زیادہ ہوجائے گی، جو کہ صریح نفع ہے؛ لہٰذا میں نے ایک قطعہ احاطہ نمبری ۳۹، ۵۴ بحق شیخ محمد مجید احمد صاحب بیع قطعی کیا، اور بیچ ڈالا اور کل زرثمن حسب صراحت مشتری سے وصول پایا، اب کچھ باقی نہیں رہا''۔ (خلاصہ بیع نامہ رجسٹرڈ مورخہ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۲۰ء)

مندرجہ بالا احوال واقعی کے پیش نظر چند سوالات جواب طلب ہیں، براہِ کرم شرع اسلامی کے مطابق ہمیں ان کے جواب سے آگاہ فرمائیں عنایت ہوگی۔ **فجزاکم اللّٰہ تعالیٰ.**

(۱) جائیداد کو رہن رکھنے کے بعد مرتہن کا مطالبہ زرِ رہن پورا کرنے سے قبل کیا اس جائیداد مرہونہ کو کسی پر وقف کیا جاسکتا ہے؟

(۲) جائیداد مرہونہ کو وقف کرنے کے بعد، زر رہن ادا کرنے یا کسی دیگر مالی ضرورت پوری کرنے کی غرض سے کیا اسے فروخت کیا جاسکتا ہے؟

(۳) وقف مذکورہ بالا کے نامزد متولی محمد مجتبیٰ مرحوم نے اپنے بیع نامہ میں ذکر کردہ اندیشوں کی بنا پر احاطہ نمبری ۳۹، ۵۴ مرہونہ موقوفہ کو تین سال کی مقررہ میعاد رہن پوری ہونے سے قبل جو فروخت کردیا تھا، کیا یہ فروخت کردینا صحیح تھا؟ جب کہ واقف مرحوم نے متولی کو اس کی اجازت بھی نہیں دی تھی؟

(۴) کیا احاطہ مذکورہ کے خریدار اس خریداری کی وجہ سے اس کے مالک ہوگئے تھے؟

(۵) خلاصہ یہ کہ احاطہ مذکورہ (مرہونہ ثم موقوفہ ثم مبیعہ) کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟ موقوفہ یا مملوکہ؟

ہمارے یہاں واقف مرحوم کے ورثاء (موقوف علیہم) اور احاطہ مذکور کے موجودہ قبضہ داروں کے بیچ شدید اختلاف ہے، اول الذکر کہتے ہیں کہ احاطہ نمبری ۳۹، ۵۴/۱ ابھی بھی وقف علی حالہ ہے؛ کیوں کہ وقف کردہ چیز فروخت نہیں کی جاتی ہے اور جو ماضی میں اسے فروخت کیا گیا تھا، وہ صحیح نہیں تھا، جب کہ ثانی الذکر کا کہنا ہے کہ چوں کہ شئی مرہون کا وقف کرنا ہی صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا احاطہ مذکورہ کا فروخت کیا جانا صحیح تھا، اور اب وہ خریداروں کی ملکیت ہے۔

سائل شرح فتح القدیر کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہوئے آپ کے جواب باصواب کا منتظر ہے:

وأما عدم تعلق حق الغير كالرهن والإجارة فليس بشرط ...... وكذا لو

رهـن أرضه ثم وقفها قبل أن يفتكها لزم الوقف ولا تخرج عن الرهن بذلك …… فـلـو مات قبل الإفتكاك وترك قدر ما يفتك به، أفتك ولزم الوقف، وإن لم يترك وفاءً بيعت وبطل الوقف . (شرح فتح القدير ٣٩/٥)

فبيّنوا وأجركم عند الله الكريم

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تفصیلی سوال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوا کہ مرحوم شیخ علی محمد نے جس مرہونہ جائیداد کو وقف کیا تھا، ان کے انتقال کے وقت ان کے ترکہ میں اتنا مال نہیں تھا کہ جس سے اس مرہونہ جائیداد کو رہن سے چھڑایا جائے۔ بریں بنا اُصول کے مطابق یہ مرہونہ جائیداد ازروئے شریعت موقوفہ قرار نہیں دی جاسکتی، اور بعد میں اُن کے وارثین کو اُس مرہونہ جائیداد پر مالکانہ تصرف کرنے کا حق حاصل ہے؛ لہٰذا مرحوم کے بیٹے محمد مجتبیٰ نے اس زمین کو مرتہن کی رضامندی سے فروخت کرنے کی جو کارروائی کی ہے وہ شرعاً درست ہے، اور خریدار اُس کے مالک ہوچکے ہیں۔

مـات الراهن باع وصيه رهنه بإذن مرتهنه، وقضى دينه لقيامه مقامه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / باب التصرف في الرهن الخ ١٤١/١٠ زكريا)

ولـو مـات الـراهـن بـاع وصيـه لـلرهن وقضى دينه، وإن لم يكن له وصي نـصـب الـقـاضي له وصيًا وأمره ببيعه، كذا في السراجية. (الـفـتـاوىٰ الهندية / الفصل الخامس في رهن الأب والوصي ٤٣٩/٥ زكريا)

وكـذا لـو رهن أرضه، ثم وقفها قبل أن يفتكها لزم الوقف، ولا تخرج عن الـرهـن بذلك ……، ولو مات قبل الافتكاك، وترك قدر ما تفتك به أفتكت ولزم الوقف، وإن لم يترك وفاءً بيعت وبطل الوقف. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الأول ٣٥٥/٢، فتح القدير ١٨٧/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۴/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رہن کا مکان حاصل کرکے استعمال کرنا

سوال (۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رہن کا مکان حاصل کرکے اُس کے استعمال کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رہن کا مکان حاصل کرکے اُس سے نفع اٹھانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، اگرچہ مالک اُس کی اجازت دے دے۔

عن ابن سيرين قلا: جار رجل إلى ابن مسعود رضي الله عنه فقال: إن رجلا رهنني فرسًا فركبتها، قال: ما أصبت من ظهرها فهو ربا. (المصنف لعبد الرزاق ٢٤٥/٨ رقم: ١٥٠٧١، إعلاء السنن، كتاب الرهن / باب الانتفاع بالمرهون ٧٣/١٨ رقم: ٥٨١٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عن طاؤس قال: في كتاب معاذ بن جبل: من ارتهن أرضًا فهو بحسب ثمرها لصاحب الرهن من عام حج النبي صلى الله عليه وسلم. (المصنف لعبد الرزاق ٢٤٥/٨ رقم: ١٥٠٧٢، إعلاء السنن، كتاب الرهن / باب الانتفاع بالمرهون ٧٤/١٨ رقم: ٥٨١٩ دار الكتب العلمية بيروت)

قال العلامة العثماني: قلت: هٰذان الأثران يدلان على أنه لا يجوز للمرتهن الانتفاع بالمرهون؛ لأنه ربا. (إعلاء لسنن، كتاب الرهن / باب الانتفاع بالمرهون ٧٣/١٨-٧٤ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في الشامي / كتاب الرهن ٨٣/١٠ زكريا، طحطاوي على الدر المختار / كتاب الرهن ٢٣٦/٤ دار المعرفة بيروت، شرح المجلة لخالد الأتاسي ١٩٦/٣ رقم المادة: ٨٥٠ كوئٹه)

وقد اغترّ كثيرٌ من علماء عصرنا ومن سبقنا بظاهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتهن بالإذن، فأفتوا به مطقًا من دون أن يفرقوا بين المشروط وغيره، ومن دون أن يتأملوا في أن المعروف كالمشروط، فضلّوا وأضلّوا. وقد

التزمتُ أنا من مدة مديدة أني كلما سُئلت من الانتفاع بالإذن، أجبت الكراهة، لعلمي منهم أن الإذن عندهم يكون مشروطًا حقيقةً أو عرفًا، والإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقي والعرفي نادرٌ قطعًا. (مجموعة رسائل اللكنوي / الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون ۱۲/۳ إدارة القرآن كراچی، الفتاویٰ الكاملية / كتاب الرهن ٢٤٤ المكتبة الحقانية پشاور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرہونہ زیورات گم ہونے پر پرانے بھاؤ سے زیور کی قیمت واپس کرنا؟

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک شخص سے بطور قرض ۵۰/ ہزار روپئے لئے تھے، اور اُس کے عوض اپنی بیوی کے زیورات جو تقریباً گیارہ تولے سونے کے تھے، اُن کے پاس رکھ دئے، اور ہمارے درمیان یہ بات طے ہوگئی کہ آپ کے روپئے دے کر اپنے زیورات واپس لے لوں گا، اَب میں اُن سے ۵۰/ ہزار روپئے دے کر اپنے زیورات واپس لینا چاہتا ہوں۔ اب اُن صاحب کا کہنا ہے کہ زیورات کو میں نے تلاش کیا؛ مگر مل نہیں رہے ہیں، اب پرانے حساب سے اپنے زیورات کے روپئے لے لو، جب کہ اِس وقت سونے کا بھاؤ ساڑھے چار ہزار روپئے تولہ تھا، تو کیا اُن کا قول وعمل درست ہے، جب کہ میں اپنا سونا لینا چاہتا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً یہ تحقیق ضروری ہے کہ وہ زیورات کس طرح اور کیوں گم ہوئے؟ اِس میں اُن کی طرف سے لاپرواہی کا دخل تو نہیں؟ اور اگر بالفرض اُن کا گم ہونا متحقق اور ثابت ہوجائے، تو جس تاریخ کو آپ نے زیورات اُن کے حوالہ کر کے قرض لیا تھا، اس

وقت اُن کی جو قیمت تھی، اُسی کا اعتبار کیا جائے گا، آج کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، گو کہ قیمت میں کافی فرق ہوگیا ہو۔ اور اس میں اشکال کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ جس اعتبار سے سونے کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے، کم وبیش اسی اعتبار سے روپئے کی قیمت میں کمی بھی آئی ہے، اور آپ اتنے سال تک قرض کے روپئے سے فائدہ اٹھاتے رہے، اس میں آج آپ سے اضافہ کا کوئی مطالبہ نہیں کیا جارہا ہے؛ اس لئے شرعی اُصول کے مطابق قبضہ کے وقت کی قیمت کا اعتبار کرکے معاملات کو صاف کیا جائے گا۔

وخالفهم في ذٰلک آخرون، منهم: أبوحنيفة ومالک وأحمد في رواية، وقالوا: الرهن مضمون بالدين عند المرتهن ...... وقد روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في هٰذا أيضًا، وأخرج ذٰلک عن عطاء بن أبي رباح أن رجلاً ارتهن فرسًا، فمات الفرس في يد المرتهن، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ذهب حقک. (شرح معاني الآثار للإمام الطحاوی / باب الرهن يهلك في يد المرتهن كيف حكمه)

فدلّ هٰذا الحديث على بطلان الدين بضياع الرهن. وأخرج عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه في الرجل يرتهن الرهن فيضيع، قال: إن كان بأقل، ردوه عليه، وإن كان بأفضل فهو أمين في الفضل. وعن علي رضي اللّٰه عنه قال: إذا رهن الرجل الرهن، فقال له المعطي: لا أقبله إلا بأكثر مما أعطيتک فضاع، ردّ عليه الفضل، وإن رهنه؛ وهو أكثر مما أعطى بطيب نفس من الراهن، فضاع فهو بما فيه. (شرح معاني الآثار للإمام الطحاوي / باب الرهن يهلك في يد المرتهن كيف حكمه، كذا في تقريب شرح معاني الآثار للشيخ العلامة نعمة اللّٰه الأعظمي أكب رمن مشيخة دار العلوم ديوبند ۹۷/۳-۹۹ المكتبة النعمة ديوبند)

وإذا هلک المرهون في يد المرتهن، أو في يد العدل ينظر إلى قيمته يوم القبض وإلى الدين، فإن كانت قيمته مثل الدين سقط الدين بهلاكه، وإن كانت

قیمته أکثر من الدین سقط الدین، وهو في الفضل أمین. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الرهن / الباب الثالث في هلاك المرهون بضمان أو بغیر ضمان ٥/٤٤٧ زکریا)

الودیعة متی وجب ضمانها فإن کانت من المثلیات تضمن بمثلها، وإن کانت من القیمیات تضمن بقیمتها یوم لزوم الضمان. (شرح المجلة ١/٤٤٦ إتحاد دیوبند)

ولئن کان لا یجب إلا بعد الهلاک، ولکنه یجب عند الهلاک بالقبض السابق، ولهٰذا تعتبر قیمته یوم القبض ...... وهو مضمون بالأقل من قیمته ومن الدین، فإذا خلک في ید المرتهن وقیمته والدین سواء، صار المرتهن مستوفیًا لدینه، وإن کانت قیمة الرهن أکثر، فالفضل أمانة في یده؛ لأن المضمون بقدر ما یقع به الاستیفاء وذٰلک بقدر الدین. (الهدایة / کتاب الرهن ٤/٥٣٠ مکتبة البشریٰ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سوسائٹی میں جمع شدہ رقم کھاتہ داروں میں کیسے تقسیم کی جائے؟

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عرصہ ہوا ہمارے علاقہ میں ایک تنظیم ملی امدادی سوسائٹی بہرائچ کے نام سے قائم ہوئی تھی، جس کا مقصد لوگوں کو سود سے بچانا تھا، تنظیمی شکل ایک بینک کی تھی، جس میں لوگ اپنا کھاتہ کھول کر اپنی پسماندہ رقم جمع کرتے تھے اور بوقتِ ضرورت اپنی رقم نکالتے تھے، ضرورت مندوں کو ایسی پسماندہ رقم میں سے بلاسودی قرض بھی دیتے تھے، اِس تنظیم نے بہرائچ اور گونڈہ کے مختلف مقامات پر اپنی شاخیں کھولیں اور عملہ رکھ کر کام شروع کیا، اِسی طریقہ کی ایک شاخ ''اٹیا تھوک'' بازار ضلع گونڈہ میں بھی قائم ہوئی، اٹیا تھوک گونڈہ میں ۱۹۸۸ء میں قائم ہوئی اور اُس کی وقتاً فوقتاً جانچ پڑتال مرکزی تنظیم ملی امدادی سوسائٹی بہرائچ کی طرف سے ہوتی رہی، عوام الناس میں اعتماد قائم کرنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی مقامی لوگوں میں سے بھی بنادی گئی، جنہیں حسابات وغیرہ سے کوئی

جانکاری نہیں تھی، مزید لوگوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے سوسائٹی کی رقم سے دوقطعہ آراضی بھی خریدی گئی، سوسائٹی ۲۰۰۲ء تک چلتی رہی، جب لین دین متاثر ہوئی تو لوگوں کو عملہ پر غبن کا شبہ ہوا، کھاتہ داروں کی رقم واپسی کے دباؤ کی وجہ سے عملہ میں سے کچھ لوگ فرار ہوگئے، بالآخر کاغذات جانچ کرانے سے غبن کا پتہ چلا، موجودہ وقت میں سوسائٹی کے پاس جو رہن شدہ زیورات تھے، اُن کی واپسی اور قطعہ زمین کے فروخت سے جو رقم حاصل ہوئی ہے وہ غبن شدہ رقم کے مقابلہ میں ۱۵ ؍ فیصدی کے بقدر ہے، ایسی صورت میں جو رقم مہیا ہوئی ہے، وہ کھاتہ داروں میں کس طرح تقسیم کی جائے، ایک قطعہ آراضی جو ابھی تک فروخت نہیں ہوئی ہے، اُسے ایک کھاتہ دار اپنے حق میں بیع نامہ کرالینا چاہتا ہے؛ تاکہ اس سے اس کی رقم جمع شدہ پوری پوری وصول ہو جائے، کیا کسی ذمہ دار کو بقیہ کھاتہ داروں کو نظر انداز کر کے صرف ایک کھاتہ دار کو بیع نامہ کر دینا جائز ہے؟ اور کیا ایسے کھاتہ دار کا تنہا زمین اپنے حق میں بیع نامہ کرانا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوسائٹی کے پاس رہن شدہ زیورات اور قطعہ زمین کے فروخت سے حاصل شدہ رقم جو کہ غبن شدہ رقم کے مقابلہ میں ۱۵ ؍ فیصدی کے بقدر موجود ہے، وہ کھاتہ داروں کو اپنے اپنے حصہ کے بقدر تقسیم کر دی جائے گی، اور تمام کھاتہ داروں کو نظر انداز کر کے صرف ایک کھاتہ دار کے نام اس قطعہ آراضی کا جو ابھی تک فروخت نہیں ہوئی ہے، بیع نامہ کر دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ وہ تمام کھاتہ داروں کے حصے کے بقدر تقسیم کی جائے گی۔

ویأخذون فضل کسبه یقسم بینهم بالحصص لاستواء حقوقهم في القوة.

(الهداية ٣/٤٤ ٣ إدارة المعارف) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۳/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع بالوفاء اور انتفاع بالمرہون کی ایک صورت؟

سوال (۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: زید کے پاس کچھ زمین ہے، جس کی قیمت نوسو روپئے ہے، اس زمین کے بدلہ زید نے عمر سے تین سو روپئے لئے اور کہا کہ یہ زمین اب تمہاری ہے، جب میں تیرے روپئے واپس کردوں گا، تو زمین پھر میری ہوگی، زید نے عمر کو دو سال بعد تین سو روپئے جو اس نے دئے تھے مکمل واپس کردئے؛ لیکن اس دو سال کے اندر میں جو زمین سے پیدا شدہ اناج ہے، وہ عمر کے لئے استعمال کرنا درست ہوگا یا نہیں، جب کہ زمین دو سال مکمل اُسی کی ملکیت میں تھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں لکھا گیا معاملہ مشروط بیع بالوفاء اور انتفاع بالمرہون کی شکل ہے، جو مفتی بہ قول کے مطابق ناجائز ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں درمیانی مدت میں عمر کے لئے مرہون زمین کا اناج اپنے استعمال میں لانا ہرگز درست نہ ہوگا اور جو اناج استعمال کرلیا ہے اُس کی قیمت مالک زمین کو لوٹانی لازم ہوگی۔

وهو أن يقول: بعت منک علی أن تبیعه مني متی جئت بالثمن فهٰذا البيع باطل وهو رهن. وحكمه حكم الرهن وهو الصحيح. وفيه: البيع الذي تعارفه أهل زماننا احتياطاً لا للربا، وسموه بيع الوفا هو رهن في الحقيقة لا يملكه ولا ينتفع به إلا بإذن مالكه وهن ضامن لما أكل من ثمره. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء ٣٨٦ كراچی، ٧/٥٤٥-٥٤٦ زكريا)

جواز کی شکل یہ ہے کہ پہلے مطلقاً بلاشرط بیع کرے اُس کے بعد آپس میں یہ طے کرلیں کہ اگر میں اتنے پیسے لوٹا دوں، تو میری چیز مجھے واپس کردیں تو دیانۃً معاہدہ صحیح ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ مظاہر علوم ۱/۳۹۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۵۲۵ ڈابھیل)

والصحيح أن العقد الذي جرى بينهما إن كان بلفظ البيع لا يكون رهنًا، ثم ينظر: إن ذكرا شرط الفسخ في البيع فسد البيع. وإن لم يذكرا ذٰلک وتلفظا بلفظة البيع بشرط الوفاء أو تلفظا بالبيع الجائز. وعندهما: هٰذا البيع عبارة عن

عقد غير لازم فكذٰلک، وإن ذكرا البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمةً، فتجعل لازمةً لحاجة الناس. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية / فصل في الشروط المفسدة ۱۶۵/۲ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وكذا لو تواضعا الوفاء قبل العقد ثم عقدا بلا شرط الوفاء، فالعقد جائز، ولا عبرة بالمواضعة السابقة. (جامع الفصولين ۲۳۷/۲ اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن، الفتاویٰ الأنقروية / فی بیع الوفاء ۲۹۳/۱ دار الإشاعة العربية قندهار، وكذا في الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب فی بیع الوفاء ۲۷۶/۵-۲۷۷ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۴/۲۹ھ

کتاب الاشتات

مسائلِ شتی

عقائدواِیمانیات:

کسی بات کے جواب میں ''اللہ جانے اُس کارسول جانے'' کہنا؟

سوال (۱): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''اللہ جانے اوراُس کارسول جانے'' یا''اللہ نے چاہااوراُس کےرسول نے چاہا''۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جب کوئی ایسا مسئلہ سامنے آتا جوصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں نہ ہوتا، تو صحابہ یہ فرماتے تھے کہ: "**اللّٰہ ورسولہ أعلم**'' یعنی اللہ اوراُس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔اورصحابہ کاحضورصلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ فرمانا بالکل درست تھا؛ کیوں کہ وحی کاسلسلہ جاری تھا اور صحابہ یہ جانتے تھے کہ اِس مسئلہ کاعلم بذریعہ وحی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یا تو ہوچکا ہے یا آئندہ ہوجائے گا؛ لیکن حضورعلیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد چوں کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا؛ اِس لئے آج کوئی بات پیش آئے تو اُس پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا اوراپنی عام گفتگواورعام معاملات میں یہ کہنا ہے کہ''اللہ جانے اوراُس کارسول جانے'' یہ درست نہیں ہے، اِس طرح کے جملہ سے اللہ کی صفت علم کے ساتھ رسول اللہ کی ہمسری کا ایہام ہوتاہے۔ نیزیہ دعویٰ بھی بلادلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرجزئی اورکلی بات کاعلم پیشگی عطاکردیاگیا تھا؛ بلکہ حتمی اورمحقق بات یہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہی علوم مکمل عطاکئے گئے تھے، جن کاتعلق

تبلیغ رسالت اور تشریع نبوت سے تھا، اِسی طرح یہ کہنا کہ ''اللہ نے چاہا اور اُس کے رسول نے چاہا'' اللہ کی صفت مشیت میں رسول کو شریک قرار دینے کے معنی میں ہے، گویا کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ اور اُس کے رسول کے چاہنے سے ہوتا ہے؛ حالاں کہ یہ بات قطعاً غلط ہے، اللہ کی صفت مشیت میں کوئی بھی مخلوق کسی درجہ میں شریک نہیں ہے؛ لہٰذا گفتگو کے دوران ایسے کلمات بولنا ہرگز جائز نہیں۔

رجلٌ تزوج ولم يحضر شاهدًا فقال: خدا تر اور سول خدا تر گواہ کردم وفرشتگاہ را گواہ کردم یکفر **في الفتاوی؛ لأنه يعتقد أن الرسول والملک عالم بالغيب** (خلاصة الفتاویٰ ٣٨٥/٤، خانية على الهندية ٥٧٦/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کراماً کاتبین مسلمان اور کافر سب پر مقرر ہیں؟

سوال (۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حساب وکتاب لکھنے والے فرشتے مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں، یا کافروں کے ساتھ بھی ہوتے ہیں؟ اور جنات کے ساتھ بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راجح قول کے مطابق حساب وکتاب لکھنے والے فرشتے مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں؛ بلکہ کفار کے ساتھ بھی فرشتے مقرر ہیں، نیز جنات کے لئے بھی کراماً کاتبین مقرر کئے گئے ہیں۔

اختلفوا في الكفار هل عليهم حفظة؟ فقيل: لا، لأن أمرهم ظاهر وعملهم واحد، قال تعالیٰ: ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ﴾ وقيل: عليهم حفظة، وهو ظاهر قوله تعالیٰ ﴿بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ وقوله تعالیٰ: ﴿وَاَمَّا

مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ﴾ (جمل شرح جلالین، الانفطار ٤/٥، فتح البیان ٩/٢٠٩)

إن قولـه تعالىٰ: ﴿وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ﴾ وإن كان خطاب مشافهة، إلا أن الأمة مجمعة على أن هٰذا الحكم عام في حق كل المكلفين. (تفسير كبير للرازي الانفطار ١٦/٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نزع، دنیاوی تکالیف اور بیماری اللہ کا عذاب ہے یا کفارۂ سیئات؟

سوال (۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نزع، بیماریاں اور اُس کی تکلیف وغیرہ اللہ کی جانب سے عذاب ہے یا آزمائش؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مؤمن کے لئے نزع کی شدت، بیماریاں یا دنیاوی تکالیف عذاب نہیں ہیں؛ بلکہ کفارۂ سیئات ہیں، جو شخص اِن حالات پر صبر کرے گا، اُس کی غلطیاں معاف ہوں گی، اور درجات بلند ہوں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جنت میں اعلیٰ درجہ میں رکھنا چاہتے ہیں مگر اُس کے اعمال اِس درجہ کے موافق نہیں ہوتے، تو موت کے وقت اُس کی تکلیف بڑھا کر اُس کے عوض اُس کے درجات بلند کر دیتے ہیں۔

إن المرض يكفر الذنوب جميعًا إذا حمد المريض على ابتلائه. (مرقاة المفاتيح ٤/٣٧٥ ملتان)

فإن المصائب على المؤمن نعم منه تعالىٰ إذا صبر عليها. (الكوكب الدري ١/٣٠٥ سهارنپور)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الرجل ليكون له عند اللّٰه المَنزِلةُ فما يبلغها بعمل، فما يزال اللّٰه يبتليه بما يكره

حتی یبلّغه إیاها. (المسند لأبي یعلیٰ رقم: ٦٠٩٥، صحیح ابن حبان رقم: ٢٩٠٨، الترغیب والترهیب، کتاب الجنائز وما یتقدمها / الترغیب في الصبر الخ رقم: ٥١٣٦ بیت الأفکار الدولیة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا برے اَعمال کی وجہ سے نیکیوں کی توفیق سلب ہوجاتی ہے؟

سوال (۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب کسی ایسی عبادت سے ہم رک جائیں جو عبادت ہم روز کرتے ہیں، تو کیا یہ سوچنا چاہئے کہ آج اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہے، اِس لئے اُس نے ہمیں آج روک دیا یا یہ شیطانی عمل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض برے اَعمال ایسے ہیں جن کی نحوست سے نیکیوں کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، مثلاً ظلم، بدنظری اور کینہ بغض وحسد وغیرہ اِس لئے اگر بلا عذر کوئی معمول چھوٹ جائے تو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے اور کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اُس سے توبہ واستغفار کرلینی چاہئے۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ...... وإیاکم والکذب؛ فإن الکذب یهدي إلی الفجور، وإن الفجور یهدي إلی النار. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الصدق والکذب ١٨/٢ رقم: ١٩٧١، سنن أبي داؤد ٦٨١/٢ رقم: ٤٩٨٩، صحیح مسلم ٣٢٦/٢ رقم: ٢٦٠٧، صحیح البخاري ٩٠٠/٢ رقم: ٥٨٥٦ ف: ٦٠٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’نا اُمیدی کفر ہے‘‘ اِس کا مطلب کیا ہے؟

سوال (۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ’’نا اُمیدی کفر ہے‘‘ اِس کا صحیح مطلب کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''نا امیدی کفر ہے'' اِس کا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات نا اُمیدی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے، یعنی وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اَب اُس کے حالات کبھی درست ہونے والے نہیں ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کا یقین نعوذ باللہ اُس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی بھی معاملہ میں وقتی طور پر نا امیدی کو کفر قرار دے دیا جائے؛ کیوں کہ یہ کیفیت تو فطرۃً ہر آدمی پر طاری ہوتی رہتی ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّهُ لاَ يَيْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾

[یوسف، جزء آیت: ۸۷]

قال الشهاب وجمهور الفقهاء على أن اليأس كبيرة، ومفاد الآية أنه من صفات الكفار لا أن من ارتكبه كان كافرًا بارتكابه الخ. (تفسير روح المعاني ٦٤/٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۷ھ

میدانِ محشر میں لوگ کس نسبت سے پکارے جائیں گے؟

سوال (٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری نے اپنی کتاب ''مرنے کے بعد کیا ہوگا''؟ میں ۱۸۳ پر لکھا ہے کہ: ''قیامت کے روز اپنے ناموں کے ساتھ اور اپنے باپوں کے ناموں کے ساتھ بلائے جاؤ گے؛ لہٰذا تم اچھے نام رکھو''۔ (مسند احمد، ابوداؤد شریف، بخاری شریف)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ عام طور سے مشہور ہے کہ قیامت کے روز اپنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے، یہ صحیح نہیں ہے، بنائی ہوئی بات ہے؛ لیکن اس مسئلہ کے باوجود کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے شادی کی اور شادی کرنے کے بعد کسی طریقہ سے مرد کو

بیماری آجاتی ہے، جس کی وجہ سے اُس کی بیوی نے کسی دوسرے مرد سے زنا کرلیا، اُس کے بعد اُس عورت کو حمل ہوگیا اور بچہ پیدا ہوگیا، تو قیامت کے روز یہ بچہ کس کے نام سے پکارا جائے گا، جس مرد نے زنا کیا اُس کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا؟ یا بیوی کے اَصل شوہر کے نام سے پکارا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح اَحادیث سے یہی ثابت ہے کہ قیامت کے روز لوگ اپنے باپ کے ناموں کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔ اور جن بعض روایات میں ماؤں کے نام کے ساتھ پکارے جانے کا ذکر ہے، وہ سب روایتیں منکر اور نا قابل اعتبار ہیں۔

اور آپ نے شادی شدہ مزنیہ عورت کی اَولاد کے بارے میں جو سوال کیا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں نسب کا ثبوت اُسی شخص سے ہوتا ہے جس کے نکاح میں رہتے ہوئے اُس کی بیوی نے بچہ جنا ہے، زناکار شخص کی طرف بچے کی نسبت نہیں ہوتی، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الولد للفراش وللعاهر الحجر". (مشكاة المصابيح ٢٨٨/٢، سنن أبي داؤد ٢١٠/٢) اِس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اِس طرح کا بچہ زانی کی طرف منسوب نہ ہوگا؛ بلکہ اپنے معروف باپ کی طرف منسوب ہوگا۔

عن أبي الدرداء رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إنكم تدعون يوم القيامة بأسماء كم وأسماء آباء كم فأحسنوا أسماء كم. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في تغيير الأسماء ٦٧٦/٢ رقم: ٤٩٤٨ دار الفكر بيروت، مشكاة المصابيح ٤٠٨/٢)

يدعى الناس يوم القيامة بآبائهم. قال النجم: أورده البخاري، قال ابن بطال: فيه رد على من زعم أنهم لا يدعون يوم القيامة إلا بأمهاتهم سترًا على آبائهم. وأخرجه ابن عدي عن أنس رضي اللّٰه عنه وقال منكرٌ. وأورده ابن الجوزي في الموضوعات. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس ٣٦١/٢ دار الفكر بيروت)

روي عن مروان بن معاوية عن حميد عن أنس رضي اللّٰه عنه مرفوعًا

يـدعـى الـنـاس يوم القيامة بأسماء أمهاتهم سترًا من اللّٰه عليهم وهٰذا منكر. (لسان الميزان ١/٣٤٤ رقم: ١٠٦٩)

عـن حـميد الطويل عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عـليه وسلم: يدعى الناس يوم القيامة بأمهاتهم سترًا من اللّٰه عليه لا يصح إسحاق منكر الحديث. (اللآئي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة ٣٧٣/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنا، اور دور رہ کر آپ کو ''یارسول اللہ'' کہنا؟

سوال (۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہ مسئلہ ہے کہ ﴿اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں آخر میں کس طرح کہا جائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے، یا یہ کہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نیک اعمالوں کی برکتوں سے ہماری دعاؤں کو قبول فرمایئے؟ صحیح طریقہ کیا ہے؟

جناب مولانا مفتی محمد یار خاں نے اپنی کتاب ''جاء الحق وزہق الباطل'' ۱/۱۷۴-۲۰۲ سب دعاؤں پر بات لکھی ہے، اور ندا یا رسول اللہ پر ثبوت پیش کئے ہیں، اور اَولیاء اللہ سے مدد مانگنا بھی ثابت کیا ہے، آپ بتایئے اولیاء اللہ سے مدد مانگنا اور یارسول اللہ کہنا اور بزرگوں کے وسیلے سے دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیغمبر علیہ السلام یا اللہ کے کسی نیک بندے کے وسیلہ سے دعا مانگنا تو جائز ہے؛ لیکن اولیاء اللہ سے براہِ راست مدد مانگنا یا دور رہ کر پیغمبر علیہ السلام کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا اِس عقیدے سے کہ آپ حاضر وناظر ہیں، قطعاً درست نہیں ہے؛ البتہ کوئی

شخص اگر روضۂ اَقدس پر حاضری دے تو یا رسول اللہ کہہ کر سلام پیش کرسکتا ہے؛ اِس لئے کہ اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام اپنی قبر اطہر میں اعلیٰ درجہ کی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں، اورقبر پر حاضر ہوکر سلام کرنے والے کا سلام بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں؛ لیکن دور رہ کر ''یارسول اللہ'' کہنے کی اِجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۱۸۷، فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۴۵، امداد المفتیین ۱۹۵-۲۱۲، عزیز الفتاویٰ ۸۷-۱۰۵، کفایت المفتی ۱/ ۱۶۵-۱۹۹)

إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات، مثل يا سيدي فلان اغثني، وليس ذٰلك من التوسل المباح في شيء واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك، وإن لا يحرم حول حماه، وقد عده أناس من العلماء شركًا. (روح المعاني ٤/ ١٨٨)

عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكثروا الصلاة علي يوم الجمعة؛ فإنه مشهود تشهده الملائكة، وإن أحدًا لن يصلي علي إلا عرضت علي صلاته حتى يفرغ منها، قلت: وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت، إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، فنبي الله حي يرزق. (سنن ابن ماجة ١١٨)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلّى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائبًا أبلغته. (شعب الإيمان للبيهقي ٢/ ٢١٨ رقم: ١٨٣، مشكاة المصابيح ١/ ٨٧)

ويكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم. (مجمع الأنهر ١/ ٢٩٩)

قال علماءنا من قال: أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر. (البحر الرائق ٥/ ١٢٤، الفتاویٰ البزازية ٦/ ٣٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/ ۸/ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’راشد شاز‘‘ اور اُس کے گمراہ عقائد

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِس عریضہ کے ذریعہ میں ’’راشد شاز‘‘ نام کے ایک شخص کے بارے میں آپ حضرات سے شریعت کا حکم دریافت کرنا چاہتا ہوں، یہ شخص اسلام کے تعلق سے بہت ہی گمراہ کن اور خطرناک خیالات رکھتا ہے، اِس کے خیالات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) قرآن کے احکامات وقت وزمانہ کے لحاظ سے تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔

(۲) قرآن کے علاوہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وحی نہیں آتی تھی۔

(۳) قرآن کے بعد کسی دوسرے مأخذ کی ضرورت نہیں ہے، اگر قرآن کو ہدایت کے حتمی اور تکمیلی مأخذ کی حیثیت حاصل نہ ہوتو بقول شاز’’ خود ماہیت وحی کے بنیادی تصور پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے‘‘۔

(۴) ’’اقوال وآثار کے جحیم ذخیرے میں چند ایسے اقوالِ رسول کی نشان دہی بھی ممکن نہیں، جسے تاریخ سے بالاتر مستند یا متواتر قرار دیا جاسکے‘‘۔ (ادراک زوال اُمت، جلد اول، مثلہ معہ ص:۱۹۹)

(۵) اَحادیث کو وحی کے مماثل مان بھی لیا جائے تو وہ صرف اُس زمانہ کے لئے تھیں، اس لئے اگر صحیح اَحادیث مل بھی جائیں، تو اُن پر عمل کے بجائے خود وحی قرآنی سے رجوع کیا جائے۔

(٦) اَحادیث کی حیثیت وحی کی نہیں تاریخ کی ہے۔

(۷) اُسوۂ رسول ہمارا رہنما تو ہے؛ لیکن اُسوۂ رسول قرآن میں تلاش کیا جائے نہ کہ اَحادیث میں۔

(۸) تقدیر کے سلسلہ میں آئی ہوئی اَحادیث کے بارے میں اُس کا کہنا ہے کہ: ’’اُن روایتوں نے جو اُس وقت اُمتِ مسلمہ کے دل ودماغ پر چھائی ہوتی تھیں، ہمارے اہل دانش کو ایک عمومی قنوطیت اور غیر حرکتیت میں مبتلا کردیا‘‘۔

تقدیر کے بارے میں اُمت کے متفقہ عقیدہ کے برخلاف اُس کا یہ بھی کہنا ہے کہ: ’’تاریخ

کے بارے میں یہ تصور کہ وہ اپنے بندھے ٹکے راستہ پر گامزن ہے جو دراصل خدائی فیصلہ ہے، بڑی حد تک اس جبر یہ رجحان کی پیداوار ہے، جسے بوجوہ بالکل ابتدائی ہی عہد میں مسلم فکر میں داخلہ مل گیا تھا''۔

شاز کا ماننا ہے کہ: ''جب یہ عقیدہ دل و دماغ میں سرایت کر جائے کہ تاریخ کا سفر پہلے سے طے شدہ ہے، فیصلہ کی سیاہی خشک ہوچکی ہے، تو پھر اصلاح کی کوئی کوشش شروع ہونے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہے......دیکھا جائے تو اِس نوع کی تمام ضعیف اَحادیث جو مستند اور غیر مستند کتابوں میں راہ پا گئیں ہیں، اُن کا ہمارے دل ودماغ کو Shape دینے میں کلیدی رول ہے''۔

(۹) یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا منکر ہے۔

(۱۰) یہ شخص حضرت عیسی کے نزول کا منکر ہے۔

(۱۱) قیامت کے قریب حضرت عیسی کے ظہور کا منکر ہے۔

(۱۲) یہ شخص قیامت کے قریب دجال کے ظاہر ہونے کا منکر ہے۔

(۱۳) یہ شخص اجماع کا منکر ہے۔

(۱۴) یہ شخص اِس بات کا منکر ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

(۱۵) یہ شخص نسخ فی القرآن کا منکر ہے۔

(۱۶) یہ شخص سبعۃ احرف کا منکر ہے۔

(۱۷) یہ شخص رجم کا منکر ہے۔

(۱۸) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر حدیث **العین حق** ''نظر لگنا برحق ہے'' کے برخلاف اس شخص کا ماننا ہے کہ نظر لگنے کی کوئی حقیقت نہیں۔

(۱۹) یہ شخص لوح محفوظ کا کے اوپر ہونے کا منکر ہے۔اس کا کہنا ہے کہ لوح محفوظ سے مراد وہ کتاب ہے جس میں قرآن پاک کو مکمل طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا۔

(۲۰) اس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی اہل ایمان ہیں اور تمام انبیاء کے سابقین کی باقیات اور ان کے سچے متبعین امت مسلمہ کے رکن رکین ہیں۔

مذکورہ بالا خیالات کے حامل شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسے خیالات رکھنے والا شخص مسلمان ہے یا کافر، اس سے رسم و راہ رکھنا کیسا ہے؟ اس کے مشن میں اس کا ساتھ دینا کیسا ہے؟

نیز ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو دو ٹکے کی خاطر اس کے لئے کام کرتے ہیں، اس کی کتابوں کا ترجمہ کرتے ہیں، کتابوں کے میلے میں جاکر اس کی کتابیں بیچتے ہیں، اس کو مواد لاکر دیتے ہیں، جن میں تحریف کر کے یہ شخص وہ کتابیں مرتب کرتا ہے۔ شریعت کی رو سے اُن لوگوں کے لئے اس شخص کا تعاون کرنا، اس کی کتابوں کا ترجمہ کرنا، اس کو کتابوں سے مواد لاکر دینا کیسا ہے؟

نیز ذیل میں ''راشد شاز'' صاحب کی کتابوں سے بعینہٖ چند اِقتباسات مع حوالہ کتاب آنجناب کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں؛ تاکہ رائے قائم کرنے میں آسانی ہو۔ ملاحظہ فرمائیں:

قرآن کے احکامات بدلے جاسکتے ہیں:

''اب آیئے! اس نقطہ کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ساتویں صدی میں نازل ہونے والی کتاب جب اکیسویں صدی میں خلاقانہ دل و دماغ اور مؤمنانہ بصیرت کے ساتھ پڑھی جائے گی تو یہ عمل اپنے اندر کن اندیشوں اور امکانات کا حامل ہوگا۔ مثال کے طور پر آیت وراثت کو لیجئے جہاں بیٹی کے مقابلے میں بیٹے کو یک گونہ فوقیت حاصل ہے، ساتویں صدی کے پدرانہ عرب معاشرے میں جہاں عورت پر معاشی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہ تھا، نان ونفقہ کی ذمہ داری سے وہ یکسر آزاد تھی، باپ، شوہر، بھائی اور مختلف قرابت کے رشتوں کے ذریعہ اسے جو کچھ بھی ملتا اس کی حیثیت ایک جمع پونجی کی ہوتی، جب کہ مرد وارثین سماجی اور عائلی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوتے۔ ایک ایسے معاشرے میں وراثت کی یہ ترتیب عورت کے حق میں تھی؛ البتہ آج شہری زندگی میں بالخصوص مغرب کے بڑے شہروں میں جہاں عورت اور مرد کو اپنی انفرادی حیثیت میں زندگی کا مکمل بوجھ اٹھانا پڑرہا ہے وہاں باپ کے ترکہ میں بیٹی کو مساوی حصے سے محروم کرنا ہوسکتا ہے سماجی انصاف کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو۔ جو لوگ حضرت عمر

کے فہم انصاف سے واقف ہیں ان کے لئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ ہوگا کہ آپ نے حالات کے بدل جانے کی وجہ سے سابقہ نظائر کو کس طرح بدل دیا حتی کہ قطع ید کی قرآنی نص وقتی طور پر اس وجہ سے منجمد کر دی گئی کہ قحط کے زمانے میں اس حد کا اطلاق قرین انصاف نہ تھا۔اس کے برعکس جو لوگ اس بات پر اصرار کریں کہ فہم قرآن کے ہمارے نتائج متقدمین کی تعبیرات سے عین مطابق ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ اکیسویں صدی کی دنیا میں ساتویں صدی کا ماحول فراہم کریں کہ Text کی معنویت اور اس کے اطلاقات Context کے تابع ہوتے ہیں۔اگر Context بدل جائے تو Text کے اطلاقات بھی لازماً بدل جائیں گے''۔(اسلام؛ مسلم ذہن کی تشکیل جدید، کیا اسلام کی ایک نئی تعبیر ممکن ہے؟ص:۲۲)

قرآن کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کسی وحی کے آنے کا انکار:

''ہمارے یہاں بھی دو قسموں کی وحی کا عقیدہ در آیا ہے،ایک کو وحی متلو اور دوسرے کو وحی غیر متلو قرار دیا گیا،کہا گیا کہ وحی متلو قرآن کی شکل میں محفوظ ہے اور وحی غیر متلو وہ احکام وفرامین ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے تھے''۔(ادراک زوال اُمت جلد اول تفہیم زوال ص ۵۸)

''جن لوگوں نے تاریخ کو تقدیس کا درجہ دے دیا اور جو آثار واقوال کے مجموعوں میں حکمت یا وحی غیر متلو کی تجلیاں دیکھنے لگے ان کے لئے قرآن سے باہر وحی کے اس مأخذ میں حرام وحلال کی تلاش کچھ مشکل نہ رہی اوران کے لئے یہ کہنا بھی آسان ہو گیا کہ ''إنما حرم رسول اللّٰه فهو مثل ما حرم اللّٰه''۔(ادراک زوال امت، جلد اول، مثلہ معہ، ص:۲۱۳)

''اسوۂ رسول یا دانش نورانی کی تلاش میں وحی کے علاوہ کسی اور وثیقے کو بنیاد قرار دیا جانا یا وحی سے باہر کسی وحی خفی کا خیال دراصل خود وحی کی تنسیخ سے عبارت ہے''۔(ادراک زوال امت، جلد اول، مثلہ معہ، ص:۲۴۶)

انکار حدیث:

''انبیائے سابقہ پر آنے والی وحی ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا قرآن مجید، اگر انہیں ہدایت کے حتمی اور تکمیلی ماخذ کی حیثیت حاصل نہ ہو تو

خود ماہیت وحی کے بنیادی تصور پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے"۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مثلہ معہ، ص ۱۹۳)

"اقوال وآثار کے جحیم ذخیرے میں چند ایسے اقوال رسول کی نشاندہی بھی ممکن نہیں جسے تاریخ سے بالاتر مستند یا متواتر قرار دیا جاسکے۔ رہا تواتر لفظی کا سوال تو حدیث کے اس پورے ذخیرے میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جسے لفظ بہ لفظ، ہو بہ ہو اپنی زمانی، مکانی اور ماحولیاتی یعنی spatial ابعاد کے ساتھ رسول اللہ کا قول مبارک قرار دیا جاسکے"۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مثلہ معہ، ص ۱۹۹)

"پھر کوئی وجہ نہیں کہ انسانی تالیفات کو جس کی جمع وتدوین اور تحقیق وتجزیے میں انسانی ذہن کی کارفرمائی ہوا سے لازوال دینی ماخذ کی حیثیت عطا کر دی جائے اور وہ بھی اس طرح کہ صحاح وستہ کی بنیاد پر سنی اسلام کا خرمن تشکیل پائے اور کافی، ابن بابویہ، استبصار توسی اور نہج البلاغۃ کی بنیاد پر شیعہ اسلام کی عمارت قائم ہو"۔ (متحدہ اسلام کا منشور ۳۴)

"ہمیں توقع ہے کہ قرآن مجید کو نشان راہ کے طور پر برتنے کی دعوت مکمل قرآن کو پھر سے ہمارے مطالعہ کی میز پر لے آئے گی، اور اگر ایسا ہو سکا تو نہ صرف یہ کہ ذیلی مآخذ دین کا تشریعی اعتبار جاتا رہے گا۔ بلکہ......"۔ (متحدہ اسلام کا منشور ۷۶-۷۷)

"جس فکری چوکھٹے میں قرآن مجید کے بالمقابل آثار وروایات، قدماء کے اجماع اور ان کے قیاس کو تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا ہو بھلا اس سے کیوں کر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کوئی نیا ذہن اور نئے آسمان کی تشکیل پر منتج ہو گا"۔ (اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، مسئلہ اجتہاد پر ایک اجتہادی نظر، ص: ۱۱۲)

احادیث کو وحیٔ کے مماثل مان بھی لیا جائے تو وہ صرف اسی زمانے کے لئے تھیں اس لئے صحیح احادیث مل بھی جائیں تو ان پر یقین تو کر لیا جائے گا لیکن عمل نہیں، عمل کے لئے خود وحی قرآنی سے رجوع کیا جائے

"ایام وآثار کو تاریخ یا تقدیسی تاریخ کا درجہ دے کر اسے ہم اپنے لئے خواہ لائق اتباع سمجھیں یا اسے ایک Precedent کی حیثیت سے پڑھنے کی کوشش کرے ان دونوں صورتوں میں تاریخ کی سطح پر ایام رسول میں ہماری واپسی ممکن نہیں۔ ایام رسول کو وحی کے مماثل سمجھا جائے یا اسے محض تاریخ قرار دیا جائے، جذبہ اور تخیل ہر دو سطح پر ہم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ صرف یہ کہ تاریخ کی چھلنیوں سے چھن

کر آنے والی معلومات پر اپنے ایقان کی مہر ثبت کر دیں؛ البتہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زمانی اور مکانی پیغمبر سے کہیں زیادہ حال اور مستقبل کے پیغمبر کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لئے لازم ہوگا کہ وہ ان ایام وآثار کو تاریخ کے انسانی Perception اور مأخذ کے بجائے خود وحی قرآنی سے رجوع کریں جہاں آپ کے ایام وآثار جابجا Sparks of authentic history کی حیثیت سے بکھرے پڑے ہیں ایک ایسی تاریخ جس پر Fossilized informatoin سے کہیں زیادہ مستقبل کے اعلامیہ کا گمان ہوتا ہے''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مثلہ معہ، ص: ۱۹۷۔۱۹۸)

احادیث کی حیثیت وحی کی نہیں تاریخ کی ہے:

''حکمت بنام سنت اور سنت بنام تاریخ کے اس سفر میں عملاً ہوا یہی کہ ہم نے سنت قولی کے نام پر تاریخ کو دین کی تمام تر تشریح وتعبیر کا حق دے دیا ایک بار جب یہ خیال چل نکلا کہ آثار واقوال کے مجموعوں میں دراصل وحی حکمت محفوظ ہے تو پھر اس کی حیثیت تاریخ سے کہیں زیادہ وحی کی ہوگئی جس کی تصدیق کرنا اور جس پر ایمان لانا اہل ایمان کے لئے لازم قرار پایا''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مثلہ معہ، ص: ۲۱۲)

''کتب احادیث کو تاریخ سے بالاتر ایک ایسا مقام عطا کیا گیا جس میں کسی انسانی غلطیوں کے راہ پانے کا کوئی امکان نہ ہو صحاح ستہ کی کتابوں میں کسی حدیث کا پایا جانا اس بات کے ثبوت کے لئے کافی سمجھا گیا کہ یہ حدیث براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہے۔ بقول ولی الدین تبریزی جس کسی حدیث کو صحاح کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس لئے کہ محدثین نے احادیث کی حتمی تحقیق کے بعد ہمیں مستغنی کر دیا ہے''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول۔ مثلہ معہ، ص: ۲۱۶)

نوٹ:- یہ مشکوٰۃ کے مقدمہ کی عبارت ہے: ''وإني إذا نسبت الحديث إليهم كأني أسندت إلى النبي صلى الله عليه وسلم؛ لأنهم قد فرغوا منه وأغنونا عنه''۔ اس عبارت کے ترجمہ میں شاذ صاحب کی علمی خیانت اور ان کے مبلغ علم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح وہ مختلف چیزوں سے غلط نتائج

مستنبط کرتے ہیں اور جس چیز کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا اسے افسانہ بنا دیتے ہیں:

وہ بات جس کا میرے فسانہ میں ذکر نہیں ❖ وہ بات ان کو بڑی ناگوار گزری ہے

''سنت کے حوالے سے اسوۂ رسول کا ایک ماورائے قرآن مأخذ وجود میں آجانے سے عملاً ہوا یہ کہ مسلمانوں کے یہاں بھی تاریخ تقدیس کی حامل ہوگئی جس کا شکار پچھلی قومیں ہو چکی تھیں۔ تاریخ کو جب ایک بار اقوال رسولؐ کے حوالے سے وحی لازوال کے مأخذ کی حیثیت حاصل ہوگئی تو پھر اس کے تمسک کے لئے بھی روایتیں وجود میں آنے لگیں''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مشلہ معہ، ص: ۲۱۷)

''ہمارے پاس یہ ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ ایام رسول کو ریکارڈ کرنے والی اقوال وآثار کی یہ بیش قیمت کتابیں ایک مقدس عہد کی تاریخ کو محفوظ کرنے کی کوشش ہے اور بس''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مشلہ معہ، ص: ۲۴۶)

اُسوۂ رسول ہمارا رہنما تو ہے؛ لیکن اُسوۂ رسول کو قرآن میں تلاش کیا جائے نہ کہ حدیث میں:

''حکمت ہو یا کتاب، نبی کی دانش نورانی انہی منزل من اللہ اسوہ کا کامل ترین اظہار ہے؛ البتہ اسوہ رسول یا دانش نورانی کی تلاش میں وحی کے علاوہ کسی اور وثیقے کو بنیاد قرار دیا جانا یا وحی سے باہر کسی وحی خفی کا خیال دراصل خود وحی کی تنسیخ سے عبارت ہے''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مشلہ معہ، ص: ۲۱۳)

''اہل ایمان کے لئے ایام وآثار کی معلومات اور اس کے تخلیقی Vision کا طریقۂ کار اس لئے اہم ہے کہ زندگی کے جملہ معاملات میں وحی ربانی کی نگرانی میں اُسوۂ رسول ہمارا واحد رہنما ہے؛ البتہ اس اسوہ کی تلاش میں وحی کے مصدقہ مأخذ کے بجائے تاریخ کے انسانی تصدیقی اصول کی اتباع نامناسب ہوگی''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مشلہ معہ، ص: ۱۹۸)

''تاریخ کے ذریعہ تاریخ کو Re-create کرنے کا عمل زیادہ سے زیادہ ہمیں جو کچھ فراہم کر سکتا ہے وہ ایام رسول کا ایک مجمل مبہم ناقص ریکارڈ اور بس۔ پھر ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کیا راستہ رہ جاتا ہے کہ ہم ایام اور آثار اور اسوۂ رسول کو تاریخ کے بجائے قرآن کے ذریعہ متصور کرنے کی کوشش کریں''۔ (ادراک زوال امت، مشلہ معہ، ص: ۱۹۸)

''جن لوگوں کا تصور سنت رسوم یا ظواہر پرستی سے عبارت ہو انھیں یہ جان لینا چاہئے کہ اقوال و آثار کے یہ تمام مجموعے سنت کی بازیافت میں ان کی مدد نہیں کر سکتے؛ البتہ جو لوگ سنت کے بجائے اسوۂ رسول کی پیروی کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہوں تو ان کی دادرسی کے لئے اسوۂ رسول کا لازوال مأخذ قرآن مجید اپنی اصل آب و تاب کے ساتھ اب بھی موجود ہے''۔(ادراک زوال امت، جلد اول، مثلہ معہ، ص: ۲۵۹)

علماء پر طنز اور تنقیص:

''سلاطین چوں کہ تلواروں کے سہارے برسرِ اقتدار آئے تھے، اس لئے اُن کی شناعت ہر کس و ناکس پر عیاں تھی؛ البتہ علماء نے ورع و تقویٰ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، اِس لئے اُن کے اصل اِرادوں پر پردہ پڑا رہا۔ گذرتے وقتوں کے ساتھ اُنہیں دینِ اسلام کے مستند شارحین کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ اُن کے اقوال اور نظائر تقدس کے حامل سمجھے جانے لگے''۔(متحدہ اسلام کا منشور، ص ۳۷)

''سچ تو یہ ہے کہ شافعی کے الرسالۃ سے شروع ہونے والا یہ سفر، جو بالآخر تقسیم خلافت اور اس کے اضمحلال کے جھٹپٹے میں علماء اسلام کے ادارے کی شکل میں منتج ہوا، دین اسلام میں اتنی بڑی بدعت تھی جس نے اسلام جیسے حیات افزا دین کو ایک منجمد اور بے روح مذہب میں تبدیل کر دیا''۔(متحدہ اسلام کا منشور، ص ۴۰)

''اس بات کے تو سبھی قائل ہیں کہ اسلام میں دین اور دنیا کی کوئی تقسیم نہیں ہے؛ لیکن اس حقیقت کے باوجود اہل فتاویٰ اپنی قیل و قال کو دینی علوم پر محمول کرتے ہیں اور اس حوالے سے عام مسلمانوں سے اس بات کے طالب بھی ہوتے ہیں کہ وہ ان کے فتاویٰ و آراء کو تقدیس کے ہالے میں گھرا دیکھیں۔

جب اسلام دین اور دنیا کی تفریق کا قائل نہیں تو پھر یہاں دینی یا دنیاوی علوم کی تقسیم کا کوئی جواز ہے اور نہ ہی اس بات کی کوئی گنجائش کہ انسانوں کا کوئی طبقہ اپنے آپ کو دینی علوم کا ماہر بتائے اور عام انسانوں کو دین کے حوالے سے اپنی اتباع کی دعوت دے''۔(اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، عقل بنام فتویٰ، ص: ۲۷)

''جب انسانی زندگی کا دین اور دنیا کی تفریق میں بٹا ہونا اسلام سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا اور وہ پوری انسانی زندگی کا کو کافۃً خدا کی اتباع میں دینے کا مطالبہ کرتا ہے تو پھر طبقۂ علماء کے لئے اس بات کی گنجائش کیسے نکل آئی کہ وہ خود کو دینی امور کا ماہر

بتائیں اور عام انسانوں کو اس بات کی ترغیب بھی دیں کہ وہ دین کی رہنمائی کے لئے اس کی طرف دیکھیں''۔ (اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، عقل بنام فتویٰ، ص ۲۷)

تقدیر کا انکار:

''تاریخ کے بارے میں یہ تصور کہ وہ اپنے بندھے ٹکے راستے پر گامزن ہے جو دراصل خدائی فیصلہ ہے، بڑی حد تک اس جبریہ رجحان کی پیداوار ہے جسے بوجوہ بالکل ابتدائی عہد میں ہی مسلم فکر میں داخلہ مل گیا تھا''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مسئلہ کی بازیافت، ص ۲۴-۲۵)

''جب یہ عقیدہ دل و دماغ میں سرایت کر جائے کہ تاریخ کا سفر پہلے سے طے شدہ ہے، فیصلے کی سیاہی خشک ہو چکی ہے تو پھر اصلاح احوال کی کوئی کوشش شروع ہونے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہے۔ پھر کرنے والے کے لئے جو کارِ لا یعنی تفویض ہوتا ہے اس میں وہ اپنا رول اس کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا کہ وہ اپنی دانست بھر نیکی کے عمل میں لگا رہے، اس اطمینان قلب کے ساتھ کہ اس کی یہ تمام کوشش صورت حال پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ دیکھا جائے تو اس نوع کی تمام ضعیف احادیث جو مستند اور غیر مستند کتابوں میں راہ پا گئی ہیں ان کا ہمارے دل و دماغ کو Shape دینے میں کلیدی رول ہے''۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، مسئلہ کی بازیافت، ص ۲۵)

تقدیر کی احادیث نے مسلمانوں کو ایک عمومی قنوطیت اور غیر حرکتیت میں مبتلا کر دیا:

''اس قبیل کی احادیث کی کمی نہیں جس میں یہ بات تفصیل سے بتائی گئی ہے کہ اللہ نے ہر نفس کی پیدائش کے وقت ہی اس کے لئے مقدر کر دیا ہے کہ وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔ ان روایتوں نے جو اس وقت مسلم دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھیں ہمارے اہل دانش کو ایک عمومی قنوطیت اور غیر حرکتیت میں مبتلا کر دیا۔ حالانکہ انہی کتابوں میں اس قبیل کی احادیث کی بھی کمی نہیں تھی جس میں اصلاح احوال کو بھی خدائی اسکیم کا ہی حصہ بتایا گیا تھا؛ لیکن جب فیصلہ کی روشنائی کا خشک ہونا ذہنوں پر مسلط ہو جائے تو چھوٹی چھوٹی انسانی کوشش اس بڑی اسکیم میں اپنی معنویت کھو دیتی ہے''۔

(ادراک زوال امت، جلد اول: مسئلہ کی بازیافت ص ۲۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار:

''قرآن وفات مسیح کے بارے میں بہت زیادہ تفصیلات فراہم نہیں کرتا البتہ "رافعک" کے لفظ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حضرت مسیح زندہ حالت میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور اسی لئے ان کے دوبارہ نزول کے سلسلہ میں خیال عام ہو گیا''۔ (ادراک زوال امت جلد اول مسئلہ کی بازیافت ص ۴۷)

مسیح موعود کی آمد، مہدی کے ظہور اور دجال کے آنے کا انکار:

''بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے وہ دراصل اللہ پر بہتان باندھتا ہے۔ قرآن مجید اور صحیح حدیث کی اس واضح تصریح کے بعد ان روایات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جن میں امت کے زوال، خلافت کا خاتمہ، مسیح موعود کی آمد، مہدی کا ظہور، دجال کا وردود وغیرہ واقعات کا تفصیلی بیان موجود ہے۔ ان روایات کو بلاچون و چرا کسی تاریخی اور نظری تنقید کے بغیر قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک بار پھر خود کو جبری تاریخ کے حصار میں گھرا پائیں جہاں سے نکلنے کا راستہ اس وقت تک مسدود ہو جب تک کہ ندائے غیب خود یہ اعلان نہ کر دے کہ ہوشیار! تاریخ اب آگے بڑھنا چاہتی ہے''۔
(ادراک زوال امت، جلد اول، مسئلہ کی بازیافت، ص ۳۵)

''مہدی آخری الزماں کی آمد ہو یا مسیح موعود کے ظہور کا مسئلہ، امام غائب کا انتظار ہو یا مستقبل کے مجدد کی تلاش۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ تصورات ختم نبوت سے براہ راست متصادم ہیں۔ آنے والا آچکا ہے۔ اب اس کے بعد کوئی نہ آئے گا۔ زمین کا آسمان سے رابطہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو چکا ہے۔ اب جو کچھ کرنا ہے اسی امت کو کرنا ہے جس کے لئے کتاب محفوظ کے حوالے سے "انا لہ لحافظون'' کا وعدہ ہے اور بس۔'' (ادراک زوال امت، جلد اول، مسئلہ کی بازیافت، ص ۴۴)

اجماع کا انکار:

''کتاب وسنت کے بعد اجماع کو کلیدی حیثیت دینا تلمودی ادب میں بنیادی قدر کی حیثیت سے ایک معروف طریقۂ کار ہے۔ اجماع یعنی رائے عامہ کو تلمود میں اس

قدر حیثیت حاصل ہے کہ بعض اوقات اس سے نص میں بھی تبدیلی آجاتی ہے، ہمارے یہاں بھی اجماع کو تقدس عطا کرنے کے لئے یہ بات کہی گئی کہ محمدؐ کی امت گمرہی پر جمع نہیں ہوسکتی''۔(ادراک زوال امت، جلد اول، تفہیم زوال ص ۶۸)

اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت کے سلسلہ میں آئی ہوئی متواتر اَحادیث کا انکار:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام اگر بنی اسرائیل کی نجات کے لئے تالمودلٹریچر میں متحرک نظر آتے ہیں تو ہمارے یہاں بھی رسول اللہ کو شافع محشر قرار دینے کا عقیدہ در آیا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کی ذات عدل وانصاف میں بے مثال ہے اور جو حساب کے دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیگا، قرآن کے الفاظ میں ''ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ'' ہم اسی منصف اعلیٰ سے یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ حساب کے دن دوسری قوموں کے مقابلے میں ہماری طرف جانبداری کا رویہ اختیار کرے گا۔حالاں کہ یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ: ﴿لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلاَ اَمَانِیِّ اَھْلَ الْکِتَابِ مَنْ یَعْمَلْ سُوْءًا یُجْزَ بِہٖ وَلاَ یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَلاَ نَصِیْرًا﴾ [النساء] لیکن ان تمام تر وضاحتوں کے باوجود اہل کتاب کی طرح امت مسلمہ نے بھی اپنے نبی کو شفیع المذنبین قرار دے رکھا ہے۔قرآن کی وہ آیات جو امم سابقہ کے حوالے سے اس قسم کی خوش فہمیوں کی مذمت میں وارد ہوئی تھیں انہی آیات کی تشریح وتاویل سے بالکل مختلف معانی برآمد کر لئے گئے ہیں''۔(ادراک زوال امت، جلد اول، تفہیم زوال ص ۸۲)

''وہ دن جو انصاف کے حوالے سے قائم کیا جائے گا اور جس دن منصف اعلی خود انصاف قائم کرے گا اس دن کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہاں کوئی سفارش کام آسکتی ہے یا کسی کی شفاعت سے نتائج بدل سکتے ہیں دراصل قرآن کی بنیادی تعلیمات سے انکار کے مترادف ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج امت کا ایک بڑا طبقہ کوئی کم کوئی زیادہ اس غیر قرآنی تصور میں یقین رکھتا ہے کہ حشر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداخلت سے نتائج تبدیل ہوجائیں گے''۔(ادراک زوال امت، جلد اول، تفہیم زوال، ص ۸۳)

آیت الکرسی کے سلسلہ میں بخاری کی ایک حدیث کا انکار اور استہزاء:

''بعض روایتوں نے قرآن کو کتاب ہدایت کے بجائے کتاب حفاظت میں

تبدیل کردیا ہے، بخاری کی ایک روایت ہے کہ جو شخص سوتے وقت آیت الکرسی پڑھے تو اس پر خدا کی جانب سے ایک محافظ مقرر کر دیا جاتا ہے اور اس طرح اس کا مال چوری سے محفوظ رہتا ہے"۔(ادراک زوال امت، جلد اول۔ تفہیم زوال، ص ۶۳)

سبعۃ احرف کا انکار:

"سبعۃ احرف کے حوالے سے تفسیری ادب میں جو مختلف اور متضاد نوع کی بحثیں ہمارے تہذیبی سرمائے کا معتبر حصہ بن چکی ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے بآسانی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایات دراصل وحی ربانی کی ترمیم و تنسیخ پر منتج ہیں۔ ان تاویلات کو قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن جیسے عظیم صحیفے کو برضا و رغبت بازیچۂ اطفال بنانے پر صاد کہہ دیں"۔ (ادراک زوال امت، جلد اول، وحیٔ ربانی تعبیرات کے حصار میں ص ۱۲۱-۱۲۲)

رجم کا انکار:

"ہماری تفسیروں اور فقہی ادب میں خبر واحد سے قرآن تو ثابت نہیں ہوتا مگر احکام برآمد کئے جا سکتے ہیں۔ اس ضمن کی ایک بین مثال خود مفروضہ آیت رجم ہے جو خارج از قرآن ہونے کے باجود محض تاریخ و تشریح کے بل بوتے پر مسلسل فہم قرآنی میں مداخلت کرتی رہی ہے"۔(ادراک زوال امت، جلد اول، وحیٔ ربانی تعبیرات کے حصار میں ۱۳۲-۱۳۳)

برصغیر کے مبلغین اسلام کے خلاف بہتان تراشی:

"اہل اللہ کے لبادے میں ایک زیر زمین تحریک کو منظم کرنے کے لئے اسماعیلی داعی مختلف بلاد و امصار میں پھیل گئے، اس خفیہ تحریک کی اثر انگیزی کا اندازہ کچھ اس بات سے کیجئے کہ عین فاطمی عہد میں ملتان جیسے دور دراز علاقے میں اسماعیلی ولایت قائم ہو گئی، محمود غزنوی کے حملہ سے پہلے تک ملتان برصغیر کی صوفی تحریک کے لئے ہیڈ کوارٹر کا کام انجام دیتا رہا، اس بات کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی اور اس قبیل کے دوسرے بہت سے بزرگوں کا اس چھوٹی سی اسماعیلی ولایت میں بار بار آنا جانا لگا رہا۔ عثمان ہارونی، بہاؤ الدین زکریا، نظام الدین اولیاء، علی ہجویری، بابا فرید، شہباز قلندر اور اس طرح کے جتنے بڑے نام ہیں یہ سب لوگ دراصل

جلیل القدر اور پرعزم اسماعیلی داعی تھے جو فاطمی سادات کی اسماعیلی ریاست کو وسعت اور استحکام عطا کرنے کے خفیہ مشن پر مامور تھے''۔(متحدہ اسلام کا منشور،ص:۴۵)

سادات کے سلسلہ میں ہذیان:

''تاریخی مصادر اس پر متفق ہیں کہ آج دنیا کے مختلف گوشوں میں جو لوگ خود کو سادات کہتے یا کہلاتے ہیں، وہ ہاشمی اور مطلبی تو ہو سکتے ہیں، ان کا تعلق ابو طالب، ابوجہل اور عباس وحمزہ کے خانوادوں سے تو ہوسکتا ہے؛ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں''۔(متحدہ اسلام کا منشور،ص ۵۰)

آلات جدیدہ کے سلسلہ میں کوئی فتوی نہ دیا جائے:

آلات جدیدہ کے سلسلہ میں علماء کے بعض فتوؤں پر برافروختہ ہوتے ہوئے راشد شاز کا خیال ہے:

''خدا خود یہ چاہتا ہے کہ اس کے اصحابِ علم بندے تسخیر کائنات کا یہ عمل جاری رکھیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن کی زبان میں اصل عالم کہا جاسکتا ہے:﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾۔اس کے برعکس اگر ہم صرف یہ فیصل کرنے بیٹھ گئے کہ دیگر قومیں جو تسخیر کائنات کا فریضہ انجام دے رہی ہیں ان کا کون سا عمل شریعت میں مباح ہے اور کون سا حرام؟ یا یہ کہ ان کی کون سی ایجادات کو لائق استعمال قرار دیا جاسکتا ہے اور کون سی ایجاد پر عدم جواز کا فتوی چسپاں کیا جاسکتا ہے ؟ تو یہ ذہنی رویہ ہمیشہ ہمیں محض ان کے تعاقب میں مشغول رکھے گا اور ہم کبھی اس لائق نہیں ہوسکیں گے کہ دنیا ہماری اتباع اور اقتدا میں چلے۔ بھلا یہ کون سا شرعی علم ہے جس کے حاملین دنیا کی قیادت کے بجائے ایجادات واختراعات کرنے والوں کے تعاقب میں رہتے ہوں اور جنہوں نے اپنا محض یہ فریضہ سمجھ رکھا ہو کہ ان کا کام آلات جدیدہ کی تحلیل و تحریم یا مباح وجواز کا فتوی دینا ہے''۔(اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، عقل بنام فتوی،ص ۳۱)

رؤیت ہلال کا مسئلہ:

''ایک ایسی دنیا میں جہاں روز وشب کی گردش کو منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں ناپ لیا گیا ہو اور جہاں سورج اور چاند کے طلوع وغروب اور ظہور وغیوب کے بارے میں

حتمی گوشوارے مرتب کر لئے گئے ہوں وہاں اگر بعض قومیں عینی شہادت کے علاوہ دوسرے ذرائع کو یکسر مسترد کردیں تو ان کے بارے میں یہی تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ صدیوں کے تحقیق واکتشاف سے منہ موڑ کر اب بھی عہد وسطی میں جینے پر مصر ہیں''۔
(اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، مسلم ذہن کی تشکیل نو، ص:٦٨)

نظر بد لگنے کا انکار:

مختلف اسلامی خیالات پر خط تنسیخ پھیرتے ہوئے متفقہ اسلامی عقیدہ ''نظر لگنا برحق ہے'' کو شاذ نے اپنی عقل کوتاہ کا تختۂ مشق اس طرح بنایا ہے:

''...........یا نظر بد کے مؤثر ہونے کی روایتیں جواب تک مختلف کتابوں میں راہ پاجانے کے سبب ہمارے تاریخی اور ثقافتی ادب کا حصہ بن گئی تھیں، لیکن تھیں حاشیہ پر، اس ماحول میں وہ اب عین مرکز میں آگئیں۔ بجائے اس کے کہ ان روایتوں کا عقل وحی اور تاریخ کی روشنی میں کوئی واقعی محاکمہ کیا جاتا ان روایتوں کو اساطیری طرز فکر کے جواز کے طور پر قبول کرلیا گیا''۔ (ادراک زوال امت، جلد دوم، قرآنی دائرۂ فکر کا زوال، ص:١٨٦)

''مسلمانوں میں یہ خیال بھی شہرت کا مرتبہ رکھتا ہے کہ صرف کسی کا نگاہ غلط انداز ڈالنا فریق مخالف کی تباہی کا سبب ہوسکتا ہے۔ اس خیال کی ثقاہت دراصل اس روایت کے سہارے ہے جو صحیح مسلم میں راہ پاگئی ہے''۔ (ادراک زوال امت ٢/٢٣٠)

اہل کتاب کے سلسلہ میں کفریہ عقیدہ:

''صبغۃ اللہ کی یہ دعوت ایک ایسے مخلوط ایمانی معاشرے کا تصور پیش کرتی ہے جہاں تمام انبیاء کے راہ یاب طائفے خیر کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کررہے ہوں''۔ (اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، بلاد مغرب میں مسلم شناخت کا مسئلہ۔ ص ٣٨)

''مسلمان کی تعریف کے تعین میں ہمیں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ قرآن مجید میں امت مسلمہ کا تصور اہل ایمان کے مختلف طائفوں پر محیط ہے۔ دعائے ابراہیمی: ﴿وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ﴾ تمام انبیائے سابقین کی باقیات اور ان کے سچے متبعین کو امت مسلمہ کا رکن رکین قرار دیتی ہے''۔ (اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، مسلم شناخت کی دھوپ چھاؤں، ص٥٢)

''فقہ کی کتابوں میں مسلم حنیف کی تعریف چونکہ امت مسلمہ کے وسیع پس منظر کے بجائے امت محمدیہ کے تناظر میں متعین کی گئی ہے اس لئے یہاں مسلمان کی قرآنی تعریف پر گروہ مسلمین کی قومی شناخت غالب آ گئی ہے۔ فقہی نقطۂ نظر سے مسلم قوم کے اندر پیدا ہونے والا ہر شخص خواہ فکر و عمل میں اسے ملت ابراہیمی سے کوئی نسبت ہو یا نہ ہو وہ اعلیٰ درجے کا مسلمان قرار پایا۔ جب کہ انبیائے سابقین کے طائفوں میں پائے جانے والے متبع نفوس بھی کافر کی حیثیت سے دیکھے گئے''۔ (اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، مسلم شناخت کی دھوپ چھاؤں، ص:۵۳)

''ابتدائی عہد کے مسلمان اس بات سے آگاہ تھے کہ حامل قرآن کی حیثیت سے دین ابراہیمی کا مستند فہم تو ان کے ہاتھ ضرور آ گیا ہے البتہ انبیائے سابقین کے گروہوں میں متبع نفوس کے ایمان پر سوالیہ نشان لگانا ان کا کام نہیں''۔ (اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، مسلم ذہن کی تشکیل نو، ص:۶۰)

مذکورہ سوالات اور اقتباسات کی روشنی میں جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد غزالی ندوی

مدرسۃ العلوم الاسلامیہ ہمدرد نگر علی گڑھ

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب باللّٰہ التوفیق: (۱) قرآن کریم کی محکم آیتوں میں تغیر اور تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، جو تبدیلیاں حکمتِ خداوندی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو منظور تھیں وہ سب دورِ نبوت میں انجام پا چکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اب قرآنِ پاک کی کسی آیت میں کسی بھی طرح کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں؛ البتہ قرآن کریم کی وہ آیتیں جو معنی کے اعتبار سے ظنی اور محتمل ہیں، ان کی تشریح و تفسیر میں آراء کا اختلاف ہوسکتا ہے اور اس اختلاف کا منشاء بھی محض عقل و فہم نہیں ہے؛ بلکہ دیگر نصوص ہیں، اس طرح کی اختلافِ آراء کو تبدیلی کے دائرے میں نہیں رکھا جا سکتا؛ لہٰذا یہ عقیدہ کہ وقت اور زمانے کے لحاظ سے قرآنی احکامات تبدیل کئے جا سکتے ہیں، بلا شبہ ایک ملحدانہ نظریہ ہے، جس کی ہرگز تائید نہیں کی جا سکتی۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ﴾ [یونس، جزء آیت: ٦٤]

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ١٠٦]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لا يَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحَى اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ [يونس: ١٥]

وفي القرطبي تحت الآية: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ الخ: وهذا كله في مدة النبي صلى الله عليه وسلم، وأما بعد موته واستقرار الشريعة، فأجمعت الأمة أنه لا نسخ. (الجامع الأحكام القرآن للقرطبي ٦٦/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إذا أنكر الرجل آية من القرآن، أو تمسخر بآية من القرآن. وفي الخزانة: أو عاب كفر، كذا في التاتارخانية. (الفتاویٰ الهندية ٢٧٩/٢ زكريا)

(۲) یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی وحی نہیں آتی تھی، محض جہالت یا کھلی ہوئی شرارت ہے؛ اس لئے کہ بہت سی آیاتِ قرآنیہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ''غیر متلو'' کے نزول کا پتہ چلتا ہے، مثال کے طور پر سورۂ تحریم میں خود پیغمبر علیہ السلام کا مقولہ نقل کیا گیا: ﴿نَبَّأَنِي العَلِيْمُ الخَبِيْرُ﴾ [التحريم: ٣] اور یہ واضح ہے کہ اس معاملہ میں جن عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود نہیں ہے؛ لیکن یہ ظاہر ہے کہ بذریعہ وحی اس کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی۔

اس کے علاوہ قرآن پاک کی آیت: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى﴾ [النجم: ٤] کے عموم سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہونے والی دینی ہدایات سب وحی الٰہی پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔

نیز بے شمار صحیح اور مستند احادیثِ شریفہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ

وحی کے نزول کا اس طرح ثبوت ہوتا ہے جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور سوائے معاند شخص کے کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اس بارے میں چند احادیث ذیل میں درج ہیں:

عن المقدام بن معدي كرب رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ألا! إني أوتيت الكتاب ومثله معه، ألا! يوشك رجل شبعان على أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال، فأحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، ألا! لا يحل لكم الحمار الأهلي، ولا كل ذي ناب من السباع. (سنن أبي داؤد ٢/ ٦٣٢)

عن عبيد الله بن أبي رافع رضي الله عنه عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به، أو نهيت عنه، فيقول: لا ندري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه. (سنن أبي داؤد ٢/ ٦٣٥)

وفي البذل تحت قوله عليه الصلاة والسلام: ''ومثله معه'' أي ومثل الكتاب معه، وهو الحديث؛ لأنه الوحي غير المتلو والمماثلة في وجوب العمل والإعتقاد بهما؛ لأن الحديث إذا سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو قطعي مثل القرآن. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد ١٨/ ١٢٦)

(۳) قرآنِ مقدس کی حیثیت ایک قانونی کتاب کی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب اس قانونی کتاب کے مستند شارح اور مفسر کا ہے، گویا کہ بالفاظ دیگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی وہی تفسیر وتشریح معتبر ہوگی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات سے مستفاد اور مؤید ہو۔ اور ایسی تفسیر جو سنت رسول اللہ کے معارض ہو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تشریح وتفسیرِ قرآن کریم کے ماخذ ہونے کے اعتبار سے سنتِ رسول اللہ کو سندی حیثیت حاصل ہے؛ کیوں کہ اگر سنتِ رسول اللہ کو یہ استناد حاصل نہ ہو تو پیغمبر علیہ السلام کے مقصدِ بعثت یعنی تعلیم کتاب وحکمت کے کوئی معنی نہ رہیں گے، اسی لئے قرآن پاک میں جا بجا

اطاعتِ خداوندی کے ساتھ اطاعتِ رسول کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بات ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر صرف اطاعتِ قرآن کافی ہوتی تو الگ سے اطاعتِ رسول کا حکم دینے کا کوئی مطلب نہ تھا۔ اور سوال میں ذکر کردہ شخص کا یہ کہنا: "کہ اگر قرآنی ہدایات کو حتمی اور تکمیلی مأخذ کی حیثیت حاصل نہ ہو تو خود ماہیت وحی کے بنیادی تصور پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے" کھلی ہوئی تلبیس اور مغالطہ اندازی ہے؛ کیوں کہ سوالیہ نشان تو جب لگتا جب سنتِ رسول قرآن کے معارض ہوتی یا سنت کے ذریعہ قرآنی مفہوم کو تبدیل کیا جاتا، جب کہ اسلام میں ایسا کچھ نہیں ہے، سنت کو صرف شارح قرآن کی سندی حیثیت حاصل ہے، جس کا واحد مقصد "تفسیر بالرائ" پر بند لگانا ہے۔ اور چونکہ ہر زمانے کے گمراہ نظریات رکھنے والوں کے لئے سنت رسول اللہ قرآن کی تفسیر میں، من مانی میں سب سے بڑی رکاوٹ محسوس ہوتی ہے؛ اس لئے وہ سنت رسول اللہ کی سندی حیثیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، جسے امت بار بار رد کر چکی ہے۔ اس بارے میں چند آیات درج ذیل ہیں:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَاَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ﴾ [النحل: ٤٤]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهَاکُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا﴾ [الحشر، جزء آیت: ٧]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَاِنَّکَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ [الشوریٰ، جزء آیت: ٥٢]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء، جزء آیت: ٨٠]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ﴾ [النساء، جزء آیت: ٥٩]

(۴) سندوں اور واسطوں کے اعتبار سے احادیث شریفہ کو مختلف درجات میں رکھا گیا ہے۔ صحیح احادیث میں سب سے اونچا درجہ متواتر احادیث کا ہے، جس کی دو قسمیں ہیں: بعض ایسی متواتر ہیں جن کے الفاظ بھی تواتر کے ساتھ منقول ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري ٢١/١ رقم: ١١٠)

وفي مرقاة المفاتيح: قال ابن الصلاح: حديث ''من كذب علي'' من المتواتر، وليس في الأحاديث ما في مرتبته من التواتر. (مرقاة المفاتيح ٢٦٦/١ لمكتبة الأشرفية ديوبند)

حدثنا عبد الملك بن عمير، قال: سمعت جندبا رضي الله عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: أنا فرطكم على الحوض. وفي الحاشية للنووي: قال القاضي: وحديث (حديث الحوض) متواتر النقل. (صحيح مسلم ٢٤٩/٢)

متواتر احادیث کی دوسری قسم وہ ہے جس میں لفظاً تو تواتر نہیں؛ لیکن معناً تواتر ہے، یعنی ایک ہی مفہوم کی روایتیں اتنی بڑی تعداد میں صحابہ سے مروی ہیں جن کا اتفاق علی الکذب محال ہے۔ بطور نمونہ اس طرح کی دو روایتیں درج ذیل ہیں:

(١) عن همام قال: بال جرير - رضي الله عنه - ثم توضأ ومسح على خفيه، فقيل: أ تفعل هذا؟ فقال: نعم، رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بال ثم توضأ ومسح على خفيه. (صحيح مسلم ١٣٢/١)

وفي فتح الملهم: قال الشيخ بدرالدين العيني: وإعلم أنه قد وردت في المسح على الخفين عدة أحاديث تبلغ التواتر على رأى كثير من العلماء. (فتح الملهم ٤٣٠/١)

وصرح جمع من الحفاظ بأن أحاديثه متواترة المعنى. (أوجز المسالك ٤٣٧/١)

(٢) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يجمع الله تعالىٰ الناس يوم القيامة فيهتمون لذلک فيقولون: لو استشفعنا على ربنا عز وجل ...... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فيأتوني فأستاذن على ربي تعالىٰ، فيؤذون لي فإذا أنا رأيته ووقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله، فيقال: يا محمد! إرفع رأسک، قل تسمع، إشفع تشفع (صحيح مسلم ١٠٩/١)

وفي الحاشية للنووي: وقد جاء ت الآثار التي بلغت بمجموعها التواتر بصحة الشفاعة في الآخرة لمذنبي المؤمنين. (صحيح مسلم ١٠٤/١)

یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ جو روایتیں متواتر یا مشہور نہ ہوں، وہ سرے سے معتبر ہی نہیں، جیسا کہ سوال میں ذکر کردہ شخص کی بات سے اشارہ ملتا ہے؛ اس لئے کہ صحیح اور معتبر سند سے مروی خبر واحد بھی باتفاق علماء حجت شرعیہ ہے۔ اور خاص کر جس شخص تک وہ حدیث بلا شک وشبہ کے پہنچے اس کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہے:

(۱) **العمل بخبر العدل واجب في العمليات؛ لأنه تواتر العمل به عن الصحابة رضي الله عنهم في وقايع خرجت عن الإحصاء للمستقرين يفيد مجموعها إجماعهم قولاً أو كالقول على إيجاب العمل عليها.** (مقدمة فتح الملهم ۷/۱)

(۲) **وقبول خبر الواحد من الضروريات الجلية وإنكاره مكابرة، وجحود لما يجربه كل إنسان، ويجرى عليه في أعماله، وإرادته ليلاً ونهارا.** (مقدمة فتح الملهم ۸/۱)

(۵) احادیثِ شریفہ کو صرف دورِ نبوت اور دورِ صحابہ کے لئے رہنما قرار دینا اور بعد میں ان سے روگردانی کرنا بلا شبہ کھلی ہوئی بد دینی اور زندقہ ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کی تنقیص ہے، گویا کہ در پردہ مسئول عنہ شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی ضرورت صرف شروع کی صدیوں میں تھی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے بجائے براہ راست وحی قرآنی سے رہنمائی حاصل کی جائے، یہ بلا شبہ جہل مرکب ہے؛ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے بغیر تا قیامت وحی قرآنی سے استفادہ ممکن ہی نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو نظر انداز آخر کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جو اس سے روگردانی کی جسارت کرے گا، اس کا دین محمدی سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تركت فيكم أمرين، لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله، وسنة نبيه. (الموطأ للإمام مالك / باب النهي عن القول بالقدر ص: ٥٦٤ دار الكتب العلمية بيروت)

(٦) احادیث کو محض تاریخ قرار دینا روزِ روشن کے انکار کے مرادف ہے؛ اس لئے کہ

تاریخ میں تو ہر طرح کی صحیح اور غلط باتیں اکٹھا کی جاتی ہیں، جب کہ احادیث شریفہ کی تدوین میں جن شرائط اور اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے، ان کی بنیاد پر سب احادیث کو مجروح قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ محدثین نے صحیح اور ضعیف احادیث کے امتیاز کے لئے ایک پورا فن مدون کیا جسے فن ''اسماء الرجال'' کہا جاتا ہے، جس کے ضمن میں ہزاروں ہزار افراد کے دینی اور اخلاقی حالات جمع کئے گئے، جو ایسی دستاویزات ہیں، جنہیں کوئی بھی دینی مزاج شخص جھٹلانے کی جسارت نہیں کرسکتا؛ اس لئے احادیث پر تاریخ کا لیبل لگا کر ان کی حیثیت اور وزن کو ہلکا کرنے کی کوشش انتہائی قابل مذمت اور قطعاً ناقابل قبول ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ﴾[النحل: ٤٤]

وفي القرطبي: بقولک وفعلک، فالرسول صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم مبین عن اللّٰه عز وجل مراده مما أجمله في کتابه من أحکام الصلاة والزکوة وغیر ذلک مما لم یفصله.

(۷) شخصِ مذکور کی بات سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ احادیث میں ذکر کردہ اسوۂ رسول کو قرآن کریم کی تشریحات کے معارض سمجھ رہا ہے، جو محض لفاظی اور تلبیس ہے؛ حالانکہ قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسوۂ رسول پوری طرح قرآن پاک کے موافق ہے؛ بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ قرآن کریم کی علمی اور عملی تشریح وتفصیل ہے؛ لہٰذا یہ مشورہ دینا کہ اسوۂ رسول کو قرآن میں تلاش کیا جائے نہ کہ احادیث میں، نہایت شرارت آمیز اور بدبختانہ ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡ اللّٰهَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیۡرًا﴾[الأحزاب: ٢١]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِنۡهُمۡ یَتۡلُوۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡهِمۡ﴾[البقرة، جزء آیت: ١٢٩]

وفـي الـقرطبي: وقال قتادة: الحكمة السنة وبيان الشرائع. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۱۳۱/۲)

(۸) تقدیر کا مسئلہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی صفت علم سے تعلق رکھتا ہے اور ہر مسلمان کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر کامل ایمان ہے؛ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کو ازلی واَبدی عالم الغیب والشہادۃ مان لیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ کائنات میں انفرادی یا اجتماعی طور پر جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا وہ تمام جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اور اس میں ذرہ برابر بھی تخلف نہیں ہوسکتا، اسی کا نام تقدیر ہے جو ایمان کا جزو اعظم ہے۔

قـال الـلّٰـه تـعالیٰ: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٥٩]

اور چوں کہ تقدیر کا تعلق عالم تکوین یعنی نظم وضبط کائنات سے ہے اور ہمیں اپنے بارے میں یہ علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کر رکھا ہے؟ بلکہ ہم تو تشریع خداوندی کے مکلّف بنائے گئے ہیں، یعنی نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین وشریعت ہمیں عطا کیا گیا، ہم اس کی پیروی کرنے کے مکلّف ہیں؛ اس لئے نہ تو ہم جبریہ فرقے کی طرح معطل بن کر رہیں گے اور نہ منکرین تقدیر کی طرح صفات خداوندی کے انکار کی جسارت کریں گے، بلکہ اپنی حدود میں رہ کر شریعت کی پابندی کرنا ہمارے اوپر فرض ہے، اس سے زیادہ غور وخوض اور چون وچرا ہمارے لئے روا نہیں، بریں بنا عقیدۂ تقدیر کو جبریہ رجحان کی پیداوار قرار دینا اور تقدیر سے متعلق احادیث شریفہ کو یکسر غیر معتبر اور ضعیف ماننے کی جسارت کرنا محض جہالت اور عقلی موشگافی ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور قرآن کریم کی متعدد آیات اور بہت سی احادیث سے تقدیر کا صراحۃً ثبوت ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [القمر: ٤٩]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ﴾[القصص، جزء آیت: ٦٨]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قُلْ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾[النساء، جزء آیت: ٧٨]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا﴾[الأحزاب، جزء آیت: ٣٨]

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہُ کُنْ فَیَکُوْنُ﴾[البقرة، جزء آیت: ١١٧]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا﴾[الأنعام، جزء آیت: ٢]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ﴾[البروج: ١٦]

عن علي رضي اللّٰہ عنه قال: کنا جلوسًا مع النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم ومعه عود ینکت في الأرض، فقال: ما منکم من أحد إلا قد کتب مقعده من النار أو من الجنة، فقال رجل من القوم: ألا نتکل یا رسول اللّٰہ! قال: لا، اعملوا، فکل میسر، ثم قرأ: ''فاما من اعطی واتقی'' الآیة. (صحیح البخاري، کتاب القدر / باب: وکان أمر اللّٰہ قدرا مقدورا ٩٧٧/٢ رقم: ٦٦٠٥)

عن ابن بریدة عن یحیی بن یعمر ...... فوفق لنا عبد اللّٰہ بن عمر بن الخطاب رضي اللّٰہ عنهما داخلا المسجد فاکتنفته أنا وصاحبي أحدنا عن یمینه والآخر عن شماله، فظننت أن صاحبي سیکل الکلام إلي، فقلت: یا أبا عبد الرحمن! إنه قد ظهر قبلنا ناس یقرؤن القرآن ویتقفرون العلم، وذکر من شأنهم، وأنهم یزعمون أن لا قدر، وإن الأمر أنف قال: إذا لقیت أولئک، فأخبرهم أني بريء منهم وأنهم براء مني والذي یحلف به عبد اللّٰہ بن عمر لو أن لأحدهم مثل أحد ذهبا فأنفقه ما قبل اللّٰہ منه حتی یؤمن بالقدر. (صحیح مسلم / کتاب الإیمان ٢٧/١)

(٩) اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے نرغے سے نکال کر بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا تھا اور آپ باحیات وہاں تشریف فرما ہیں۔ اس عقیدے کی تائید درج ذیل آیات اور احادیث سے ہوتی ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾[النساء، جزء آیت: ۱۵۷]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾[آل عمران، جزء آیت: ۵۵]

وفي القرطبي: والمعني اِنِّيْ وَرَافِعُكَ إلي ومطهرک من الذين كفروا ومتوفيک بعد أن تنزل من السماء(الجامع الأحكام القرآن للقرطبي ٤/٩٩)

وفي تفسير المدارک: ورافعک إلي أي إلى سمائي ومقر ملائكتي.
(تفسیرمدارك ۱/۱۷۸ بحواله: فتاوى محموديه ڈابھيل ۱/٤٢٩)

(۱۰) قیامت سے پہلے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں نزول فرمانے کا ثبوت اشارۃً متعدد آیات قرآنیہ سے اور صراحۃً صحیح اور مستند احادیث سے ہوتا ہے، اسی لئے حضرات علماء نے اس عقیدے کو متواتر قرار دیا ہے، جس کا انکار سراسر گمراہی ہے، اس بارے میں چند آیات واَحادیث درج ذیل ہیں:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِيْ الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾[آل عمران، جزء آیت: ٤٦]

وفي القرطبي: وأما كلامه وهو كهل، فإذا أنزله اللّٰه تعالیٰ من السماء أنزله على صورة ابن ثلاث وثلاثين، وهو كهل فيقول لهم: إني عبد اللّٰه كما قال في المهد. (الجامع الأحكام القرآن ٤/٩٠)

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾
[النساء، جزء آیت: ۱۵۹]

وفي القرطبي: والمعني ليؤمنن به من كان حيا حين نزوله يوم القيامة. وعن الحسن واللّٰه إنه لحي عند اللّٰه الآن، ولكن إذا نزل آمنوا به أجمعون.
(الجامع الأحكام القرآن ٦/١١)

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿وَاِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ﴾
[الزخرف، جزء آیت: ٦١]

وفي القرطبي: وقال ابن عباس ومجاهد والضحاک والسدي وقتادة أيضا: إنه خروج عيسى عليه السلام وذلک من أعلام الساعة؛ لأن اللّٰه ينزله من السماء قبيل قيام الساعة. (الجامع الأحكام القرآن ١٠٥/١٦)

اور چند احادیثِ شریفہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

إن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكمًا عدلاً فيكسر الصليب، ويقتل الخنزير. (صحيح البخاري ٤٩٠/١)

إن أبا هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم وإمامكم منكم. (صحيح البخاري ٤٩٠/١ رقم: ٣٤٤٩)

عن عطاء مولى أم حبيبة قال: سمعت أبا هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليهبطن عيسى ابن مريم حكما عدلا، وإماما مقسطا الخ. (المستدرك على الصحيحين ٦٥١/٢)

(۱۱) متعدد صحیح احادیث سے قیامت کے قریب حضرت مہدی کے ظہور کا ثبوت ملتا ہے؛ اس لئے ظہور مہدی کا انکار صحیح احادیث شریفہ کا انکار ہے۔ چند احادیث ذیل میں درج ہیں:

عن علي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لو لم يبق من الدهر إلا يوم لبعث اللّٰه رجلا من أهل بيتي يملأها عدلاً كما مُلِئَت جورًا. (سنن أبي داؤد ٥٨٨/٢)

عن أم سلمة رضي اللّٰه عنها قالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: المهدي من عترتي من ولد فاطمة. (سنن أبي داؤد ٥٨٨/٢)

عن أبي سعيد رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: المهدي منا أهل البيت أشم الأنف أقنى أجلى يملأ الأرض قسطا وعدلا.

(المستدرك على الصحيحين ٦٠٠/٤)

(۱۲) صحیح اور مستند احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ قیامت کے بالکل قریبی زمانے میں کانا دجال ظاہر ہوگا اور اس بارے میں صحیح احادیث شریفہ میں اتنی تفصیلات بیان کی گئی ہیں کہ ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہو:

ما سأل أحد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن الدجال أكثر ما سألته، وإنه قال لي: ما يضرك منه، قلت: إنهم يقولون ران معه جبل خبز ونهر ماء، قال: إنه أهون على الله من ذلك (صحيح البخاري ۱۰۵۵/۲ رقم: ۶۸۳۹)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذكر الدجال بين ظهراني الناس، فقال: إن اللّٰه تبارك وتعالىٰ ليس بأعور إلا إن المسيح الدجال أعور العين اليمنى. (صحيح مسلم ۳۹۹/۲)

(۱۳) اُمتِ محمد یہ بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص تربیت یافتہ افراد تھے، ان کا کسی گمراہی کی بات پر جمع ہونا متصور نہیں ہے۔ بریں بنا خیرالقرون میں جس مسئلہ شرعی پر اتفاق ہو چکا ہو اس سے ہٹ کر کوئی رائے اپنانا جائز نہ ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں ارشاد خداوندی ہے:

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَمَن يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ﴾ [النساء، جزء آیت: ۱۱۵]

نیز درج ذیل احادیثِ شریفہ سے بھی اجماع کی حجیت کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: وإن اللّٰه لا يجمع أمتي أو قال: أمة محمد على ضلالة، ويد اللّٰه مع الجماعة، ومن شذ شذ في النار. (سنن الترمذي، أبواب الفتن / باب في لزوم الجماعة ۳۹/۲)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن أمتي لا تجتمع على ضلالة، فإذا رأيتم إختلافًا فعليكم بالسواد الأعظم. (سنن ابن ماجة، كتاب الفتن / باب السواد الأعظم رقم: ۳۹۵۰)

عن أبي بصرة الغفاري صاحب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: سألت ربي عزوجلّ أربعًا، فأعطاني ثلاثًا ومنعني واحدة، سألت اللّٰه عزوجل أن لا يجمع أمتي على ضلالة، فأعطانيها. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٣٩٦/٦ رقم: ٢٧١٠١ دار الحديث القاهرة)

(۱۴) قرآنی آیت: ﴿عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شفاعت کبریٰ کے منصب پر فائز ہونا ثابت ہوتا ہے، نیز آیت قرآنی: ﴿لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ کا تعلق بھی شفاعت کبریٰ سے ہے، نیز صحیح احادیث میں امت کے گنہگاروں کے بارے میں شفاعت نبوی سے متعلق ناقابل انکار تفصیلات موجود ہیں۔ (دیکھئے بخاری شریف، مسلم شریف وغیرہ)

اور جن قرآنی آیات سے بظاہر ایسا پتہ چلتا ہے کہ کسی مخلوق کو سفارش کا حق نہ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے طور پر کوئی نہ سفارش کی ہمت کرے گا نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی؛ لہٰذا مسئول عنہ شخص کا شفاعت محمدی کا انکار کرنا محض عناد اور انکار حق پر مبنی ہے۔

﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهُ قَوْلًا﴾ [طه: ١٠٩]

(۱۵) دورِ نبوت میں قرآنی آیات کا منسوخ ہونا خود قرآن کریم کی آیت: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ [البقرة: ١٠٦] سے ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے نسخ فی القرآن کا مطلقاً انکار قرآن کریم کی قطعی آیت کے انکار پر مبنی ہے۔

(۱۶) قرآنِ کریم کا ۷؍حروف میں نزول مشہور روایات سے ثابت ہے، اور اُن ۷؍حروف سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق کتبِ احادیث اور تجوید میں تفصیلات موجود ہیں؛ اس لئے ان روایات کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ چند روایات ملاحظہ کریں:

عن عبيد اللّٰه بن عبد اللّٰه أن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما حدثه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أقرأني جبرئيل على حرف، فراجعته فلم أزل

استزيده ويزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف. (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن / باب: أنزل القرآن على سبعة أحرف شريف ۷٤٦/۲ رقم: ٤۹۹۱ دار الفكر بيروت)

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فاستمعتُ لقراءته، فإذا هو يقرأ على حروفٍ كثيرةٍ لم يُقرِأنِيها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...... فقلت: من أقرأك هٰذه السورة التي سمعتك تقرأ؟ قال: أقرأنيها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقلت: كذبت، فإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قد أقرأنيها على غير ما قرأت، فانطلقتُ به أقوده إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...... فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف، فاقرأوا ما تيسر منه. (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن / باب: أنزل القرآن على سبعة أحرف شريف ۷٤۷/۲ رقم: ٤۹۹۲ دار الفكر بيروت)

(۱۷) اسلامی حکومت میں شادی شدہ مرد یا عورت پر اگر زنا کا شرعی طور پر ثبوت ہو جائے تو ان پر سنگ ساری کی سزا جاری کرنا متواتر احادیث سے ثابت ہے، یہ احادیث مختلف کتب میں ۵۲/صحابہ کے واسطے سے مروی ہیں، ان صحابہ کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر بن خطاب (۳) حضرت عثمان بن عفان (۴) حضرت علی بن ابی طالب (۵) حضرت عائشہ (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود (۷) حضرت ابوامامہ بن سہل (۸) حضرت انس بن مالک (۹) حضرت جابر بن عبداللہ (۱۰) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (۱۱) حضرت ابوہریرہ (۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۱۳) حضرت عبداللہ بن عباس (۱۴) حضرت زید بن خالد (۱۵) حضرت عبادہ بن صامت (۱۶) حضرت جابر بن سمرہ (۱۷) حضرت ابوسعید خدری (۱۸) حضرت عمران بن حصین (۱۹) حضرت براء بن عازب (۲۰) حضرت بریدہ بن حصیب (۲۱) حضرت نعیم بن ہزال (۲۲) حضرت نصر بن دہر اسلمی (۲۳) حضرت منعب بن عمرو

اسلمی (۲۴) حضرت ابوالفیل خزاعی (۲۵) حضرت عبداللہ بن جبیر خزاعی (۲۶) عبدالعزیز بن عبداللہ قرشی سے نقل کرنے والے صحابی (۲۷) حضرت سہل بن سعد (۲۸) حضرت ابوذر غفاری (۲۹) حضرت ابوبرزہ اسلمی (۳۰) حضرت ابوبکرہ (۳۱) حضرت خزیمہ بن ثابت (۳۲) حضرت خزیمہ بن معمر انصاری (۳۳) حضرت یزید بن طلحہ (۳۴) حضرت لجلاج (۳۵) حضرت سلمہ بن المحبق (۳۶) حضرت قبیصہ بن الحریث (۳۷) حضرت عمار بن یاسر (۳۸) حضرت زید بن ثابت (۳۹) حضرت عمرو بن العاص (۴۰) حضرت ابی بن کعب (۴۱) حضرت عجماء (۴۲) حضرت نعمان بن بشیر (۴۳) حضرت وائل بن حجر (۴۴) حضرت شبل (۴۵) حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء (۴۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴۷) حضرت ابو واقد لیثی (۴۸) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم (۴۹) حضرت معاذ بن جبل (۵) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (۵۱) حضرت شداد بن اوس (۵۲) عبداللہ بن حرادرضی اللہ عنہم اجمعین۔(تکملہ فتح الملہم ۲/۴۲۳)

اِن متواتر احادیث کی موجودگی میں رجم کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۸) صحیح حدیث میں "العین حق" کے الفاظ وارد ہیں۔صحیح حدیث کی موجودگی کے باوجود مطلق نظر لگنے کا انکار محض تعصب اور عناد پر مبنی ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: العين حق. (صحيح البخاري، كتاب الطب / باب: العين حق ٢/٨٥٤ رقم: ٥٧٤٠، صحيح مسلم، كتاب السلام / باب الطب والمرض والرقىٰ رقم: ٢١٨٧ بيت الأفكار الدولية، سنن الترمذي، أبواب الطب / باب ما جاء أن العين حق والغسل لها ٢/٢٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: العين حق، ولو كان شيءٌ سابقَ القدر سبقته العين. (صحيح مسلم، كتاب السلام / باب الطب والمرض والرقىٰ رقم: ٢١٨٨ بيت الأفكار الدولية)

قال الإمام النووي رحمه اللّٰه: قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: "ولو كان شيءٌ

سابقَ القدر سبقته العين" فيه إثبات القدر، وهو حقٌ للنصوص وإجماع أهل السنة ...... وفيه صحة أمر العين، وأنها قوية الضرر.

قال الإمام أبو عبد اللّٰه المازري: أخذ جماهير العلماء بظاهر هٰذا الحديث فقالوا: العين حق، وأنكره طوائف من المبتدعة، والدليل على فساد قولهم أن كل معنىً ليس مخالفًا في نفسه، ولا يؤدي إلى قلب حقيقةٍ ولا إفساد دليلٍ؛ فإنه من مجوّزات العقول إذا أخبر الشرع بوقوعه وجب اعتقاده، ولا يجوز تكذيبه. (المنهاج في شرح صحيح مسلم للإمام شيخ الإسلام يحيىٰ بن يحيىٰ النووي ص: ١٣٦٧ تحت رقم: ٢١٨٨ بيت الأفكار الدولية، لمعات التنقيح ٤١٣/٧ دار النوادر)

قال الشيخ أبو منصور الماتريدي: القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطأ؛ بل يجب البحث عن حقيقته، فإن كان ذٰلک ردّ ما لزم في شرط الإيمان فهو كفر، وإلا فلا، ...... فلو فعل ما فيه هلاک إنسان أو مرضه أو تفريق بينه وبين امرأته، وهو غير منكر لشيء من شرائط الإيمان، لا يكفر، لكنه يكون فاسقًا ساعيًا في الأرض بالفساد ...... الخ. (شرح الفقه الأكبر / السحر والعين حق ١٤٥، وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الديات / باب قتل أهل الردة والسعاة ١١٧/٧ رشيدية)

فأبطلت طائفةٌ ممن قل نصيبهم من السمع والعقل أمر العين. وقالوا: إنما ذلک أوهام لا حقيقة لها، وهولاء من أجهل الناس بالسمع والعقل، ومن أغلظهم حجابًا وأكثفهم طباعًا، وأبعدهم معرفة عن الأرواح والنفوس وصفاتها وأفعالها، وتاثيراتها، وعقلاء الأمم على اختلاف مللهم، ونحلهم لا تدفع أمر العين، ولا تنكره، وإن اختلفوا في سببه وجهة تاثير العين. (زاد المعاد ١٦٥/٤)

(۱۹) لوحِ محفوظ یا کتابِ مبین اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایسی مخلوق ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے علمِ خداوندی کی کلیات وجزئیات جتنی اللہ تعالیٰ نے چاہی لکھ دی گئی ہیں، اور اسی کے

مطابق کائنات میں احوال وحوادث رونما ہوتے ہیں؛ اس لئے لوحِ محفوظ کوصرف اس تختی تک محدود رکھنا جس میں قرآن پاک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا اور لکھوایا تھا، محض من گھڑت بات ہے۔اور یہ تاریخی طور پر بھی غلط ہے؛ کیوں کہ باقاعدہ تختیوں میں جمع قرآن کا کام دورِ نبوت میں نہیں؛ بلکہ دورصدیقی اس کے بعد دورعثمانی میں انجام پایاہے،تو جوکام دورِ نبوت کے بعد ہواہو،اس پرقرآن پاک میں لوح محفوظ کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے، بلا شبہ مسئول عنہ شخص کامذکورہ دعویٰ جہل مرکب کی کھلی مثال ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٥٩]

وفي القرطبي: أي في اللوح المحفوظ. (الجامع الأحكام القرآن ٦/٤)

(۲۰) بعثتِ محمدی کا سورج طلوع ہونے کے بعد پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں اوراب نجات وفلاح کا راستہ وہی دین محمدی ہے جسے لے کر سرور عالم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے؛ اس لئے جوشخص انبیائے سابقین میں سے کسی نبی کا پیروکار ہوا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل نہ ہوتو اسے مسلمان نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ یہ لقب اسی شخص کے لئے خاص ہے، جواسلام کی تمام شرائط پوری کرے۔واضح ہوکہ پہلی امتوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ ان کے سامنے جب بھی کوئی دوسرا نبی آئے تو وہ اس کی ضرور بالضرور تصدیق وتائید کرے، پس جب یہود ونصاریٰ کے سامنے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوچکی ہے،تواب ان سب ہی اقوام پر رسالت محمدیہ کا اقرار فرض ہے، اگروہ ایسا نہیں کریں گے تو خود اپنے مذہب کے اعتبار سے اسلام پرقائم نہ رہ پائیں گے؛ لہٰذا انہیں مسلمان کہنا اوران کی نجات کاعقیدہ رکھنا قطعاً بے دلیل اور قرآنی نصوص کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ انبیاء سابقین کے متبعین اُمتِ اجابت میں داخل ہوکر مستحق نجات نہیں بن

سکتے؛ البتہ امت دعوت ہونے کے اعتبار سے جس طرح دیگر قومیں امت دعوت میں شامل ہیں، اسی طرح یہود ونصاریٰ بھی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ محض امت دعوت میں ہونا نجات کے لئے کافی نہیں؛ بلکہ رسالت محمدی پر ایمان اور اس کا اقرار لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۸۱]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۹]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران: ۸۵]

وفي القرطبي تحت الآية: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ ...... ثُمَّ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ﴾ الرسول هنا محمد صلى الله عليه وسلم في قول علي وابن عباس رضي الله عنهما، واللفظ وإن كان نكرة، فالإشارة إلى معين. (الجامع الأحكام القرآن ۱۱۸/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تحقیق احادیثِ شریفہ وغیرہ:

قبر پر مٹی ڈالتے وقت ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ﴾ پڑھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب قبر پر مٹی ڈالتے ہیں تو اُس وقت یہ دعا پڑھتے ہیں: ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ اِس کو پڑھ کر مٹی ڈالنا کس حدیث سے ثابت ہے؟ احقر کو اِس بارے میں مسئلہ درپیش ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ دعا درج ذیل حدیث اور عبارت سے ثابت ہے۔

عـن جـعـفـر بن محمد عن أبيه مرسلا أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حثٰى على الميت ثلاث حثيات بيديه جميعًا وأنه رش على قبر ابنه إبراهيم ووضع عليه حصباء . (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز / باب دفن الميت ١٤٨ رقم: ١٧٠٨)

وروىٰ أحـمـد باسناد ضعيف إنه يقول مع الأولىٰ: ﴿مِنهَا خَلَقْنَاكُمْ﴾ ومع الثـانية: ﴿وَفِيْهَـا نُعِيْدُكُمْ﴾ ومـع الثالثة: ﴿وَمِنهَا نُخرِجُكُمْ تَارَةً أُخرىٰ﴾ (مـرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز / باب دفن الميت ١٦٥/٤ تحت رقم: ١٧٠٨ دار الكتب العلمية بيروت)

قـال في الجوهرة: ويقول في الحثية الأولىٰ: ﴿مِنهَا خَلَقْنَاكُمْ﴾ وفي الثانية: ﴿وَفِيْهَـا نُعِيْدُكُمْ﴾ وفي الثالثة: ﴿وَمِنهَا نُخرِجُكُمْ تَارَةً أُخرىٰ﴾ (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب: في دفن الميت ١٤٣/٣ زكريا، الجوهرة النيرة ١٥٨/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عاشوراء کے دن وسعت علی العیال کی حدیث کس حیثیت کی ہے؟

سـوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل وعیال پر وسعت فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ پورے سال اس پر وسعت فرماتا ہے، اس حدیث کی کیا حیثیت ہے؟ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو زید اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے دس محرم کو حلیم بناتا ہے اور اپنے اعزاہ واقرباء کو کھلاتا ہے، تو اس میں کیا قباحت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـالله التوفيق: عاشوراء کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے، جیسا کہ صحیح روایات میں وارد ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ وسعت علی العیال کی روایت کا تعلق اس بات سے ہے کہ اس دن افطار کے وقت دسترخوان وسیع کیا جائے اور یہ وسعت علی العیال کی روایت اگر چہ

سنداً ضعیف ہے؛ لیکن مختلف طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے فضائل میں قابل استدلال ہے؛ لیکن اس روایت سے کھچڑے اور حلیم پکانے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کھچڑا آج کل اہل بدعت کا شعار بن چکا ہے اور یہ لوگ روزہ رکھنے کے بجائے دن بھر کھچڑا کھاتے کھلاتے رہتے ہیں، جو منشاء نبوی کے بالکل خلاف ہے، نیز اس میں التزام مالا یلزم کے معنی بھی پائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ وسعت پر عمل کھچڑا پکانے پر ہی منحصر نہیں؛ بلکہ کسی بھی طرح دسترخوان وسیع کرنے سے یہ فضیلت حاصل ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/۳۹۵)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن عاشوراء يوم من أيام اللّٰه، فمن شاء صامه ومن شاء تركه. (صحيح مسلم ۳۵۸/۱ رقم: ۱۱۲٦ بيت الأفكار الدولية)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من أوسع على عياله وأهله يوم عاشوراء أوسع اللّٰه عليه سائر سنته. قال البيهقي بعد إخراج هذا الحديث عن عدة طرق: هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة فهي إذا ضم بعضها إلى بعض أخذت قوة. (شعب الإيمان للبيهقي ۳٦٦/۳ رقم: ۳۷۹۵)

وقد عاكس الرافضة والشيعة يوم عاشوراء النواصب من أهل الشام، فكانوا إلى يوم عاشوراء يطبخون الحبوب ويغتسلون ويلبسون أفخر ثيابهم، ويتخذون ذلك اليوم عيدا، يصنعون فيها أنواع الأطعمة، ويظهرون السرور والفرح، يريدون بذلك عناد الروافض ومعاكستهم (البداية والنهاية ۵۹۹/۸-٦۰۰)

كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه فهو مكروه. (تنقيح الفتاوى الحامدية ۳٦۷/۲، بحواله: تعليقات محموديه ۲٦۸/۳ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یومِ عاشورہ میں دسترخوان وسیع کرنے والی روایت میں پڑوسی داخل ہیں یا نہیں؟

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یومِ عاشوراء کو دسترخوان وسیع کرنے کی جو فضیلت ہے، کیا اِس وسعت میں دوست واحباب کو بھی شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا صرف اہلِ خانہ ہی تک محدود ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یومِ عاشوراء کو افطار کے وقت دسترخوان وسیع کرنے کی فضیلت والی روایات میں اگرچہ اہل کا لفظ وارد ہوا ہے؛ لیکن پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے عمومی حقوق کو پیشِ نظر رکھ کر اُس میں پاس پڑوس اور اعزاء واقرباء کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۸/۵۴۱)

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من وسع على أهله يوم عاشوراء وسع اللّٰه على أهله طول سنته. هذا إسناد ضعيف فروي عن وجه آخر. (شعب الإيمان للبيهقي ۳/۳٦٥ رقم: ۳۷۹۱)

عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه قال: أوصاني خليلي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا طبخت مرقةً فأكثر ماء ها، ثم انظر بعض أهل بيت من جيرانك فاغرف لهم منها.

(صحيح مسلم ۲/۳۲۹ رقم: ۲٦۲٥، شعب الإيمان للبيهقي ۷/۷۷ رقم: ۹٥٤۰) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ٹاٹ کا لباس پہن کر آنے کے واقعہ کی تحقیق

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: (۱) ہمارے یہاں حلقۂ احبابِ تبلیغ میں یہ واقعہ خوب بیان کیا جارہا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ٹاٹ کا لباس پہن کر حاضر ہوئے، آپ نے معلوم کیا: جبرئیل یہ لباس کیسا؟ تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا؛ یا رسول اللہ! میں ہی نہیں بلکہ آج سارے فرشتوں کا یہی لباس ہے وہ اس وجہ سے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال آپ پر لگا کر خود ٹاٹ کا لباس پہن رکھا ہے آپ کے ابوبکرؓ کی مشابہت کی وجہ سے میرا اور سارے فرشتوں کا آج یہی لباس ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شریعت وسنت میں فضائل ومناقب ابوبکرؓ میں یہ واقعہ ملتا ہے؟ اگر ہے تو حوالہ لکھ دیں اگر نہیں ہے تو تصحیح فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ٹاٹ کا لباس پہن کر حاضر ہونے والی روایت قطعاً جھوٹی اور موضوع ہے، ایسی موضوع روایات کو عوام میں بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

حديث هبط جبرئيل وعليه طنفسة وهو متجلل بها، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا جبرئيل! ما نزلت إلي في مثل هذا الزى، فقال: إن الله أمر الملائكة أن يتجلل في السماء لتجلل أبي بكر في الأرض. ورواه الخطيب عن ابن عباس وهو موضوع. (فوائد المجموعة في بيان أحاديث الموضوعة ١١٨-١١٩ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا دینی مجلس میں بیٹھنے کا ثواب ساٹھ ستر سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے؟

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی بھی نماز کے بعد اعلان کے دوران کسی شخص کا یہ کہنا کہ سبھی حضرات تشریف رکھیں، انشاء

دین کی بات ہوگی، اور پھر بیٹھنے کے بعد یہ فضیلت بیان کی جائے کہ: ''اس مجلس میں بیٹھنے کا ثواب ساٹھ یا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے''؟ اِس کی حقیقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دین کی فکر لے کر کسی مجلس میں بیٹھنا یقیناً موجبِ ثواب ہے؛ لیکن یہ سمجھنا کہ اِس طرح تھوڑی دیر بیٹھنے کا ثواب ساٹھ یا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے، یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور اکثر علماء نے اِس مضمون کی زبان زد روایت ''**فکر ساعةٍ خيرٌ من عبادة ستين ساعةً**'' کو نہایت ضعیف؛ بلکہ موضوع قرار دیا ہے، اِس لئے اِس طرح کی بات مجالس میں ہرگز بیان نہیں کرنی چاہئے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اِس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''**ليس بحديث؛ إنما هو من كلام السري السقطي**''. (المصنوع في أحاديث الموضوع ص: ٨٢)

نیز علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رواه أبو الشيخ عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه مرفوعًا، وفي إسناده عثمان بن عبد اللّٰه القرشي وإسحٰق بن نجيح المطلي كذابان، والمتهم بهٖ أحدهما، وقد رواه الديلمي من حديث أنس من وجهٍ آخر. (الفوائد المجموعة ص: ٢٤٢ بحواله: عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل ص: ٢٤٧-٢٤٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۲/۴/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا دجال جنات کے قبیلے سے ہے وغیرہ؟

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عرض ہے کہ بہت سے مسلمان بھائیوں اور بہنوں نے فتنۂ دجال کے موضوع پر سلسلہ وار بیانات میں شرکت کی، اُنہوں نے ان بیانوں میں دجال کے حوالے سے ایسی باتیں سنیں، جو

اُنہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں؛ لہٰذا وہ تشویش کے شکار ہیں، اور مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کے خواہاں ہیں:

(۱) کیا یہ خیال درست ہے کہ ''دجال'' درحقیقت ایک جن ہے؟

(۲) کیا یہ حقیقت ہے کہ اسی جن/دجال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ''سامری'' کی شکل میں ظاہر ہوکر فتنہ برپا کیا تھا؟ یعنی دجال نامی جن بطریق حلول سامری کے جسم پر حاوی ہوگیا تھا، پھر وہی اُس فتنہ کا سبب بنا، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ سامری اُس کا محرک تھا۔

(۳) کیا یہ حقیقت ہے کہ یہی دجال/جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں موجود تھا؟ یہی نہیں؛ بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ''دست راست'' تھا اور صخر کے نام سے مشہور تھا؟

(۴) کیا یہ سچ ہے کہ اُسی صخر/دجال نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اَنگوٹھی سمندر میں پھینکنے کی سازش رچی تھی؟ اور اُسی صخر/دجال نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدمِ موجودگی میں آصف بن برخیا کو قتل کردیا تھا؟ اور اُن کے جسم میں حلول کرکے تختِ سلیمانی پر بیٹھ کر فتنہ پھیلانا شروع کردیا تھا؟

(۵) کیا یہ حقیقت ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انگوٹھی واپس مل گئی، تو اُنہوں نے صخر/جن کو سمندر میں قید کردیا تھا؟ اور کیا یہی وہ صخر/دجال/جن ہے جس سے حضرت تمیم داریؓ نے ایک جزیرے میں ملاقات کی تھی؟ اور وہاں سے آنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تھا؟

(۶) کیا ابن الصیاد کے دجال ہونے پر صحابۂ کرام کا اِجماع تھا؟

(۷) کیا یہ مبنی برحقیقت ہے کہ دجال نامی جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ کے دور میں، قید سے آزاد ہونے کے بعد ابن الصیاد کے جسم پر بطریق حلول قابض ہوگیا تھا؟

(۸) کیا یہ حقیقت ہے کہ ''خروجِ دجال'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیامت کے قریب اُس کا ظہور ہوگا؛ بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا ظہور ہو چکا ہے، اور آئندہ بھی مختلف علاقوں میں

الگ الگ شکلوں میں وقتاً فوقتاً اُس کے کم یا زیادہ اثرات ظاہر ہوتے رہیں گے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا؟

(۹) اگر دجال انسانوں کے جسموں میں حلول کر کے اپنے اثرات ظاہر کرتا رہتا ہے، تو کیا یہ سچ ہے کہ وہ نام بدل کر پوری دنیا کا چکر لگاتا رہتا ہے، اوراس کی شناخت ناممکن ہے، الا یہ کہ وہ خود اپنی شناخت ظاہر کر دے؟

(۱۰) کیا یہ درست ہے کہ اگر کسی کو دجال کی تلاش ہے، تو وہ ابن الصیاد کی شکل کے آدمی کو تلاش کرے۔ اُس کی مشہور نشانی یہ ہے کہ اُس کی آنکھوں میں عیب ہوگا؟

(۱۱) کیا یہ سچ ہے کہ دجال ہی خوارج، جبریہ اور شیعہ وغیرہ کے ظہور کا باعث تھا؟

(۱۲) کیا یہ مبنی بر حقیقت ہے کہ موجودہ دور کی ٹکنالوجی اور ایجادات میں دجال کا ہاتھ ہے، یعنی وہ شیطان کی پرستش کرنے والوں کو سکھاتا ہے، پھر وہ نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں؟

(۱۳) کیا یہ مبنی برصداقت ہے کہ جس شخص کی نسل میں جنات کا خون ہو، اُس کو سبز خون حامل (انگریزی میں بلوبلڈ کہتے ہیں) کہا جاتا ہے؟

(۱۴) کیا یہ حقیقت ہے کہ دجال اور جنات اِس امر کو یقینی بناتے ہیں کہ سبز خون کے حامل لوگ خوب شہرت حاصل کریں؛ یہاں تک کہ لوگ اُن کو آئیڈیل اور نمونہ بنائیں؟ ظاہر ہے کہ بیشتر فلمی ستارے اور کھلاڑی سبز خون کے حامل ہوں گے۔

(۱۵) کیا یہ حقیقت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل کے لوگ (جنہیں اہل تشیع نے اپنا امام بنا رکھا ہے) سبز خون کے حامل حضرات تھے؟

(۱۶) کیا یہ درست ہے کہ دجال کے متعلق مندرجہ بالا عقائد، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقائد تھے؟

محترم مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ مندرجہ بالا سوالوں کے مفصل جوابات تحریر فرمائیں؛ تاکہ بہت سے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی رہنمائی ہو اور اُن کی ذہنی تشویش کا اِزالہ ہو۔ جزاکم اللہ خیراً فی الدارین۔ والسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱)- دجال کے بارے میں ''جن'' ہونے کا دعویٰ قطعاً بے دلیل ہے؛ اِس لئے کہ جنات عام اِنسانوں کو نظر نہیں آتے، اور دجال کے ظاہر ہونے کے بعد سب لوگوں کا اُس کو دیکھنا صحیح اَحادیث سے ثابت ہے، نیز حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی اِس بات کی تائید ہوتی ہے کہ دجال جنات میں سے نہیں ہے؛ بلکہ اِنسانوں ہی کی نسل سے ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الدجال ممسوح العين، مكتوب بين عينيه كافرٌ، ثم تهجاها: ک-ف-ر، يقرء ه كل مسلم. (صحيح مسلم ٤٠٠/٢)

الجن واحده جنيٌ كروم ورومي وهم أجسام عاقلة تغلب عليه النارية كما يشهد له قوله تعالىٰ: ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَارٍ﴾ وقيل: الهوائية قابلة جميعها أو صنف منها للتشكل بالأشكال المختلفة شأنها الخفاء. (روح المعاني ١٤٢/١٦)

(۲) سامری بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا، اُس کو دجالِ موعود قرار دینا قطعاً غلط ہے، اُس پر دجال کی کوئی بھی علامت منطبق نہیں ہوتی، مثلاً نہ تو وہ کانا تھا، نہ اُس کی پیشانی پر ''کافر'' لکھا ہوا تھا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں صراحت ہے کہ سامری کے لئے اُس کی زندگی میں یہ سزا تجویز کی گئی تھی کہ نہ تو وہ کسی کو چھو سکتا تھا اور نہ اُس کو کوئی چھو سکتا تھا۔ اِس کے برخلاف دجال ساری دنیا کو اپنے قریب کرنے کی فکر میں رہے گا؛ لہٰذا سامری کو دجال قرار دینا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ (مستفاد: دجال کون کب کہاں؟ ۱۳۸، اَز: مفتی ابولبابہ شاہ منصور)

والسامري عند الأكثر كما قال الزجاج: كان عظيمًا من عظماء بني إسرائيل من قبيلة تعرف بالسامرة ...... وقيل: هو ابن خالة موسىٰ عليه السلام، وقيل: ابن عمه، ...... وقيل: كان من القبط وخرج مع موسىٰ عليه السلام مظهرًا الإيمان وكان جاره. (روح المعاني ٣٥٧/٩)

(۳) دجال کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا دست راست قرار دینا سراسر من گھڑت ہے، اور یہودی افسانوں اور داستانوں میں سے ایک جھوٹی کہانی ہے؛ اِس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنی اُمت کو دجال سے ڈرایا ہے، اور اُس کے شر سے پناہ مانگی ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس کے شر سے پناہ مانگ رہے ہوں، وہی اُن کا دست راست ہو۔ (مستفاد: دجال کون کب کہاں؟ ۱۴۱، اَز: مفتی ابولبابہ شاہ منصور)

عن سالم بن عبد اللّٰه أن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في الناس، فأثنىٰ على اللّٰه بما هو أهله، ثم ذكر الدجال، فقال: إني لا نذر كموه وما من نبي إلا وقد أنذره قومه، ولكني سأقول لكم فيه قولاً لم يقله نبي لقومه أنه أعور، وإن اللّٰه ليس بأعور. (صحيح البخاري ۱۰۵۵/۲ رقم: ٦٨٤٤ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم ٤۰۰/۲)

(۴-۵) دجال کا آصف بن برخیا کو قتل کرنا یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر قابض ہونا یا اُس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ جزیرہ میں قید کردینا یہ سب ہوائی باتیں ہیں، جن کا کوئی معتبر ثبوت نہیں ہے۔ (مستفاد: دجال کون کب کہاں؟ ۱۴۱، اَز: مفتی ابولبابہ شاہ منصور)

(۶-۷) ابن صیاد کے دجال ہونے پر صحابہ کا اِجماع نہیں تھا؛ بلکہ وہ ایک یہودی کا لڑکا تھا، جس میں کچھ کہانت کے آثار پائے جاتے تھے، اور اُس کی خلقت بھی عجیب تھی، اِس لئے شروع میں اُس کی حرکتوں کی وجہ سے دجال ہونے کا شبہ ہوا؛ لیکن بعد میں یہ بات صاف ہوگئی تھی کہ یہ دجال موعود نہیں ہے۔

وكان ابن صياد غلامًا وُلد في اليهود اسمه: "صاف" ويقال له: "ابن صائد" أيضًا، وذكر القرطبي عن الواقدي أنه كان ينسب إلى بني النجار، ولعله كان من اليهود الذين كانوا حلفاء لبني النجار، فلذٰلك نسب إليهم واشتبه أمره على المسلمين فوقع لهم شك، أنه هو المسيح الدجال(تكملة فتح الملهم ٤۱/٦ ۳، مرقاة المفاتيح ۲۲۰/۱۰)

(۸-۹) دجال ایک گمراہ کرنے والی عظیم واقعی شخصیت کا نام ہے، اور اُس کا خروج قیامت کی قریب ترین علامتوں میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی جسمانی صفات بھی بیان فرمائی ہیں، اُس کے دنیا میں رہنے کا زمانہ بھی بیان فرمایا ہے، اور ظاہر ہونے کے بعد وہ دنیا میں کہاں کہاں جائے گا، اِس کا بھی ذکر فرمایا ہے، اور یہ بھی بتادیا ہے کہ اُس کے لشکر میں کس طرح کے لوگ شریک ہوں گے؟ اور بالآخر اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''بابِ لد'' پر قتل کریں گے، وغیرہ وغیرہ۔ اِن واضح تفصیلات کے رہتے ہوئے یہ کہنا کہ دجال ظاہر ہو چکا ہے، اور الگ الگ شکلوں میں اُس کے اثرات ظاہر ہوتے رہیں گے، بہت بڑی جسارت اور بے شمار صحیح اَحادیث کے انکار کے مرادف ہے، جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال أبو عبد اللّٰه: أراه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أعور العين اليمنىٰ كأنها عنبة طافية. (صحيح البخاري ١٠٥٥/٢ رقم: ٦٨٤٠، صحيح مسلم ٣٩٩/٢)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أن نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الدجال مكتوبة بين عينيه: ك-ف-ر، أي كافر (صحيح مسلم ٤٠٠/٢)

عن حذيفة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الدجال أعور العين اليسرىٰ جفال الشعر، معه جنة ونار، فناره جنة، وجنته نارٌ.

(صحيح مسلم ٤٠٠/٢، صحيح البخاري ١٠٥٦/٢ رقم: ٦٨٤٧)

عن النواس بن سمعان رضي اللّٰه عنه قال: ذكر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الدجال ذات غداةٍ فخفض فيه ورفع، حتى ظنناه في طائفة النخل، فلما رحنا إليه عرف ذٰلك فينا ...... قلنا يا رسول اللّٰه! وما لبثه في الأرض؟ قال: أربعون يومًا، يوم كسنة، ويوم كشهر، ويوم كجمعة، وسائر أيامه كأيامكم ...... إذ بعث اللّٰه المسيح بن مريم عليه السلام فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق بين مهروذتين واضعًا كفيه

علـى أجنـحة الـملكين، إذا طأطأ رأسه قطر، وإذا رفعه تحدر منه جمان كاللؤلؤ ......

فيطلبه حتى يدركه بباب لد فيقتله.(صحيح مسلم ٢/ ٤٠٠-٤٠١)

عـن إسـحق بـن عبد اللّٰه عن عمه أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰـه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يتبع الدجال من يهود أصبهان سبعون ألفًا عليهم الطيالسة. (صحيح مسلم ٢/ ٤٠٥)

عن أبي هريرة رضـي الـلّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: على أنقاب المدينة ملائكة لا يدخلها الطاعون ولا الدجال. (صحيح البخاري ١/ ٢٥٢ رقم: ١٨٤١ ف: ١٨٧٩)

حتـى يـخـرج رأس الـكـفـر مـن المشرق وهو الدجال الأعظم وعدو اللّٰه الأكبـر الـذي أنذر به كل نبي قومه وختمت به سلسلة الدجل والكذب، وانتهت إليـه مـراتـب الـكـفـر والإضـلال في نوع البشر حتى تجاوز كفره من روحه إلى جسـده، ومن قلبه إلى وجهه فيكون مكتوبًا بين عينيه: ک-ف-ر، يدعي الألوهية مـع كـون الأعـور، يـجـيء معه بمثل الجنة والنار ويتبعه من يهود أصفهان سبعون ألـفًـا عـليهم الطيالسة يطأ كل بلدة إلا المسجدين أي مكة والمدينة يأمر السماء فتمطر والأرض فتنبت، ويمر بالخربة، فيقول لها: اخرجي كنوزک فتتبعه كنوزها كيـعاسيب النحل، ويأمر بالرجل فيوشر بالمنشار من مفرقه حتى يفرق بين رجليه، ثـم يـمشـي بيـن القطعتين، ثم يقول له: قم فيستوي قائمًا وهٰذه فتنة لا توجد فتنة أعظم منها. (فتح الملهم ١/ ٢٩٩-٣٠٠)

(١٠) ہر آنکھوں کے عیب دار شخص کو دجال کہنا قطعاً جھوٹ اور واقعہ ومشاہدہ کے خلاف ہے۔

قـال القاضي: هٰذه الأحاديث التي ذكرها المسلم وغيره في قصة الدجال حـجة لمذهب أهل الحق في صحة وجوده وأنه شخص بعينه ابتلى اللّٰه به عباده.

(شرح النووي علی صحیح مسلم ۳۹۹/۲)

(۱۱) اِبلیسی طاقتیں ہر زمانہ میں باطل اَفکار ونظریات پیدا کرنے اور مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار اور فتنہ وفساد کا ماحول بنانے کی کوشش کرتی رہی ہیں؛ لیکن اِن باتوں کو دجال کی متعینہ شخصیت سے جوڑ نا قطعاً غلط ہے۔

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن الشیطان قد أیس من أن یعبده المصلون في جزیرة العرب، ولکن في التحریش بینهم. (مشکاة المصابیح ۱۹/۱)

(۱۲) موجودہ اِیجادات کی پشت پر دجال موعود کا ہاتھ ہونے کی باتیں سب بے ثبوت اور ذہنی اختراعات ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۳-۱۴-۱۵) سوال میں جن سبز خون کے حاملین کا ذکر ہے، یہ بھی ایسی بے دلیل بات ہے جس کی تائید کسی معتبر ذریعہ سے نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ باتیں بے بنیاد توہمات وخیالات کے قبیل سے ہیں۔

(۱۶) سوال میں ایک سے لے کر پندرہ نمبر تک جو باتیں نقل کی گئی ہیں، سلف صالحین سے اِن کا کوئی ثبوت نہیں ملتا؛ بلکہ یہ ایسے جدید بزعم خود مفکرین کی فکری تلبیسات ہیں، جن کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ سب چیزیں بجائے خود پراسرار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۳/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''اشہد ان محمداً رسول اللہ'' پر انگوٹھے چومنے کی شرعی حیثیت

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَذان وتکبیر کے وقت ''اشہد ان محمداً رسول اللہ'' پر اَنگوٹھے چومنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اِس سلسلہ میں کا ایک فتویٰ بھی نظر سے گذرا، وہ ذیل میں پیش ہے:

الجواب بعون الملک الوهاب نحمده ونصلی علی حبیبه الکریم: فقہ حنفی کی مشہور کتاب (ردالمحتار ۱/ ۱۱۱) سے اذان میں شہادت رسالت کے وقت انگوٹھا چومنے کی حیثیت ظاہر ہے، عبارت یہ ہے:

یستحب أن یقال عند سماع الأولیٰ من الشهادة صلی اللّٰه علیک یا رسول اللّٰه وعند الثانیة منها قرة عیني بک یا رسول اللّٰه! ثم یقول: اللّٰهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفري الإبهامین علی العینین؛ فإنه علیه السلام یکون قائدًا له إلی الجنة کذا في کنز العباد. قهستاني. ونحوه في الفتاویٰ الصوفیة. وفي کتاب الفردوس من قبل ظفري إبهامیه عند سماع أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه في الأذان أن قائده ومدخله في صفوف الجنة الخ.

یعنی پہلی بار "أشهد أن محمداً رسول اللّٰه" سن کر "صلی اللّٰه علیک یا رسول اللّٰه" پڑھنا اور دوسری بار نامِ اَقدس سن کر "قرة عیني بک یا رسول اللّٰه" پڑھنا، پھر کہنا "اللّٰهم متعني بالسمع والبصر" یہ دونوں عمل دونوں آنکھوں پر انگوٹھے کے ناخن رکھ کر کرنا مستحب ہے، بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس کے جنت میں قائد ہوں گے۔ کنز العباد میں بحوالہ قہستانی اِسی کے مثل فتاویٰ صوفیہ میں مذکور ہے، اور کتاب الفردوس میں ہے کہ: "جس نے اذان میں "اشہد ان محمداً رسول اللہ" سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخن کو چوما اُس کا میں قائد اور جنت میں داخل کرنے والا ہوں گا"۔

اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مذکورہ عبارتوں کے بعد یہ بھی مرقوم ہے:

وذکر الدیلمي في الفردوس من حدیث أبي بکر رضي اللّٰه عنه مرفوعًا من مسح العین بباطن أنملة السبابتین تقبیلهما عند قول المؤذن أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه، وقال: أشهد أن محمدًا عبده ورسوله، رضیت باللّٰه ربًا وبالإسلام دینًا وبمحمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم نبیًا حلت له شفاعتي الخ، وکذا روي عن الخضر علیه السلام وبمثله یعمل في الفضائل۔

یعنی اور دیلمی نے فردوس میں بروایت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ذکر کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص قولِ موذن ''اشہدان محمداً رسول اللہ'' کے وقت شہادت کی انگلیوں کے باطنی پورو ے کو چوم کر اپنی آنکھوں کا مسح کیا اور کہا ''اشہدان محمداً عبدہ و رسولہ'' الخ، اس کی شفاعت میرے لئے حلال ہوگئی''۔ اور اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے منقول ہے اور اس کی مثل پر فضائل میں عمل کیا جاتا ہے۔

ان عبارتوں سے واضح ہے کہ اذان میں ''اشہدان محمداً رسول اللہ'' سن کر اَنگوٹھوں کا چومنا مستحب اور منقول ہے، اور اِقامت میں بھی اَذان پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اِس فتویٰ میں جو دلائل لکھے گئے ہیں، اُن کے متعلق آپ کی رائے مطلوب ہے:

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَذان کے وقت انگوٹھا چومنے کے بارے میں کوئی معتبر روایت منقول نہیں اور جو روایت حضرت علامہ شامیؒ نے دیگر مصنف سے نقل کی ہے وہ محققین کے نزدیک صحیح ودرست نہیں، چناں چہ انگوٹھا چومنے کے بارے میں مجیب نے جو شامی کی عبارت نقل کی ہے، خود علامہ شامیؒ وہ روایت نقل فرمانے کے بعد اس کے عدم صحت کا قول بھی تحریر فرمایا ہے۔

وذکر ذٰلک الجراحي ما طال ثم قال: ولم یصح في المرفوع من کل ھٰذا شيء. (شامي ۱/۳۹۸ کراچی، شامي ۲/٦٨ زکریا)

یعنی جراحی نے ان روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد ایک لمبی بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ اِس بارے میں کوئی مرفوع صحیح روایت ثابت نہیں ہے، آپ کے ہم رشتہ فتویٰ میں مجیب صاحب نے علامہ شامیؒ کی عبارت ناقص نقل کی ہے، اگر پوری عبارت نقل کردیتے، تو معاملہ واضح ہوجاتا۔

نیز انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر رکھنے والی روایت کو حضرت علامہ شوکانیؒ نے اپنی کتاب ''**فوائد المجموعة في الأحادیث الموضوعة**'' میں ذکر کرنے کے بعد عدم صحت کا حکم لگایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

مسح العينين بباطن أعلىٰ السبابتين عند قول المؤذن أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه. رواه الديلمي في مسند الفردوس عن أبي بكر رضي اللّٰه عنه مرفوعًا، قال ابن ظاهر في التذكرة: لا يصح حديث من قال حين يسمع أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه مرحبًا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد اللّٰه ثم يقبل إبهاميه ويجعلها على عينيه لم يعم ولم يرمد أبدًا، قال في التذكرة: لا يصح. (فوائد المجموعة في أحاديث الموضوعة ۹ لاهور، تذكرة الموضوعات ٣٤، بحواله حاشية: فتاویٰ محموديه ٣/١٦٠ ڈابھیل)

لہٰذا مجیب صاحب نے علامہ شامیؒ کی جو روایت استدلال میں پیش کی ہے، اِسی روایت کے بارے میں علامہ شوکانیؒ نے صاف الفاظ میں فرمادیا کہ وہ درست نہیں ۔

اس طرح علامہ شیخ محمد طاہر نے بھی اس روایت کو "المصنوع في أحاديث الموضوع" نامی کتاب کے حاشیہ پر نقل فرمانے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ یہ روایت درست نہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو:

مسح العينين بباطن السبابتين بعد تقبيلهما عند سماع أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه مع قوله أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه مع قوله أشهد محمدًا عبده ورسوله رضيت باللّٰه ربًا وبالإسلام دينًا وبمحمدٍ نبيًا. ذكره الديلمي ولا يصح وكذا ما أورد عن الخضر عليه السلام. (الهامش على المصنوع في أحاديث الموضوع ۸ لاهور، المقاصد الحسنة ٤٤١ رقم الحديث: ١٠١٩ بيروت)

مجیب نے حضرت خضر علیہ السلام کی روایت سے بھی استدلال کیا تھا، علامہ طاہر نے اِس کو بھی عدم صحت کی فہرست میں داخل کیا ہے، نیز علامہ سخاویؒ نے اِن روایتوں کی پورے طور پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث درست نہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی روایت کے راوی مجہول ہیں، نیز حضرت خضر علیہ السلام سے انقطاع بھی ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

ذكره الديلمي في الفردوس من حديث أبي بكر الصديق أنه لما سمع قول المؤذن أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه، قال هٰذا وقبّل باطن الأنملتين السبابتين

و مسح عينيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من فعل مثل ما فعل خليلي حلت عليه شفاعتي" ولا يصح، وكذا ما أورده أبو العباس ...... بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام. (المقاصد الحسنة ۱۸۱، ٤٤۱ رقم الحديث: ۱۰۱۹ بيروت)

اِن مذکورہ تفصیلات سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ اذان میں ''اشہد ان محمداً رسول اللہ'' کے سننے کے وقت انگوٹھا چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جن روایات سے منقول ہے، وہ محققین کے نزدیک درست وصحیح نہیں ہے؛ لہٰذا اِس کو ثواب اور تعظیم سمجھ کر کرنا بدعت ہے، یہ سب تفصیل اذان میں انگوٹھا چومنے کے بارے میں ہے،اور اِقامت کے دوران انگوٹھا چومنے کیت بارے میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی منقول نہیں کہ بوقت تکبیر ''اشہد ان محمد رسول اللہ'' سن کر انگوٹھا چوم کر آنکھوں سے لگائے، یہی وجہ ہے کہ فقہاءؒ نے اس کا بالکل انکار کیا ہے، چناں چہ علامہ شامیؒ خود نقل فرماتے ہیں:

ونقل بعضهم أن القهستاني كتب على هامش نسخة أن هٰذا مختص بالأذان، وأما في الإقامة فلم يوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع. (شامي ۳۹۸/۱ كراچی، شامي ۲/٦٨ زكريا)

یعنی پورے تتبع وتلاش کے بعد بھی کہیں یہ نہ مل سکا کہ تکبیر کے وقت بھی انگوٹھا چوما جائے؛ لہٰذا بوقت تکبیر اشہد ان الخ سن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا بالکل بے اصل اور اَذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت ہوگا،اوراس کو مستحب سمجھنااور استحباب کا فتویٰ دینا صریح غلطی ہوگی۔

حیرت ہے کہ ''اشہد ان محمداً رسول اللہ'' پر انگوٹھے چومنے کے سلسلہ میں خود حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی کتاب ''ابرالمقال''میں تحریر فرمایا ہے:

''اذان میں وقت استماع نام مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھے کا ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں، جو اس میں روایت کیا جاتا ہے وہ کلام سے خالی نہیں،پس جو اُس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اُسے مسنون ومؤکد جانے یا نفس ترک کو باعثِ زجر وملامت کہے، وہ بے شک غلطی پر ہے''۔(ابرالمقال۱۲)

پس جب خود فاضل بریلوی صاحب اِس کے منکر ہیں، تو اُن کے متبعین کا اسے مستحب قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا زمزم کا کنواں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پر مارنے سے ظاہر ہوا؟

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیر زمزم کے متعلق کیا تحقیق ہے؟ آیا وہ حضرت جبرئیل کے پر مارنے سے جاری ہوا، یا حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروں کی رگڑ سے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَحادیث وروایات میں اِس بات کی صراحت ہے کہ زمزم کا کنواں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پر مارنے سے بحکم خداوندی ظاہر ہوا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیروں کی رگڑ سے جاری ہونے کی بات ہمارے علم میں نہیں آئی۔

فإذا هي بالملك عند موضع زمزم، فبحث بعقبه أو قال بجناحه حتى ظهر الماء. (صحيح البخاري ١/٤٧٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”لاضرر ولاضرار“ کا مطلب

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حدیث ”لاضرر ولاضرار“ کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث ”لا ضرر ولا ضرار“ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نہ تو دوسرے کو نقصان پہنچائے اور نہ بلا وجہ نقصان اٹھائے؛ بلکہ حق حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتا رہے۔

قوله عليه السلام: ”لا ضرر ولا ضرار“ أخرجه المالك في المؤطا والحاكم في المستدرك والبيهقي والدار قطني وابن ماجة، وفسره في المغرب بأنه لا يضر الرجل أخاه ابتداءً ا ولا جزاءً. (الأشباه والنظائر ۱۳۹ قديم)

والإسلام حرّم كل ما فيه ضررٌ، فقال صلى اللّٰه عليه وسلم: ”لا ضرر ولا ضرار“. هٰذا الحديث أصل عظيم من أصول الإسلام، وقاعدة من قواعده الكلية الكبرىٰ. وقد جاء هٰذا الحديث مرفوعًا عن جمعٍ من الصحابة رضي اللّٰه عنهم، فقد رُوي من حديث ابن عباس رضي اللّٰه عنهما. في المسند للإمام أحمد بن حنبل ٥/٤ ٥ رقم: ٢٨٦٥. (أحكام النوازل في الإنجاب / للدكتور: محمد بن هائل بن غيلان المدحجي ١٧٧/١ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية دولة قطر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۳/۱۰/۲۶ھ

حضرت امام اعظمؒ کا چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت اِمام اَعظم کے متعلق منقول ہے کہ اُنہوں نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، بعض نادان اُن پر اِس حدیث کی رو سے اعتراض کرتے ہیں کہ **”إن لنفسك عليك حقًا الخ“** اِس کے متعلق تحقیقی جواب دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَولاً اِس واقعہ کی سند دیکھنی چاہئے، اگر سند قابلِ اعتماد

نہ ہوتو اِس پر زیادہ زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اگر معتبر حوالوں سے اِس واقعہ کا ثبوت ہوجائے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ اکثری حکم ہے کلی نہیں، یعنی یہ مطلب نہیں کہ کوئی رات بھی اِس کے خلاف نہیں گزری؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کثرت سے اِمام اعظمؒ اِس معمول پر عمل کرتے رہے۔

روي عن أسد بن عمرو قال: صلى أبو حنيفة فيما حفظ عليه صلاة الفجر بوضوء العشاء أربعين سنة. (عقود الجمان ۲۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ کا ابوزید مروزی کوخواب میں شافعی کی کتاب کا درس دینے پر تنبیہ کرنا؟

سوال (۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایضاح البخاری میں ابوزید مروزی کا خواب اس میں سرکار نے فرمایا، ابوزید کب تک شافعی کی کتاب کا درس دیتے رہوگے؟ اور ہماری کتاب کا درس نہ دوگے الخ؟ میں نے سنا ہے، مؤطا امام مالک کے بارے میں؛ لیکن شیخ الحدیث رحمہ اللہ مرادآبادی نے شافعی کی کتاب تحریر فرمایا، شافعی کی کون سی کتاب تھی، تحریر فرمائیں؟ یا مؤطا امام مالک تھی، جیسا ہو خلاصہ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایضاح البخاری میں لکھا ہوا واقعہ، فتح الباری کے مقدمہ سے ماخوذ ہے، اوراس میں امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب کا ذکر ہے، مؤطا امام مالک کا نہیں؛ البتہ یہ وضاحت نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی کونسی کتاب مراد ہے۔

سمعت خالد بن عبد اللّٰه المروزي يقول: سمعت أبا سهل محمد بن أحمد المروزي يقول: سمعت أبا زيد المروزي يقول: كنت نائمًا بين الركن والمقام، فرأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في المنام، فقال لي: يا أبا زيد! إلى متى تدرس

كتاب الشافعي ولا تدرس كتابي، فقلت: يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! وما كتابك؟ فقال: جامع محمد بن إسماعيل(مقدمة فتح الباري ص: ٤٨٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مولانا وحید الزماں کا ترجمہ کتبِ اَحادیث پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بخاری شریف کا ترجمہ جناب مولانا وحید الزماں صاحب نے کیا ہے، اُس میں بہت سی جگہ اَحادیث کا ترجمہ غلط محسوس ہوتا ہے، مثلاً: ۱/۸۰۷ پر ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے اور مباشرت کرتے اور آپ روزہ دار ہوتے''۔ اِسی طریقہ سے اور بھی بہت سی جگہ ترجمہ میں خامیاں نظر آتی ہیں۔ تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ وحید الزماں صاحب کا کیا ہوا ترجمہ ہم جیسے عوام کو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بخاری شریف کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش ہے، مطالعہ فرما کر جواب سے نوازیں، کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مولانا وحید الزماں صاحب ایک غیر مقلد عالم تھے، اُنہوں نے اَحادیث کے ترجمہ کے دوران کہیں کہیں اپنے مسلک کی تائید کرنے کی بھی کوشش کی ہے؛ اِس لئے خالی الذہن عوام کو اِس طرح کے ترجموں کا مطالعہ بے راہ روی کا سبب بن سکتا ہے؛ کیوں کہ محض اَحادیث کا ترجمہ جان کر مسئلہ کا صحیح حکم معلوم نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اِس لئے کہ وہ حدیث قابل عمل ہے یا نہیں اور اُس کا صحیح محمل کیا ہے؟ اِس کو ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا، اِس کے لئے فقہی مہارت کی ضرورت ہے؛ تاہم مولانا وحید الزماں صاحب کے نفس ترجمہ کو مطلقاً غلط کہنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ زیادہ تر یہ ترجمہ الفاظ حدیث کے موافق ہے اور آپ نے جو روزہ کی حالت میں مباشرت کے متعلق لکھا ہے، اُس مباشرت سے ہمبستری مراد نہیں ہے؛ بلکہ بستر پر ساتھ لیٹنا مراد ہے اور ہمبستری کے بغیر میاں بیوی کا ساتھ لیٹنا روزہ کی حالت میں ممنوع نہیں ہے۔

المباشرة للصائم أي بيان حكمها، وأصل المباشرة التقاء البشرتين ويستعمل في الجماع، سواء أولج أولم يولج، وليس الجماع مرادًا بهذه الخ. (فتح الباري، كتاب الصيام / باب المباشرة للصائم ١٤٩/٤ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۶/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسائلِ مستنبطہ میں ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آئمہ اَربعہ کی تقلید (مسائل مستنبط بالقرآن والحدیث) میں کرنے کا کیا حکم ہے، جائز یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص بذاتِ خود قرآن وحدیث سے اَحکام کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اُس کے لئے ائمہ اَربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا نہ صرف جائز؛ بلکہ واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/۶۰۱-۶۱۳ ڈابھیل، کفایت المفتی ۹/۴۷۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الانبیاء، جزء آیت: ۷]

وتحته في روح المعاني: واستدل بها أيضًا على وجوب المراجعة للعلماء فيما لا يعلم. (روح المعاني ٢١٩/٨)

وقال اللّٰہ تعالى: ﴿وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ، وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُوْلِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ، وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلاً﴾ [النساء: ۸۳]

وقال الجصاص: فقد حوت هٰذه الآية معاني: منها: أن العامي عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث. (أحكام القرآن للجصاص ٢١٥/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۷/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فقہ الاقلیات

سوال (۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امریکہ کے لوگوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ امریکہ میں چوں کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، تو ان کے لئے فقہ اقلیت ہونی چاہئے، اِس عنوان سے اس بات کا عام طور پر عام لوگوں میں چرچا کرتے رہتے ہیں، اس کا مناسب جواب عنایت فرمائیں تو بے حد مشکور رہوں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم اکثریت والے ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے دین وشریعت میں زندگی گزارنے کے اعتبار سے اُصولی طور پر کوئی الگ حکم نہیں ہے؛ بلکہ ہر مسلمان پر شریعت کی پاسداری ضروری ہے، خواہ وہ مسلم ملک میں رہتا ہو یا غیر مسلم ملک میں؛ البتہ جزئی طور پر کچھ معاملات میں اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں میں فرق ہوتا ہے، مثلاً غیر مسلموں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے اور مسلمان اپنے معاشری مسائل کیسے حل کریں اور اپنے تشخص کی کیسے حفاظت کریں؟ اِس طرح کی جزئیات جمع کرکے اس کو ''فقہ الاقلیات'' کا عنوان دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ تاکہ اس نوع کے سبب مسائل یکجا ہو جائیں؛ لیکن اگر فقہ الاقلیات سے مراد یہ ہے کہ ان اقلیتوں کو اپنی جانب سے دین پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی چھوٹ دی جائے تو ظاہر ہے اس کا کسی کو حق نہیں ہے۔

قال عمران بن حصين رضي اللّٰه عنه للحكم: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا طاعة لأحدٍ في معصية اللّٰه تبارك وتعالىٰ (المسند للإمام أحمد بن حنبل / بقية حديث الحكم بن عمرو الغفاري رضي الله عنه ٩/٦٥ رقم: ٢٠١٣١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن علي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا طاعة في معصية اللّٰه، إنما الطاعة في المعروف. (صحيح مسلم / باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في معصية ٢/١٢٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فاسفورس کسے کہتے ہیں؟

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہشتی زیور ۹/۱۱۰ پر لکھا ہے کہ فاسفورس کھانا جائز ہے، مگر کیا چیز ہے مجھے معلوم نہیں، اِس لئے آپ سے گذارش ہے کہ فاسفورس کی وضاحت تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فاسفورس ایک کیمیاوی مادہ ہے۔ جو ہڈیوں کی راکھ سے نکالا جاتا ہے۔ (بہشتی زیور ۹/۱۱۰، فیروز اللغات ۴۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا خاندانی شرافت نجات کے لئے کافی ہے؟

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا صرف خاندانی سید یا شیخ وغیرہ ہونا نجات کے لئے کافی ہے، جب کہ اَعمالِ صالحہ کچھ نہ کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِیمان وعمل کے بغیر محض خاندانی شرافت معتبر نہیں ہے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

من أبطأ به عمله لم يسرع به نسبه. (مشكاة المصابيح ٢/١٣٥، سنن أبي داؤد ٢/١٣٥)

یعنی جس کا عمل اُسے پیچھے ڈال دے تو اُس کا نسب اُسے فوقیت نہیں دلاسکتا۔ (کفایت المفتی ۱/۲۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۷/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’صبح وشام سورۂ یٰسین شریف پڑھنے کا معمول؟

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے محلّہ کے امام صاحب کا بہت مدت سے یہ معمول ہے کہ فجر کی نماز کے بعد اجتماعی طور پر یسین شریف کا ختم کرواتے ہیں نماز کے بعد تمام مصلیان اسی حالت پر بیٹھے رہتے ہیں پھر اس کے بعد معارف القرآن میں سے تفسیر سناتے ہیں (عالم نہیں ہے) اس کے بعد پھر دعاء کے بعد مجلس ختم ہو جاتی ہے۔

(۱) تو کیا اس طرح شریعت میں اجتماعی طور پر یسین شریف کا ختم سنت ہے؟

(۲) اگر کوئی مصلی نماز کے فوراً بعد تلاوت یا ذکر کرنا چاہے اشراق تک تو اپنی جگہ نہیں بیٹھ کر کر سکتا اسکو اپنی جگہ چھوڑ کر مسجد کے صحن میں جا کر بیٹھنا پڑتا ہے، اور اس کو تشویش ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ سارا عمل اشراق تک اسی جگہ پر ہوتا ہے۔

(۳) کسی مصلی اور نمازی کو ذکر اللہ میں تکلیف اور تشویش ہوتی ہو یا نہیں ہوتی ہو، حکم میں کچھ فرق پڑیگا یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عند اللہ جزا پائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''احادیثِ شریفہ میں یسین شریف کی صبح وشام تلاوت کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ بریں بناء فجر کی نماز کے بعد یسین شریف پڑھنے کا اہتمام ممنوع نہیں ہے؛ تاہم اسے واجب اور ضروری نہ سمجھا جائے، اور اگر کوئی شخص اس میں شرکت نہ کرے تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ اسی طرح تفسیر معارف القرآن سنا کر دعا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اجتماعی عمل مجموعی طور پر نفع بخش ہے، اس لئے انفرادی عمل کرنے والا اگر اس میں شریک نہ ہونا چاہتا ہو تو مسجد میں کسی اور جگہ جا کر اپنا عمل کرسکتا ہے اس سے کسی کو تکلیف یا تشویش نہ ہونی چاہئے؛ کیوں کہ اجتماعی عمل کی اہمیت بہر حال انفرادی عمل سے بڑھی ہوتی ہے۔

عن عطاء بن أبي رباحٍ قال: بلغني أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من قرأ يٰسٓ في صدر النهار قضيت حوائجه. (رواه الدارمي) (فضائل اعمال / فضائل قرآن ۱/۵۲ إشاعة دينيات دهلي)

عن شهر بن حوشب قال: قال ابن عباس رضي اللّٰه عنه : من قرأ يٰسٓ حين يصبح، أعطي يسر يومه حتى يمسي، ومن قرأ ها في صدر ليلة أعطي يسر ليلته حتى يصبح. (المسند للإمام الدارمي، بحواله: أحكام القرآن للقرطبي ١٥/٢)

عن جندب بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ يسٓ في ليلة ابتغاء وجه اللّٰه غفرله. (رواه ابن السني، عمل اليوم الوليلة ٦٧٤، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٣٦٣ رقم: ٢٤٦٦ بيت الأفكار الدولية)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن لكل شيء قلبًا وقلب القرآن يٰسٓ، ومن قرأ يٰسٓ كتب اللّٰه له بقراءة القرآن عشر مراتٍ، زاد في رواية: دون يٰسٓ. (الترغيب والترهيب ٢٥٤/٢ رقم: ٢١٧٥)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والخصيص من غير مخصص مكروهًا. (سباحة الفكر مع مجموعة الرسائل الست ص: ٧٢، فتح الباري ٦٠٩/٢ بيروت)

كل مباح يؤدي إلىٰ زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه فهو مكروه. (تنقيح الفتاویٰ الحامدية ٣٦٧/٢ بحواله: تعليقاتِ فتاوی محموديه ٢٦٨/٣ ڈابهيل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۲/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گٹھلیوں پر وظیفہ پڑھنا؟

سوال (۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کھجور کی گٹھلی، اِملی کی جوھیا پر وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدد شمار کرنے کی غرض سے کھجور کی گٹھلیوں پر ذکر کرنا ثابت ہے۔

عـن سـعـد بن أبي وقاص رضي الله عنه أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة وبين يديها نوى أو حصى تسبح به الخ.(سنن أبي داؤد ١٥٠١)

الـروايـات بـالتسبيح بالنوى والحصا كثيرة عن الصحابة، وبعض أمهات المؤمنين. (حاشية الطحطاوي ٣١٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۶/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو قرآن پہلے سے پڑھا جارہا ہو کیا رمضان میں اُسے موقوف کردینا چاہئے؟

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن شروع کیا اور پورا نہیں ہو پایا اور رمضان شروع ہوگئے، تو کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ وہ قرآن چھوڑ کر نیا شروع کردیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رمضان کا شروع کر رہے ہیں، یہ اُس کے بعد پورا کرلیں گے، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ اگر اُن سے کہتے ہیں کہ پہلے پہلے والا پورا کرو بعد میں نیا شروع کرنا، تو کہتے ہیں کہ رمضان کا قرآن رہ جائے گا، یہ تو بعد میں بھی پورا کرلیں گے، قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو قرآن پہلے سے چل رہا ہے رمضان شروع ہونے پر اسے موقوف کرنے کے بجائے اولاً اس کو ختم کرلیا جائے، اُس کے بعد نیا قرآن شروع کیا جائے؛ تاہم اگر کسی شخص نے رمضان میں نیا قرآن شروع کیا اور یہ ارادہ کیا کہ جو قرآن ناقص رہ گیا ہے اُس کو بعد میں پورا کرلیں گے، تو اِس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عـن ابـن عباس رضي الله عنهما أن رجلا قال: يا رسول الله! أي الأعمال أفـضـل؟ قـال: الـحـال المرتحل، قال: يا رسول الله! وما الحال المرتحل؟ قال:

صاحب القرآن يضرب من أوله حتى يبلغ آخره، ومن آخره حتى يبلغ أوله كلما حل ارتحل. (المستدرك للحاكم ۷۵۸/۱ رقم: ۲۰۸۹-۲۰۸۸)

الحال المرتحل فسَّره بالخاتم المفتتح، وهو من يختم القرآن بتلاوته، ثم يفتتح من أوله. (حاشية: سنن الترمذي ۱۲۳/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعوت وتبلیغ:

سنیت دعوت کیا ہے؟

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شمائل کی کتابوں میں عموماً سنت عبادت، سنت عادت یا سنن ہدی، سنن زوائد کے الفاظ ملتے ہیں، کیا سنت دعوت کا لفظ بھی مستنبط من القرآن والحدیث ہے یا ہمارے اکابر تبلیغ کا تخلیق فرمودہ ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعوت الی اللہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منصبی ذمہ داری ہے اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد یہ بحیثیت مجموعی اُمت پر فرضِ کفایہ ہے، پس جو شخص بھی جس انداز میں (خواہ تبلیغ کے ذریعہ ہو یا تعلیم وتدریس، وعظ وخطابت اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ ہو) اُن کاموں میں لگے گا وہ فرض کفایہ ادا کرنے والوں میں شامل ہوگا، اِسی کو ''سنتِ دعوت'' سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، گو کہ یہ دعوت مروجہ تبلیغی محنت پر منحصر نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [حٰمٓ السجدة: ۳۳]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۴]

وقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل، جزء آيت: ١٢٥]

وسائل الدعوة متنوعة، فكل وسيلة تساعد على تحقيق أهداف الدعوة يمكن إتخاذها ما لم تكن محرمة شرعًا، والوسائل الرئيسية أنواع: فمنها:

الأول: التبليغ بالقول وهو الأصل في وسائل الدعوة. وقال تعالىٰ: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً﴾ ويكون ذلك بأمور أهمها: قراءة القرآن، وبيان معانيه، والخطب، والمحاضرات، والندوات، ومجالس التذكير والدروس في المساجد ويكون لزيارات المدعوين واستغلال التجمعات. وشبيه بالقول الكتابة: كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم في دعوة الملوك كما استعمله الخلفاء من بعده ويمكن الإفادة من وسائل الأعلام العديدة كالإذاعات المسموعة والمرئية والصحافة والكتب والمنشورات وغيرها.

الثاني: التبليغ عن طريق القدوة الحسنة والسيرة الحميدة والأخلاق الفاضلة، والتمسك باهداب الدين.

الثالث: الجهاد في سبيل اللّٰه؛ لأنه وسيلة لحماية الدعوة ومواجهة المتصدين لها. (الموسوعة الفقهية ٢٠/٣٣٢-٣٣٣ كويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۸/۱/۷ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعوت وتبلیغ کا مفہوم اور اس کے متعلق کچھ وضاحتیں

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: **الف**:- ہم لوگ بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپے تک الحمد للہ اِس وقت میری عمر ۷۰ رسال سے زائد ہے، یہی جانتے ہیں کہ یہ ایک اصلاحی کام ہے، جس کو لوگوں نے تبلیغی جماعت

کا نام دے دیا ہے، اِس کے ئے دعوت وتبلیغ کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، مگر دعوت وتبلیغ صرف اُسی مروجہ شکل میں منحصر نہیں ہے، مگر آج کل نیچے سے اوپر تک جگہ جگہ یہی بات پھیلائی جاتی ہے کہ یہی دینی کام ہے، جب کہ ہم نے اَب تک یہ سمجھا تھا کہ یہ بھی کام ہے۔

ب:- اور یہ جملہ اکثر کام کرنے والوں کی زبان زد ہے کہ نماز، روزہ کی تو قضا ہے، مگر دعوت کی قضا نہیں، گویا کہ دعوت، وہ بھی یہ دعوت وتبلیغ ایسا فریضہ ہے جو نماز، روزہ سے بھی زیادہ بڑا ہے۔

ج:- اِسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو دعوت والے ہیں، وہی دعا والے ہیں، جب کہ ہم نے قرآن میں اِبلیس کی دعا پڑھا ہے: ﴿قَالَ رَبِّ اَنْظُرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ آج کل ایسی بہت سی باتیں کہی جارہی ہیں، جو نصوص سے ٹکراتی ہیں۔

د:- ایک دوسرے دوست ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس ہاتھوں کے خزانے ہیں، آنکھوں کے خزانے ہیں، ایسے جیسا کہ بنابنایا اسٹاک کر رکھا ہے۔

ہ:- ایک اور دوست کہتے ہیں کہ آپ اِمامت وخطابت اور تدریس کی خدمت تنخواہ لے کر کرتے ہیں، اِس لئے وہ آپ کی دنیا ہے، اس پر اجر نہیں، اور ہم اپنی دعوت کا کام اپنی جان ومال سے کرتے ہیں، اِس لئے اُس پر اَجر وثواب ہے، اور ہمارے لئے آخرت ہے اور آپ مکتب ومدرسہ میں چھوٹے بچوں پر محنت کرتے ہیں، جو غیر مکلّف ہیں، ہم اُمت کے اس طبقے پر محنت کرتے ہیں، جو عاقل وبالغ ہیں جن کے لئے دین پر چلنا فرض ہے، ایسی باتوں سے بندے کو بہت رنج ہوتا ہے، اُن پر نکیر کی جائے یا نہیں؟

جس طرح ہمارے اَکابر نے ماضی قریب میں تحریر وتقریر اور فتاویٰ سے اس مروجہ جماعت کی تائید کی، تو کیا اِن باتوں کو دیکھتے ہوئے اَب اِصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا باتوں کی اِصلاح کے لئے آپ کتاب وسنت کی روشنی میں میرے لئے کیا کارآمد طریقۂ کار تجویز فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: **الف**:- دعوت کے معنی لوگوں کو دین کی طرف بلانے

کے آتے ہیں، اور شریعت میں دعوت دینے کی کوئی خاص ترتیب مقرر نہیں ہے؛ بلکہ زمانہ اور حالات کے اعتبار سے جو شخص بھی انفرادی یا اجتماعی طور پر اِصلاحی محنت کرے گا، وہ دعوت کے فریضے کو انجام دینے والا سمجھا جائے گا، اِس اعتبار سے دعوت کا مفہوم بہت وسیع ہے، مدارس کے معلمین واساتذہ، اِسی طرح دینی کتابوں کے مؤلفین ومصنفین اور دینی مسائل کی رہنمائی کرنے والے مفتیانِ کرام اور وعظ وخطابت کرنے والے علماء کرام یہ سب داعیانِ اسلام میں شامل ہیں، اِس لئے دعوت کے کام کو موجودہ تبلیغی جماعت کی ترتیب کے ساتھ خاص کر دینا واقعہ کے خلاف ہے، اور ناواقف عوام کی کم فہمی ہے، اس کو حکمتِ عملی کے ساتھ دور کرنے کی ضرورت ہے، خاص کر جو علماء عملاً تبلیغی کاموں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اُن پر بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اِس طرح کی غلط فہمیوں کا اِزالہ کریں؛ تاکہ خدامِ دین کے درمیان موافقت برقرار رہے، اور کوئی طبقہ دوسرے طبقہ سے بدگمان نہ ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

قال الحسن: هٰذه الاٰية عامة في كل من دعا إلى اللّٰه. (تفسير القرطبي ۳۲۱/۸)

ولٰكن الحق المقطوع به إن كل من دعا إلى اللّٰه بطريق من الطرق فهو داخل فيه. (تفسير الفخر الرازي ۱۲۶/۱٤)

وسائل الدعوة متنوعة، فكل وسيلةٍ تساعد على تحقيق أهداف الدعوة يمكن اتخاذها لذٰلک ما لم تكن محرمة شرعًا، والوسائل الرئيسية أنواع، فمنها التبليغ بالقول وهو الأصل في وسائل الدعوة، وقد قال تعالىٰ: ﴿ومن احسن قولاً ممن دعا الى اللّٰه وعمل صالحًا وقال اننى من المسلمين﴾ ويكون ذٰلک بأمور أهمها قراءة القرآن وبيان معانيه والخطب والمحاضرات والندوات ومجالس التذكير والدروس في المساجد وخارجها ويكون بزيارات المدعووين واستغلال التجمعات. (الموسوعة الفقهية ۳۳۲/۲۰-۳۳۳ كويت)

ب:- اور یہ جملہ کہ روزہ کی قضا ہے، مگر دعوت کی قضا نہیں، اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ فرض روزہ اور نماز کا وقت مقرر ہے، جب کہ دعوت کے کام کا کوئی وقت مقرر نہیں، تو اس معنی کے اعتبار سے دعوت کے کام کو نماز روزہ سے بڑھا ہوا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۰۴]

إن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، والإمام راعٍ ومسئول عن رعيته، والرجل راعٍ في أهله، ومسئول عن رعيته، والمرأة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها، والخادم راعٍ في مال سيده ومسئول عن رعيته، قال: وحسبت أن قد قال: والرجل راعٍ في مال أبيه وهو مسئول عن رعيته وكلكم راعٍ ومسئولٌ عن رعيته. (صحيح البخاري ۱۲۲/۱ رقم: ۸۸۳)

ج:- اور یہ کہنا کہ جو دعوت والے ہیں، وہی دُعا والے ہیں، یہ حصر صحیح نہیں؛ البتہ یہ بات حق ہے کہ دعوتِ دین سے (وسیع مفہوم کے ساتھ) جڑے ہوئے لوگوں میں دین پر چلنے کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے، اِس لئے اُن کی دعائیں قبول ہونے کی اُمید زیادہ ہوتی ہے، ورنہ دعا تو کوئی بھی کرسکتا ہے، اور کسی کی دعا بھی قبول ہوسکتی ہے، اِس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ، أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مسلم يدعو بدعوة ليس فيها إثم ولا قطيعة رحم إلا أعطاه اللّٰه تبارك وتعالىٰ إحدىٰ ثلاثٍ: إما أن يعجل له دعوته، وإما أن يدخر له، وإما أن يكف عنه من السوء مثلها. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۱۸/۳)

د:- یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں، اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب چاہے جس چیز کو جس طرح چاہے، وجود میں لانے پر قادر ہے؛ لیکن اُن خزانوں کو بنا بنایا اِسٹاک سے تعبیر کرنا مناسب نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ، وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ [الحجر، جزء آيت: ۲۱]

وما كان في خزانة الإنسان كان معدًّا له، فكذٰلک ما يقدر عليه الرب، فكأنه معد عنده. (الجامع لأحكام القرآن الكريم ۱۰/۱٤-۱٥)

ہ:- اور کسی شخص کا یہ کہنا کہ جو لوگ تنخواہ لے کر اِمامت وخطابت یا تدریسی خدمات اَنجام دے رہے ہیں، اِس پر وہ اجر وثواب کے مستحق نہیں ہیں، یہ بات قطعاً غلط ہے؛ اِس لئے کہ اجر وثواب کا تعلق تنخواہ لینے یا نہ لینے پر نہیں ہے؛ بلکہ نیت پر ہے، اگر کوئی شخص دین کی خدمت کی خاطر اِمامت وتدریس کا کام انجام دے اور اَسباب کے طور پر تنخواہ لے تو اُس کے اَجر وثواب میں ہرگز کمی نہیں آئے گی۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری خدمات بجالانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے وظائف مقرر فرمائے تھے، اور خلفاء راشدین نے بھی عمالِ سلطنت کے لئے وظائف جاری فرمائے، حتیٰ کہ خود خلفاء اسلام کے لئے بیت المال سے وظائف جاری کئے گئے، تو کیا آپ یہ تصور کرسکتے ہیں کہ یہ حضرات دینی خدمات پر وظیفہ لینے کی وجہ سے اَجر وثواب سے محروم ہوگئے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان یہ نہیں سوچ سکتا؛ لہٰذا ایسے ناواقف لوگوں کو ائمہ اور مدرسین پر انگلیاں اُٹھانے کے بجائے خود اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہئے؛ کیوں کہ اگر نیتیں درست نہ ہوں تو جان ومال لگانے کے باوجود بھی آدمی اجر وثواب سے محروم رہے گا۔ اِسی طرح چھوٹے بچوں پر محنت کرنے کو غیر اہم سمجھنا یہ بھی نہایت حماقت وجہالت کی بات ہے؛ کیوں کہ آنے والی نسلوں میں دین باقی رکھنے کے لئے بچوں پر محنت ضروری ہے، اگر نئی نسلوں کو دین سے واقف نہیں کرایا جائے گا، تو آنے والی نسلوں میں دین باقی رہنا مشکل ہے، اِس لئے موجودہ تبلیغی دعوتی کام اگرچہ بے شک مفید ہے؛ لیکن اِس کی بنیاد پر تعلیم وتدریس کی تحقیر ہرگز روا نہیں۔

عـن عـمـر بـن الخطاب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات. (صحيح البخاري ۲/۱ رقم: ۱)

عـن ابـن السـاعـدي قـال: استـعملني عمر على الصدقة فلما فرغت منها وأديتها إليه إليه أمر لي بعمالةٍ، فقلت: إنما عملت للّٰه وأجري على اللّٰه، قال: خذ ما أعـطيتک فـإني قد عملت على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فعملني، فـقلت مثل قولک، فقال لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا أعطيت شيئًا من غير أن تسأله فكل وتصدق. (سنن أبي داؤد / باب في الاستعفاف ۲۳۳/۱)

قـال الـقـاري: فيه جواز أخذ العوض عن بيت المال على العمل العام وإن كـان فـرضًـا كـالـقضاء والحسبة والتدريس؛ بل يجب على الإمام كفاية هٰؤلاء، ومن في معناه في مال بيت المال. (بذل المجهود ۵۰/٦ رقم: ۱٦٤۷، مرقاة المفاتيح / باب من لا تحل له مسئلة ومن تحل له ۱۸۳/٤)

عـن الوضين بن العطاء قال: كان بالمدينة ثلاثة معلمين يعلمون الصبيان، فكان عمر بن الخطاب يرزق كل رجل منهم خمسة عشر كل شهر. (المصنف لابن أبي شيبة ۲۷/۱۱ رقم: ۲۱۲۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا تبلیغی جماعت میں حصہ لینے کا ثواب جہاد کے برابر ہے؟

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کے دور کی تبلیغی جماعت جو چل پھر کر جماعت کا کام کرتی ہے اور عوام کو مسجد کے اندر آنے کی اور نماز کی دعوت دیتی ہے اور جماعت کے ساتھی عام لوگوں کو یہ کہتے ہیں کہ یہ کام نبی والا کام ہے جو اس کام کو کرے گا اور جماعت کے اندر اللہ کے راستہ میں جاوے گا اُس کو جہاد کے برابر

ثواب ملے گا۔اور جواسی راستہ یعنی جماعت دعوت وتبلیغ میں جاوے گا اُس کے اوپر دوزخ کی آگ تو آگ دھواں بھی حرام ہوجاوے گا، اور یہ کشتی نوح ہے جواُس میں سوار ہوگیاوہ بچ گیا اور اِس راستہ میں جانے میں ایک قدم پر سات لاکھ قدم چلنے کے برابر ثواب اور بعض حضرات تو اِس جماعت کے کام کوفرض عین بھی کہتے ہیں اور تبلیغی جماعت کے ساتھی کو دیکھا گیا کہ اس جماعت کے اندر جن کا وقت زیادہ لگا ہوتا ہے وہ تبلیغی جماعت کے ساتھی علماء کرام کی عزت نہیں کرتے اور اپنے آپ کو علماء سے کم نہیں سمجھتے وغیرہ وغیرہ۔اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ کیا واقعی جماعت کا کام جہاد کے برابر ہے، اور واقعی اس راستہ میں جہنم کی آگ اور دھواں حرام ہوجاتا ہے اور یہ کام شریعت کے اُصول کی روشنی میں سنت ہے یا بدعت؟ اس کام کو نہ کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ دور میں تبلیغی جماعت سے اُمت کو دینی اعتبار سے بہت نفع پہنچا ہے اور یہ دعوت الی الخیر کی ایک بہت عمدہ شکل ہے، جو تجربہ سے بہت مفید ثابت ہوئی ہے اور مطلق دعوت الی الخیر اُمت پر فرضِ کفایہ ہے؛ لیکن اس کی کوئی خاص شکل فرض یا واجب نہیں؛ بلکہ کسی خاص ترتیب اور نظام کو اختیار کئے بغیر بھی اگر کوئی شخص دعوت الی الخیر کا کام انجام دے گا تو وہ مستحق اجر وثواب ہوگا، پس جو شخص تبلیغی جماعت کے نظام کے مطابق چلہ یا چار مہینہ نہ لگائے مگر اپنے طور پر دینی محنت کرتا رہے تو وہ نہ تو گنہگار ہے اور نہ ہی فرض یا واجب کا تارک کہلایا جاسکتا ہے۔

اور ''جہاد'' اسلام میں سب سے اونچے درجہ کا عمل ہے، کوئی اور عمل اس کے برابر درجہ کا نہیں ہے، پس جہاد کے حقیقی اجر وثواب کا استحقاق دوسرے درجوں کے خدامِ دین کے لئے ثابت نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ اِضافی ثواب کے طور پر اللہ تعالیٰ کسی دوسرے عمل پر بھی اس ثواب سے نواز دیں تو اُس کی شان سے کچھ مستبعد نہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ سورۂ اخلاص پڑھنے پر ایک تہائی قرآنِ کریم پڑھنے کے ثواب کو بشارت سنائی گئی ہے، تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقۃً دس پارے پڑھنے کا جوثواب ہے وہی سورۂ اخلاص پڑھنے والے کو مل جائے؛ بلکہ یہ اضافی ثواب ہے جو

سورۂ اخلاص کی برکت سے پڑھنے والے کو حاصل ہوتا ہے، مگر دس پارے پڑھنے پر جو ثواب ملے گا وہ اُس سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اسی طرح فی سبیل اللہ کے عموم میں جہاد کے ساتھ دیگر اعمالِ صالحہ بھی داخل ہیں، مگر کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے حقیقی اور شرعی جہاد کے ثواب کا کوئی مقابلہ نہیں ہے، وہ حسبِ ارشادِ نبوی اسلام کا سب سے چوٹی کا عمل ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [النساء، جزء آیت: ۱۰۴]

واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عينٍ وهو بقدر ما يحتاج إليه، وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره (الدر المختار) قلت: الأجر في الشريعة نوعان: أجر أصلي يستحقه العبد بنفس العمل في علم اللّٰه تعالیٰ حسب قواعده وضوابطه التي وضعها اللّٰه تعالیٰ لجزاء أعمال العباد بالقسط والعدل، وأجر مضاعف يعطيه من يشاء من عباده يوم القيامة بمزيد كرمه وإسباغ نعمته ووفور رحمته، وذلک فضل من اللّٰه يؤتيه من يشاء (فتح الملهم ۳۸۴/۱ مكتبة دار العلوم كراچی)

وقال أبوحنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ: الفقه في الدين أفضل من الفقه في العلم، ولأن يتفقه الرجل كيف يعبد ربه خير له من أن يجمع العلم الكثير. قال أبو مطيع رحمه اللّٰه قلت: فأخبرني عن أفضل الفقه؟ قال رضي اللّٰه عنه: يتعلم الرجل الإيمان والشرائع والسنن واختلاف الأمة. (الفقه الأكبر) قوله: أفضل من الفقه في العلم: لأن المقصود من التفقه ومعرفة طريق العبادة التي خُلِقنا لها، وهو يحصل بالتفقه في الدين، والتفقه في غيره مزيدٌ لا حاجة إليه في العبادة والسلوک على الصراط المستقيم ...... وعلم الإيمان والإسلام ومبانيها من الأركان الأربع وشرائطها وفرائضها كغسل الجنابة والوضوء والنية وغير ذٰلک فرض على كل مكلف بالغٍ لحديث أنس وعبد اللّٰه وأبي هريرة وغيرهم مرفوعًا: طلب العلم

فـريـضة عـلى كل مسلم ومسلمة. قال المزّي: هٰذا الحديث روي من طرقٍ تبلغ رتبة الحسن ...... ولقوله عليه السلام: التفقه في الدين حق على كل مسلم. وقوله عـليه السلام: طلب الفقه حتمٌ واجبٌ على كل مسلمٍ. (نظم الدرر في شرح الفقه الأكبر ٩٤-٩٥ المجلس العلمي كراچی)

قـال رسـول الـلّٰـه صـلـى الـلّٰـه عـليـه وسلم في حديث معاذ: ذروة سنامه الجهاد. (مشكاة المصابيح ١٤/١)

وفـي حديث أبي هريرة رضي اللّٰه عنه: إن في الجنة مائة درجة أعدها اللّٰه لـلمجاهدين في سبيل اللّٰه ما بين الدرجتين كما بين السماء والأرض الخ.(مشكاة المصابيح ٣٣٩/٢)

وقـال الـمـلا عـلـي الـقـاري: قـولـه: ذروة سنامه الجهاد، وفيه إشعار إلىٰ صـعـوبة الـجهاد وعلو أمره وتفوقه على سائر الأعمال الخ. (مرقاة المفاتيح ١٠٦/١، المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۰/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مروجہ تبلیغ اور مستورات کا تبلیغی محنت کے لئے نکلنا؟

سوال (۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک سوال ہے، جس کے کئی اجزاء ہیں، ہر ایک کا جواب مطلوب ہے۔

اصطلاح میں تبلیغ کس چیز کا نام ہے؟

غیر تبلیغ کو بایں طور تبلیغ کہنا کہ اصل تبلیغ اذہان سے نسیاً منسیاً ہوجائے درست ہے یا نہیں؟

باعتبار لغت کے تبلیغ جو کہ امر مطلب ہے، اس کو چند اعمال واشغال میں مقید ومنحصر کرنے کا کیا حکم ہے؟

مروجہ تبلیغ کا داعیہ اور محرک کیا ہے؟ یہ داعیہ ورمحرک خیر القرون میں موجود تھا یا نہیں؟

مروجہ تبلیغ از روئے شرع وفقہ فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا مستحب یا مباح؟

مباح اور مستحب پر التزام اور اصرار کا کیا حکم ہے؟

مباح اور مستحب میں اگر امر غیر شرعی منضم ہوجائے تو اصلاح کا حکم ہے یا ترک کا؟

مباح ومستحب کو ثابت کرنے کے لئے فرض وواجب پر قیاس کرنا درست ہے یا نہیں؟

خواتین کے حق میں تبلیغ ماموربہ اور مطلوب فی الدین ہے یا نہیں؟

سفر وحضر دونوں کا حکم یکساں ہے یا جدا جدا؟

خواتین کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا کیوں منع ہے؟ فتنہ کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے میں خواتین کے لئے سرے سے کوئی فضیلت ہی نہیں؟ اگر فتنہ مرتفع ہوجائے یا فضیلت ثابت ہوجائے تو منع کا حکم مرتفع ہوجائے گا یا نہیں؟

خواتین کو قبرستان جانا کیوں منع ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سفر جہاد میں صرف اپنی ازواج کو لے جاتے تھے یا امہات، بنات اور اخوات کو بھی اپنی ضرورت کے لیے جاتے تھے یا تبلیغ وجہاد کے لئے؟

ایک مدت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نکاح مؤقت کی اجازت کیوں ملی تھی؟

اپنی ازواج کو سفرا اور بحالت قیام اپنے ساتھ اور اپنے خیمے میں رکھتے تھے یا جدا؟

سفر جہاد میں خواتین اپنے شوہروں کی ضرورت پوری کرتی تھیں یا تبلیغ وجہاد کرتی تھیں؟

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی ازواج کے لے جاتے تھے یا اکثر یا کچھ لوگ؟

اگر مستفتی مقید امر کا حکم پوچھے اور مفتی مطلق امر کا حکم بتائے تو جواب سوال کے مطابق ہوگا یا نہیں؟ مثلاً سائل پوچھے کہ خواتین کو تبلیغ کے لئے سفر میں لے جانا کیسا ہے؟ اور مجیب جواب دے کہ خواتین کے لئے محرم کے ساتھ دور دراز کا سفر کرنا بالاتفاق جائز ہے، سائل تبلیغ کی قید کو پوچھتا ہے اور مجیب مطلق سفر کا جواب دیتا ہے، تو یہ جواب سوال کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر یہ طریقہ

درست ہے تو مؤلف انوار ساطعہ کے سارے جوابات درست ثابت ہوں گے اور مؤلف براہین قاطعہ کے سارے جوابات بیکار وضائع ہوجائیں گے؛ اس لئے ہر جزو کے جواب میں مطلق اور مقید کوملحوظ رکھ کر جواب تحریر فرمائیں۔ سوال کچھ طویل ضرور ہوگیا؛ لیکن اس وقت کا یہ اہم مسئلہ ہے، مدلل و باحوالہ جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغ کے معنی ”دین کی بات دوسرے تک پہنچانے“ کے ہیں، یہ لفظ قرآنی آیت: ﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ﴾ سے ماخوذ ہے۔ اب دین کی باتیں مسلمانوں تک پہنچائیں یا غیر مسلموں تک سب پر تبلیغ کا اطلاق ہوسکتا ہے، پھر تبلیغ کی بھی بہت سی صورتیں ہیں، جن میں بعض انفرادی ہیں اور بعض اجتماعی، وہ سب عمومی معنی کے اعتبار سے تبلیغ کے مفہوم میں شامل ہیں، خواہ ان کا تعلق مکاتب و مدارس سے ہو یا وعظ وخطابت سے ہو یا تصنیف سے ہو یا اس اصلاحی ودعوتی تحریک سے ہو، جس کو عرف میں ”تبلیغی جماعت“ کہا جاتا ہے، یہ سب اشاعت دین کی صورتیں ہیں، کسی ایک صورت میں حصر نہیں ہے۔

دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر مطلقاً اس امت کا امتیاز ہے، اس ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے زمانہ کے حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھ کر جو بھی ترتیب بنائی جائے گی وہ عمومی حکم میں داخل ہوگی، اس کے لئے باقاعدہ انہیں تفصیلات کے ساتھ خیر القرون سے ثبوت ضروری نہیں ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ نفس تعلیم دین ضروری ہے؛ لیکن آج کل جس انداز میں مدارس قائم کرکے نصاب کی تعیین کی گئی ہے اور آٹھ سالہ درس نظامی مقرر کیا گیا ہے وہ ان قیودات کے ساتھ خیر القرون سے ثابت نہیں؛ لیکن تجربہ سے مفید ثابت ہوا ہے اور اس کے ذریعہ سے سیکڑوں اور ہزاروں لوگوں نے علم دین میں مہارت حاصل کی ہے، بعینہٖ یہی حال جماعت دعوت وتبلیغ کے مقرر کردہ نظام کا بھی ہے کہ امت میں دینی بیداری، دین کے لئے ایثار وقربانی اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کی غرض سے متعین ایام کے لئے نقل وحرکت وغیرہ کا نظام بنایا گیا ہے جو یقیناً

مذکورہ تفصیلات کے ساتھ اصطلاحاً فرض یا واجب نہیں؛ لیکن تجربہ سے اس کا فائدہ مند ہونا ظاہر وباہر ہے، جس سے کوئی منصف مزاج شخص انکار نہیں کرسکتا۔

اور رہ گئی عورتوں کے مقررہ حدود وشرائط کی رعایت کے ساتھ تبلیغی سفر میں جانے کی بات تو یہ بھی دراصل موجودہ زمانہ میں تعلیم دین کی ایک صورت ہے، یہ بات کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں ہے کہ موجودہ دور میں بد دینی، فحاشی اور فکری کج روی کا ایک طوفان ہے، جس نے پورے مسلم معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، لڑکیوں کو اسکول اور کالج میں تعلیم دلانے کے رجحان نے ان کو دین سے دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، نیز گاؤں دیہات میں رہنے والی ان پڑھ خواتین کا دینی حال ناقابل بیان ہے، ان خواتین کو دین کی باتیں سکھانے کے لئے نہ تو گھروں میں دینی ماحول میسر ہے اور نہ ہی ہر جگہ محفوظ دائرے میں دینی تعلیم کا نظام موجود ہے۔ اور جو خواتین بڑی عمر کی ہوچکی ہیں، ان کے لئے لڑکیوں کے تعلیمی اداروں میں جاکر ضروری دین حاصل کرنے کی صورت بھی نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ امت کی ان قابل رحم بے دین خواتین کی رہنمائی کی شکل کیا ہو؟ کیا اس کے لئے محض مدرسوں کے جلسے کافی ہیں؟ کیا اجنبی علماء کے بیانات سے ان خواتین کی اصلاح ممکن ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آپ ہی بتائیں کہ آبادی کے اس بڑے حصہ کی دینی ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ نے کیا لائحہ عمل بنایا ہے؟

تبلیغی جماعت کے اکابر نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے پردہ کے اہتمام اور بہت سی شرائط وحدود کے ساتھ محرم یا شوہر کی معیت میں مستورات کی جماعت کا نظام بنایا ہے اور بلاشبہ اس نظام سے جڑنے والی خواتین کے ذریعہ دور دراز کی خواتین تک دینی رہنمائی کی باتیں پہنچ رہی ہیں، اور اس کے مفید ثمرات بھی ظاہر ہورہے ہیں؛ کیوں کہ خواتین جس طرح بے تکلف طور پر مخاطب خواتین کو سمجھا سکتی ہیں دیگر مردوں کے لئے یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔

بریں بنا ملت کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے خواتین کے تبلیغی سفر کا نظام بنانے کو شریعت

کے بالکل خلاف نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ دورِ نبوت سے آج تک مختلف دینی دنیوی ضرورتوں کے لئے محارم یا شوہروں کے ساتھ عورتوں کا دور دراز کے اسفار کرنا مسلسل جاری ہے، نفلی حج وعمرہ کے لئے گروپ بنا کر مردوں اور عورتوں کے اسفار ہوتے ہیں اور بڑے بڑے دیندار علماء بھی مع اہل خانہ اس طرح کے گروپ میں شامل ہو کر حج وعمرہ کرتے ہیں اور اس پر آج تک کسی کی طرف سے نکیر نہیں سنی گئی، تو پھر ان پڑھ خواتین تک دین کی ضروری باتیں پہنچانے اور ان کو ایمان پر ثابت قدم رکھنے کے لئے پردہ کی پابندی کے ساتھ جو تبلیغی اسفار ہو رہے ہیں ان پر شدت سے نکیر کرنے کا کیا جواز ہے؟ مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ ہوتے ہوئے کام پر اعتراض کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی جائے؛ بلکہ حل یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ طریقہ پسند نہیں ہے تو اس کے متبادل کوئی ایسا قابل عمل طریقہ پیش کیا جائے جس سے امت کی خواتین کی مطلوبہ ضرورت پوری ہو سکے، امید ہے کہ جذبات کے بجائے سنجیدگی سے اس موضوع پر غور فرمائیں گے اور غور کرتے وقت مرکز نظام الدین کی طرف سے مستورات کی جماعت سے متعلق جو تفصیلی ہدایات جاری کی جاتی ہیں ان کو ضرور پیش نظر رکھیں گے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۱۰]

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم. (سنن ابن ماجة، كتاب العلم / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم رقم: ٢٢٤، مشكاة المصابيح / كتاب العلم ٣٤/١ رقم: ٢١٨)

قال الشراح: المراد بالعلم مالا مندوحة للعبد من تعلمه كمعرفة الصانع، والعلم بوحدانية ونبوة ورسالة وكيفية الصلاة، فإن تعلمه فرض عين. (مرقاة المفاتيح ٢٨٤/١ المكتبة الأشرفية ديوبند، بيروت ٤٣٤/١ بيروت)

وقد روى من أوجه كلها ضعيف لكن كثرة الطرق تدل على ثبوته ويقوى بعضه ببعض. (مرقاة المفاتيح ٢٨٥/١)

عن حفصة بنت سيرين قالت: كنا نمنع جوارينا أن يخرجن يوم العيد، فجاء ت امرأة فنزلت قصر بني خَلَف فأتيتُها، فحدّثتُ: أن زوج أختها غزا مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ثنتي عشرة غزوة، فكانت أختها معه في ست غزوات، فقالت: فكنا نقوم على المرضى ونُداوى الكلمى فقالت: يا رسول اللّٰه! على إحدانا بأس إذا لم يكن لها جلباب أن لا تخرج؟ فقال: لتلبسها صاحبتها من جلبابها فليشهدن الخير ودعوة المؤمنين. (صحيح البخاري، كتاب العيدين / باب إذا لم يكن لها جلباب في العيد ١٣٤/١ رقم: ٩٨٠)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن تسافر سفرًا يكون ثلاثة أيام فصاعدًا إلا ومعها أبوها أو ابنها أو زوجها أو أخوها. (صحيح المسلم / كتاب الحج ٤٣٤/١)

وفي حديث أم حرام ...... فتزوج به عبادة الصامت فخرج بها إلى الغزو فلما رجعت قُرِّبت دابةٌ لتركبها فوقعت فاندقت عنقها. (صحيح البخاري ٤٠٥/١ رقم: ٢٨٩٤)

وفي حديث عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أراد أن يخرج أقرع بين نسائه فأيتهن يخرج سهمها خرج بها النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فأقرع بيننا في غزوة غزاها، فخرج فيها في سهمي، فخرجت مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بعد ما أنزل الحجاب. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد / باب حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نسائه ٤٠٣/١ رقم: ٢٧٩٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بعض کارکنان تبلیغ کی بے اعتدالیاں؟

سوال (۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: پچھلے کچھ عرصہ سے ہمارے شہر میں کچھ ایسے مسائل پیدا ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ایسا خدشہ محسوس ہو رہا ہے کہ اگر اُن مسائل کا جلد از جلد حل نہ نکالا جائے تو عوام اور بالخصوص ایک ایسا طبقہ جو دعوت و تبلیغ کے کام میں لگا ہوا ہے، اُس کا قرآن وحدیث علماء و مدارسِ دینیہ سے تعلق ختم ہو جائے گا، چند ایسے مسائل ہیں جو بار بار بعض حضرات بیانوں میں اُن کا ذکر کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے عوام کے اندر قرآن وحدیث علماء و مدارسِ دینیہ کے تعلق سے ایک عجیب بے چینی پیدا ہو رہی ہے؛ لہٰذا اُن میں سے چند مسائل بغرض استفتاء آنحضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

(۱) ایک صاحب اپنے بیان میں یہ کہتے ہیں کہ تفسیر قرآن سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں، اور تفسیرِ قرآن کو سننے والے جہنمی ہیں؛ حالاں کہ تفسیر کرنے والے حضرات علاقے کے معتبر علماء ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جھوم کر (ہل ڈل کر) قرآن پڑھنا بہت بڑا گناہ ہے، اِس بات پر اُن کی نکیر بھی کی گئی؛ لیکن وہ اس سے باز نہیں آئے، کیا اُن کا یہ کہنا صحیح ہے اور ایسا کہنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) ایک صاحب اپنے بیان میں یہ کہتے ہیں کہ کچھ چو پڑیاں (آلتو، فالتو) کتابیں اور پیٹ پالنے والوں کی کتابیں پڑھ کر لوگ اپنے آپ کو عالم، فاضل اور مفتی کہلاتے ہیں، یہ تو علماء سو ہیں؛ حالاں کہ وہ صاحب یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی کتابیں اور فقہ کی کتابیں پڑھے بغیر کوئی شخص عالم، فاضل، مفتی نہیں بن سکتا اور وہ ائمہ حدیث و ائمہ فقہ سے بھی واقف ہے، تو اُن صاحب کا ایسی باتیں کرنا قرآن وحدیث اور ائمہ دین کی توہین نہیں ہے؟ تو ایسی باتیں کرنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۳) ایک صاحب کہتے ہیں کہ اذان و جماعت کے درمیان تلاوت و ذکر نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ صرف نماز کے انتظار میں بیٹھنا چاہئے، تو یہ بتائیے کہ اذان و جماعت کے درمیان تلاوت ذکر کرنا بہتر ہے یا نماز کے انتظار میں بیٹھنا بہتر ہے؟

(۴) ایک صاحب بیان میں یہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام کی مصیبتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے

کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام کو خاص طور سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ مارا گیا اور تکلیفیں دی گئیں، ایسا لگتا ہے کہ وہ پتھر یا لوہے کے تھے، یہ جملہ توہین صحابہ کے مترادف ہے یا نہیں؟ اگر اس سے صحابہ کی توہین ہوتی ہے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۵) تصوف وسلوک میں اوراد وتسبیح کا جو ذکر جہری ہے، اُس کا مذاق اڑانا کیسا ہے؟ اور یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے ایسا نہیں کیا؛ اس لئے یہ بدعت ہے، اسے بدعت کہنا کیسا ہے؟

(۶) ایک صاحب مجمع عام میں یہ کہتے ہیں کہ ”سب نبیوں سے اعلیٰ ہمارا نبی اور بقیہ تمام نبی لکیر کے فقیر ہیں“ اِس مجمع میں ایک بڑی جماعت کا بڑا ذمہ دار بھی بیٹھا اِس بات کو سن رہا ہے اور اس پر نکیر کرنے کے بجائے وہ خاموش بیٹھا ہے اور جو حضرات اس پر نکیر کر رہے ہیں، اُنہیں یہ ذمہ دار گمراہ اور برا بھلا کہہ رہا ہے، تو بتایئے کہ ایسی بات کو کہنے والے اور اس بات کو سن کر خاموش بیٹھنے والے اور نکیر کرنے والے کو گمراہ کہنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۷) ایک صاحب اپنے بیان میں یہ کہتے ہیں کہ علماء ومفتی کچھ بھی نہیں ہیں؛ بلکہ صرف امیر ہی ہے اور اُس کی ہی سنی جائے گی۔ اور حوالہ دیتے ہیں:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ.

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو علماء کی مجلس وجلسوں میں جائے گا وہ گمراہ ہے، اور مسلمانوں کی جماعت سے کٹا ہوا ہے؛ حالاں کہ وہ صاحب محض ایک ذمہ دار ہیں، شریعت کے علم سے اُنہیں واقفیت نہیں ہے، تو اُن کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور جا بجا علماء کی توہین کرنا کیسا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جزو نمبر ایک سے سات تک جو باتیں نقل کی گئی ہیں، یہ سب باتیں ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہیں۔ تبلیغی جماعت سے وابستہ کوئی بھی

مخلص کارکن ایسی باتیں نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ تبلیغ کے چھ نمبروں میں سے ایک اہم نمبر علم وذکر بھی ہے، اُس کے تحت میں تمام تعلیمی سرگرمیاں اور تصوف وسلوک کی محنتیں شامل ہیں؛ لہٰذا اِن باتوں کو دین سے الگ قرار دینا یا دین کے ان شعبوں کو حقیر اور بے ضرورت سمجھنا کسی طرح روا نہیں، جو لوگ بھی آپس میں ایسی باتیں کرتے ہیں، اُن لوگوں کو خوش اسلوبی سے سمجھانے کی ضرورت ہے، تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ وہ ایسے نادان لوگوں پر گہری نگاہ رکھیں اور اُن کی غلط بیانی پر روک ٹوک کریں؛ تاکہ فتنوں کا دروازہ بند ہو جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۸۱-۲۸۲ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/ ۸/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گشت کے فضائل

سوال (۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں سیڈھے میں ہفتہ میں ایک مرتبہ بستی والے عصر کے نماز کی بعد گشت کرتے ہیں، گشت سے پہلے فضائل گشت میں یہ بات بتلاتے ہیں کہ جو گشت میں نکلے اس کے لئے سمندر کی مچھلیاں بلوں میں رہنے والے کیڑے مکوڑے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور اس گشت کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ سات لاکھ نمازوں کا ثواب رکھتی ہے، یہ فضائل اپنے مقام پر رہتے ہوئے کام کرنے والوں کیلئے ہیں یا جو اپنا گھر چھوڑ کر دین اور علم سیکھنے کے لئے نکلے ہیں ان کیلئے ہیں؟ فیصلہ فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں گشت کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں یہ تبلیغی جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے مصداق میں طالبان علوم نبوت اور مجاہدین فی سبیل اللہ بھی شامل ہیں۔

قال أبو الدرداء رضي اللّٰه عنه فإني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من سلك طريقًا يبتغي فيه علمًا سلك اللّٰه به طريقًا إلى الجنة، وإن

الـمـلائـكة لتـضـع أجـنـحتهـا رضـي لطالب العلم، وإن العالم ليستغفر له من في السموت ومن في الأرض، حتى الحيتان في الماء الخ . (سنن الترمذي ۹۷/۲)

قـال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه وملا ئكته وأهل السماوات والأرضيـن حتـى الـنـمـلة فـي جـحـرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير . (سنن الترمذي / كتاب العلم ۹۸/۲ المكتبة الأشرفية ديوبند)

عـن مـعاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ''طـوبـىٰ لمن أكثر في الجهاد في سبيل اللّٰه من ذكر اللّٰه فإن له بكل كلمة سبعين ألف حسـنـة، كـل حسنة من عشرة أضعاف مع الذي له عند اللّٰه من المزيد'' قيل: يا رسول اللّٰه! النفقة؟ قال: النفقة على قدر ذلك. قال عبد الرحمن: فقلت لمعاذ: إنـمـا الـنـفـقة بسبعمائة ضعف، فقال معاذ: قل فهمك، إنما ذاك إذا أنفقوها وهم مقيمون في أهليهم غير غزاة، فإذا غزوا وأنفقوا خبأ اللّٰه لهم من خزائن رحمته ما يـنـقـطـع عـنـه علم العباد وصفتهم فأولئك حزب اللّٰه، وحزب اللّٰه هم الغالبون .

(الترغيب والترهيب ۲۱٤/۲ رقم: ۱۸٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشورہ کا حکم؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مشورہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ہر اہم کام میں اہلیت رکھنے والے حضرات سے مشورہ کرنا مستحب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اہم اجتماعی کام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ

کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کومشورہ کرتے نہیں دیکھا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۵۹]

وقال تعالیٰ: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ، جزء آیت: ۳۸]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: ما رأيت أحدًا أكثر مشورة لأصحابه من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (سنن الترمذي / باب ما جاء في المشورة ۳۰۱/۱ رقم: ۱۷۱٤)

الحكم التكليفي للعلماء في حكم الشوریٰ من حيث هي رأيان: الأول: الوجوب، والثاني: الندب، وينسب هٰذا القول لقتادة، وابن إسحق، والشافعي، والربيع ...... وشاورهم في الأمر، فالأمر في الآية محمول على الندب كما في قوله صلى اللّٰه عليه وسلم "البكر تستأمر". (الموسوعة الفقهية ۲۷۹/۲٦-۲۸۰ كويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۷/۳/۱۴ھ

مشورہ کس سے کریں؟

سوال (۳۵): - کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مشورہ کس سے کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر کام کا مشورہ اُس سے کرنا چاہئے جو اُس کا اہل اور تجربہ کار ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ فقہاء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کیا کرو۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قلت يا رسول اللّٰه! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا؟ قال: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة. (المعجم الأوسط للطبراني ٤٤١/١ رقم: ١٦١٨ الأردن، مجمع الزوائد ٤٢٨/١)

عن القاسم أن أبابكر الصديق رضي اللّٰه عنه كان إذا نزل به أمر يريد فيه

مشاورة أهل الرأي وأهل الفقه دعا رجالاً من المهاجرين والأنصار، ودعا عمر وعثمان وعليًا وعبد الرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وأبي بن كعب وزيد بن ثابت رضي اللّٰه عنهم، وكل هؤلاء كان يفتي في خلافته وإنما يصير فتوىٰ الناس إلى هؤلاء، فمضى أبوبكر على ذٰلک، ثم ولّٰى عمر فكان يدعو هؤلاء النفر، وكان الفتوى تصير وهو خليفة إلى عثمان وأبي وزيد. (كذا في الكنز ۱۳٤/۳، حياة الصحابة ۱٥٤/۲-۱٥٥ إداره إشاعة دينيات نيو دلهي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۳/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے مدرس کو جماعت میں جانے کے زمانہ کی تنخواہ لینا؟

سوال (۳٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ایسا مدرسہ جس کی بنیاد دعوت پر رکھی گئی ہو کہ یہاں سے ایسے علماء فارغ ہوں جو اُمت کا درد رکھنے والے ہوں، اور یہاں سے فارغ ہونے والے اکثر علماء کا سال بھی لگ چکا ہے، جو اپنے اپنے علاقہ اور اضلاع میں تبلیغی ومکتبی خدمت اچھی طرح انجام دے رہے ہیں، اور وہاں اثرات بھی اچھے ہیں، اِس مدرسہ میں ہر سرپرست اپنے بچے کا داخلہ اسی بنیاد پر کراتا ہے کہ یہ دعوت کا مدرسہ ہے، اور ہمارا بچہ بھی داعی بنے گا، اور اِس مدرسہ کے بانی حضرت مولانا محمد یونس صاحب سابق امیر تبلیغ مہاراشٹر نے اس کی ترتیب بنائی تھی، اور اُنہوں نے اس مدرسہ کے اَساتذہ کو اِس لئے چندہ سے آزاد کیا ہے کہ یہ باری باری جماعتوں میں جایا کریں؛ تاکہ اِس مدرسہ کا بنیادی مقصد پورا ہو۔ اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب کے زمانے سے لے کر آج تک اِسی پر عمل ہوتا رہا کہ اساتذہ مشورہ سے جماعتوں میں جاتے رہے، اور اُنہیں مدرسہ سے تنخواہیں دی جاتی رہیں، اس پر کسی نے بھی نکیر نہیں کی۔ اور یہ بات اِس مدرسہ کے عرف اور عمل میں بھی ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ ایسے مدرسہ سے جو اساتذہ دورانِ تعلیم مشورہ سے جماعت میں جاتے

ہیں،تو کیا اِن ایام کی تنخواہ اُن کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کسی کا یہ کہنا کہ صدقہ کا روپیہ تعلیم میں دینا تو جائز ہے تبلیغ میں نہیں؟ کیا اِس طرح مدرسہ کے متعلق کہنا صحیح ہے؟ چند اقتباسات بھی پیش ہیں:

(۱) حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: لیکن شریعت نے طرفین کو اختیار دیا ہے کہ اپنے معاملہ میں جس قدر امام کی چھٹی بلا تنخواہ اور جس قدر مع تنخواہ چاہیں، رضا مندی سے طے کرلیں، کسی خاص بات پر مجبور نہیں کیا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۸۶/۲۳ میرٹھ)

(۲) اور زکوٰۃ سے تنخواہ دینا براہِ راست کسی کو بھی جائز نہیں، نہ معلم کو نہ مبلغ کو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۰۷/۲۳ میرٹھ)

نیز ایک فتویٰ (فتاویٰ محمودیہ ۲۳۰/۲۱ میرٹھ) پر بھی ملاحظہ فرمائیں: اہل مدرسہ تعلیم کے لئے بھی ملازم رکھتے ہیں، تبلیغ کے لئے بھی رکھ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۰۶/۲۳ میرٹھ)

خلاصہ یہ کہ اِس مدرسہ میں تقرر اساتذہ کا مقصد ہی تعلیم اور خروج فی التبلیغ ہے،تو کیا تعلیمی نقصان کے بغیر تبلیغی اسفار میں کم وبیش وقت کے لئے جانا اور اُس کی بھی تنخواہ لینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی مدرسہ میں مجلس شوریٰ یا انتظامیہ کمیٹی یہ ضابطہ بنائے کہ جو اَساتذہ جماعت میں وقت لگانے کے لئے جائیں گے، اُن کی رخصت من جانب مدرسہ سمجھی جائے گی، اور اِس عرصہ کی تنخواہ اُنہیں مدرسہ کے فنڈ سے ملے گی،تو شرعاً اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور تبلیغ بھی دین کا ایک شعبہ ہے اور عوام وخواص تک دین پہنچانا اہل مدارس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے؛ لہٰذا اِس بارے میں اعتراض درست نہیں ہے؛ البتہ اہل مدرسہ کو ترتیب ایسی بنانی چاہئے کہ طلبہ کا تعلیمی حرج نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۷۰/۱۵، فتاویٰ محمودیہ ۲۰۶/۲۳ میرٹھ)

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أو أحلَّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى اللّٰہ علیه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱
المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شادی میں شرکت کے لئے جماعت میں گئے ہوئے شخص کو وقت سے پہلے بلانا؟

سوال (۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا بھائی انڈیا سے باہر چار ماہ کی جماعت میں گیا ہے، میرے بچے کا جہاں رشتہ طے ہوا ہے وہ لوگ شادی کے لئے بضد ہیں، کیا میں مقررہ جماعت کے وقت سے پہلے شادی کے لئے باہر سے جماعت میں سے بھائی کو وقت پورا ہونے سے ۱۵/دن پہلے بلا سکتا ہوں، جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچے کی شادی میں آپ کے بھائی کی شرکت کوئی لازم اور ضروری نہیں ہے، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ اِس تقریب میں جماعت میں گئے ہوئے بھائی کی شرکت پر اصرار نہ کیا جائے۔

الإنكار على من لم يُتمَّ الأربعين في سبيل اللّٰہ:

عن يزيد بن أبي حبيب قال: جاء رجل إلى عمر بن الخطاب رضي اللّٰہ عنه فقال: أين كنت؟ قال: كنت في الرباط. قال: كم رابطت؟ قال: ثلاثين. قال: فهلّا أتممت أربعين. (كنز العمال ۲۸۸/۲، حياة الصحابة ۵۰۰/۱)

عن عائشة رضي اللّٰہ عنها قالت: قال النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤونة. (مشكاة المصابيح / الفصل الثالث ۲۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۱۱ھ

غیر مسلموں کو قرآن کا ترجمہ دینا؟

سوال (۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غیر مسلموں کو قرآن کا ترجمہ دینا کیسا ہے؟ اِس کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں (وائی اسلام)) کے نام سے ایک مشہور دعوت کی جماعت ہے، وہ لوگ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور دعوت دینے کے بعد اُن کو قرآن کا ترجمہ کی کتابیں تحفہ کے طور پر دیتے ہیں؛ تاکہ اُن کتابوں کا مطالعہ کر کے اسلام اور احکام اسلام سے مانوس ہوجائیں، تو اُن لوگوں کا یہ فعل مناسب ہے یا نہیں؟

بعض لوگ اِس فعل کو نامناسب اور برا سمجھتے ہیں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ غیر مسلموں کو دعوت دیتے وقت قرآن کا ترجمہ دینا افضل ہے یا دوسری کتابیں جو دینی باتوں پر مشتمل ہوں اُن کو دینا اَفضل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے پہلے ہی مرحلے میں ترجمہ والا قرآن دینا قطعاً مناسب نہیں اُس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) غیر مسلم کو قرآن دینے میں اِس بات کا بہت اندیشہ ہے کہ وہ ناپاکی کی حالت میں اس کو چھوا کرے گا۔

(۲) اِسی طرح اِس کی ضمانت نہیں ہے کہ وہ قرآنِ پاک کو احترام کے ساتھ اونچی جگہ پر ہی رکھے؛ بلکہ وہ کہیں بھی ڈال سکتا ہے۔

(۳) اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن کے مضامین اور مفاہیم کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، ایسا عین ممکن ہے کہ غیر مسلم آیاتِ جہاد وغیرہ کو پڑھ کر اُن سے غلط معانی نکالے اور اہل اسلام پر طعن وتشنیع کرے، جیسا کہ اِس طرح کی باتیں پیش آتی رہتی ہیں، اِن جیسی وجوہات کی بنا پر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو قرآنِ پاک دینے کے بجائے معتبر علماء

کی لکھی ہوئی دینی اور دعوتی کتابیں پیش کی جائیں، پھر جب وہ اسلام سے قریب آجائیں اور اُن کے دل میں کتاب اللہ کی عظمت قائم ہوجائے اور اِس بات کا اطمینان ہوجائے کہ وہ قرآنِ پاک کا مکمل اَدب واحترام کرے گا، تو اُس وقت قرآن اور اُس کا ترجمہ دینے میں حرج نہ ہوگا۔ فقہاء نے بھی غیر مسلم کو قرآن دینے اور پڑھانے کی اُسی وقت اجازت دی ہے جب کہ اس سے خیر کی امید اور اِہانت کا خطرہ نہ ہو اور جہاں ایسا خطرہ ہوگا وہاں اجازت نہیں دی جائے گی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لاَ یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [الواقعة: ۷۹]

وحاصلهما سبق أن وقوع المصحف بأيدي الكفار إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن مثل هٰذا الخوف، فلا بأس بذٰلک لا سيما لتعليم القرآن وتبليغه. (تكملة فتح الملهم ۳۸٦/۳)

ويمنع النصراني من مسه، وجوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه عسى أن يهتدي. (الدر المختار، كتاب الطهارة / قبيل باب المياه ۱۷۸/۱ كراچی، كذا في الحلبي الكبير / تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ص: ٤٩۷ لاهور)

وقال ابن حجر المكي: والأولىٰ أن لا يستديره ولا يتخطاه ولا يرميه بالأرض. (الفتاوىٰ الحديثية / حكم مد الرجل للمصحف ص: ۳۰۷)

ولا تقعدوا على مكان ارفع مما عليه القرآن. (حياة المسلمين للتهانوي ٥٤)

لا يلقى في موضع يخل بالتعظيم. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس في آداب المسجد والقرآن ۳۲۲/٥ زكريا)

تعليظ القرآن والفقه واجب. (الفتاوىٰ الهندية ۳۱٦/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تبلیغ کے لئے حکومت ہند سے امداد لینا؟

سوال (۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کیا تبلیغ دین کے لئے حکومتِ ہند سے امداد لینا جائز ہے؟ جب کہ یہ معلوم ہے کہ تنخواہ سودی رقم سے دی جاتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معقول طریقہ پر اگر حکومت سے کسی دینی کام کے لئے تعاون لیا جائے تو فی نفسہٖ مباح ہے، اور جو رقم اس طرح کے تعاون میں دی جاتی ہے، اُس کے سودی ہونے کی نوعیت میں بحث کی کافی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۹/۱۰۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۲۷ھ

بدعات ورسومات:

مستحب کو ضروری سمجھ کر وقت کے ساتھ عمل کرنا؟

سوال (۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی مستحب عمل کو بغیر رخصت پر عمل کئے لگا تار واجب کی طرح اَدا کرنا یا واجب کی طرح ضروری سمجھنا مکروہ ہے، تو اُن کا یہ قول بحکم شرع کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستحب کو ضروری سمجھنا یا واجب کی طرح اپنے ذمہ لازم کر لینا مکروہ ہے، کبھی کبھی مستحب کو ترک کر دینا چاہئے۔

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (سعاية ۲/۲٦٥، الدر المختار، باب سجدة الشكر / قبيل باب صلاة المسافر ۲/۱۲۰ كراچی، ۲/۵۹۸ زكريا)

قال الطيبي: وفيه من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب من الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على أمر بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح ۲/۱٤، فتح الباري ۲/۳۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۴/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دفن کرنے کے بعد دعا یا فاتحہ کے لئے اعلان کرنا؟

سوال (۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دفن کے بعد دعا کے لئے اعلان کرنا یا فاتحہ کے لئے اعلان کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دفن کے بعد دعا واستغفار گوکہ حدیث سے ثابت ہے، مگر اس کا التزام اور باقاعدہ اعلان اور اتنا اہتمام کہ شریک نہ ہونے والوں پر نکیر کی جائے، اور ان کو حقیر سمجھا جائے یہ نا جائز ہے، اور اہل بدعت کا شعار ہے۔ دعا کا ثبوت درج ذیل حدیث سے ہے:

كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره، وقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا اللّٰه له التثبيت؛ فإنه الأن يسأل. (سنن أبي داؤد ٤٥٩/٢، إعلاء السنن ٢٨٧/٨، مجمع الأنهر ١٨٧/١)

اور فاتحہ کا مروجہ طریقہ بھی قابلِ ترک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۸ ۴۷ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا؟

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی فروری ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں اِس عنوان ''حضرت شیخ الاسلام واقعات وکرامات کی روشنی میں'' کے تحت صفحہ ۲۲ پر مذکورہ عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر پر ایصالِ ثواب کے وقت ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے، اِس کے برخلاف فتاویٰ ومسائل کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئیں، جیسا کہ ''اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں صفحہ ۵۳ پر فتاویٰ عالمگیری کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے، اَب آپ قرآن وحدیث اور عباراتِ فقہیہ کی روشنی میں اِس تعارض کا دفعیہ کیجئے، نیز اُس حدیث کو بھی تحریر کیجئے جس کا حوالہ حضرت نے دیا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتح الباری میں علامہ حافظ ابن حجرؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی قبر پر ہاتھ اُٹھاکر دعاء فرمائی ہے۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعًا يديه. (فتح الباري ۱۱/۱۲۰)

اِس لئے اِس روایت سے قبر پر دعا کے وقت رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے، اور عالمگیری میں بھی قبلہ رو ہوکر رفع یدین کی اِجازت دی گئی ہے۔

وإذا أراد الدعاء بقوم مستقبل القبلة. (الفتاویٰ الهندية ۵/۳۵۰)

وجہ اُس کی یہ ہے کہ لوگوں کو صاحبِ قبر سے مانگنے کا شبہ نہ ہونے لگے، اِس لئے جہاں اِس تلبیس کا اندیشہ ہو وہاں یا تو ہاتھ ہی نہ اُٹھائے یا قبر سے پھر جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں زور سے قرآن پڑھنا؟

سوال (۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں قرآن شریف آواز سے پڑھنا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر میت کے وارث خود قرآن شریف آواز سے تلاوت کریں تو کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عالمگیری کے ایک جزئیہ سے قبرستان میں قرأت قرآن کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ دیگر بدعات اجتماع اور اُجرت وغیرہ سے خالی ہو، ورنہ التزام مالا یلزم کی بناء پر یہ تلاوت بھی بدعت ہوجائے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۶/۲۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۳ھ

آپ ﷺ کے نعل مبارک کی شبیہ کو بوسہ دینا اور اعزاز کرنا؟

سوال (۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل شریف کا فوٹو اسٹیٹ کاپی جو کہ زاد السعید ۴۸۔۵۷ سے ماخوذ بتائی جاتی ہے، مجھے ایک صاحب نے عنایت فرمائی ہے اور ہدایت کی ہے کہ مذکورہ فوٹو اسٹیٹ کاپی کو اپنے سر پر سے اُتار کر اپنے چہرے میں ملیں اور محبت وعقیدت سے بوسہ دیں، احترام کے ساتھ مکان میں آویزاں کریں، کیا ایسا سب کچھ مثل ہدایت کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی شبیہ بنا کر اُس کا اعزاز کرنا اُس کو بوسہ دینا وغیرہ بہت سے شرعی مفاسد کو شامل ہے، اِس لئے اِس کی اجازت نہ ہوگی۔ حضرت اقدس تھانویؒ نے زاد السعید میں اِسے تحریر فرمایا تھا؛ لیکن بعد میں اپنی اِس تحریر سے رجوع فرمالیا تھا؛ لہٰذا اِس بارے میں زاد السعید کی عبارت سے استدلال درست نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۲؍۸۷ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍۳؍۱۴۱۱ھ

سہرا باندھنا اور جوتا چرانا؟

سوال (۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دولہا کے سہرا باندھنا، پلو ڈلائی، جوتی چرائی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے لئے سہرا باندھنا ایک ہندوانی رسم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اِسی طرح جوتا چرائی کی رسم بھی ناجائز اور متعدد مفاسد پر مشتمل ہے، مثلاً:

الف:- اِس رسم میں نامحرم عورتوں خاص کر بیوی کی بہنوں یعنی سالیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کی نوبت آتی ہے جو بڑی بے حیائی کی بات ہے۔

ب:- اِس رسم کی وجہ سے بتکلف اور بلا رضا مندی دوسرے کے مال پر اپنا حق جتانا بھی لازم آتا ہے، جو شریعت میں ہرگز جائز نہیں؛ لہٰذا ایسی باتوں سے ہر مسلمان کو احتراز کرنا لازم ہے۔ (کفایت المفتی ۹/۵۹۵ زکریا، دینی مسائل اور اُن کا حل ۲۳۱)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ. (سنن الترمذي ۲/۹۹)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۲۵۵، مرقاة المفاتیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۱۸/٦، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۷۲/٥، شعب الإیمان للبیهقي ۳۸۷/٤ رقم: ٥٤٩٢ بیروت)

عن السائب بن یزید عن أبیه، عن جده رضي اللّٰه عنه أنه سمع النبي صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: لا یأخذن أحدکم متاع أخیه لاعبًا جارا. (سنن أبي داؤد ۲/٦۸۳)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا تمار أخاک ولا تمازحه ولا تعده فتخلفه. (سنن الترمذي ۲/۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۶/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اللہ کے نام کی نیاز کھانا؟

سوال (۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگ سب بھائی مل کر اللہ تعالیٰ کے نام کی نیاز کرتے ہیں، میرے والد دادا بھی اِسی طرح کھانا پکا کر اپنے اعزاء واقرباء کو کھلاتے تھے، ہم لوگ بھی اُسی طرح نیاز کا کھانا پکا کر خاندان والوں کو کھلاتے ہیں، کیا یہ طریقۂ نیاز درست ہے؟ نیز غیر مستحق زکوٰۃ بھی اور مال دار بھی کیا اُس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ کھانا خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے بطور صدقہ نافلہ

کھلایا جائے اور اُس میں کسی کے لئے ایصالِ ثواب وغیرہ مقصود نہ ہو، تو یہ ایک عام دعوت کے حکم میں ہے، اُس میں سے امیر وغریب، رشتہ دار وغیر رشتہ دار سب کھا سکتے ہیں۔ باقی بہتر یہ ہے کہ اس کھانے کا نام نیاز نہ رکھا جائے؛ اِس لئے کہ عام طور پر نیاز ایسے کھانے کو کہا جاتا ہے جو بزرگوں کو ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیا جاتا ہے، اُس میں سے امیروں کو کھانا جائز نہیں۔ (امداد المفتیین ۱۷۵)

وأما صدقة التطوع: فيجوز صرفها إلى الغني؛ لأنها تجري مجرى الهبة.

(بدائع الصنائع ۱۵۷/۲ زكريا)

لا تحل صدقة لغني، خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة. (البحر الرائق ۴۲۷/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۶/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سالگرہ منانا؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مذہبِ اِسلام میں سال گرہ منانے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سال گرہ منانے کی شریعت میں کوئی اَصل نہیں ہے، یہ کوئی خوشی کا موقع بھی نہیں ہے؛ اِس لئے کہ انسان کی جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے، ویسے ویسے وہ موت کے قریب ہوتا جاتا ہے؛ لہٰذا اِس پر خوشی منانے کا کیا مطلب ہے؟

من شبه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو الفساق أو الفجار أو أهل التصوف الصلحاء الأبرار منهم أي في الإثم والخير عند الله تعالىٰ. (مرقاة المفاتيح ۲۵۵/۸ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نئے اسلامی سال کی مبارک باد دینا؟

سوال (۴۸):- کیافرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پہلی محرم کو اگر ہم نئے سال کی مبارک بادی ایک دوسرے کو دیں، تو کیا یہ بدعت میں شمار ہوگا، یا یہ کہنا بہتر ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مبارک باد دینے کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں کو اِسلامی مہینوں کے متعلق اَہمیت کا احساس ہو اور محض رسم مقصود نہ ہو، تو اِسلامی سال پر مبارک باد دینے کی گنجائش ہے۔

عن عبيد الله عن أبيه عن جده طلحة بن عبيد الله رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا رأى الهلال، قال: اللّٰهم أهلله علينا باليمن والإيمان والسلامة والإسلام ربي وربك الله. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات / باب ما يقول عند رؤية الهلال ۱۸۳/۲، عمل اليوم والليلة ٥٩٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خوشی کے موقع پر ہیجڑوں کو نچوا کر اُن کو پیسہ دینا؟

سوال (۴۹):- کیافرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خوشی کے موقعوں پر ہیجڑے گھروں میں آ کر ناچتے ہیں، بعد میں روپئے لیتے ہیں، اُن کو نچانا اور پیسوں کا دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر اُن کو رقم نہ دی جائے تو یہ لوگ بدعائیں دیتے ہیں، بعض دین دار لوگ اُن کو ناچنے کی اِجازت نہیں دیتے، اور روپئے دے کر اُن کو دفع کردیتے ہیں؛ کیوں کہ اگر اُن کو روپئے نہ دیں تو یہ بے حیائی کی حرکتیں کرتے ہیں؛ لہٰذا اُن کو دفع کرنے کی نیت سے روپئے دینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناچ گانے وغیرہ کے لئے ہیجڑوں یا نچنیا کو بلانا اور اُن

کو پیسے دینا قطعاً حرام ہے، اور اگر یہ لوگ خود بخود گھر پر آ جائیں تو بھی اُنہیں سختی کے ساتھ گھر سے نکال دینا چاہئے، اور پیسہ وغیرہ دے کر اُن کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے، پھر بھی اگر کوئی شخص مجبور ہو کر اُنہیں ہٹانے کے لئے پیسے اُن پر خرچ کر دے تو اُمید ہے کہ اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔

ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه، أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب. (شامي ۳۵/۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا رات میں جھاڑو دینا منع ہے؟

سوال (۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رات میں جھاڑو لگانا کیا یہودی کا طریقہ ہے،، رات میں جھاڑو نہیں لگانا چاہئے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن وحدیث میں کہیں بھی رات میں جھاڑو لگانے کی ممانعت وارد نہیں ہے؛ بلکہ حسبِ ضرورت رات یا دن کبھی بھی جھاڑو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رات میں جھاڑو لگانا یہودیوں کا طریقہ ہے یا رات میں جھاڑو لگانا ممنوع ہے، تو عوام میں رائج ایسی جہالت کی باتیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ (مستفاد: اغلاط العوام ۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۲/۷/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عبادات

طہارت:

ہاتھوں سے معذور شخص طہارت کیسے حاصل کرے؟

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی کے دونوں ہاتھ شل ہیں، وہ خود نہ تو وضو کرسکتا ہے اور نہ استنجاء، ایسی صورت میں بمشکل ہی وہ استنجاء کے بعد مکمل طہارت حاصل کر پاتا ہے، اور اُس کے کپڑے پر بھی چھینٹیں آنے کا غالب گمان رہتا ہے، اِس کے باوجود وہ مسجد میں اُنہیں کپڑوں کو لے کر آتا ہے اور چوں کہ وہ ہاتھوں سے معذور ہے، اِس لئے وضو کرتے وقت اُس کے کپڑے کافی گیلے بھی ہوجاتے ہیں، جس سے مسجد کے نجاست میں ملوث ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، تو کیسا ایسا معذور شخص وضو کے بغیر نماز پڑھ سکتا ہے یا پھر مسجد کے نجاست میں ملوث ہونے کے خطرہ سے گھر ہی پر نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معذور شخص جس طرح بھی وضو کرسکے، اِسی طرح وضو کرکے نماز پڑھ لے، اِسی حالت میں اُس کی نماز درست ہوجائے گی، اور ایسے شخص سے جماعت کا حکم ساقط ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے گھر میں تنہا نماز پڑھا کرے؛ تاکہ ناپاکی کی وجہ سے مسجد کے احترام کی خلاف ورزی لازم نہ آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۲۱۵-۲۱۶، کتاب المسائل ۱/۱۷۸)

وکره تحريمًا الوطء فوقه والبول التغوط ...... وإدخال نجاسة فيه يخاف

منها التلويث، ومفاد الجواز لو جافة، لكن في الفتاویٰ الهندية، لايدخل المسجد من علی بدنه نجاسة. (شامي، كتاب الصلاة / مطلب في أحكام المسجد ۲/۴۲۸ زكريا)

ولو قطعت يداه ورجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلی بغير طهارة، ولا تيمم ولا يعيد وهو الأصح. (تنوير الأبصار علی الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة المريض، مطلب في الصلاة في السفينة ۲/۵۷۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کومہ میں چلے جانے والے جنبی کے لئے غسل کا کیا حکم ہے؟

سوال (۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی رات میں اپنی بیوی سے ہمبستری کررہا تھا کہ اچانک نس دبنے کی وجہ سے کومہ میں چلا گیا، اور اَب وہ کئی ہفتوں سے اِسی حالت میں ہے، اُس کے سارے حواس معطل ہیں، صرف سانس جاری ہے۔ سوال طلب امر یہ ہے کہ اُس شخص کے غسل کا کیا حکم ہے؟ آیا اُس کو جنابت کا غسل کرادیا جائے یا تیمّم، یا معذور سمجھ کر چھوڑ دیا جائے؟ اگر اِسی حالت میں اُس کا انتقال ہوجائے تو کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ شخص بے ہوش کے حکم میں ہے، اور حسبِ تحریر سوال چوں کہ اُس پر پانچ نمازوں سے زیادہ کا وقت گذر چکا ہے، اس لئے اُس کے ذمہ سے نمازیں ساقط ہوگئیں۔ بریں بنا جب تک وہ اِس حالت میں رہے گا، طہارت حاصل کرنے کا بھی مکلّف نہیں ہوگا، اور اگر اِسی حالت میں انتقال ہوجائے تو جس طرح دیگر مردوں کو غسل دلایا جاتا ہے، اِسی طرح اُسے بھی غسل دیا جائے گا، اُس کے لئے الگ سے کوئی حکم نہیں ہوگا، وہی غسل غسلِ جنابت اور غسلِ جنازہ دونوں ہوجائے گا۔

ومن جن أو أغمی عليه يومًا وليلة، قضی الخمس، وإن زاد وقت صلاة

سادسة لا للحرج. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المريض، مطلب في الصلاة في السفينة ۲/۵۷۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حائضہ عورت کا نورانی قاعدہ پڑھانا اور قرآنی آیات کا وظیفہ پڑھنا؟

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حیض ونفاس والی عورت کیا نورانی قاعدہ پڑھ سکتی ہے اور بچوں کو پڑھا سکتی ہے؟ بعض عامل اور بزرگ حضرات بعض خواتین کو کسی بیماری یا سحر وآسیب کے موقع پر سورۂ بقرہ، سورۂ مریم، سورۂ مزمل یا بعض سورت کی آیات پابندی سے پڑھنے کے لئے بتاتے ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ جس طرح قرآن کی بعض آیات بطور ذکر ودعاء پڑھنے کی گنجائش ہے، کیا اِسی طرح سے بطور وظیفہ شفا اور دوا کے بھی قرآن پڑھنے کی حیض ونفاس کی حالت میں اجازت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیض ونفاس والی عورت نورانی قاعدہ پڑھا سکتی ہے؛ لیکن جہاں آیاتِ قرآنیہ آئیں، تو اُن کو رواں نہ پڑھائے؛ بلکہ ہر حرف کو الگ الگ کرکے پڑھائے، اور حالتِ حیض میں کسی بھی سورت کو بطور وظیفہ پڑھنا جائز نہیں؛ البتہ وہ آیات جن میں ذکر ودعا کے معنی پائے جائیں، انہیں بنیت ذکر ودعا پڑھنے کی اجازت ہے، اور بنیت تلاوت پڑھنے کی اجازت نہیں۔

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئًا من القرآن. (سنن الترمذي ۱/۳٤ رقم: ۱۳۱)

ولا تقرأ كجنب ونفساء، سواء كان آية أو ما دونها عند الكرخي، وهو المختار، وعند الطحاوي تحل ما دون الآية، هٰذا إذا قصد القراءة، فإن لم

تـقـصـدهـا نـحو أن تقول: شكرًا للنعمة ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ فلا بأس به ...... وسائر الأدعية والأذكار لابأس به. (شرح الوقاية ١٦٦/١)

قال الكافي: لو قرأ الجنبي الفاتحة على سبيل الدعاء لا بأس به ...... وكذا شيئًا من الآيات أي التي فيها معنى الدعاء في ظاهر الرواية وعليه الفتوىٰ. (تبيين الحقائق مع حاشية چلپی ١٦٤/١-١٦٥)

جوز للحائضة المعلمة تعليمه كلمة كلمة. (شامي ٢٩٣/١ كراچی، ٤٨٧/١ زكريا)

والمعلمة إذا حاضت ومثلها الجنب كما في البحر عن الخلاصة: تقطع بين كل كلمتين هٰذا قول الكرخي. وفي الخلاصة: والنصاب وهو الصحيح. (منهل الواردين ١١٢/١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٨٠/١ رقم: ١٢٨٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/۱/۱۴۳۷ھ

نماز:

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل نماز کی صورت وہیئت کیا تھی؟

سوال (۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے نماز تھی یا نہیں؟

(۲) اگر نماز تھی تو حضرت آدم، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نماز پڑھنے کا طریقہ کیا تھا؟

(۳) اِسی طرح قرآن سے قبل دیگر کتابوں (توریت، انجیل، زبور) میں نماز کی کیا شکل وصورت تھی، اور لوگ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟

درج بالا سوالات کا تحقیقی اور تفصیلی جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

نوٹ:- بعض مفتیانِ کرام سے پوچھنے پر مختصر جواب دیتے ہیں جو تشفی بخش نہیں ہے،

اِس لئے تفصیل ساتھ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ نماز کا سلسلہ پہلی اُمتوں میں بھی جاری تھا، چناں چہ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کے ذکر میں یہ آیت موجود ہے: ﴿وَاَقِیْمُوْا الصَّلاۃَ وَآتُوْا الزَّکَاۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ﴾ [البقرۃ: ٤٣]

نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام کا محراب میں نماز پڑھنے کا ذکر سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں کیا گیا ہے، اور سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں یہ آیت موجود ہے:

﴿وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا. [مریم: ٣١]

علاوہ اَزیں متعدد آیات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے رکوع اور سجدہ کرنے کا بھی ذکر ملتا ہے، دیکھئے (سورۂ مریم: ۵۸، سورۂ بنی اسرائیل: ۱۰۷، اور سورۂ ص: ۲۴)

تو اِن آیات سے فی الجملہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلی اُمتوں میں بھی نماز اور رکوع، سجدے کا سلسلہ جاری تھا، اور قرینہ یہی ہے کہ یہ رکوع اور سجدے اِسی طرح کے ہوں گے جیسے ہم لوگ ادا کرتے ہیں۔ نیز اَحادیثِ شریفہ سے بھی انبیاء علیہم السلام کے نماز پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، حدیث اسراء ومعراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے یہ بات بھی مذکور ہے، میں نے اپنی اُمت پر تجربہ کیا (وہ نمازوں کا حق ادا نہ کرسکی) (صحیح مسلم ۱/۹۱)

نیز پیغمبر علیہ السلام کا خواب میں بعض انبیاء علیہم السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا بھی صحیح حدیث میں منقول ہے۔ (صحیح مسلم ۱/۹۶)

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلی اُمتوں میں بھی نماز پڑھی جاتی تھی؛ لیکن اُن کے اَوقات اُن کی رکعتوں کی تعداد الگ الگ تھی، جس کی مکمل تفصیل مستند حوالوں سے ملنی دشوار ہے؛ تاہم بعض فقہاء نے تاریخی کتابوں کے حوالہ سے کچھ تفصیلات ذکر کی ہے، اُن کو بھی بطور اِفادہ ذیل میں نقل کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

كل صلاة صلاّهـا نبـي، فـالـفـجر صلاّها آدم عليه السلام حين خرج من الـجنة، وأظلمت الدنيا عليه وجن الليل، فلما انشق الفجر صلى ركعتين الأولى: شـكـرًا لـلـنـجاة من ظلمة الليل. والثانية: شكرًا لرجوع ضوء ذلك النهار، فكان متـطـوعًـا عـليـه وفـرضًا علينا. والظهر إبراهيم عليه السلام حين أمر بذبح الولد وذٰلك عـنـد الـزوال، الأولـىٰ: شـكـرًا لزوال غم الولد. والثانية: لمجيء الغداء. والثـالثة: لـرضـى الـلّٰه تعالىٰ. والرابعة: شكرًا لصبر ولده، وكان متطوعًا وفرض عـلينا، والعصر صلاها يونس عليه السلام حين أنجاه اللّٰه تعالىٰ من أربع ظلماتٍ: ظـلـمة الـذلة، وظـلـمة البـحر، وظلمة الحوت، وظلمة الليل، والمغرب صلاها عيسى عليه السلام. الأولى: لنفى الألوهية عن نفسه. والثانية: لنفي الألوهية عن أمه. والثالثة: لإثبات الألوهية للّٰه تعالىٰ، والعشاء صلاها موسى عليه السلام حين خـرج مـن اليـابـس ودخل الطريق، وكان في غم المرأة، وغم أخيه هارون، وغم غـرق فـرعـون، وغـم أولاده، وشـكـر الـلّٰـه تعالىٰ حيث نجاه من الغرق، وأغرق عـدوه، فـلما نجاه اللّٰه من ذٰلك كله، ونودي من شاطئ الوادي صلى أربعًا شكرًا تـطـوعًا، فأمرنا بذلك لينجينا اللّٰه من شر الشيطان (البـناية شرح الهداية ٦/٢-٧ المكتبة النعيمية ديوبند، فتح القدير ٢١٩/١ زكريا، شامي ١٢/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فجر کی اَذان کے بعد سنتِ فجر کے علاوہ نماز پڑھنا؟

سوال (۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی اَذان کے بعد سنت کے علاوہ کوئی بھی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً نفل، صلوٰۃ السفر، قضا وغیرہ۔ تفصیل سے وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی اَذان کے بعد قضا نماز تو پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن سنتِ فجر کے علاوہ کوئی بھی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وکذا الحکم من کراهة نفل وواجب لغيره لا فرضٌ، وواجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنته لشغل الوقت به تقديرًا. (شامي / مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت ۲/ ۳۷ زكريا، حاشية الدسوقي / باب في بيان أوقات الصلاة ۱/ ۵ ۳۰ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نئی مسجد کا قبلہ کیسے متعین کیا جائے؟

سوال (۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں تین مسجدیں بنی ہیں جن کے کعبہ کا رخ ۱۱۰، ۱۰۰؍ ڈگری پر ہے، اَب ہم چوتھی مسجد تعمیر کرانا چاہتے ہیں، اُس کے کعبہ کا رخ کتنے پر ہونا چاہئے جس سے شرعاً غلطی نہ ہو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان والوں کے لئے جہت قبلہ مغرب (پچھّم) کی جانب ہے، اور آج کل جو قطب نما آرہے ہیں اُن میں دہلی اور مغربی یوپی کے لئے ایک سو دس میں ڈگری کا اندازہ مقرر کیا گیا ہے، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ نئی مسجد کی محراب بناتے وقت جدید قطب نما کو سامنے رکھیں، باقی اگر کسی وجہ سے کوئی مسجد معمولی انحراف کے ساتھ بنائی گئی ہو تو اُس میں بھی نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، اُس کے قبلہ کو غلط نہیں کہا جائے گا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۲۸۳)

فيعلم منه أنه لو انحرف عين القبلة انحرافًا لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ما في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن التيامن والتياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة. (شامي / باب شروط الصلاة، مبحث

في استقبال القبلة ۲/۱۰۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۲۳/ ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امریکہ میں جہتِ قبلہ

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: **الف**:- جہت قبلہ متعین کرنے کا اُصول کیا ہے؟

ب:- جب جہت قبلہ متعین ہوجائے تواِس میں کس قدر کمی بیشی کی گنجائش ہے؟ مثلاً قبلہ متعین ہونے کے بعد اور صفیں درست کرنے کے لئے کس قدر جہت قبلہ میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے؟

(۲) امریکہ میں جب قبلہ متعین ہوگیا ہے، تمام مساجد میں اس جہت میں نماز پڑھی جاتی ہے، گویا کہ مقامی طور پر اس پر ایک طرح کا اجماع ہوگیا ہے۔

ب:- اگر کوئی نئی مسجد بنی ہو تو اہل مسجد اس جہت قبلہ سے جس پر تمام مساجد متفق ہیں، کیا کوئی نئی جہت متعین کرسکتے ہیں؟

ج:- کیا وہ حضرات جہت قبلہ ازسرنو تحقیق کرسکتے ہیں؟

د:- اوراسی جہت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (ا) **الف**:- حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ جن شہروں اورآبادیوں میں قدیم مساجد موجود ہوں، اُنہیں مساجد کے محرابوں کو قبلہ کا معیار بنایا جائے گا اور جہاں پہلے سے مساجد تعمیر شدہ نہ ہوں تو وہاں آس پاس رہنے والے مسلمانوں سے قبلہ کی تحقیق کی جائے گی، اور جن جگہوں پر کوئی بتانے والا دستیاب نہ ہو، مثلاً جنگلات یا نوتعمیر آبادیاں تو ان میں قطب نما اور دیگر آلات کے ذریعہ سمت کی پہچان کرکے غور وفکر کے بعد قبلہ متعین کیا جائے گا۔

وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل في الأمصار والقرى المحاريب

التي نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم؛ فإن لم تكن فالسوال من أهل ذٰلک الموضع، وأما في البحار والمفاوز، فدليل القبلة النجوم هٰكذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية ٦٣/١)

وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب؛ فإنها إن لم تفد اليقين تفيد غلبة الظن للعالم بها وغلبة الظن كافية في ذلک (شامي ١٠٠/٢ بيروت، ١٢/٢ زكريا، مجمع الأنهر ٨٣/١ بيروت، الجوهرة النيرة ٦٨/١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٠٤/٢-٣٠٥ رقم: ١٦١١ زكريا)

ب:- جب کسی جگہ جہت قبلہ متعین ہوجائے تو پوری کوشش کرنی چاہئے کہ اسی جہت میں نماز پڑھنے کا التزام کیا جائے؛ تاہم اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے معمولی انحراف کرنا ناگزیر ہو (مثلاً مسجد کا جائے وقوع ایسا ہو کہ عین جہت قبلہ میں مصلّٰی بنانے سے مسجد میں نمازیوں کی گنجائش میں کمی آجاتی ہے) تو اس کی اجازت ہے اور معمولی انحراف کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کے پیشانی کا کوئی نہ کوئی حصہ قبلہ کی سیدھ میں رہے، جس کا اندازہ فقہاء نے دائیں بائیں جانب ۴۵/۴۵ درجہ مقرر کیا ہے۔

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافًا لا تزول منه المقابلة الكلية جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة. (شامي ٩٨/٢ بيروت، ١٠٩/٢ زكريا، البحرالرائق ٢٨٤/١ كوئٹه)

(۲) صورت مسئولہ میں قبلہ کے جس رخ پر عملاً اتفاق کیا جاچکا ہے، مناسب یہی ہے کہ نئی مسجد بھی اسی رخ پر تعمیر کی جائے، تاکہ کسی کو کوئی اشکال نہ رہے، تاہم اگر نئی تحقیق سے ایسے رخ پر مسجد بنائی جس کا رخ پرانی مساجد سے قدرے بدلا ہوا ہے، تو اس میں بھی نمازیں بلاشبہ درست ہوجائیں گی۔

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافًا لا تزول منه المقابلة الكلية جاز. (شامي ٩٨/٢ بيروت، ١٠٩/٢ زكريا، البحرالرائق ٢٨٤/١ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹرین میں نفل نماز بیٹھ کر جہت قبلہ کا لحاظ کئے بغیر پڑھنا؟

سوال (۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس طرح نفل نماز جس طرف ٹرین جاری ہے، اسی طرف سیٹ پر بیٹھ کر پڑھنے کا ثبوت تو فقہاء کی عبارت ”**حیث ما توجهت به راحلته**“ سے سمجھ میں آرہی ہے؛ لیکن درمیان کے چھ سیٹوں والے حصے میں جس کا رخ ٹرین کے مخالف سمت، یعنی ٹرین اگر مغرب کی طرف جارہی ہے تو سیٹ کا رخ شمال یا جنوب کی جانب کی ہوتا ہے تو ان میں سے جس سمت استقبال قبلہ ہو رہا ہے اس سمت نماز پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن دوسری صورت میں جانب قبلہ رخ کرنا مشکل ہے، تو ان سیٹوں پر جس طرح آسانی ہو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کیا مسئلہ ہے؟ میری اس عمر میں یعنی بہتر سال میں کچھ گنجائش ہے؟ کیا میں فرض نماز بھی بیٹھ کر پڑھ سکتا ہوں؟ جب جب کہ کھڑے ہو کر پڑھنے میں جھٹکا کھا کر گرنے کا اندیشہ ہے۔ **بینوا ما في الکتاب توجروا یوم الحساب۔**

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹرین میں چوں کہ استقبالِ قبلہ ممکن ہوتا ہے، اِس لئے اگر ٹرین میں نفل نماز بھی پڑھی جائے تو بھی قبلہ رو ہونا ضروری ہے، اب جو شخص کھڑے ہو کر پڑھنے پر قادر ہے، اُس کے لئے فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہوگا؛ لیکن جو کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو یا ضعف کی وجہ سے چلتی ٹرین میں گرنے کا اندیشہ ہو تو ایسا شخص فرض یا نفل نماز ٹرین میں قبلہ رو ہو کر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، اور فقہاء کی عبارت ”**حیث ما توجّهت به راحلته**،، سے ایسی سواری مراد ہے، جس میں چلتے ہوئے قبلہ رخ ہونا مشکل ہو جیسے گھوڑا، اونٹ، موٹر سائکل یا کار وغیرہ، تو اِس طرح کی سواریوں میں نفل نماز جدھر سواری جارہی ہو، اسی طرف رخ کرکے اشارہ سے پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن ٹرین یا جہاز وغیرہ میں یہ حکم نہیں ہے۔

ومن أراد أن یصلي في سفینة تطوعًا أو فریضة فعلیه أن یستقبل القبلة، ولا یجوز له أن یصلي حیث ما کان وجهه. (الفتاویٰ الهندیة / کتاب الصلاة ٦٤/١ زکریا)

ولو صلى الفريضةَ قاعدًا مع القدرة على القيام لا تجوز صلاته.(حلبي كبير ٢٦١)

ويجوز التطوع قاعدًا بغير عذر. (حلبي كبير ص: ٢٧٠)

وأما في النفل فتجوز على المحمل والعجلة مطلقًا. (تنوير الأبصار) أي سواء كانت واقفة أو سائرة على القبلة أو لا، قادر على النزول أو لا، طرف العجلة على الدابة أو لا. (تنوير الأبصار مع الشامي ٤٩١/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٦٣/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا؟

سوال (۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حنفی مسلک میں سینے پر ہاتھ باندھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مردوں کے لئے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا مکروہ اور خلافِ اَولیٰ ہے۔

عن أبي جحيفة أن عليًا رضي اللّٰه عنه قال: من السنة وضع الكف على الكف في الصلاة تحت السرة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب وضع اليمنى على اليسرىٰ في الصلاة رقم: ٧٥٦ دار الفكر بيروت)

وحادي عشرها: كون ذلك الوضع تحت السرة للرجل (حلبي كبير ص: ٣٨٢، الفتاوىٰ الهندية ٨٣/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گدے دار جائے نماز پر تختی رکھ کر سجدہ کرنا؟

سوال (۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میں گدے دار جائے نماز پر نماز پڑھتی ہوں، سجدہ کی جگہ میں نے سختی کے لئے پلائی رکھ لی ہے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ میری نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر صرف سجدہ کی جگہ رکھی ہوئی پلائی سجدہ کرتے وقت اتنی جم جائے کہ دبانے سے نہ دبے، تو اس پر سجدہ درست ہو جائے گا اور اگر جم نہ سکے؛ بلکہ دبتی ہی رہے تو اُس پر سجدہ درست نہ ہوگا۔

وإذا صلی علی التبن والقطن المحلوج وسجد علیه إن استقرت جبهته وأنفه علی ذلک ووجد الحجم یجوز وإن لم تستقر جبهته لا یجوز (الفتاوی التاتارخانية ۲/۱۷۸ رقم: ۲۰۷۱ زکریا)

ومن شروط صحة السجود کونه علی ما أي یجد الساجد حجمه بحیث لو بالغ لا تتسفّل رأسه أبلغ مما کان حال الوضع فلا یصح السجود علی القطن. (طحطاوي علی مراقي الفلاح ص: ۲۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفر لہ ۲/۲/۴ /۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قومہ وجلسہ میں اذکار کا اہتمام؟

سوال (۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نماز میں قومہ اور جلسہ کا اہتمام صرف سنت ونوافل کے لئے ہی مخصوص ہے، فرضوں کے لئے نہیں، جب کہ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ’’قومہ وجلسہ نماز میں واجب ہیں‘‘۔ قومہ وجلسہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کیا پڑھا کرتے تھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قومہ اور جلسہ فرائض ونوافل سب میں واجب ہے، اور

اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ ایک تسبیح کے بقدر آدمی قومہ وجلسہ میں توقف کرے، اس قدر توقف کرنے سے واجب ادا ہوجائے گا۔ اَب اگر کوئی آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو قومہ اور جلسہ میں طویل ماثور دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے؛ لیکن امام کے لئے بہتر ہے کہ وہ اِن اَوقات میں لمبی دعائیں نہ پڑھے؛ کیوں کہ اس سے مقتدیوں کو ناگواری ہونے کا اندیشہ ہے۔

عن ثابت قال: كان أنس رضي اللّٰه تعالىٰ عنه ينعت لنا صلاة النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فكان يصلي، فإذا رفع رأسه عن الركوع قام حتى نقول: قد نسي. (صحيح البخاري ۱۱۰/۱)

لها واجبات ...... – إلىٰ قوله – وتعديل الأركان أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة (الدر المختار) وفي الشامي: أي في الركوع والسجود والقومة والجلسة، ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذٰلک كله (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة ت/ باب صفة الصلاة، مطلب: قد يشار إلى المثنى باسم الإشارة الموضوع للمفرد ۱۵۷/۲ زكريا)

ويجلس بين السجدتين مطمئنًا ...... وليس بينهما ذكر مسنون وكذا ليس بعد رفعه من الركوع دعاءٌ وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح على المذهب، وماورد محمول على النفل. (تنوير الأبصار مع الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب: في إطالة الركوع للجائي ۲۱۲/۲-۲۱۳ زكريا)

اور قومہ اور جلسہ میں درج ذیل دعائیں پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے:

ربنا ولک الحمد حمدًا كثيرًا، طيبًا مباركًا فيه (صحيح البخاري)

ربنا لک الحمد ملء السماوات وملء الأرض وملء من شئت من شيء بعد. أهل الثناء والمجد، أحق ما قال العبد، وكلنا لک عبدٌ. اللّٰهم لا مانع لما

أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد من الجد. (صحيح مسلم)

رب اغفر لي وارحمني وعافني واهدني وارزقني واجبرني وارفعني. (سنن أبي داؤد) (بحوالہ: پرنور دعائیں: از: مفتی محمد تقی عثمانی ۱۲۶-۱۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی گھڑی میں جماعت کے وقت کی علامت کیلئے سیٹی بجنا؟

سوال (۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ کی مسجد میں اَوقاتِ جماعت کے لئے ایک گھڑی کسی صاحبِ خیر نے وقف کی ہے، جماعت کا وقت ہونے پر اُس میں ہلکی سی سیٹی بجتی ہے، سیٹی کی آواز پر مصلیان نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اس سے پہلے تکبیر کی آواز اللہ اکبر پر کھڑے ہوتے تھے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ سیٹی کی آواز پر کھڑا ہونا افضل ہے یا تکبیر کی پکار پر؟ مسجد چھوٹی ہے اور سیٹی کے ذریعہ متنبہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، جماعت کے وقت دس مصلی اور زیادہ سے زیادہ پندرہ مصلی ہوتے ہیں، تو بلاضرورت سیٹی بجانا کیسا ہے؟ آدابِ مسجد کے خلاف تو نہیں ہے؟ نفس سیٹی بجانا ہماری شریعت میں کیا حکم ہے؟ اگر بجلی نہ ہو تو مؤذن صاحب سیٹی بجا سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں گھڑی کی جس سیٹی کا ذکر ہے، اگر وہ سیٹی معمولی درجہ کی ہے جس میں کوئی ساز وغیرہ نہیں ہے، تو اِس طرح کی سیٹی گھڑی میں لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اِس سے مسجد کے آداب یا نمازیوں کی عبادت میں کوئی خلل نہیں پڑتا؛ البتہ اس سیٹی کو سن کر فوراً جماعت کے لئے کھڑے نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ مؤذن جب تکبیر شروع کرے اُسی وقت صف بندی کا عمل شروع کیا جانا چاہئے؛ کیوں کہ سیٹی بجنا اصل نہیں؛ بلکہ تکبیر اصل ہے، اِسی کو

معیار بنانا چاہئے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ۳۷۹/۲۲میرٹھ)

ومن ذٰلک ضرب النوبة للتفاخر، فلو للتنبه فلا بأس به (الدر المختار) وقال الشامي: أقول: وهٰذا يفيد أن آلة اللهو ليست محرمة لعينها؛ بل لقصد اللهو منها ...... وقال أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاض النائمين للسحور كبوق الحمام. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في اللبس ۹/ ٥٠٤- ٥٠٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۷/۱/۴ھ

ٹرین میں ایک پیچھے ایک کھڑے ہوکر جماعت بنانا؟

سوال (۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ٹرین میں اس طرح صف لگانا کہ ایک آدمی آگے اور ایک ایک اس کے پیچھے ڈبے کی لمبائی تک صف بنا کر کھڑے ہوجاتے ہیں، یعنی ایک صف میں دوآدمی نہیں ہوتے۔ کیا سفر میں باجماعت نماز کے اہتمام کے لئے اس کی کوئی اصل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹرین میں اِس طرح صف لگانا کہ امام صرف آگے ہو، اور اُس کے پیچھے ایک ایک آدمی کھڑے ہوں، تو اگر زیادہ فصل نہ ہو تو نماز تو درست ہوجائے گی؛ لیکن چوں کہ فقہاء نے ایک صف میں اکیلے مقتدی کے کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے اور سفر میں جماعت کا زیادہ اہتمام بھی مطلوب نہیں ہے، اِس لئے بہتر یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں دو دو آدمی جماعت کرکے نماز پڑھ لیں؛ تاکہ کوئی کراہت لازم نہ آئے۔

وأيضًا قد صرحوا في كراهة قيام الواحد وحده، وإن لم يجد فرجة الخ وفي الفتح: ولو اقتدى واحد بآخر، فجاء ثالث يجذب المقتدي بعد التكبير،

ولـو جـذبـه قبـل التكبير لا يضره. وقيل: يتقدم الإمام الخ وهذا كله عند الإمكان وإلا تعين الممكن. (شامي ۲/ ۳۰۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گستاخ غیر مقلدین اور اہلِ بدعت کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا حکم؟

سوال (۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو اہلِ بدعت حضرات بریلوی لوگ جو علماء اہل سنت علماء دیوبند جو ہمارے بڑے ہیں، اُن کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور اُن کو برا اور گستاخِ رسول کہتے ہیں اور اُن پر لعن طعن کرتے ہیں اور اُن کو معاذ اللہ گمراہ کہتے ہیں اور اِسی طرح اہلِ حدیث غیر مقلد حضرات جو ائمہ اور فقہاء کو برا کہتے ہیں اور ائمہ اور بزرگوں کو برا اور اُن کے اوپر لعن طعن کرتے ہیں، اگر کوئی حنفی اہل سنت مسلمان اُن کے پیچھے نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور جو نماز پڑھی کیا اُن کی قضا کرنی ہوگی یا نماز ہوگئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے گستاخ اہل بدعت اور غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا سخت مکروہ ہے؛ تاہم اگر نماز پڑھ لی گئی تو اُس کا دوہرانا لازم نہیں ہے۔

ويكره إمامة مبتدع أي صاحب بدعة، وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول. (الدر المختار مع الشامي ۲/ ۲۹۹ زكريا)

ولو صلى خلف مبتدع أو فاسق فهو محرز ثواب الجماعة؛ لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي. (الفتاوى الهندية ۱/ ۸٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدعمل اِمام کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا حکم؟

سوال (۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: مسجد کمیٹی ایک حافظ عالم سے اِمامت کی تقرری کے وقت یہ معلوم کرتی ہے کہ آپ کی شادی ہوئی ہے یا نہیں؟ عالم صاحب کہتے ہیں کہ میری شادی ہوچکی ہے، اِمامت شروع کردیتے ہیں، دو ماہ گذرنے کے بعد رمضان شروع ہوجاتے ہیں، تراویح اور پنج وقتہ نماز ادا کرنے کے ساتھ ساتھ روزہ بھی رکھ رہے ہیں، اِسی حالت میں محلّہ کی ایک لڑکی سے دل لگی بھی کررہے ہیں، موبائل فون پر یا کہیں اکیلے ملنے پر، جب رشتہ داروں کو پتہ چلا تو ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، اِمام صاحب نے قرآنِ پاک ہاتھ میں اُٹھایا اور کہا کہ مجھے معاف کردو، اَب آئندہ ایسا نہیں ہوگا، مگر اِمام صاحب نے واپس وہی حرکت پھر شروع کردی، اِسی بیچ عید کا موقع آگیا، امام صاحب بعد رمضان گھر کے لئے روانہ ہوگئے، ایک تو جھوٹ بول کر اِمامت کی، دوسرے دورانِ اِمامت اور رمضان میں ایک لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کی، اِس لئے دریافت یہ کرنا ہے کہ مقتدیوں کی تین ماہ کی نماز ہوئی یا نہیں، وہ اَب کیا کریں؟ اور ایسے پیش امام کے لئے شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحتِ سوال مذکورہ امام صاحب نے جھوٹ بول کر اور ایک اَجنبی لڑکی سے نازیبا گفتگو کرکے یقیناً گناہ کا کام کیا ہے، جس پر توبہ واستغفار لازم ہے؛ لیکن اِس دوران اُنہوں نے جو نمازیں پڑھائیں وہ بکراہت ادا ہوگئیں، اُن نمازوں کا دہرانا مقتدیوں پر ضروری نہیں ہے۔

ولو صلی خلف مبتدع أو فاسقٍ فهو محرز ثواب الجماعة؛ لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي. (الفتاویٰ الهندية ۸٤/۱)

وتجوز إمامة ...... والفاسق ...... إلا أنها تكره. (الفتاویٰ الهندية ۸٥/۱)

مما استدل به من أجاز إمامة الفاسق. قوله صلی اللّٰه عليه وسلم: صلوا خلف من قال: لا إله إلا اللّٰه. (أخرجه الدار قطني ٥٦/۲)

وكان ابن عمر رضي اللّٰه عنه يُصلي خلف الخشبية – قوم من الجهمية –

والخوارج، زمن ابن الزبير، وهم يقتتلون. فقيل له: أتصلي مع هؤلاء، وبعضهم يقتل بعضًا؟ فقال: من قال حي على الفلاح، أجبته، ومن قال: حي على قتل أخيك المسلم وأخذ ماله. قلت: لا. (رواه ابن منصور)

وثبت أن الصحابة رضي الله عنهم صلوا وراء الوليد بن عقبة، وكان قد شرب الخمر. فصلى بهم الصبح ركعتين. ثم قال: أزيدكم؟ (أخرجه مسلم في الحدود / باب حد الخمر (١٧٠٧/٣٨) ٢١٦/١١ مع شرح النووي)

وقالوا: إنه رجل صلاته صحيحة، فصح الائتمام به، كغيره.

وقالوا: إن ترك الصلاة خلف الفاسق، تركٌ لسنة الجماعة، والجماعة من شعائر الدين المطلوبة، والعدالة مكمّلة لذٰلک المطلوب، ولا يبطل الأصل بالتكملة. انظر: المغني ١٨/٣، الشرح الكبير مع الإنصاف ٣٥٧/٤، الموافقات للشاطبي ١٢/٢. (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، كتاب الصلاة / الباب الثاني من الجملة الثالثة صلاة الجماعة، الفصل الثاني في أحكام الإمامة ٢٥٢/٢ دار ابن الجوزية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۱۲/۲ھ

مصلحۃً بریلوی اِمام کے پیچھے نماز پڑھنا؟

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ سالوں سے سے ہمارے گاؤں کی مسجد میں ہر نماز میں دو جماعتیں ہر وقت ہوتی ہیں، جن میں ایک بریلویوں کی دوسری دیوبندیوں کی، دیوبندیوں کی تعداد بہت کم ہے، پورا گاؤں بریلوی ہے، اور ایک ہی مسجد ہے، اور مسجد میں دیوبندی لوگ صبح وشام تعلیم کرتے ہیں، جس میں وہ لوگ بھی بیٹھ جاتے ہیں جو بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جس سے کافی لوگ عقائد بریلویت کو چھوڑ کر اہل سنت والجماعت میں داخل ہوگئے ہیں، اگر الگ مسجد بنائی جائے تو یہ لوگ ہماری مسجد میں تو

آ ئیں گے، جس کی وجہ سے اصلاح ممکن نہیں اور الگ مسجد اتنی جلدی بن بھی نہیں پائے گی؛ کیوں کہ دیوبندیوں کی تعداد بہت کم ہے، تو کیا ہم اِسی مسجد میں الگ جماعت کر کے پڑھیں یا اُن کے پیچھے پڑھیں یا گھر پر پڑھ لیا کریں؟ بریلویوں کے پیچھے اہل سنت والجماعت کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں بیک وقت تکرار جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا بہتر صورت یہی ہے کہ سوال میں جس مسجد کا تذکرہ ہے، وہاں صرف ایک جماعت کی جائے اور مصلحۃً بریلوی امام ہی کے پیچھے نماز ادا کرلی جائے اور ساتھ میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا جائے اور مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھر میں نماز پڑھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ فتاویٰ محمودیہ ۶/۴۳۷ ڈابھیل)

ومقتضیٰ هٰذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة، ولو بدون أذان، ويؤيد ما في الظهيرية: لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانًا، وهو ظاهر الرواية. (شامي، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد ۲۸۹/۲ زكريا، ۵۵۳/۱ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة ۸۳/۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لقد هممت أن آمر بالصلاة فتقام ثم آمر رجلاً فيصلي بالناس، ثم انطلقُ معي برجال معهم حُزم من حطب إلىٰ قوم لايشهدون الصلاة، فأُحرِّق عليهم بيوتهم بالنار. (سنن أبي داؤد / باب في التشديد في ترك الجماعة ۸۸/۱ رقم: ۵٤۸)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: صلاة الرجل في جماعة تزيد على صلاته في بيته، وصلاته في سوقه بضعًا وعشرين درجةً. (صحيح مسلم ۲۳٤/۱، سنن الترمذي ۵۳/۱)

تجوز الصلاة خلف كل بر وفاجرٍ، لقوله عليه السلام: صلوا خلف كل بر

وفاجر؛ لأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة وأهل الهواء والبدع من غير نكير. (شرح العقائد النسفية ص: ١٥٩)

الصلاة المكتوبة واجبةٌ كل مسلم برًا كان أو فاجرًا، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب إمامة البر والفاجر ٣٤٣/١ رقم: ٥٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام کا کرکٹ کھیلنا؟

سوال (٦٧): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اِمام صاحب کا کرکٹ کھیلنا، یا کرکٹ پر بازی لگانا، یا امام کا منہ زوری کرنا، جھوٹ بولنا، ٹی وی دیکھنا جائز ہے؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا امام محلّہ کا دینی مقتدیٰ اور ذمہ دار ہوتا ہے؛ لہٰذا اُس کو باوقار انداز میں رہنا چاہئے، اور کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے اِمامت کا منصب داغ دار ہو، برسرعام کرکٹ کھیلنا یا کرکٹ پر بازی لگانا یا ٹیلی ویژن دیکھنا وغیرہ باتیں اِمامت کی شان کے خلاف ہیں، مذکورہ اِمام کو ایسی باتوں سے توبہ کرنی چاہئے اور جب تک توبہ نہ کرے اُس وقت تک اُس کی امامت مکروہ قرار پائے گی، یعنی نماز تو درست ہوجائے گی؛ لیکن ثواب میں کمی رہے گی۔

لو صلى خلف مبتدع أو فاسقٍ فهو محرز ثواب الجماعة؛ لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي، كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الهندية ٨٤/١، بدائع الصنائع ٣٨٧/١)

قال في الاختيار لتعليل المختار ٦٣/١: وأولى الناس بالإمامة أعلمهم بالسنة، إذا كان يحسن من القراءة ما تجوز به الصلاة، ويجتنب الفواحش الظاهرة. (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، كتاب الصلاة / الباب الثاني من الجملة الثالثة صلاة الجماعة، الفصل الثاني في أحكام الإمامة ٢٤٢/٢ دار ابن الجوزية بيروت)

فـمـن رأىٰ أن الـفسـق لـمَّا كان لا يبطل صحة الصلاة، ولم يكن يحتاج المـأمـوم من إمامه إلا صحة صلاته فقط، على قول من يرى أن الإمام لا يحمل عـن الـمـأمـوم، أجـاز إمامة الفاسق. ...... مما استدلَّ به من أجاز إمامة الفاسق: حـديـث أبـي ذر الغفاري رضي اللّٰه عنه قال: قال لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كيف أنت إذا كانت عليک أمراء يؤخرون الصلاة عن وقتها، أو يميتون الـصـلاة عـن وقتهـا؟ قـال: قـلـت: فـما تأمرني؟ قال: صل الصلاة لوقتها، فإن أدركتها معهم فصل؛ فإنها لک نافلة. (أخرجه مسلم (٢٣/٦٤٨) وقد تقدم. قالوا: إن تأخير الصلاة عن وقتها، فِعلٌ يقتضي الفسق، وقد أمره صلى اللّٰه عليه وسلم بالصلاة معهم، فدل ذٰلک على صحة الصلاة خلف الفاسق (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، كتاب الصلاة / الباب الثاني من الجملة الثالثة صلاة الجماعة، الفصل الثاني في أحكام الإمامة ٢٥١/٢ دار ابن الجوزية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام کا کسی اُمیدوار کو ووٹ دینے کی ترغیب دینا؟

سوال (۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب کا کسی اُمیدوار کو ووٹ دینے کے متعلق کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اِس اُمیدوار کی کامیابی سے قوم وملت کے نفع کی اُمید ہو، تو ایسے اُمیدوار کے لئے ووٹ کی ترغیب دینا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۴۱/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۶/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام صاحب کا سیاست میں حصہ لینا؟

سوال (۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب کا سیاست میں حصہ لینا صحیح ہے یا نہیں؟ ایسے اِمام کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی گناہ اور معصیت کا ارتکاب نہ ہوا ور نہ اِمامت کے فرائض کی اَنجام دہی میں خلل آئے اور اِمام صاحب کا مقصد قوم وملت کی خدمت کرنا ہو، تو ایسے امام کے محض الیکشن میں حصہ لینے سے اُن کی اِمامت میں کوئی کراہت نہ آئے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۲۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۶/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جماعت خانہ میں تکرار جماعت؟

سوال (۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: برطانیہ میں ایک عبادت خانہ ہے جس کی دو منزل ہیں، تعمیر کے وقت کمیٹی والوں نے شرعی مسجد کی نیت نہیں کی تھی، پہلی منزل پر پہلا جمعہ اور پہلی عید کی نماز ادا کرتے ہیں اور دوسری منزل پر دوسرا جمعہ اور دوسری عید کی نماز ادا کرتے ہیں، جو حضرات کام پر جاتے ہیں ان کی سہولت کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے، حضرت والا سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا کرنے کی گنجائش ہے؟ امید ہے کہ حضرت والا جلد از جلد جواب دے کر احسان فرمائیں گے

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ جماعت خانہ میں ضرورت کی بناء پر متعدد مرتبہ جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اس کا حکم مسجد شرعی کے مانند نہیں۔

وتقليل الجماعة مكروه بخلاف المساجد التي على قوارع الطريق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرىٰ لايؤدي إلى تقليل الجماعات . (بدائع الصنائع ۱/ ۳۸۰ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۳/ ۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب میں سہواً چوتھی رکعت ملانے والے امام کی اقتداء؟

سوال (۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب نے مغرب کی نماز میں تیسری رکعت پر قعدہ کیا، اُس کے بعد بھول سے کھڑے ہوگئے، اور چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرکے سلام پھیرا، اَب اِس دوران ایک مسبوق شخص اِمام کی چوتھی رکعت کے قعدے میں شامل ہوتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس مسبوق شخص کی اقتداء درست ہوئی یا نہیں؟ اور اِس کا فریضہ ادا ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں چوں کہ تیسری رکعت کے قعدے کے بعد امام کا فریضہ پورا ہو چکا تھا اور بعد میں اُس نے چوتھی رکعت جو سہواً ملائی ہے وہ نفل کے درجہ میں تھی؛ لہٰذا مسبوق نے اپنی فرض نماز مغرب کی نیت سے جو امام کی اقتداء کی ہے وہ درست نہیں ہوئی؛ کیوں کہ اِس میں مفترض کا متنفل کے پیچھے اقتداء کرنا پایا گیا جو ممنوع ہے۔

تتمة: لو اقتدىٰ به مفترض في قيام الخامسة بعد القعود مقدر التشهد لم يصح ولم عاد إلى القعدة؛ لأنه قام إلى الخامسة فقد شرع في النفل، فكان اقتداء المفترض بالمتنفل. (شامي، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۲/ ۵۵۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/ ۳/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں قرأت کے تحقق کا معیار کیا ہے؟

سوال (۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) الف دس سالوں تک بغیر زبان کی حرکت دیئے اور بغیر آواز کے ساتھ نمازیں پڑھتا رہا، کسی کے بتانے کے بعد اب اپنے کانوں سے سنائی دینے والی ہلکی آواز سے نمازیں پڑھتا ہے، اب الف کے لئے گذشتہ دس سالوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

(۲) ب نے پانچ سالوں تک اپنی نمازوں میں زبان سے حروف اور الفاظ کی صحیح ادائیگی تو ضرور کی مگر ایسی آوازیں نہ بنیں کہ خود اپنے کانوں سے سن سکے۔ اَب معلوم ہونے پر کانوں سے سنی جانی والے آواز سے نمازیں پڑھتا ہے، اب اس کی گذشتہ نمازوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۳) ج کی چھ سالوں کی پڑھی ہوئی نمازوں کی صورت ایسی ہے کہ زبان سے ہر لفظ کی صحیح ادائیگی تو کر لی مگر کچھ الفاظ سن لیتا تھا اور باقی کچھ الفاظ کی آواز سننے کے لائق تھی ہی نہیں اس لئے نہ سن سکا، اب وہ اس طرح نمازیں پڑھنے لگا ہے کہ ہر لفظ کی آواز سن لے، اب اس کی گذشتہ نمازوں کا کیا حکم ہے؟

(۴) د اپنی سری نماز میں دھیمی آواز سے پڑھتا ہے، مگر اپنے کانوں سے سننے لائق ضرر ہوتی ہے، مگر بغل کا نمازی د کے کچھ الفاظ کی آوازیں سن لیتا ہے، اب د کے لئے کیا حکم ہے؟

(۵) جماعت کی نمازوں میں امام زبان سے حروف کی صحیح ادائیگی تو کرتا ہے، مگر الفاظ کی آواز ایسی نہیں ہوتی کہ تمام الفاظ کی آواز اپنے کانوں سے سن سکے، وہ کچھ الفاظ کی آواز سنتا ہے، کچھ کی نہیں سنتا، مقتدی جان بھی نہیں پاتے کہ امام کس طرح پڑھتا ہے، مقتدیوں میں کئی طرح کے ہیں، کچھ ایسے ہیں کہ خود اپنی نمازیں سنائی دینے والی آواز سے پڑھتے ہیں اور کچھ اس کا اہتمام نہیں کرتے ہیں۔ اب امام ومقتدیوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

(۶) اگر ذاکر لسانی ذکر کرتے وقت ایسی آواز نہیں بناتا کہ تمام الفاظ کی آواز خود سن سکے، کچھ کا سنتا ہے کچھ کا نہیں سنتا، اب ذاکر کے لئے کیا حکم ہے؟

نـــوٹ :- اردو ترجمہ عالمگیری کی ۱/۱۰۸ چوتھا باب نماز کی صفت میں لکھی ہوئی مندرجہ ذیل عبارت نے مستفتی کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔

عالمگیری کی عبارت: ''قرأت میں تصحیح حروف ضرور ہے، اگر حرف زبان سے صحیح کہے اور خود اس کو نہ سنا تو جائز نہیں، یہی اختیار کیا عامہ مشائخ نے'' یہ محیط میں لکھا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: اگر کوئی شخص نماز میں قرأت کے وقت زبان کو حرکت ہی نہ دے بلکہ صرف دل دل میں پڑھتا رہے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی، اس نے جتنی نمازیں اس طرح پڑھیں ہیں انہیں لوٹانا لازم ہے، اور اگر زبان سے حروف کی صحیح ادائیگی کی؛ لیکن خود نہیں سن کا تو نماز درست ہوجائے گی؛ البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح پڑھے کہ خود سن سکے، اور آپ نے عالمگیری کے جس جزئیہ کا حوالہ دیا ہے وہ علامہ ہندوانی کا اختیار کردہ قول ہے، اس کے بالمقابل علامہ کرخی کا قول ہے، جس میں قرأت کی صحت کے لئے صرف زبان سے حروف کی ادائیگی کو کافی قرار دیا گیا ہے، اور اس قول کی بھی تصحیح کی گئی ہے۔

وذكر أن كلًّا من قولي الهندواني والكرخي مصححان، وإن ما قاله الهندواني أهم وأرجع لاعتماد أكثر العلماء عليه. (شامي، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/۲۵۳ زكريا)

وقال في البدائع: وقول الكرخي أهم. (طحطاوي ۲۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنے پر اصرار؟

سوال (۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام کے لئے نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت میں ہر آیت پر وقف کرنا اَفضل، مستحب ہے یا جہاں

مضمون پورا ہوتا ہوتو اُس جگہ وقف کرنا افضل ومستحب ہوگا؟ مثلاً: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ پر مضمون پورا ہوتا ہے، تو کیا ﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ پر وقف کرنا اَفضل، اولیٰ اور مستحب ہوگا؟ اِسی طرح ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ پر الخ؟

زید کا کہنا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت میں ہر آیت پر وقف کرنا اَفضل ہے اور زید کا اُس پر عمل بھی ہے کہ وہ ہر نماز میں ہر آیت پر وقف کرتا ہے اور لوگوں کو اصرار کے ساتھ ترغیب بھی دیتا ہے، مثلاً: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ پر وقف ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پر وقف الخ۔

زید امام ہے؛ اِس لئے خود کا عمل اور وہ بھی ہر نماز میں پورے اہتمام والتزام کے ساتھ ہر آیت پر وقف کرنے کا معمول ہے اور زید اِس پر مصر بھی ہے اور ائمۂ کرام اور لوگوں کو ترغیب بھی اصرار اور جبر وشدت کے ساتھ دیتا ہے؛ بلکہ اگر کسی وقت کسی جگہ مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے اور اِمام نے سورۂ فاتحہ کی قرأت میں ہر آیت پر وقف نہ کیا ہوتو اِمام کو یا ذمہ دار کو کہتا بھی ہے اور وہ بھی اصرار ترغیب کے ساتھ جبر کی شکل اختیار کرتا ہے۔

زید دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے:

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه ...... فإني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: قال اللّٰه تعالىٰ قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين ولعبدي ما سأل، فإذا قال العبد: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ قال اللّٰه تعالىٰ: حمدني عبدي الخ ...... الحديث.

دوسری حدیث:

عن أم سلمة رضي اللّٰه عنه قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقطع قراء ته يقرأ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ثم يقف الرحمٰن الرحيم، ثم يقف الخ ...... الحديث. (سنن الترمذي ۲/۱۱٦، مشكاة المصابيح ۷۸-۷۹-۱۹۱)

اِس کے برخلاف بکر کا کہنا ہے کہ اِمام کے لئے نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت میں جہاں مضمون پورا ہوتا ہو اُس جگہ وقف کرنا اولیٰ افضل اور مستحب ہوگا، مثلاً: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ الخ۔

بکرحسبِ ذیل دلائل پیش کرتا ہے:

ثـم اختـلف أربـاب الوقوف في الوقف على رأس الآية إذا كان هناك تعلق لـفـظي فـأجمعوا على أن الوصل أولىٰ فيها ووقفه أي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كـان ليبيـن سـامعين رؤوس الآية، فالجمهور على أن الوصل أولىٰ فيها ووقفه أي النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كان ليبين سامعين رؤوس الآية، فالجمهور على أن الوصل أولى فيها، قيل: هٰذه الرواية ليست بسديدة؛ بل هٰذه لهجه لا يرتصيها أهـل البـلاغة والـوقف التـام عـنـد مـالك يـوم الـديـن، ولهذا استدرك عليه بقوله وحـديث الليث أصح ذكره الطيبي وفيه أن الوقف المستحسن على أنواع ثلاثة: الـحسـن، والكافي، والتام فيجوز الوقف على كل نوع عند قراء ته العظام. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٩٤/٥)

مظاہر حق جدید شرح مشکوۃ میں جمہور علماء اور حنفیہ کے نزدیک ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ پر وقف اولیٰ لکھا ہے۔ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایت کی تشریح کے تحت یہ بات لکھی ہے۔ (مظاہر حق جدید ۶۳/۳-۶۴)

بکر کا کہنا یہ ہے کہ امر مندوب اور مستحب اور سنت پر اصرار وترغیب میں شدت اور التزام واہتمام کرنے کرانے میں وہ مستحب اور سنت عمل مکروہِ تحریمی اور بدعت کے دائرے میں آجاتا ہے۔

(۱) الإصرار على مندوب يبلغه إلى حد الكراهة.

(۲) كل مباح يؤدي إليه فمكروه، وفي الشامية قوله: فمكروه الظاهر أنها تحريمةٌ؛ لأنه يدخل في الدين ما ليس منه.

(۳) وفي المرقاة: قال الطيبي أحمد اللّٰه: من أصر على أمرٍ مندوبٍ وعمل عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاف منه الشيطان من الإضلال. (سعاية ۲٦٥/۲، الدر المختار مع الشامي ٥۹۸/۲ زكريا، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ۲٦/۳ كوئٹه)

حدیث اُم سلمہ وابی ہریرہ جو زید کا مستدل ہے، اِن دونوں اَحادیث کے جوابات بکر حسبِ ذیل دیتا ہے:

(۱) حدیث اُم سلمہ میں ہر آیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِس وجہ سے وقف کرتے تھے؛ تاکہ حضرات صحابہ کرام کو معلوم ہو جائیں کہ آیت کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے۔

(۲) مذکورہ دونوں اَحادیث کمزور ہے، اِمام ترمذی، ابن حجر وغیرہ محدثین نے کمزور قرار دی ہے۔

(۳) قطع نظر کمزور روایت کے، امر مندوب ومستحب وسنت پر اصرار واہتمام والتزام کی وجہ سے اُسے ترک کر دیا جاتا ہے؛ بلکہ ناجائز و بدعت قرار دیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۲/۵۰۸، مظاہر حق جدید ۳/۶۳-۶۴، مرقاۃ المفاتیح ۵/۸۴)

اَب دریافت طلب یہ اُمور ہیں:

(۱) زید اپنے دعوی میں صحیح ہے یا بکر؟

(۲) زید کا شدت کے ساتھ ترغیب دینا اور اِصرار کرنا کیسا ہے؟

(۳) نماز میں اِمام کے لئے سورۂ فاتحہ کی قرأت کس طرح اَفضل واَولیٰ ہوگی؟

(۴) زید کا ذاتی عمل کہ ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر التزام واہتمام کہ جس سے نمازی حضرات اِس طرح کی قرأت کو ضروری سمجھنے لگیں، کیا ناجائز و بدعت یا مکروہِ تحریمی کہا جا سکتا ہے؟

(۵) بکر کا خیال ہے کہ کسی ایک طریقہ پر اصرار، ترغیب والتزام کے بغیر دونوں طریقہ پر عمل اَولیٰ وافضل ومستحب قرار دیا جائے، کیا بکر کا یہ خیال درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ فاتحہ میں ہر آیت پر اِس تصور سے وقف کرنا افضل ہے؛ اِس لئے کہ ہر آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو جواب دیا جاتا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے اور اِس مستحب عمل کی ترغیب بھی دی جا سکتی ہے؛ لیکن اِس پر جبر وتشدد جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں اور اُس پر نکیر بھی نہیں کی جا سکتی۔ بریں بنا

مسئولہ صورت میں مستحب سمجھتے ہوئے سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کا معمول بنالینا جائز ہے؛ لیکن اِس پر ایسا اصرار کہ اِس عمل کے نہ کرنے والے پر ملامت کی جائے اور اُسے واجب کے درجہ میں قرار دیا جائے یہ درست نہیں ہے۔ اور بکر کا یہ خیال کہ اِس معاملہ میں کسی ایک طریقہ پر عمل کو اَفضل قرار دینے کے بجائے دونوں کو اَفضل کہا جائے علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، پس اَفضل تو یہی ہے کہ ہر آیت پر وقف کیا جائے، مگر اِس پر اصرار صحیح نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی جگہ ہر آیت پر وقف کو بالفرض واجب سمجھا جانے لگے تو کبھی کبھار ملا کر بھی پڑھ لینا چاہئے؛ تاکہ واجب ہونے کا اشتباہ باقی نہ رہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۸۲، فتاویٰ دارالعلوم ۲/ ۲۲۹، فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۹۴)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ثلاثًا غير تمام، فقيل لأبي هريرة رضي الله عنه: إنا نكون وراء الإمام؟ فقال: اقرأ بها في نفسك؛ فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله تعالىٰ: قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين، ولعبدي ما سأل، فإذا قال العبد: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ قال الله تعالىٰ: حمدني عبدي، وإذا قال: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ قال الله: أثنى علي عبدي، فإذا قال: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ قال: مجدني عبدي، وقال مرةً: فوّض إلي عبدي، فإذا قال: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ قال: هٰذا بيني وبين عبدي ولعبدي ما سأل، فإذا قال: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ﴾ قال: هٰذا لعبدي ولعبدي ما سأل. (صحيح مسلم ١/ ١٧٠)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب الدعاء عند التشهد ٣/ ٢٦ تحت رقم: ٩٤٦ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/ ۶/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورۂ فاتحہ وسورۂ اخلاص کی آیات ملا کر پڑھنا؟

سوال (۲۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں اِمام صاحب نے سورۂ فاتحہ میں ﴿اِيَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاکَ نَسۡتَعِيۡنُ. اهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾ پڑھ دیا، یعنی ﴿نَسۡتَعِيۡنُ﴾ کے نون کو ''ہا'' سے ملا دیا اور ''الف'' کو نہیں پڑھا۔

اِسی طرح سورۂ اخلاص میں ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ پڑھ دیا، یعنی ''احد'' پر آیت نہیں کی اور دال پہ پیش اور نون کا اضافہ کرکے اس پر زیر لگا کر اللہ سے ملا دیا، اور تلفظ اس طرح کیا: ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ تو اِن دونوں صورتوں میں نماز ہوئی یا نہیں؟

ہمارے یہاں کئی حفاظ، قراء نے پنجوقتہ تراویح میں اِسی طرح پڑھا ہے، ایک صاحب اس کو غلط بتاتے ہیں اور صرف یہی نہیں؛ بلکہ سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب کو ڈانٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن میں تحریف ہے، قرآن میں ایسا لکھا ہوا نہیں ہے، حتی کہ اُنہوں نے امام کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے اور اپنی نماز پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں یہی مولوی اور حافظ لوگوں کو جہنم میں لے جائیں گے، تو اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال کر قرآن وحدیث کی رو سے فیصلہ فرمائیں کہ امام صاحب کا اِس طرح پڑھنا درست ہے یا نہیں اور ڈانٹنے والے کا فعل کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تجوید کے قواعد کے اعتبار سے ﴿نَسۡتَعِيۡنُ﴾ کو جب ﴿اِهۡدِنَا﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا تو ﴿اِهۡدِنَا﴾ کا ہمزہ حذف ہوجائے گا، اسی طرح سورۂ اخلاص میں جب ''احد'' کو ''اللہ'' کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا تو ''احد'' کی تنوین کی جگہ ''ن'' بالکسر پڑھا جائے گا۔ (مستفاد: جمال القرآن ۱۶۰)

بریں بنا تجوید کی رو سے مذکورہ حافظ صاحب کا مذکورہ طریقہ پر قرأت کرنا درست ہے، اس پر اعتراض درست نہیں ہے۔ اور یہ قرآن کی تحریف میں بھی داخل نہیں ہے، جو لوگ اِس پر اعتراض کررہے ہیں وہ ناواقف ہیں؛ تاہم امام صاحب کے لئے بہتر ہے کہ ہر آیت پر وقف کرکے پڑھا

کریں اور ایک سانس میں کئی آیتوں کو اس طرح نہ ملائیں کہ ناواقف لوگوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے، اور حکمت ومصلحت کا راستہ اختیار کریں۔

الساكن إذا حرِّك حرِّك بالكسر (جمال القرآن ١٦٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۰/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کی ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا؟

سوال (۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک صحابی اپنی نماز میں ہر رکعت میں قرآن کی تلاوت کے ساتھ سورہ اخلاص بھی ملا کر پڑھتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے اس انداز کو پسند فرمایا، کیا ہم بھی ایسا کر سکتے ہیں کہ ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ﴾ کے ساتھ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ ملا لیا کریں، پھر دوسری رکعت میں کسی دوسری سورت کے ساتھ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ ملا لیا کریں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نمازوں کی ایک رکعت میں دوسورتوں کے ملانے یا سورتوں کے تکرار کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے؛ لیکن نوافل میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور سوال میں صحابی کے جس واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ اُن کی خصوصی کیفیت تھی، دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

ويكره تكرار السورة في ركعة واحدة من الفرض وكذا تكرارها في الركعتين، والجمع بين سورتين بينهما سور أو سورة، ولا يكره هٰذا في النفل.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٣٥٢ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۲/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷/ویں پارے میں سجدہ شافعی پر سجدہ کرنا؟

سوال (۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں پارہ ۱۷/ پر دوسرا سجدہ شافعی سجدہ ہے، اگر ہم لوگوں نے تراویح میں وہ سجدہ کرلیا تو اِس بارے میں فقہاء کی کیا رائے ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ تاہم چوں کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے؛ اِس لئے اِس سجدہ کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہونا چاہئے۔

قال الشامي بحثًا: والظاهر أن هٰذه السجدة من المجتهد فيه، أي مما للاجتهاد فيه مساغ. (شامي ۲/۵۰۰ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی چھت پر صفیں بنانا؟

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مسجد میں دوسری چھت پر دائیں اور بائیں جانب جماعت بناتے ہیں، کیا اُس میں جماعت کی نماز درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد کے نیچے کا حصہ بھر جائے تو مسجد کی دائیں بائیں چھت پر کھڑے ہوکر جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، بشرطیکہ اِمام کے اَفعال کی اطلاع ہوتی رہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/۱۲۵، فتاویٰ محمودیہ ۶/۳۲۵ ڈابھیل)

فناء المسجد له حكم المسجد، يجوز الاقتداء فيه، وإن لم تكن الصفوف متصلة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۱/۳۶۵ كوئٹه، الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة /

الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره غلق المسجد ۱۰۹/۱ زکریا، شامي، کتاب الصلاة / باب الإمامة ۵۸۵/۱ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسری منزل پر جماعت کی صف بندی؟

سوال (۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مسجد دومنزلہ ہے اور پہلی منزل میں جگہ بھی خالی ہے، تو ایسی صورت میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے دوسری منزل (فوقانی) میں صف بندی کرنا کیسا ہے؟ اگر صحیح ہے تو کراہت سے خالی بھی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مسجد کی پہلی منزل میں جماعت کے دوران اِمام کی اقتداء کرتے ہوئے کسی مقتدی کا جگہ خالی ہونے کے باوجود دوسری منزل میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے؛ تاہم چوں کہ پوری مسجد مقام واحد کے درجہ میں ہے؛ اِس لئے فی نفسہٖ نماز درست ہوجائے گی۔ اِسی طرح اگر پہلی منزل کے صحن میں جگہ خالی ہے، تو اَولاً صحن مسجد کو بھرنا چاہئے اُس کے بعد دوسری منزل میں جانا چاہئے؛ البتہ اگر کوئی معقول عذر ہو، مثلاً صحن میں دھوپ تیز ہو یا بارش ہورہی ہو، تو ایسی صورت میں صحن کو چھوڑ کر دوسری منزل میں نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہ ہوگی۔

وسطح المسجد له حكم المسجد، فهو كاقتدائه في جوف المسجد إذا كان لا يشتبه عليه حال الإمام. (شامي ۳۳۵/۲ زکریا)

إن المسجد مكان واحد ولذا لم يعتبر فيه الفصل بالخلاء. (شامي ۳۳۳/۲ زکریا)

ولو قام على سطح المسجد واقتدى بإمام في المسجد إن كان للسطح باب في المسجد ولا يشتبه عليه حال الإمام يصح الاقتداء. (الفتاویٰ الهندية ۸۸/۱)

وصف علـى سطـح المنزل فصحة اقتداء الذي على سطح المنزل على الخلاف فيما إذا قامت الصفوف خارج المسجد، وهناك إن كان المسجد ملأنًا يصح الاقتداء، وإن لم يكن المسجد ملأنًا، قال بعض المشايخ: لا يجوز، وقال بعضهم: يجوز وهو الصحيح. (المحيط البرهاني ۱۹۵/۲، الفتاوى التارخانية ۲۶۷/۲ رقم: ۲۳۸۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۷/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازی کے آگے سے نکلنا؟

سوال (۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازی کے آگے سے نکلنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازی کے آگے سے بالقصد اور بلا عذر گزرنا درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ پتہ چل جائے کہ اس طرح کے گزرنے کا کیا وبال ہے، تو وہ چالیس (دن یا مہینے یا چالیس سال) تک رکا رہے اور نمازی کے آگے سے نہ گزرے۔

ومرور مار في الصحراء أو في مسجد كبير بموضع سجوده في الأصح، أو مروره بين يديه إلى حائط القبلة في بيت ومسجد صغير، وإن أثم المار. (الدر المختار مع الشامي ۳۹۸/۲-۳۹۹ زكريا)

عن بسر بن سعيد فقال جهيم رضي الله عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه لكان أن يقف أربعين خيرًا له من أن يمر بين يديه. قال أبو النضر: لا أدري، قال: أربعين يومًا أو شهرًا أو

سنةً. (صحيح البخاري ۷۳/۱ رقم: ۵۱۰، صحيح مسلم ۱۹۷/۱ رقم: ۵۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازی کے عین سامنے بیٹھے شخص کا اپنی جگہ سے اٹھنا؟

سوال (۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر میں کسی نمازی کے بالکل آگے بیٹھا ہوں اور وہ نمازی نماز میں مشغول ہے، تو اگر میں اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ جانا چاہوں تو کیا ہٹ سکتا ہوں؟ کیا بیٹھے رہنا اور نمازی کے نماز ختم کرنے کا انتظار کرنا اولیٰ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کسی نمازی کے بالکل سامنے بیٹھے ہیں، تو اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اِس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں گزرنا نہیں پایا گیا۔

أن المرور بين يدي المصلي مكروه، والمار آثم. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۸٤/۲ رقم: ۲٤۳۱ زكريا، شامي ٤۰۳/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رومال کو سترہ بنانا؟

سوال (۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازی کے سامنے سے گذرتے وقت اپنے رومال کو سترہ بنانا اور ساتھ ہی اسی کو لے کر چلے جانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چلتے چلتے رومال کو لٹکانے سے سترہ کافی نہ ہوگا؛ اس

لئے کہ یہاں سترہ اپنی ذات کے اعتبار سے حائل نہیں بن رہا ہے؛ بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے ہاتھ کولٹکا کراسے سترہ بنانے کی کوشش کرے، تو ظاہر ہے کہ یہ معتبر نہ ہوگا۔

أصل السترة أنه مستحبٌ، والثاني: أن السنة فيها الغرز. والثالث: ينبغي أن يكون مقدار طولها زراعًا، وينبغي أن يكون في غلظ الإصباع، هٰكذا ذكره الشيخ شمس الأئمة السرخسي. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / مسائل السترة ۲۸٦/۲ رقم: ۲٤٤٠ زكريا، المحيط البرهاني ۲۱٦/۲ رقم: ۱۰۹۹)

المستفاد: إذا لم يكن معه سترة ومعه ثوب أو كتاب مثلا هل يكفي وضعه بين يديه؟ والظاهر نعم، كما يؤخذ من تعليل ابن الهمام، وكذا لو بسط ثوبه وصلى عليه، ثم المفهوم من كلامهم أنه عند إمكان الغرز لا يكفي الوضع، وعند إمكان الوضع لا يكفي الخط. (شامي ٤٠٣/۲ زكريا)

الظاهر من اشتراطهم النصب أو الوضع أو الخط على خلاف أن ما عدا هذه الثلاث لا يكفي لإقامة السنة، وإن كان تعليل ابن الهمام المار يفيد أنه يكفي ما ذكر. (تقريرات رافعي ۸٤/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کناروں پر ٹکے ہوئے سترہ کا حکم؟

سوال (۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سترہ کے دونوں کنارے زمین پر ٹکے ہوئے ہوا ور بیچ کا حصہ ٹکا ہوا نہ ہو تو یہ سترہ قابل اعتبار رہوگا یا نہیں؟ اگر قابل اعتبار رہے تو زمین اور ستر کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سترہ کے دونوں کنارے زمین پر ٹکے ہوئے ہوں تو

بیچ کی جگہ خالی رہنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا؛ بلکہ یہ پورا سترہ ہی شمار ہوگا، اور زمین سے سترہ کی اونچائی کم سے کم ایک ذراع ہونی چاہئے۔

عن عوف بن أبي جحيفة عن أبيه أن أباه راٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم في قبة حمراء من أدمٍ، وفيه: ثم رأيت بلالاً أخرج عنزةً فركزها، وخرج رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم في حلةٍ حمراء مشمرًا، فصلی إلی العنزة بالناس ركعتين. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب سترة المصلي ١٩٦/١ رقم: ٥٠٣)

ينبغي أن يكون مقدار طولها ذراعًا، وينبغي أن يكون في غلظ قدر أصبع.

(المحيط البرهاني ٢١٦/٢، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / مسائل السترة ٢٨٦/٢، رقم: ٢٤٤٠ زكريا، الدر المختار ٤٠٢/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز:

جمعہ کی نماز فرض ہے

سوال (۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر میں جمعہ کی نماز فرض ہے یا واجب؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی نماز فرض ہے، قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت سے اُس کی فرضیت ثابت ہے، مزید اِس لئے کہ ظہر کی فرض نماز کا بدل فرض ہی ہوسکتا ہے، غیر فرض سے فرض کی ادائیگی ممکن نہیں۔

هي فرض عين مستقلٌ آكد من الظهر (الدر المختار) **وقال الشامي: وهو قوله تعالیٰ: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلاَةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِكْرِ**

اللّٰہِ﴾ [الجمعة، جزء آیت: ۹] وبالسنة والإجماع. (شامي / باب الجمعة ۳/۳-٤)

وفي الهامش: وأما الإجماع فقد اجتمعت الأمة من لدن رسولنا صلی اللّٰه عليه وسلم إلیٰ وقتنا، هٰذا علی فرضيتها من غير نكير من أحد. (هامش الشامي للشيخ عادل أحمد عبد الموجود ٤/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۱/۲۷ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شہر کی مساجد کے نماز جمعہ کے اَوقات کا چارٹ بنا کر شائع کرنا؟

سوال (۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر کی کل مساجد کے اَوقاتِ جمعہ یکجا کر کے (بغرض اَوقاتِ جمعہ کی یادداشت) مساجد میں آویزاں کرنا:

شق ۱:- کیا اِس طرح کے نقوش مساجد میں آویزاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

شق ۲:- کیا نماز جمعہ جامع مسجد کے علاوہ شہر کی دیگر مساجد میں مشروع نہیں؟

شق ۳:- اگر اس طرح کے نقوش مساجد میں آویزاں کردئے جائیں، تو کیا یہ خلافِ سنت ہے اور کیا اس لئے دیگر مساجد کی تشہیر ہورہی ہے؟ جب کہ شہر کی کل مساجد جن کی تعداد تقریباً ۴۵ر ہے اور شہر کی آبادی تقریباً سوا لاکھ سے متجاوز ہے، اور شہر کی تمام مساجد میں شروع ہی سے جمعہ ہوتا ہے اور سبھی مسجدیں نمازیوں سے پر ہوجاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اگر شہر کی چند چھوٹی مسجدوں میں جمعہ بند کردیا جائے تو شہر کی جامع مسجد اُن کے لئے ناکافی ہے، مکمل مسئلہ کی شرعی نقطۂ نظر سے وضاحت فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑی آبادی میں ضرورت کی بناپر متعدد مساجد میں جمعہ قائم کرنا بلاکراہت درست ہے؛ لہٰذا جن مساجد میں جمعہ ہوتا ہے اُن کے اَوقات کسی چارٹ میں لکھ کر مساجد میں ایسی جگہ لگانا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ پڑتا ہو بلا شبہ جائز ہوگا، اِس کو

خلافِ سنت کہنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ یہ عمل اُن مباحات میں سے ہے جن کی ممانعت کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ محمود یہ ۱۴/۷ ۶۵ ڈابھیل)

وتؤدي في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا كان التعدد في مسجدين أو أكثر. (شامي ۱۵/۳ زكريا، تبين الحقائق ۵۲٦/۱ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱٤٥/۱، شامي ۱٤٤/۲ كراچی، حلبي كبير ۵۱۱ لاهور، فتح القدير ۵۳/۲، البحر الرائق ۱٤۲/۲ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”جمعہ کی اذانِ اول وغیرہ کے بارے میں چند اہم سوالات؟

سوال (۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں جمعۃ المبارک کے دن بھی دیگر اَیام کی طرح کاروباری سرگرمیوں کا رواج ہے، اسی بنا پر ہمارے بعض مسلمان بھائی نماز جمعہ کے وقت اپنی دوکانوں کو بند کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، مگر بعض بے توجہی یا سامان بیچنے میں دشواری کے سبب دوکان بند نہیں کرتے اور بعض مسلمان ملازمین کو غیر مسلم مالک کی طرف سے آذان اول کے فوراً بعد سعی الی الجمعہ کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے کچھ دیر کام میں لگنا پڑتا ہے، لہٰذا سعی الی الجمعہ کے متعلق مندرجہ ذیل امور میں آپ حضرات کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

(۱) غیر مسلم مالک کے ماتحت کام کرنے والے مسلمان ملازمین کو آذان اول کے بعد سعی کی اجازت نہ ملنے کے سبب کچھ دیر کام کرنا، جب کہ وہ اذان ثانی کے وقت بآسانی مسجد پہنچ سکتے ہیں، درست ہوگا؟

(۲) بعض مساجد میں انتظامیہ نے چند خدام مسجد کو نمازیوں کی سہولت کے لئے چپلوں کی حفاظت پر مامور کیا ہے، جو ٹوکن دے کر چپلوں کی حفاظت کرتے ہیں، اور وہ جگہ بعض مساجد میں مسجد کی عمارت کے باہر ہوتی ہے، اور بعض مساجد میں صحن مسجد (جس میں مسجد کی نیت نہیں کی گئی)

میں ہوتی ہے، ان خدام مسجد کو کس وقت تک اس حفاظتی عمل میں مشغول ہونا جائز ہوگا؟

(۳) مسجد سے صرف چند قدم کے فاصلے پر کسی شخص کی دوکان ہو اور وہ اذان اول کے بعد اُس میں نماز جمعہ کیلئے تیاری کر کے باوضو بیٹھ کر دینی یا دنیوی کام میں مشغول رہے، جب کہ وہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے بآسانی مسجد میں حاضر ہوسکتا ہو، تو کیا اُس شخص کیلئے اِس طرح کرنا جائز ہوگا؟

(۴) محلّہ کی مسجد میں اذان اول وثانی کے درمیان تقریباً ایک گھنٹہ کا فاصلہ ہو، اور انتظامیہ باوجود اِس بات کو جانتے ہوئے کہ اِس طرح اَذان دینا اہل محلّہ کی پریشانی کا سبب بن رہا ہے، اپنے اِس فعل پر مصر ہوں، تو اگر کوئی شخص اَذان اول کے بعد بھی اپنے دینی یا دنیوی کاموں میں مشغول ہوکر پھر اَذان ثانی کے وقت مسجد میں پہنچ جائے تو کیا وہ شخص گنہگار ہوگا؟

(۵) اَذان اول کے بعد دوکان میں ایسے معاملات پیش آجائیں کہ اگر اُن کو نماز کے بعد تک ترک کردیا تو نفع کثیر سے محروم ہونا پڑے گا، یا پھر حل کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا ہوگا، جب کہ فوراً انجام دہی کی صورت میں وہ شخص اَذان ثانی کے وقت بآسانی مسجد پہنچ سکتا ہو، تو کیا ایسے شخص کے لئے اَذان اول کے وقت ترک سعی کی اِجازت ہوگی؟

(۶) بعض حضرات اَذان اول کے بعد دوکانوں کو بند کرنے کے بجائے ملازمین کو دو گروہوں میں تقسیم کردیتے ہیں، ایک گروہ محلّہ کی مسجد میں جہاں دخولِ وقت کے فوراً بعد جمعہ کی نماز ہوتی ہے، نماز ادا کرتا ہے، اِس دوران دوسرا گروہ کام میں مشغول رہتا ہے، اور جب وہ واپس آجاتا ہے تو دوسرا گروہ دیگر محلوں کی مساجد میں جہاں تاخیر سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے، نماز جمعہ ادا کرنے چلا جاتا ہے، لہٰذا دوسرے گروہ پر سعی الی الجمعہ کا وجوب کس اَذان سے شروع ہوگا؟ اپنے محلّہ کی مسجد کی اَذان اول سے یا جس مسجد میں جا کر جمعہ ادا کرنے کی نیت کرے، اس کی اذان اول سے؟ واضح رہے کہ دیگر مساجد کی اذانِ اول اپنے محلّہ کی مسجد کی اَذان اول سے پہلے بھی ہوتی ہے اور بعد میں بھی، اِس لحاظ سے اگر حکم میں فرق ہو تو اس کی بھی وضاحت فرمادیں، نیز یہ کہ دوسرا گروہ جس مسجد میں ادائے جمعہ کی نیت کرے، اگر اُس میں اَذان اول ہوچکی ہو اور پہلا گروہ اُس وقت تک واپس دوکان نہ پہنچے تو کیا دوسرے گروہ کا اُن کے انتظار میں رہنا جائز ہوگا؟

(۷) ہمارے یہاں بعض حضرات نے بیان القرآن کی درج ذیل عبارت: ''نـــودی'' سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی، یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے، کیونکہ یہ اَذان اول صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے بعد میں مقرر ہوئی ہے، لیکن حرمت بیع میں حکم اُس کا بھی مثل حکم اَذان قدیم کے ہے، کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے؛ البتہ اَذان قدیم میں یہ حکم منصوص وقطعی ہوگا، اوراذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ وظنی ہوگا، اس سے تمام اشکالات علمیہ مرتفع ہوگئے: کو بنیاد بنا کر یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے حق میں علت (یعنی خوف فوت خطبہ) موجود نہ ہوتو اُس پر اَذان اول کے بعد سعی الی الجمعہ واجب نہ ہوگی، اوراس کے برعکس اگر کسی شخص کے حق میں اَذان اول کے قبل ہی علت پائی جائے، تو اُس پر سعی واجب ہوجائے گی، یہ بات کس حد تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جمعہ کی اذان اول کے بعد دنیوی کاروبار ترک کر کے جمعہ کی تیاری میں لگ جانا واجب ہے، اس لئے اذان ہوجانے کے بعد بالقصد دنیوی مشاغل میں لگے رہنا گناہ ہوگا البتہ اگر کوئی مجبوری ہو، مثلاً غیر مسلم دوکاندار اپنے مسلمان ملازم کو اذان جمعہ کے بعد فوراً مسجد جانے کی اجازت نہ دے تو ایسی صورت میں مجبوری کی بناء پر ملازم کو تاخیر سے گناہ نہ ہوگا۔

ووجب سعي إليها وترك البيع بالأذان الأول. وفي الشامية تحت قوله: وترك البيع أراد به كل عمل ينافي السعي إليها، وعند الحنفية بالأذان الأول عند الزوال. (الفقه الأسلامي وأدلته ۲/۲٦۲ للدكتور: وهبة الزحيلي)

المعتبر في تعلق الأمر يعني قوله تعالىٰ الاتي ﴿فَاسْعَوْا﴾ هوالأذان الأول في الأصح عندنا؛ لأن حصول الإعلام به، لا الأذان بين يدى المنبر. (روح المعاني ۲۸/۲۷٦ زكريا)

(۲) مسئولہ صورت میں اگر چپل رکھنے کی جگہ مسجد کی عمارت کے اندر ہو، خواہ وہ مسجد شرعی

کے حصہ میں ہو یا خارجی حصہ میں، تو اذان کے بعد وہاں بیٹھ کر حفاظتی عمل انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ عمل سعی الی الجمعہ کے منافی نہیں ہے، لیکن اگر یہ جگہ مسجد کی عمارت سے بالکل باہر ہو تو اذان جمعہ کے بعد وہاں بیٹھنا درست نہ ہوگا۔

وجب سعي إليها وترک البيع ولو مع السعي (الدر المختار) صرح في السراج بعدم الكراهة إذا لم يشغله. بحر. وينبغي التعويل على الأول. نهر. قلت: وسيذكر الشارح في اٰخر البيع الفاسد أنه: لا بأس به لتعليل النهي بالاخلال بالسعي، فإذا انتفى انتفى. (الدر المختار مع الشامي ۳/۳۵ المكتبة الأشرفية)

وكره تحريمًا مع الصحة البيع عند الأذان الأول، إلا إذا تبايعا يمشيان فلا بأس به لتعليل النهي بالإخلال بالسعي فإذاانتفي انتفي. (الدر المختار ۷/۳۰۴ زكريا)

(۳) مذکورہ شخص کے لئے اذانِ اول کے بعد اپنے مکان یا دکان پر نماز کے انتظار میں بیٹھنا درست نہیں ہے، اور اسے تیاری کر کے مسجد میں حاضر ہو جانا چاہئے، ورنہ تاخیر کا گناہ ہوگا۔

وجب سعي اليها وترک البيع ولو مع السعي وفى المسجد اعظم وزراً بالاذان الأول (الدر المختار) قال الشامي: وفي المسجد أو على بابه. (الدر المختار مع الشامي ۳/۳۵ المكتبة الأشرفية ديو بند)

(۴) مسجد کے انتظامیہ پر لازم ہے کہ وہ جمعہ کی اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان زیادہ فصل نہ رکھے تاکہ اہل محلّہ کو تنگی نہ ہو، تاہم جب تک انتظامیہ اپنے معمول کو نہ بدلے اہل محلّہ پر ضروری ہوگا کہ وہ اذان اول کے بعد اپنے دنیوی کاروبار ترک کردیں، اور جمعہ کی تیاری میں لگ جائیں، اگر ایسا نہ کریں گے تو گناہ گار رہوں گے۔

عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: يا بلال! إذا أذنت فترسل في أذانک وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانک وإقامتک قدر ما يأكل الاٰكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته ولا تقوموا حتى تروني. (سنن الترمذي / كتاب الصلاة ۱/۴۸)

وبالجملة فهذا الأذان كان قبل التأذين بين يدي الخطيب، وكان في أول وقت الظهر متصلاً بالزوال. (معارف السنن ٣٩٦/٣ كراچی)

ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول عقيب الزوال (مجمع الأنهر ٢٥٣/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۵) اتفاقاً اگر اذان کے بعد کوئی ضرورت پیش آجائے تو قدرے تاخیر کی گنجائش ہے؛ لیکن اسے معمول نہ بنایا جائے؛ بلکہ پوری کوشش کی جائے کہ اذانِ اول کے بعد مسجد کی حاضری میں تاخیر نہ ہو۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال بينما عمر بن الخطاب رضي الله عنه يخطب الناس يوم الجمعة إذ دخل عثمان بن عفان رضي الله عنه فعرض به عمر فقال: ما بال رجال يتأخرون بعد النداء، فقال عثمان رضي الله عنه: يا أمير المومنين! ما زدت حين سمعت النداء أن توضأت ثم أقبلت الخ. (صحيح مسلم ٢٨٠/١)

(۶) فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کو جس مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنی ہے اسی مسجد کی اذان کا اعتبار رہوگا، اور اسی اعتبار سے اس پر سعی الی الجمعہ واجب ہوگی؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں دوکان کے ملازمین جس مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ارادہ کریں، اسی کی اذانِ اول کے بعد سے کاروبار ترک کردیں، اور نماز کی تیاری میں لگ جائیں، اگر ان کی مسجد میں اذانِ اول ہوچکی ہو اور دیگر ملازمین ابھی تک نماز پڑھ کر نہیں لوٹے ہیں، تو اُن کے انتظار میں تاخیر کرنا اُن کے لئے جائز نہ ہوگا۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۱۱۸/۴، کتاب المسائل ۴۶۵/۱)

وسئل ظهير الدين ممن سمع الأذان في وقت واحد من الجهات، ماذا يجب عليه؟ قال: إجابة أذان مسجده بالفعل. (الفتاوى التاتارخانية ١٥٤/١ رقم: ٢٠١١ زكريا، حلبي كبير ٣٧٩ لاهور)

(۷) سعی الی الجمعہ کے وجوب کی علت خوف فوت خطبہ نہیں ہے؛ بلکہ اذانِ جمعہ ہے،

اور جب مجتہدین کے اجتہاد سے اذانِ اول کو بھی اذانِ قدیم کی طرح علت مان لیا گیا، تو اب اس پر حکم کا مدار رکھا جائے گا، اور خوف فوت خطبہ یہ علت نہیں ہے؛ بلکہ حکمت ہے اور حکمت پر حکم کا مدار نہیں ہوتا؛ لہٰذا بعض حضرات نے جو حضرت تھانویؒ کی عبارت سے خوف فوت خطبہ کو علت قرار دینے کی کوشش فرمائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتویٰ نویسی کے رہنما اصول ۱۲۵)

من المسلَّم لدى الفقهاء أن الحكم يدور على العلۃ وجودًا وعدمًا، فإن وجدت العلة ثبت الحكم وإن انعدمت انتفي الحكم الخ. ولكن يجب هٰهنا معرفة أصل مهم، وهو: أن الحكم الشرعي إنما يدور على علته الشرعية لا على حكمته الخ. (أصول الإفتاء وآدابه ص: ۲٤۱ از: مفتی تقی صاحب عثمانی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴؍۲؍۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی اذانِ اَول اور اذانِ ثانی میں کتنا وقفہ ہو؟

سوال (۸٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں جمعہ کی اَذان ساڑھے ۱۲؍ بجے ہو جاتی ہے اور خطبہ ڈیڑھ بجے ہوتا ہے، تو کیا اذان وخطبہ کے درمیان اتنا فاصلہ درست ہے، اذان کے بعد کتنی دیر میں نماز ہونا چاہئے اور کیا جمعہ کی نماز وقت پر ہونے کے بعد جلدی پڑھنا چاہئے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جمعہ ہر موسم میں اول وقت میں پڑھنا اَفضل ہے، تاخیر سے پڑھنے میں اگرچہ جمعہ ادا ہو جاتا ہے؛ لیکن جلدی پڑھنے کی فضیلت سے محرومی ہوتی ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اذانِ اول کے بعد اذانِ ثانی کے درمیان اگر فاصلہ زیادہ ہو تو جو لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اُن کے لئے اذانِ اول کے بعد کسی اور کام میں مشغول رہنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ اذان سن کر فوراً نماز کی تیاری میں لگ جانا لازم ہوگا۔ اور ایسا نہ کرنا قرآنی حکم

﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ کی خلاف ورزی اور موجبِ گناہ ہوگا، اِس لئے مسئولہ صورت میں جمعہ کی اذانِ اول ساڑھے بارہ بجے دینے کے بعد خطبہ ڈیڑھ بجے شروع کرنا مناسب نہیں ہے۔ گاؤں کے ذمہ دار حضرات اور مسجد کی منتظمین کو چاہئے کہ وہ آپسی مشورہ سے اذانِ اول اور خطبہ کا درمیانی وقفہ کم کردیں اور آدھے گھنٹہ سے زیادہ وقفہ کو نہ بڑھائیں؛ تاکہ کوئی کراہت اور گناہ کی بات لازم نہ آئے۔ (مستفاد: فتاویٰ عثمانی ۵۳۲/۱-۵۳۸)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْآ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ، ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الجمعة: ۹]

ووجب سعي إليها وترك البيع بالأذان الأول (الدر المختار) وتحته في الشامية: قوله: ترك البيع، أراده به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعا للآية (شامي، كتاب الصلاة / باب الجمعة، مطلب: في حكم المرقي بين يدي الخطيب ۱۶۱/۲ کراچی، ۳۶/۳ زکریا)

وقال بعض العلماء يجب السعي وترك البيع بدخول الوقت؛ لأن التوجه إلى الجمعة يجب بدخول الوقت، وإن لم يؤذن لها أحد. (تبيين الحقائق ۲۲۳/۱ امدادیه ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۵/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فیکٹریوں کے ملازمین کا نماز جمعہ ادا کرنا؟

سوال (۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ضلع پونہ مہاراشٹر میں ایک گاؤں میں صرف دس گھر مسلمانوں کے ہیں، اِس کے علاوہ اُس گاؤں میں چند کمپنیاں اور فیکٹریاں ہیں، اُن میں سیکڑوں ملازم مسلمان اور غیر مسلم ہیں، سب باہر کے ہیں اور وہیں پر فیکٹریوں میں کرایہ پر کمرے لے کر رہ رہے ہیں، ایسے گاؤں میں شرعاً جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کے لئے باقاعدہ رہائش کا انتظام ہے اور اُن کی تعداد تین ہزار یا اِس سے زائد ہے، اور وہاں روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں بآسانی دستیاب ہوجاتی ہیں، تو وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

وقيل ما فيه أربعة آلاف رجال إلىٰ غير ذلك، وليس هٰذا كله تحديد له، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه الخ. (الكوكب الدري ١٣/١ ٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد چھوڑ کر میدان میں جمعہ پڑھنا؟

سوال (۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد چھوٹی ہے، تو لوگ مسجد کو چھوڑ کر ایک میدان میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بڑی آبادی میں میدان کے اندر بھی نماز جمعہ پڑھنا درست ہے؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ اولاً مسجد ہی میں جمعہ پڑھا جائے اور جو لوگ مسجد میں نہ آسکیں، اُن کے لئے میدان میں دوسری جماعت کا اہتمام کیا جائے؛ تاکہ مسجد جماعت سے خالی نہ رہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲۳۴/۳ زکریا)

قوله: أو مصلاه: أي مصلى المصر؛ لأنه من توابعه فكان في حكمه. والحكم غير مقصور على المصلى؛ بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله. والفناء في اللغة: سعة أمام البيوت، وقيل: ما امتد

من جوانبه كذا في المغرب. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ١٤٠/٢ كوئٹہ، حلبي كبير ص: ١٥٥ لاهور، طحطاوي على المراقي ص: ٥٠٦)

تؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرةٍ مطلقًا على المذهب وعليه الفتوىٰ.

(شامي، كتاب الصلاة / باب الجمعة، مطلب: في جواز استنابة الجمعة ١٥/٣ زكريا، البحر الرائق / باب صلاة الجمعة ٢٤٩/٢، فتح القدير ٥٣/٢، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٥/٢)

وشرط أدائها المصر، وهو كل موضع له أمير وقاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود. (كنز الدقائق ص: ٧٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۳۶ھ

بڑی آبادی میں جمعہ کے دن نمازِ ظہر پڑھنا درست نہیں

سوال (۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں میں تقریباً پچاس سال سے جمعہ کی نماز ہورہی ہے، گاؤں کے کچھ افراد جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ اِس کو ناجائز کہتے ہیں، جب کہ اُس کے قریب میں سمریاں بازار کا مشہور گاؤں ہے، لوگ وہاں پر بھی جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے ہیں، اور جب کہ وہ مسجد سمریاں بازار اس گاؤں سے -جس میں اختلاف ہے- تین کلومیٹر ہے۔ اِس بات کو لے کر گاؤں کا بڑا طبقہ نماز جمعہ سے محروم ہے۔ تو آپ بتلائیے جو لوگ گاؤں میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں، اُن کے ذمہ ظہر کی قضا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ جمعہ نہیں پڑھتے ہیں کیا وہ ترکِ جمعہ کے مرتکب ہوں گے یا نہیں؟ جو لوگ پڑھتے ہیں کیا اُن کو نماز جمعہ پڑھنے سے روکا جائے یا نہیں؟ اور جو لوگ نہیں پڑھتے ہیں کیا اُن کو نماز جمعہ کے لئے آمادہ کیا جائے گا؟ اور میرے اِس گاؤں میں تین مسجدیں ہیں، ایک مسجد میں جمعہ ہوتا ہے، بقیہ دو مسجدوں میں جمعہ ہی کے دن ظہر کی نماز ہوتی ہے، اِن دونوں مسجد والوں کی جمعہ کے دن ظہر کی نماز صحیح ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور میرے گاؤں کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے یا اڑتیس سو سے زائد

ہے، جب کہ نماز جمعہ پڑھانے کے لئے ایک عالم یا حافظ کو لاتے ہیں، کیا اُن کے لئے نماز جمعہ پڑھانا صحیح ہے؟ ضروریاتِ زندگی میں مثلاً تیل، کپڑا، صابون، سبزی، نمک مرچ، دال وغیرہ ہر وقت ملتا ہے، اور سات کرانہ اسٹور ہیں اور ٹاور ہیں، ڈاکخانہ بھی ہے، گوشت وغیرہ بھی ملتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسبِ تحریر سوال جب کہ مذکورہ گاؤں کی آبادی ۳۸۰۰ افراد پر مشتمل ہے، اور وہاں ضروریاتِ زندگی مہیا ہیں، تو اُس جگہ کے باشندوں پر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ہی پڑھنا فرض ہے، اور اُس دن وہاں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا صحیح نہیں؛ لہٰذا جن دو مسجدوں میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز ہوتی ہے، اُنہیں ظہر نہ پڑھ کر جمعہ کی نماز ہی میں شریک ہونا چاہئے۔

ويشترط لصحتها المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها أو فناءه، ووقت الظهر والجماعة والإذن العام. (الدر المختار مع الشامي ۳/۵-۲۵ زكريا)

إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۵۴۵ رقم: ۳۲۵۸ زكريا، تبيين الحقائق ۱/۵۲۳)

وليس الاحتياط في فعلها؛ لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة بفعل الأربع. مفسدة اعتقاد عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها، ولا يفتى بالأربع إلا للخواص، ويكون فعلهم إياها في منازلهم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۵۰٦ قديمی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲/۱۲/۱۴۳۵ھ

عیدین:

امریکہ میں عیدین کے فیصلہ کیلئے کہاں کی رویت کو معیار بنایا جائے؟

سوال (۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: (۱) امریکہ کے مسلمان کیا سعودی عرب کے ساتھ عرفہ وعید کرسکتے ہیں؟ امریکہ میں لوگ کہتے ہیں کہ عرفہ کے دوسرے دن عید ہوتی ہے؛ اس لئے امریکہ کے مسلمان سعودی عرب کے ساتھ عرفہ کے دوسرے دن عید کریں، کیا یہ شرعاً درست ہے اور کیا اس طرح کیا جاسکتا ہے؟ تفصیل سے وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

(۲) امریکہ میں جو حضرات رؤیت کے مطابق عرفہ اور عید کرتے ہیں، وہ اُس دن روزہ رکھتے ہیں، جس دن دوسرے مسلمان سعودی عرب کے مطابق عید کرتے ہیں، اِس طرح امریکہ میں عید کے دن روزہ رکھنے والوں پر الزام دیتے ہیں کہ تم عید کے دن روزہ رکھتے ہو جو کہ حرام ہے، آپ فرمائیں کہ اِس طرح الزام درست ہے؟ پھر کیا کرنا چاہئے؟

(۳) بعض علماء ہند وپاک آج کل یہ کہنے لگے ہیں کہ امریکہ کے مسلمانوں کے لئے دونوں اعتبار سے عید درست ہے، یعنی سعودی عرب کے ساتھ بھی اور امریکہ کی رؤیت کے ساتھ بھی، ایک ہی ملک میں دونوں رویتوں کے اعتبار سے عید کیسے درست ہوسکتی ہے؟ وضاحت فرمائیں کہ کون سا قول وعمل اِس باب میں صحیح ہے؟

(۴) امریکہ میں اکثر مساجد میں مستند عالم دین موجود نہیں ہیں؛ بلکہ انتظامی کمیٹی ہی عیدین کا فیصلہ کرتی ہے، بعض کمیٹیاں سعودی عرب کے لحاظ سے نماز عید منعقد کرتی ہے اور بعض کمیٹیاں مقامی رؤیت کے اعتبار سے فیصلہ کرتی ہے۔ اَب مقامی مسلمان اِس تردد میں ہے کہ نماز عید کس دن اَدا کریں؟

مقامی مسجد سعودی عرب کے لحاظ سے عید کررہی ہے اور وہ مساجد جو تھوڑے سے فاصلہ پر ہے، مقامی رؤیت کے لحاظ سے عید کررہے ہیں، آپ رہنمائی فرمائے کہ مسلمان کس طرح عمل کریں؟ کیا مقامی مسجد کے فیصلہ کو ماننا ضروری ہے یا وہ مسجد جو تھوڑے سے فاصلہ پر مسجد ہے اُس کے فیصلہ پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہم تو مقامی مسجد کے ساتھ ہیں، سارا وبال اُن پر ہے ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، کیا یہ عمل شرعاً قابلِ مؤاخذہ ہے؟ دونوں عمل میں سے جو صحیح ہو اُس کی تصویب کے ساتھ تفصیل تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رؤیتِ ہلال کے سلسلہ میں چند اُصولی باتیں ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

الف:- شریعت میں مہینہ کے آغاز واختتام کا مدار فلکیاتی حساب اور سائنس پر نہیں ہے اور نہ ہی نظام شمسی پر ہے؛ بلکہ نظام قمری پر ہے، چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته. (سنن الترمذي ١٤٨/١، صحيح البخاري ٢٥٦/١)

یعنی چاند دیکھ کر رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ رکھنے کا سلسلہ موقوف کرو۔

اِس سے معلوم ہوگیا کہ اُصولی طور پر ہر خطے والوں کو اپنے خطے کی رؤیت پر مدار رکھتے ہوئے مہینے کا آغاز اور اختتام کرنا چاہئے۔

عن حسين بن الحارث الجدلي قال: خطب عبدالرحمن بن زيد بن الخطاب في اليوم الذي يشك فيه، فقال: ألا إني قد جالست أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وسألتهم، ألا وإنهم حدثوني أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته وأنسكوا لها، فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين، وإن شهد شاهدان مسلمان فصوموا وأفطروا. (سنن النسائي ١٣٢/٤ رقم: ٢١١٢ دار الفكر بيروت، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٣٢١/٤ رقم: ١٨٧٩٧)

ولا عبرة بقول المؤقتين أي في وجوب الصوم على الناس. (شامي ٣٥٤/٣ زكريا)

وعبارة الزيلعي: والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، وكلما تحرك الشمس بدرجة فتلك طلوع الفجر لقوم، وطلوع الشمس لآخر وغروب لبعض ونصف الليل لبعض. (الجوهرة النيرة ١٩-١٨)

ب:- اگر کسی جگہ چاند دکھائی نہ دے،تو دوسری جگہوں کی معتبر خبروں مثلاً شہادت یا خبر مستفیض (جس کو جھٹلایا نہ جاسکے) پر بھی مہینے کا آغاز یا اختتام کیا جاسکتا ہے۔

إن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض، وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين يلزمهم حكم أهل هذه البلدة. (شامي ۳۵۹/۳ زكريا)

لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذاهب (الدر المختار) وفي الشامي: قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هذه البلدة. (الدر المختار مع الشامي ۲۵۹/۳ زكريا)

ج:- شریعت میں کوئی بھی قمری مہینہ ۲۹؍دن سے کم اور ۳۰؍دن سے زیادہ کا نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا باہر سے آنے والی کسی بھی خبر کو اُسی وقت مانا جاسکتا ہے جب کہ اُس کے ماننے سے وہاں کا مہینہ ۲۸؍ یا ۳۱؍دن کا لازم نہ آرہا ہو۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هٰكذا وهٰكذا وهٰكذا، وعقد الإبهام في الثالثة ثم قال: الشهر هٰكذا وهٰكذا يعني تمام الثلاثين يعني مرة تسعًا وعشرين ومرة ثلاثين. (مشكاة المصابيح ۱۷٤، وهكذا في صحيح البخاري بتغير الألفاظ ۲٥٦/۱)

فإن اعتباره يتوقف على دقائق الهيئة والحساب التي لم نكلف بها، فاعتباره يستلزم التكليف بها وهو منتف بالحديث فينفى الملزوم. (إعلاء السنن ۱۱۸/۹ دار الكتب العلمية بيروت)

إن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو في البلاد المتقاربة لا البلاد النائية، أقول: لا بد من تسليم قول الزيلعي، وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين أو الثامن والعشرين أو يوم الحادي والثلاثين أو الثاني والثلاثين.

(العرف الشذي على هامش سنن الترمذي ۱٤۹/۱، أنوار رحمت ٥٥۱، إمداد الفتاوى ۱۰۸/۲)

د:- جب مقامی طور پر چاند دکھائی نہ دے اور باہر سے چاند کی خبر آئے تو اِس پر فیصلہ کرنے کا اختیار عام افراد کو نہیں ہے؛ بلکہ مسلم حکومت میں حاکم وقت کو اور غیر مسلم حکومت میں اُن مسلم اِداروں کو حاصل ہے جن کے اعلانات پر لوگ اعتماد کرتے ہوں۔

القاضي إذا قضى في مجتهد فيه نفذ قضاءه. (قواعد الفقهية ۹۷)

والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيه قائم مقامه. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية / كتاب الصوم ۲٤٦/۱)

اِس تمہیدی گفتگو کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات نمبروار درج ذیل ہیں:

(۱) امریکہ میں چوں کہ عمومی حالات میں سال کے اکثر مہینوں میں چاند کی رؤیت بآسانی ممکن ہے؛ اِس لئے وہاں کے باشندگان کے لئے اصل حکم یہی ہوگا کہ وہ امریکہ کی رؤیت ہی کو مہینے کے آغاز واختتام کے لئے معیار بنائیں اور سعودی عرب یا کسی دوسرے ملک کی رؤیت پر علی الاطلاق مدار نہ رکھیں؛ البتہ اگر امریکہ میں چاند نظر نہ آئے اور سعودی عرب میں چاند ہونے کی خبر معتبر ذرائع کے ساتھ پہنچے اور اس خبر کو قبول کرنے سے امریکہ والوں کا مہینہ ۲۸/دن کا لازم نہ آتا ہو، تو رؤیت ہلال کے ذمہ داروں کو اس سعودیہ کی خبر پر چاند کا اعلان کرنے کی گنجائش ہوگی اور اگر اس خبر کو قبول کرنے سے امریکہ والوں کا مہینہ ۲۸/دن کا رہ جاتا ہو تو اس خبر کو قبول کرنا درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ قمری مہینہ کسی بھی صورت میں ۲۹/دن سے کم نہیں ہوسکتا، اِس سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ یہ نظریہ قائم کرنا کہ ہر سال سعودی عرب کی تاریخوں کے اعتبار سے یوم عرفہ کے دوسرے دن بہرحال امریکہ میں عیدالاضحیٰ ہوگی، یہ خیال درست نہیں ہے کہ اس میں تخلف ممکن ہے یعنی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ امریکہ کی تاریخیں سعودی عرب کے موافق ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ موافق نہ ہوں۔

عن كريب أم الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، قال: فقدمت الشام فقضيت حاجتها واستهل علي رمضان وأنا بالشام، فرأيت الهلال، فقلت: رأيناه ليلة الجمعة، فقال: أنت رأيته؟ فقلت: نعم رآه الناس وصاموا، وصام

معاوية، فقال: لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال أصوم حتى تكمل ثلاثين أو نراه، فقلت: ألا تكفي برؤية معاوية وصيامه؟ فقال: لا، هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح مسلم ۳٤۹/۱، سنن أبي داؤد ۳۱۹/۱، سنن الترمذي ۱٤۸/۱)

وحجة من يعتبر اختلاف المطالع في الصوم والفطر حديث كريب هٰذا (أي حديث الباب) قال الشوكاني: وجه الاحتجاج به أن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما لم يعمل برية أهل الشام، وقال في آخر الحديث: هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فدل ذٰلک على أنه قد حفظ من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه لا يلزم أهل بلد العمل برؤية أهل بلد آخر ...... واعلم أن الحجة إنما هي في المرفوع من رواية ابن عباس ...... وهو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: لا تصوموا حتى تروا الهلال ...... فإن غمّي عليكم فأكملوا العدة ثلاثين ...... ولو توجّه الإشارة في كلام ابن عباس إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد لأهل بلد آخر لكان عدم اللزوم مقيدًا بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البعد ما يجوز معه اختلاف المطالع. (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم ۱۱۳/۳ رشيدية)

(۲) جوحضرات شرعی اصول کے مطابق امریکہ میں علاقائی رؤیت پر مدار رکھتے ہوئے روزہ رکھتے ہیں یا عید مناتے ہیں، اُن پر شرعاً کوئی الزام نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس دن سعودی عرب میں عید ہو اُسی دن امریکہ میں بھی عید منائی جائے؛ بلکہ دونوں جگہ کی تاریخوں میں کبھی کبھی فرق ہوسکتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

وقال الزيلعي شارح الكنز: إن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو في البلاد المتقاربة: لا البلاد النائية، قال: وكذلک في تجريد القدوري، وقال به الجرجاني: أقول: لا بد من تسليم قول الزيعلي، وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين، أو الثامن والعشرين، أو يوم الحادي والثلاثين، أو الثاني

والثلاثين، لأن هلال بلاد قسطنطنية ربما يتقدم على هلالنا بيومين، فإذا صمنا على هلالنا ثم بلغنا رؤية هلال قسطنطنية يلزم تقديم العيد أو يلزم تاخير العيد – إلى قوله – وكنت قطعت بما قال الزيلعي، ثم رأيت في قواعد ابن رشد إجماعاً على إعتبار اختلاف المطالع في البلدان النائية، وأما تحديد القرب والنائي فمحمول إلى المبتلى به، ليس له حد معين. (العرف الشذي على هامش الترمذي ١٤٩/١)

(۳) یہ بات صحیح نہیں ہے کہ امریکہ والوں کوسعودی عرب اور امریکی رؤیت دونوں میں سے جس کو چاہئے اپنانے کا اختیار دیا جائے؛ بلکہ اَصل معیار امریکی رؤیت کو بنایا جائے گا اور دوسرے ملک سے آنے والی خبر صرف اُن شرائط کے ساتھ قبول ہوگی جنہیں تمہید میں لکھا گیا ہے۔

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته. (سنن الترمذي ١٤٨/١، صحيح البخاري ٢٥٦/١)

قال كريب: ثم قدمت المدينة في آخر الشهر، فسالني ابن عباس، ثم ذكر الهلال، فقال: متى رأيتم الهلال؟ فقلت: رأيناه ليلة الجمعة، فقال: أنت رأيته ليلة الجمعة؟ فقلت: رأه الناس وصاموا وصام معاوية، فقال: لكن رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلثين يوما، فقلت: ألا تكتفي برؤية معاوية وصيامه؟ قال: لا، هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح غريب، والعمل على هٰذا الحديث عند أهل العلم إن لكل أهل بلد رؤيتهم. (سنن الترمذي / باب ما جاء لكل أهل بلد رؤيتهم ١٤٩/١)

(۴) اگر سعودی عرب اور امریکہ کی تاریخوں میں اختلاف ہوا اور سعودی عرب کی خبر کو ماننا تمہید میں لکھے گئے شرائط کے مطابق درست نہ ہو، تو ایسی صورت میں امریکہ کی اُن مساجد میں عید کی نماز پڑھنے کا اہتمام کیا جائے جہاں امریکی رؤیت پر مدار رکھتے ہوئے عید کا فیصلہ کیا جاتا ہو، احتیاط اِسی میں ہے۔

هٰذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا يختلف فيها المطالع، فأما إذا

كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدتين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف، فيعتبر في أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصنائع ٢/ ٢٢٤-٢٢٥ المكتبة النعيمية ديوبند)

وعبارة الزيلعي والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، وكلما تحرك الشمس بدرجة فتلك طلوع فجر لقوم، وطلوع شمس لآخر، وغروب لبعض ونصف الليل لبعض. (الجواهر النيرة ١٩-١٨)

إلا أن أصحاب الشافعي صححوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البعيد. (رحمة الأمة في اختلاف الأئمة ٧٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/ ۱۱/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موسم کی ناہمواری کی بنا پر میدان کے بجائے مساجد میں نمازِ عید ادا کرنا وغیرہ؟

سوال (۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کی نماز کو عیدگاہ میں ادا کرنا مسنون قرار دیا گیا ہے۔ اور احادیث شریفہ سے اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، عیدگاہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ عیدگاہ آبادی سے باہر کوئی کھلا ہوا میدان ہے، جس میں پوری آبادی کے لوگ اکٹھا ہوکر نماز عید ادا کریں۔ عیدگاہ کے سلسلہ میں کچھ سوالات مندرجہ ذیل تحریر کئے جاتے ہیں:

(۱) وہ بڑے شہر جن کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہو ان میں آبادی کے درمیان اگر کوئی کھلی ہوئی جگہ ہو مثلاً کھیل کود کا کوئی میدان یا اسکول کا کمپاؤنڈ ہو، کیا اس کو عیدگاہ کے طور پر منتخب کیا جاسکتا ہے؟

(۲) انگلینڈ جیسے ممالک جہاں اکثر سال سردی رہتی ہے اور کچھ مہینوں میں گرمی رہتی ہے؛

البتہ سال بھر بارش ہوتی رہتی ہے، ان جیسے ممالک میں:

الف:- سردی کے زمانہ میں اگر کھلے میدان میں نماز پڑھنی ہوتو میدان میں خیمہ لگانا پڑتا ہے، تو اس خیمہ میں نماز پڑھنے سے کھلے میدان میں نماز پڑھنے کی سنت ادا ہوجائے گی یا اس صورت میں مساجد میں نماز پڑھنا اور اس خیمہ میں نماز پڑھنا دونوں برابر ہوں گے؟ دونوں میں سے افضل کیا ہوگا؟

ب:-گرمی کے زمانہ میں اگر چہ خیمہ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، مگر بارش کے امکان کی وجہ سے خیمہ لگایا جاتا ہے، اس وقت خیمہ میں نماز پڑھنے کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس میں نماز پڑھنا افضل ہوگا یا مسجد میں؟

(۳) نیز ان خیموں کو کرایہ پر لیا جاتا ہے جس پر ایک معتد بہ رقم خرچ ہوتی ہے، تقریبا: دس ہزار کا خرچ ہوتا ہے، اس تفصیل کی روشنی میں کیا خیمہ میں نماز پڑھنا افضل ہوگا یا مساجد میں؟ نیز اس خرچ کا اندازہ اس خیمہ کے لئے ہے جس میں تقریباً تین ہزار افراد بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۴) اگر ان صورتوں میں خیمہ میں نماز پڑھنا ہی افضل ہے، تو تفصیل یہ ہے کہ آبادی اتنی ہوتی ہے کہ بیک وقت پوری آبادی اس میں نماز ادا نہیں کرسکتی اور اسی عیدگاہ میں تعدد جماعت کرنا ہوگا، کیا یہ تعدد جائز ہوگا؟ ہمارے شہر لیسٹر میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۶۰ ر ہزار ہے اور اس موجودہ میدان سے قریب مسلمانوں کی آبادی تقریباً دس سے پندرہ ہزار ہے۔

(۵) برطانیہ میں چوں کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگ مقیم ہیں جس کے نتیجہ میں عورتوں کی بھی اس عیدگاہ میں شرکت ہوتی ہے اور قانوناً ان کو منع نہیں کیا جاسکتا، کیا اس صورت میں حال میں بھی خیمہ میں پڑھنا افضل ہوگا یا اس سے بچ کر مسجد میں پڑھنا افضل ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی ایسی عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھنا مسنون ہے، جو آبادی سے باہر واقع ہو اور اس کے مسنون ہونے کی علت محض میدان ہونا نہیں ہے؛ بلکہ اسلام کی

شان وشوکت کا اظہار ہے؛ لہٰذا جو عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے اس میں نماز پڑھنے پر مسنون عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا؛ بلکہ ان میدانوں میں نماز پڑھنا یا بڑی مساجد میں نماز پڑھنا ایک ہی درجہ رہے گا، اس لئے وہ بڑے شہر جن کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہو یا ایسے ممالک جہاں موسم کے ناہمواری کی وجہ سے کھلے میدانوں میں نماز پڑھنے میں دشواری ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو وہاں میدانوں اور پارکوں میں خیمہ وغیرہ لگا کر نماز پڑھنے کے بجائے مقررہ بڑی مسجد میں ہی نماز عیدین کا اہتمام ہونا چاہئے، اور اگر کسی جگہ آبادی اتنی زیادہ ہو کہ ایک مرتبہ میں سب نمازی عید کی نماز نہ پڑھ سکیں تو وہاں حسب ضرورت تعدد جماعت کی گنجائش ہوگی؛ کیوں کہ وہاں تعدد جماعت کی کراہت کی علت یعنی تقلیل جماعت نہیں پائی جارہی ہے اور حسب تحریر سوال چوں کہ عورتوں کو مذکورہ مقامات پر عید کی نماز میں شرکت سے روکنا مشکل ہے اور ان کے تحفظ کا انتظام جو مقررہ مساجد میں ہوسکتا ہے وہ کھلے میدانوں اور خیموں میں دشوار ہوگا؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میدانوں کے بجائے تعمیر شدہ مساجد میں عیدین کی نماز ادا کی جائے۔

عن علي رضي الله عنه قال: الخروج إلى الجبان في العيدين من السنة.

(المعجم الأوسط للطبراني ١١٦/٣ رقم: ٤٠٤٠)

قال أصاب الناس مطرًا في يوم عيد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بهم في المسجد. (سنن ابن ماجة ص: ٩٣)

عن أبي إسحاق: أن عليًا رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلا يصلي بضعفة الناس في المسجد ركعتين. وفي رواية عن عبد الرحمن بن أبي ليلى: صلى بالناس في مسجد الكوفة ركعتين في إمارة مصعب ابن الزبير. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٣٨/٤ رقم: ٥٨٦٥-٥٨٦٧)

عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي وأم سلمة رضي الله عنهما مرفوعًا: صلاة المرأة في بيتها خير من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في حجرتها خير من

صلاتها في دارها، وصلاتها في دارها خير من صلاتها في مسجد قومها. (إعلاء السنن نقلا عن الطحاوي / باب وجوب صلاة العيدين ۸۷/۸)

والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة. (إعلاء السنن ٩٢/٤)

وفي فتح الباري: واستدل به أي بحديث أبي سعيد على استحباب الخروج إلى الصحراء لصلاة العيد، وإن ذلک أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على ذلک مع فضل مسجده (إعلاء السنن ٩٤/٤)

الخروج إلى المصلى وإن صلاتها في المسجد لا تكون إلا عن ضرورة. (فتح الباري / كتاب الصلاة ٤٥٠/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للاتفاق على جواز تعددها. (طحطاوي على مراقي الفلاح ٥٣٥ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ويجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو في بيته إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام، وإن كان طريق عام ولكن سدته الصفوف، جاز الاقتداء لمن في بيته بإمام المسجد. (الفتاویٰ الهندية ۸۸/۱)

وتقليل الجماعة مكروه بخلاف المساجد التي على قوارع الطريق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرىٰ لا يؤدي إلى تقليل الجماعة. (بدائع الصنائع ۳۷۹/۱، كتاب المسائل ۴۲۱/۱، ایضاح المسائل ۳٤-۳٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ عیدین میں تکرار تکبیر سے کیا مراد ہے؟

سوال (۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین کے خطبہ کے سلسلہ میں بہشتی زیور میں ہے کہ عیدین کے خطبہ میں پہلے تکبیر سے ابتداء

کرے، پہلے خطبہ میں ۹/مرتبہ اللہ اکبر کہے، دوسرے میں ۷/مرتبہ۔ ایضاح المسائل از مفتی شبیر احمد قاسمی اور احسن الفتاویٰ از مفتی رشید احمدؒ میں ہے کہ پہلے خطبہ کے شروع میں مسلسل ۹/مرتبہ اللہ اکبر اور خطبہ ثانیہ کے شروع میں ۷/مرتبہ اللہ اکبر اور دونوں خطبوں کے بعد آخر میں ۱۴/مرتبہ اللہ اکبر کہے، یہ مستحب ہے، اِس سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ درمختار ۲/۵ ۱۷، احسن الفتاویٰ ۴/۱۲۷ بحوالہ ایضاح المسائل اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل ۵/۱۹۱ پر ہے: ''عیدین میں یہ مستحب لکھا ہے کہ پہلے خطبہ کو شروع کرنے سے پہلے ۹/بار تکبیر بالجہر متواتر پڑھے، اور دوسرے خطبہ کے اول میں ۷/دفعہ تکبیر بالجہر کہے''۔ درمختار میں ہے: **ویستحب أن یستفتح الأولیٰ بتسع تکبیرات تتریٰ أي متتابعات و الثانیة بسبع هو السنة.** تقریباً اسی طرح خطباتِ عبدالحیٔ لکھنوی کے حاشیہ پر ہے۔

اِن مستند اور معتبر کتب کی روشنی میں زید کا اَب تک اِسی پر عمل تھا کہ خطبہ عیدین میں پہلے نو مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر اور ثانیہ میں سات مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر پڑھا کرتا تھا، پھر خطبہ الحمد للہ سے شروع کرتا تھا؛ لیکن ایک عالم صاحب نے فتاویٰ محمودیہ کے حوالہ سے بتایا کہ عیدین کے خطبہ میں پہلے خطبہ کا آغاز ۹/مرتبہ مکمل تکبیراتِ تشریق سے اور ثانیہ کا آغاز ۷/مرتبہ مکمل تکبیراتِ تشریق سے کرنا چاہئے، میں نے کہا کہ پھر تو آخر میں ۱۴/مرتبہ مکمل تکبیراتِ تشریق بھی کہنی چاہئے، اِس طرح تو عیدین کے دونوں خطبے بہت طویل ہو جائیں گے؛ حالاں کہ سنت تو مختصر خطبہ دینا ہے، خیر وہ اپنے قول پر مصر رہے، مجھے فتاویٰ محمودیہ تو ملی نہیں؛ لیکن ''کتاب المسائل'' از: مفتی محمد سلمان منصورپوری دیکھی، تو اُس میں اُسی فتاویٰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ عیدین کا خطبہ شروع کرنے سے قبل ۹/مرتبہ لگاتار تکبیراتِ تشریق پڑھنا مستحب ہے، جب کہ دوسرے خطبہ کے شروع میں ۷/مرتبہ تکبیرات پڑھنا مروی ہے۔ دلیل میں موصوف نے وہی شامی کی عبارت نقل کی ہے:

ویستحب أن یستفتح الأولیٰ بتسع تکبیرات تتریٰ أي متتابعات و الثانیة بسبع هو السنة. (الدر المختار مع الشامي، فتاویٰ محمودیه ۸/۴۵۲)

یہاں مفتی علام نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا بھی حوالہ دیا ہے؛ لیکن اس میں تکبیراتِ

تشریق کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ صرف تکبیر منقول ہے، جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ مولانا نے ایک اور دلیل شاید تکبیراتِ تشریق کو ثابت کرنے کے لئے دی ہے؛ لیکن وہ تو صرف تکبیر یعنی ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کہنے کی دلیل بن سکتی ہے، وہو ہٰذا:

قال الشافعي: أخبرني من أثق به من أهل العلم من أهل المدينة، قال: أخبرني من سمع عمر بن العزيزؒ وهو خليفة يوم فطر فظهر على المنبر، فسلم ثم جلس، ثم قال: إن شعاير هٰذا اليوم التكبير والتحميد ثم كبر مرارًا: اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، وللّٰه الحمد، تشهد للخطبة ثم فصل بين التشهد بتكبيرةٍ.

(إعلاء السنن ۱۳۲/۸ کراچی، بحواله: كتاب المسائل)

اَب عاجزانہ درخواست ہے کہ حدیث وآثارِ صحابہ اور مستند فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں ہمیں بتائیں کہ اس سلسلہ میں اقرب الی السنۃ کیا ہے؟ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا طریقہ تھا؟ اُمید ہے کہ تشفی بخش جواب دیا جائے گا۔

[جواب از: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰه العصمة والتوفيق: فقہ کی اکثر متداول کتب میں ''عیدین کے پہلے خطبہ کے شروع میں ۹/ بار، دوسرے خطبہ کے شروع میں ۷/ بار اور اخیر میں ممبر سے اُترنے سے پہلے ۱۴/ بار تکبیر کہنے کو مستحب لکھا ہے: قال في الدر المختار: ويستحب أن يستفتح الأولىٰ بتسع تكبيرات تترىٰ أي متتابعات والثانية بسبع، هو السنة وأن يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة. (الدر المختار ۱۷۵/۲ کراچی، ۵۸/۳ زکریا، وهٰكذا في البحر الرائق ۲۸۳/۲ زكريا، مجمع الأنهر ۲۵۷/۱ مكتبه فقيه الأمة، الفتاوىٰ الهندية ۱۵۰/۱ نوراني كتب خانه، حاشية الشرنبلالي على الدر ۱٤٤/۱ دار إحياء الكتب العربية، وما إلى ذٰلك)

لیکن اس تکبیر سے کیا مراد ہے ''تکبیر تشریق'' یا صرف ''اللہ اکبر''؟ اِس بارے میں تلاش

بسیار کے باوجود فقہ کی عربی کتب میں کوئی صراحت نہیں مل سکی؛ البتہ سیاق وسباق اور قرائن سے صرف ''اللہ اکبر'' مراد ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھئے: فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۷۴ مکتبۃ الاحسان دیوبند، بہشتی زیور ۱۱/۸۵ اختری، امداد الاحکام ۱/۶۶۱، ۳/۱ ۵۷، احسن الفتاویٰ ۴/۱۳۷ کراچی)

البتہ بہتر یہ ہے کہ ۹/بار یا ۷/بار یا ۱۴/بار تکبیر کہنے کے بعد تکبیری سلسلہ کو تحمید پر ختم کرے، یعنی آخری مرتبہ ''لا إلٰه إلا اللّٰه والله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد'' کہہ لے، جیسا کہ اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے:

قال: أخبرني من سمع عمر بن العزيزؒ وهو خليفة يوم فطر فظهر على المنبر، فسلم ثم جلس، ثم قال: إن شعائر هٰذا اليوم التكبير والتحميد ثم كبر مرارًا: الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد. (إعلاء السنن ۸/۱۶۲ اشرفی)

اور اِس سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق بھی مکمل ہو جاتی ہے، اور فتاویٰ محمودیہ ۸/۴۵۲ کا محمل غالبًا یہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: وقار علی غفرلہ
دار الافتاء دار العلوم دیوبند ۱۴/ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: محمود حسن غفرلہ بلند شہری

[جواب از: دار الافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد]

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دار الافتاء دار العلوم دیوبند کا جواب صحیح ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ عیدین کے خطبہ میں پوری تکبیر تشریق کا تکرار نہیں ہوگا؛ بلکہ صرف ''اللہ اکبر'' کا تکرار ہوگا؛ کیوں کہ اگر پوری تکبیر کا تکرار ہو تو تکبیر کا سلسلہ زیادہ ہو جائے گا، اور خطبہ اس کے مقابلہ میں کم رہ جائے گا، حالاں کہ فقہ میں یہ صراحت ہے کہ تکبیر کے مقابلے میں خطبہ کم نہیں ہونا چاہئے؛ تاہم تکبیری سلسلہ کا اختتام تہلیل وتحمید پر کرنا مناسب ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عمل سے

معلوم ہوتا ہے، اور ''کتاب المسائل'' میں زیادہ تحقیق کئے بغیر فتاویٰ محمودیہ کے حوالہ سے تکبیر تشریق کی بات لکھ دی گئی تھی، اَب آئندہ اِشاعت میں اِنشاء اللہ اُس کی تصحیح کردی جائے گی۔

وقال في الخانية: إنه ليس للتكبير عدد في ظاهر الرواية؛ لكن ينبغي أن لا يكون أكثر الخطبة التكبير، ويكبر في الأضحىٰ أكثر من الفطر. (شامي ۳/۵۸ زكريا)

ويكبر في خطبة العيدين وليس لذٰلک عدد في ظاهر الرواية؛ لكن لا ينبغي أن يجعل أكثر الخطبة التكبير، ويكبر في خطبة عيد الأضحىٰ أكثر مما يكبر في خطبة الفطر كذا في قاضي خان، ويبدأ الخطيب بالتحميد في الجمعة وغيرها، ويبدأ بالتكبير في خطبة العيدين، ويستحب أن يستفتح الأولىٰ بتسعٍ تترى، والثانية بسبع، قال عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه: هو السنة. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۵۳۵ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۷/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا عیدگاہ میں آکر نمازِ عید پڑھنا کیوں منع ہے؟

سوال (۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں عیدگاہ میں جاکر مردوں کے ساتھ عید کی نماز باجماعت ادا کیا کرتی تھیں، پھر بعد میں علماء نے انہیں عیدگاہ میں جاکر عید کی نماز ادا کرنے سے کیوں محروم کردیا؟ گویا کہ انہیں ایک واجب کی ادائیگی سے روک دیا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے شک عورتیں دورِ نبوت میں عیدگاہ جایا کرتی تھیں اور نماز ودعا میں شرکت کرتی تھیں؛ لیکن وہ خیر وصلاح کا دور تھا، نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس اور بابرکت ذات امت کے درمیان موجود تھی؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی

سے براہ راست استفادہ کے لئے خواتین کو بھی اجازت دی گئی تھی، اس کے باوجود نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام یہ فرماتے تھے کہ عورتوں کا مسجد میں آ کر نماز پڑھنے کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس ارشاد میں یہ پیغام مخفی تھا کہ عورت کے لئے اجتماعی عبادات کے بجائے انفرادی عبادت کرنے میں ثواب زیادہ ہے اور یہ حکم اس لئے تھا تاکہ عورت گھر سے باہر نکل کر کسی فتنہ کا شکار نہ ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے اس حکم کو بخوبی سمجھا اور جب معاشرے کے حالات میں تبدیلی آئی تو انہوں نے خواتین کی عصمت وعفت کے تحفظ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا، حتی کہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی عالمہ و فاضلہ اور بابصیرت خاتون کی زبان مبارک سے یہ الفاظ صادر ہوئے: ”لو أدرک رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل“ یعنی اگر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام آج کی عورتوں کے حالات دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو مسجد میں آنے سے اس طرح منع فرماتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا۔

تو ذرا غور فرمائیں جب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانہ کی خواتین کے بارے میں یہ فرما رہی ہیں جب کہ وہ زمانہ دینی اعتبار سے آج کے زمانہ سے بدرجہا بہتر تھا، تو موجودہ خواتین کو جن کی بے راہ رویاں اور زیب وزینت کی چاہتیں ناقابل بیان ہے ان کو مسجد یا عیدگاہ میں آنے کی ترغیب کیسے دی جاسکتی ہے؟ خاص کر ہمارے علاقوں کے شہروں اور دیہاتوں میں اگر عیدگاہوں میں عورتوں کو لایا جائے گا تو عیدگاہ عبادت گاہ نہ رہ کر نعوذ باللہ ایک تفریح گاہ میں تبدیل ہوجائے گی؛ اس لئے دور اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ عورتوں کو عیدگاہ اور مساجد میں آنے کی ترغیب ہرگز نہ دی جائے، ورنہ ایسے مفاسد اور فتنے رونما ہوں گے جن کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه كان لا يخرج نسائه في العيدين. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٣٤/٤ رقم: ٥٧٤)

عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي وأم سلمة رضي الله عنهما مرفوعًا:

صلاة المرأة في بيتها خير من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في حجرتها خير من صلاتها في دارها، وصلاتها في دارها خير من صلاتها في مسجد قومها. (إعلاء السنن نقلا عن الطحاوي / باب وجوب صلاة العيدين ۸۷/۸)

أخرج الطبراني عن أبي عمر الشيباني أنه رأى ابن مسعود رضي اللّٰه عنه يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: اخرجن إلى بيتكن خير لكن. (المعجم الكبير للطبراني ۹/۲۹٤ رقم: ۹٤۷٥)

قال ثمة أيضًا: وليس على النساء الخروج في العيدين، وكان يرخص لهن في ذلک قال: وقال أبو حنيفة رحمه اللّٰه: فأما اليوم فإني أكره لهن ذلک، وأكره لهن شهود الجمعة وصلاة المكتوبة. (الفتاوى التاتارخانية ۲/۲۱٤ رقم: ۲٤۲۹ زكريا)

ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد. (الدر المختار ۲/۳۰۷ زكريا)

ولا تجب الجمعة على مسافر ولا امرأة ...... وتجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة. (الهداية / باب صلاة الجمعة وباب العيدين ۱/۱٦۹-۱۷۲)

وشرط وجوبها: الإقامة والذكورة. (البحرالرائق ۲/۲٦٤ زكريا)

ولا تجب على المرأة. (شامي ۲/۱٥٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح:

کیا تراویح کی نماز پڑھنے سے تہجد کی فضیلت حاصل ہوجائے گی؟

سوال (۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا رمضان کے مہینہ میں ۲۰؍ رکعت تراویح جو آدمی اگر پڑھ لے تو اَب اُس کو تہجد کی نماز پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی تہجد کی نماز نہ پڑھے تو کوئی حرج تو نہیں یا ہیں؟ وضاحت کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، تراویح پڑھنے سے تہجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی؛ لہٰذا تہجد کی نماز تراویح کے علاوہ الگ سے پڑھی جائے، بالخصوص رمضان المبارک میں اِس کا مزید اہتمام کرنا چاہئے۔

کما تستفاد من قول سیدنا عمر رضي اللّٰہ عنہ في قیام رمضان: نعم البدعۃ ھٰذہ والتي تناموں عنھا أفضل من التي تقومون یرید آخر اللیل، وکان الناس یقومون أولہ. (صحیح البخاري ۲۶۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۰/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح پر سنتِ مؤکدہ کی تعریف کیسے صادق آتی ہے؟

سوال (۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے علماء کی زبانی سنا ہے کہ سنتِ مؤکدہ وہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی فرمائی ہو، اس تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے تراویح کی نماز سنتِ مؤکدہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ ہم نے علماء سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن نماز تراویح ادا فرمائی تھی، تو پھر تراویح کی نماز سنت مؤکدہ کیسے ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات طے ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین دن باجماعت تراویح پڑھائی ہے اور بعد میں اس خطرے سے موقوف فرمادی کہ کہیں یہ فرض نہ ہوجائے، اس سے بطور دلالۃ النص یہ معلوم ہوا کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہوتا تو آپ اس کی ضرور مواظبت فرماتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرماگئے تو یہ خطرہ باقی نہ رہا۔ نیز نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی ترغیب بھی دی ہے اور پھر

بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص خلیفہ دوم امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے مسجد نبوی میں ایک امام کے پیچھے باجماعت تراویح کا سلسلہ شروع فرمایا، جس کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تائید فرمائی، اور کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اور اس وقت سے لے کر آج تک شرقاً وغرباً سبھی مسلمان اس کا اہتمام کرتے ہیں، ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر فقہاء نے تراویح کو سننِ مؤکدہ میں شامل فرمایا ہے اور ائمہ اربعہ سمیت سبھی اکابر سلفِ صالحین سے اس کی سنیت ثابت ہے۔ اَب آج کے دور میں بعض نام نہاد سلفی لوگ اس کی سنیت کا انکار کریں تو سلفِ صالحین کی متفقہ رائے کے مقابلے میں ان حضرات کے دعوے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي اللّٰه عنها أخبرته أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خرج من جوف الليل، فصلى في المسجد، فصل رجال بصلاته، فاصبح الناس يتحدثون بذلک فاجتمع أكثر منهم، فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في الليلة الثانية فصلوا بصلاته، فأصبح الناس يذكرون ذلک، فكثر أهل المسجد من الليلة الثانية، فخرج فصلوا بصلاته، فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن أهله فلم يخرج إليهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فطفق رجال منهم يقولون: الصلاة، فلم يخرج إليهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم؛ حتى خرج لصلاة الفجر، فلما قضى الفجر أقبل على الناس ثم تشهد فقال: أما بعد! فإنه لم يخف على شأنكم الليلة، ولكني خشيت أن تفرض عليكم صلاة الليل فتعجزوا عنها. (صحيح مسلم ۱/ ۲۵۹)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه يقول: قام فينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم، فوعظنا موعظة بليغة ...... فقال: ......عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ. (سنن ابن ماجة ۱/ ۵)

إن جمهور الأصوليين يعرفون السنة بما واظب عليه الرسول صلى اللّٰه

عليه وسلم فحسب ...... ومحققوهم يعرفونها بما واظب عليه الرسول أو خلفاء ه وإليه يشير عبارات الفقهاء في مواضع شتى، وهو المستفاد من حديث عليكم بسنتي الخ. (هامش الهداية / فضل في قيام رمضان ۱۵۱/۱)

والسنة عند الأصوليين أن السنة ما فعله النبي صلى الله عليه وسلم أو أحد من أصحابه. (حاشية الطحطاوي ۴۱۱)

عن أبي يوسف قال: سألت أبا حنيفة عن التراويح وما فعله عمر؟ فقال: التراويح سنة مؤكدة، اعلم أن المشروعات أربعة أقسام، فرض، وواجب، وسنة، ونفل، فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك، إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واظب عليه الرسول صلى الله عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة وإلا فمندوب ونفل. (شامي، كتاب الصلاة / قبيل مطلب في السنة وتعريفها ۱۰۲/۱ كراچی)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قام رمضان إيمانًا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحيح البخاري ۲۶۹/۱ رقم: ۱۹۶۵)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب في قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة، فيقول: من قام رمضان إيمانًا واحتسابًا غفر له ما تقدم من ذنبه، فتوفى رسول الله والأمر على ذلک، ثم كان الأمر على ذلک في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر على ذلک (صحيح مسلم ۲۵۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں مقتدی کا قرآنِ کریم دیکھ کر سننا؟

سوال (۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کیا تراویح میں مقتدی قرآن ہاتھ میں لے کر سن سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک نماز میں قرآنِ پاک ہاتھ میں لے کر پڑھنا یا سننا عملِ کثیر ہونے کی وجہ سے مفسد صلوٰۃ ہے؛ اِس لئے اگر کوئی مقتدی تراویح میں قرآن ہاتھ میں لے کر سنے گا، تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ اور اگر ایسا مقتدی امام کو لقمہ دے اور امام اس کا لقمہ قبول کرلے، تو امام کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔

وقراء ۃ ما لا یحفظہ من مصحف. (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: ولأبي حنیفۃ في فسادھا وجھان: أحدھما أن حمل المصحف والنظر فیہ وتقلیب الأوراق عمل کثیر. (مراقي الفلاح ۱۸۵)

وتفسد بأخذ الإمام ممن لیس معہ. (طحطاوي ۱۸۳) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴؍۱۰؍۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں ختم قرآن پر اُجرت سے متعلق امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ کا فتویٰ

سوال (۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ پاک تراویح میں سنانے پر ہدیۃً کچھ قبول کرنا، اہل حق مفتیانِ کرام کے فتویٰ کی رو سے حرام ہے، اِس سلسلے میں ایک صاحب نے امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا، جسے من وعن درج ذیل جواب کے ساتھ نقل کیا جارہا ہے، براہِ کرم اِس بارے میں قطعی فیصلے سے تشفی فرما کر مشکور فرمائیں۔

ایک صاحب نے امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ کی

خدمت میں ایک استفتاء بھیجا، جس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ تراویح میں قرآنِ پاک ختم پر اکثر ۲۷؍رمضان المبارک کو ہدیۃً کچھ نقد رقم اور کپڑے جوڑے پیش کئے جاتے ہیں، یہ رقم بطور اُجرت پہلے سے طے نہیں ہوتی؛ بلکہ حافظ صاحب اور مؤذن صاحب کی قسمت سے جو جمع ہو جائے اُن کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن اِدھر چند سالوں سے اہل حق حضرات کے فتاویٰ تراویح میں آٹھ رکعت کے بارے میں اور اُس کے ساتھ قرآنِ پاک سنانے پر کسی ہدیہ وغیرہ کو قبول کرنے کو حرام قرار دیا جا رہا ہے، تراویح کی بیس رکعت ہونے پر اہل حق تمام مفتیانِ کرام کے فتاویٰ بھی شائع کئے جاتے ہیں؛ لیکن دوسرے مسئلہ میں اہل حق مفتیانِ کرام تراویح میں قرآنِ پاک سنانے پر کسی قسم کے ہدیہ کو قبول کرنے کو حرام بتلاتے ہیں۔ اَب صورتِ حال یہ ہے کہ شعبہ حفظ میں طلبہ کی تعداد دن بدن گھٹتی جا رہی ہے، اور اندیشہ ہے کہ جیسے آج سے سو سال پہلے اور بعض علاقوں میں آزادی سے پہلے بڑی بڑی بستیوں میں ایک بھی حافظ نہیں تھا؛ اِس لئے اکثر مساجد میں تراویح الم تر سے پڑھی جاتی تھی۔

حضرت والا سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ میں رہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں، حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب نے جو جواب لکھا تھا، یہاں من وعن نقل کیا جاتا ہے:

تراویح کے سلسلہ میں جو صورتِ حال ہے، اُس سے ہم نظری اور فرضی طریقوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے؛ بلکہ ہمیں واقعی اور عملی صورت پر غور کرنا ہوگا، ہمارے خیال میں واقعی شکل وہی ہے جس کا نقشہ اوپر کھینچا گیا؛ اِس لئے ہماری رائے ہے کہ تراویح میں قرآنِ پاک سنانے سے متعلق وہی توسع پیدا کیا جائے جو تعلیم قرآن وتعلیم حدیث وتعلیم فقہ اِمامت اذان واِقامت کے متعلق کیا گیا ہے۔ (حیاتِ رحمانی ہفتہ وار نقیب پھلواری شریف پٹنہ ۱۱؍جون ۱۹۸۶ء م شب روز ۹ مئی ۲۰۱۱ء)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ختم قرآن پر مشروط یا معروف طریقے پر اُجرت کا لین دین جائز نہیں ہے؛ اِس لئے کہ قرآن وحدیث میں نفس تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینے سے متعلق سخت وعیدیں وارد ہیں، اور اس مسئلہ کو امامت، اذان اور تعلیم قرآن پر قیاس کرتے ہوئے

جواز کی راہ نکالنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ جس علت یعنی ضیاع دین کے اندیشہ کی بناپر امامت وغیرہ کی اجرت جائز قرار دی گئی ہے وہ تراویح میں ختم قرآن کے اندر نہیں پائی جاتی ہے؛ اِس لئے کہ تراویح میں ختم قرآن محض سنت ہے، واجب یا فرض نہیں۔ اور اگر تراویح میں اجرت پر قرآن نہ پڑھا جائے تو اس سے قرآن ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں؛ بلکہ تجربہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت کی وجہ سے مخلص قرآن سنانے والوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے اور حفاظِ کرام کا وقار بڑھ جاتا ہے۔ اور سوال نامہ میں حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ کے حوالہ سے جو نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے، اُس سے اکابر مفتیانِ کرام نے اتفاق نہیں کیا اور ہمیں بھی اُس سے اتفاق نہیں ہے، یہ حضرت موصوفؒ کی ذاتی رائے ہے، جو دوسروں کے لئے حجت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۳۲۲، احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۴، فتاویٰ رشیدیہ ۳۹۲، فتاویٰ دار العلوم ۴/۳۶۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۶۸ ڈابھیل)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلاَ تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلاً﴾ [البقرة، جزء آيت: ٤١]

قال أبو العالية: لا تأخذوا عليه أجرًا. (تفسير ابن كثير ١/٢٢٢ زكريا)

قال عليه السلام: اقرؤوا القرآن ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به، ولا تجفوا عنه، ولا تغلوا فيه. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠١ رقم: ٨٢٥)

قال عليه السلام: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان للبيهقي ٢/٥٣٣ رقم: ٢٦٢٥)

وقد اتفقت كلمتهم جميعًا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته، فهٰذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة؛ بل على ما ذكره فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب. (شامي ٩/٧٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۶/۷/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وتر کی نماز:

وتر میں دعا کرتے وقت ہاتھ اُٹھانا؟

سوال (۹۸):- کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرمین شریفین میں وتر کی نماز پڑھاتے وقت امام صاحب قومہ میں جب دعا کراتے ہیں، تو کیا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیے؟ اکثر لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک دعاء قنوت قومہ میں نہیں پڑھی جاتی ہے؛ بلکہ قیام کی حالت میں ہی رکوع سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور دعاء قنوت کے وقت دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ اور اگر کوئی حنفی مقتدی کسی ایسے امام کے پیچھے وتر پڑھ رہا ہو جو قومہ کی حال میں دعاء قنوت پڑھتا ہو، جیسا کہ حرمین شریفین کے ائمہ کا معمول ہے، تو وہ حنفی مقتدی امام کے دعاء قنوت پڑھنے کے دوران اپنی حالت پر کھڑا رہے اور سراً آمین کہتا رہے، دعا کی طرح ہاتھ نہ اٹھائے۔

مستفاد: وإذا اقتدی بمن یقنت في الفجر کشافعي قام معه حال قنوته ساکتا في الأظهر ...... ویرسل یدیه في جنبه؛ لأنه ذکر لیس مسنونا. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۲۱۰-۲۱۱)

ولو قنت المقتدي أو أمّن لا یرفع صوته بالاتفاق؛ لئلا یشوش غیره، ولأن الأصل في الدعاء الإخفاء علی ما تقدم. (حلبي کبیر ٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۰/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وتر میں دعائے قنوت بھول جائے تو کیا کرے؟

سوال (۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: وتر میں اگر دعائے قنوت پڑھنا بھول جائیں اور پھر سجدے یا رکوع میں یاد آئے تو کیا کرنا چاہئے وتر کو دہرانا چاہئے یا پھر سجدہ سہو کرسکتے ہیں؟

نیز اگر سجدہ بھی یاد نہ رہا تو کیا حکم ہے؟ وتر کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا استغفار کافی ہوگی؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر میں اگر دعاء قنوت پڑھے بغیر رکوع میں چلے جائیں تو اب دعاء قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ آخر میں سجدہ سہو کرلینا کافی ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو وتر کو دہرانا واجب ہے۔

ولو نسيه أي القنوت ثم تذكره في الركوع لا يقنت فيه لفوات محله ولا يعود إلى القيام في الأصح؛ لأن فيه رفض الفرض للواجب، فإن عاد إليه وقنت ولم يُعد الركوع لم تفسد صلاته: لكون ركوعه بعد قراءة تامة وسجد للسهو.

(الدر المختار مع الشامي ۲/٤٤٦-٤٤٧ زكريا)

ومنها القنوت فإذا تركه يجب عليه السهو وتركه يتحقق برفع رأسه من الركوع. (الفتاوىٰ الهندية ۱/۱۲۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وتر کے بعد دو رکعت کا ثبوت

سوال (۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا وتر کے بعد دو رکعت یا اُس سے زائد پڑھنا مستحب ومسنون ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثابت ہے؛ اِس لئے اِس کو خلافِ سنت نہیں کہا جاسکتا، اور علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ یہ اس کے خلاف نہیں ہے جس میں وتر کو آخری نماز بنانے کا حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ یہ دو رکعت دراصل وتر ہی کا تتمہ ہے، جیسا کہ مغرب کے بعد دو سنتیں مغرب کا تتمہ ہوتی ہیں۔

قال سألت عائشة رضي الله عنها عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة يصلي ثمان ركعات، ثم يوتر، ثم يصلي ركعتين وهو جالس الخ. (صحيح مسلم ٢٥٤/١)

عن أم سلمة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين. (سنن الترمذي ٣١٢/١)

قال ابن قيم في الهدى: وقد أشكل هٰذا يعني حديث الركعتين بعد الوتر على كثير من الناس، فظنوه معارضًا لقوله صلى الله عليه وسلم: "اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترًا" ثم حكى عن مالك وأحمد ما تقدم، وحكى عن طائفة ما قدمنا عن النووي، ثم قال: والصواب أن يقال إن هاتين الركعتين تجريان مجرى السنة وتكميل الوتر، فإن الوتر عبادةٌ مستقلةٌ، ولا سيما إن قيل بوجوبه، فتجري بعده مجرى سنة المغرب من المغرب، فإنها وتر النهار، والركعتان بعدها تكميل لها، فكذلک الركعتان بعد وتر الليل. (نيل الأوطار ٤٦/٣ بحواله: آپ کے مسائل اور اُن کا حل ٥٩٥/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۳/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر کی نماز:

کیا تیس سال تک ایک شہر میں مقیم رہنے کی نیت سے وہ جگہ وطن اصلی بن جائے گی؟

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک مسلمان نوجوان ملازمت کے خاطر اپنے اہل خانہ (بیوی بچے وغیرہ) کے ساتھ کلکتہ گیا ہے اور وہاں جا کر ملازمت کر رہا ہے اور کلکتہ جائے ملازمت اُس کے وطن اصلی سے مسافت سفر شرعی کی دوری پر ہے، اَب یہ مسلمان نوجوان ۳۰؍سال تک کلکتہ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہنے اور وہاں پر ملازمت کرنے کے ارادہ سے ایک مکان بھی خرید لیا ہے، ۳۰؍سال مکمل ہونے پر مکان بیچ کر پھر اپنے وطن اصلی اپنے اہل خانہ کے ساتھ آجائے گا۔ اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر یہ مسلمان نوجوان اپنے وطن اصلی سے مسافتِ سفر شرعی طے کر کے اپنی جائے ملازمت کلکتہ آجائے اور پھر دو دن رہ کر کے کہیں دوسری جگہ مسافت سفر شرعی طے کرنے کا ارادہ ہو تو اِس دو دن کی رباعی نمازیں اتمام کرے گا یا قصر؟ براہ کرم مفصل ومدلل جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور ہوں، عنایت بے نہایت ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ مذکورہ شخص نے کلکتہ کو باقاعدہ وطن اصلی نہیں بنایا ہے؛ بلکہ اُس کا اِرادہ یہ ہے کہ وہ متعین طور پر تیس سال کے بعد اپنا مکان وغیرہ بیچ کر اپنے گھر لوٹ جائے گا، تو ایسے شخص کے لئے کلکتہ وطن اصلی کے درجہ میں نہیں ہوگا؛ لہٰذا اگر وہ سفر شرعی سے آکر کلکتہ میں پندرہ دن سے کم قیام کرے گا تو اسے نماز قصر پڑھنی ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱؍۵۵۷، احسن الفتاویٰ ۴؍۱۰۱-۱۰۲)

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو فيه توطنه. (الدر المختار) قوله: (أو توطنه) أي عزم على القرار فيه وعدم الارتحال، وإن لم يتأهل، فلو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به، فليس ذلك وطنًا له إلا إذا عزم على القرار فيه، وترك الوطن الذي كان به قبله. (شامي ۲/۶۱٤ زكريا، البحرالرائق ۲/۲۳۹ زكريا)

وإن لم يكن وطنًا أصليًا له، فإنه يقصر الصلاة ما لم ينو الإقامة بها خمسة عشر يومًا. (خانية على هامش الفتاویٰ الهندية ۱/۱٦٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۷/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دہلی میں مستقل رہائش اختیار کرنے والے کا مرادآباد میں نماز کا حکم؟

سوال (۱۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مرادآباد کا رہنے والا ہے؛ لیکن اَب اُس نے اپنا گھر اور سب کاروبار ختم کر کے دہلی منتقل کرلیا، دہلی میں گھر بنالیا، اور کاروبار بھی وہیں شروع کردیا، بیوی بچے سب دہلی میں ہیں، مرادآباد میں ماں باپ، بھائی بہن اور دیگر رشتے دار رہتے ہیں، دوایک دن کے لئے اَب زید ماں باپ رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے مرادآباد آتا ہے، تو کیا چار رکعت والی فرض نماز میں قصر کرے گا یا پوری ادا کی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر زید نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اب میں ہمیشہ تازندگی دہلی میں ہی رہوں گا، مرادآباد سے میرا سکونت کا تعلق نہیں رہے گا، تو ایسی صورت میں مرادآباد اُس کا وطن اصلی نہیں رہا اور دہلی وطنِ اَصلی بن گیا، اَب دہلی میں اِتمام کرے گا اور مرادآباد آنے پر پندرہ دن سے کم قیام کی شکل میں قصر کرے گا؛ لیکن اگر اُس نے دہلی میں مستقل قیام کرنے کے باوجود مرادآباد سے سکونت کی نسبت منقطع نہیں کی ہے، اور اَبھی بھی وہ اپنا وطن مرادآباد کو سمجھتا ہے؛ اِس لئے کہ اُس کے ماں باپ اور دیگر رشتے دار یہاں مقیم ہیں، اِسی بنا پر چھٹیوں میں یا عیدین کے موقع پر یہاں آتا رہتا ہے، تو ایسی صورت میں مرادآباد اور دہلی دونوں اُس کے لئے وطن اصلی کے درجہ میں ہوں گے، اور وہ دونوں جگہ نماز پوری پڑھے گا، چاہے چند دن یا چند گھنٹوں ہی کا قیام کیوں نہ ہو۔

والوطن الأصلي وهو وطن الإنسان في بلدته أخریٰ اتخذها دارًا، وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها. (بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۰)

فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لا غير، وهو أن يتوطن الإنسان في بلدة أخریٰ، وينقل الأهل إليها من بلدته، فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا له،

حتی لو دخل فیه مسافرًا لا تصیر صلاته أربعًا، ثم الوطن الأصلي یجوز أن یکون واحدًا أو أکثر من ذٰلک(بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۰ زکریا)

وفي المجتبی: نقل القولین فیما إذا نقل أهله ومتاعه وبقي له دور وعقار، ثم قال: وهٰذا جواب واقعة ابتلینا بها کثیر من المسلمین المتوطنین في البلاد، ولهم دور وعقارٌ في القری البعیدة منها یصیفون بها بأهلهم ومتاعهم، فلابد من حفظها أنهما وطنان له لایبطل أحدهما بالآخر. (البحر الرائق ۲/ ۱۳٦ کوئٹہ، ۲/ ۲۳٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/ ۱۱/ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مختلف نیتوں والے افراد کی جماعت کیلئے قصر واتمام کا حکم؟

سوال (۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دریافت طلب امر یہ ہے کہ ''بابا گنج''، ضلع بارہ بنکی اجتماع سے ایک جماعت نکلی، جس میں شریک ہونے والے بارہ بنکی ضلع کے مختلف قصبوں دیہاتوں سے مختلف نیتوں کے ساتھ جمع ہوئے، بعض ساتھیوں کی نیت اپنے گاؤں/ قصبہ سے صرف بابا گنج اجتماع جاکر وہاں سے جماعت میں جانے کی تھی، چاہے جہاں کا بھی رخ بن جائے، جب کہ بعض کی نیت یہ تھی ہم اپنے امیر صاحب کے ساتھ جائیں گے جہاں بھی جائیں، اور امیر صاحب جناب بھائی محمد اسلام صاحب سورت گنج ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں۔ امیر صاحب کی نیت صورت گنج سے نکلتے وقت دہلی جانے کی تھی، اِس خیال سے کہ جماعت دہلی جائے گی، اَب سب لوگ جب بابا گنج ضلع بارہ بنکی اجتماع میں پہنچے، تو اُن کا رخ اجتماع سے بارہ بنکی ضلع کے مختلف قصبوں میں سورت گنج کے علاوہ وقت لگانے کا بتایا دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اَب یہ جماعت اپنے امیر کی نیت کے تابع ہوکر یا گھر سے دہلی جانے کی نیت لے کر اجتماع میں شریک ہونے کی وجہ سے نمازیں قصر پڑھے گی، یا مسافت سفر نہ پائے جانے کی وجہ سے اِتمام کرے گی؟ آیا امیر صاحب کی نیت رخ بدلنے کی وجہ سے ساقط قرار دی جائے گی یا نہیں؟ فقہی جزیہ کی روشنی میں جواب تحریر کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جن حضرات کی نیت صرف بابا گنج کے اجتماع میں شرکت کی تھی اور اپنے وطن سے نکلتے وقت اُنہوں نے سفر شرعی کا اِرادہ نہیں کیا تھا یا جنھوں نے اپنے اِرادہ کو امیر صاحب کی نیت پر معلق رکھا تھا، یہ لوگ تو مسافر بنے ہی نہیں؛ بلکہ بدستور مقیم ہیں؛ کیوں کہ حتمی طور پر سفر شرعی کا اِرادہ نہیں پایا گیا؛ البتہ جن امیر صاحب نے اپنے وطن سورت گنج سے نکلتے وقت دہلی جانے کا اِرادہ کرلیا تھا تو وہ اپنے وطن سے نکلتے ہی مسافر ہوچکے تھے؛ تاہم جب بابا گنج کے اجتماع میں مشورہ سے اُن کی جماعت کا رخ دہلی کے بجائے بارہ بنکی اور اُس کے اطراف میں کردیا گیا تو چوں کہ مسافت شرعی کے تحقق سے قبل اُن کا ارادۂ سفر ملتوی ہوگیا ہے؛ اِس لئے اَب وہ مسافر نہیں رہیں گے اور بارہ بنکی کے اطراف میں کام کرنے کے دوران وہ سب اِتمام کریں گے۔

وأما إذا لم يستمكل المسافر ثلاثة أيامٍ فهو بمجرد العزم على الدخول في مصره يصير مقيمًا، وتتم صلاته. (عناية مع فتح القدير ۲/۱ ٤ زكريا)

وأما إن لم يكملها فيتم بمجرد رجوعه؛ لأنه نقض السفر قبل استحكامه. (مجمع الأنهر ۱/ ۲٤۰ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۶/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تبلیغی جماعت جب کسی شہر میں پہنچے تو اس کے لئے قصر واتمام کے حکم میں کیا تفصیل ہے؟

سوال (۱۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس مسجد میں میں عشاء کی نماز پڑھتا ہوں اس میں چند دن سے دہلی سے بھیجی ہوئی جماعت کام کررہی ہے اس میں ایک قاری، اور ایک عالم صاحب بھی ہیں، میں نے قاری صاحب سے کہا کہ مرادآباد میں آپ کی جماعت کا قیام کب تک ہے انہوں نے کہا تقریباً ایک مہینہ: میں نے

انہیں مقیم سمجھ کر نماز عشاء کیلئے کہا انہوں نے جماعت میں شامل ایک عالم صاحب سے نماز پڑھوانے کا مشورہ دیا، اورانکو صحن سے بلا کر میرے پاس لے آئے میں نے ان سے سوال دہرایا کہ آپ حضرات کا قیام مراد آباد میں کب تک ہے؟ انہوں نے کہا بارہ دسمبر تک (یعنی ۲۲ یوم) میں نے ان سے نماز پڑھوادی، امیر جماعت نے مجھ سے تنہائی میں پوچھا کہ حضرت: مولانا تو مسافر ہیں ان کے پیچھے مقیم لوگوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ میں نے مذکورہ دونوں حضرات کی بات دہرائی کہ یہ حضرات تو بیس بائیس یوم کے قیام کی بات کررہے؛ لٰہذا یہ مقیم ہیں ان کے پیچھے نماز درست ہے اس پر امیر صاحب نے کہا کہ ان کی نیت کا اعتبار نہیں ہے، ترتیب مرکز نظام الدین دہلی سے بنتی ہے، وہاں سے ہدایت ملی کہ چلہ کی جماعت کے بیس یوم شہر میں اور بیس یوم دیہات میں لگنے چاہئے، اس پر میں نے امیر صاحب سے کہا کہ تب بھی تو وہ صاحب مقیم ہو گئے کیوں کہ قیام کی مدت پندرہ یوم سے زائد ہے پھر امیر صاحب نے کہا کہ مقامی مرکز میں ترتیب میں تبدیلی کرتے ہیں، اور ہر ہفتہ مشورہ سے رخ بدلا جاسکتا ہے، شہر سے گاؤں میں، ایک حلقہ سے دوسرے حلقہ میں۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ جن عالم صاحب نے نماز پڑھائی وہ مقیم کہلائیں گے یا مسافر؟ ان کے پیچھے مقیم حضرات کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا صورت میں نیت کس کی معتبر ہوگی؟ امیر جماعت کی یا مقامی امیر یا اراکین شوریٰ کی، نیز مرکز نظام الدین دہلی سے آدھا وقت شہر میں گذارنے کی ہدایت کی جاتی ہے جیسا کہ مذکورہ جماعت کے امیر صاحب نے بتلایا، کیا مرکز کی اس ہدایت کو مشورہ کی حیثیت دی جائے یا حتمی فیصلہ قرار دیکر اسکو نیت کے قائم مقام مانا جائے، جواب تحریر فرائیں کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ”تبلیغی جماعت کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی جماعت کسی شہر میں پہونچتی ہے تو مقامی تبلیغی مرکز کے ہفتہ واری مشورہ میں اس کا رخ طے کیا جاتا ہے، جس کی پابندی کرنا جماعت پر لازم ہوتا ہے۔ بریں بناء جب کوئی جماعت کسی شہر میں پہنچے گی تو امیر

جماعت یا جماعت میں شامل کسی فرد کی نیت اقامت کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے کے بارے میں وہ خود مختار نہیں ہیں بلکہ مقامی مشورہ کے تابع ہیں، اب اگر بالفرض ہفتہ واری مشورہ میں یہ بات طے ہو جائے کہ یہ جماعت پندرہ دن تک ایک ہی شہر میں رہے گی، البتہ شہر کی مسجدیں اور محلے بدلتے رہیں گے، تو یہ جماعت مقیم ہو جائیگی، اور اگر مشورہ میں صرف یہ طے ہوا کہ اس ہفتہ میں یہ جماعت فلاں جگہ رہے گی لیکن اگلے ہفتہ کے بارے میں ابھی کچھ طے نہیں ہوا، بلکہ اگلے مشورہ میں طے ہوگا کہ یہ جماعت شہر میں رہے، یا باہر اطراف میں بھیجا جائے تو یہ جماعت مقیم نہ ہوگی بلکہ مسافر ہی رہے گی، اس لئے مسئولہ صورت میں یہ معلوم کرلیا جائے کہ اس جماعت کے بارے میں ہفتہ واری مشورہ میں کیا بات طے ہوئی ہے، اور اسی کے مطابق جماعت کو مقیم یا مسافر شمار کیا جائے۔

ويشترط لصحة نية السفر ثلاثة أشياء: الاستقلال بالحكم. (مراقي الفلاح)

قوله الاستقلال أي الإنفراد بحكم نفسه بحيث لا يكون تابعًا لغيره في حكمه. (حاشية الطحاوي على المراقي، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٤٢٤)

وقصر إن نوى أقل منه أي من نصف شهر أو لم ينو شيئًا وبقي على ذلك سنين، وهو ينوي الخروج في غد أو بعد جمعة. (طحطاوي على المراقي ٤٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۲/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”میکہ میں قیام کے بارے میں عورت شوہر کے تابع ہے یا نہیں؟

سوال (۱۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بیوی ولادت کے بعد اپنے امی ابو کے گھر جائے تو کس کی مرضی سے وہاں رہے گی، جتنے دن شوہر اجازت دے اتنے دن، یا جتنے دن ماں باپ رہنے کا حکم دیں اتنے دن، اور اس اعتبار سے اس کی نمازوں کے قصر واتمام کا کیا مسئلہ ہوگا؟

مثال کے طور پر شوہر نے دس دن رہنے کی اجازت دی لیکن بیوی نے بیس دن رہنے کی نیت کی تو بیوی کی نیت کا اعتبار ہوگا، یا شوہر کے اجازت دینے کا اعتبار ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی پر اگرچہ اُصولاً جائز معاملات میں شوہر کی اطاعت لازم ہے؛ لیکن مسئولہ صورت میں قصر واتمام کے مسئلہ میں والدین کے گھر پہنچ جانے کے بعد بیوی کی نیت اِقامت کا اعتبار ہوگا، شوہر کے اجازت دینے کی مدت کا اعتبار نہیں ہوگا، پس اگر بیوی نے پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی نیت کی ہے تو وہ اتمام کرے گی اور اگر پندرہ دن سے کم اقامت کی نیت کی ہے تو قصر کرے گی۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لو كنت اٰمر أحدًا أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن يسجد لزوجها. (مشكاة المصابح، كتاب النكاح / باب عشرة النساء الخ ۲۸۱)

قال القاريؒ: أي لكثرة حقوقه عليها وعجزها عن القيام بشكرها، وفي هٰذا غاية المبالغة لوجوب إطاعة المرأة في حق زوجها. (مرقاة المفاتيح ۲۷۲/٦ أشرفية)

عن وكيع قال: سمعت سفيان يقول: إذا أجمع على مقام خمس عشرة أتم الصلاة حين يدخل، وإذا لم يدر حتى يخرج صلى ركعتين، وإن أقام حولاً وهو القول عنده. (المصنف لابن أبي شيبة ۳۸٤/٥ رقم: ۸۳۰٥، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/٤۹٥-٤۹٦ رقم: ۳۱۰۰ زكريا)

فكذا يثبت لها إذا وصلت إلى بلدة أو قرية فتصح نيتها الإقامة بها؛ لأنها حينئذ غير تبع له. (شامي ٦۱۷/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۲/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہل جدہ مکہ میں قصر کریں گے یا اِتمام؟

سوال (۱۰۶): - کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جدہ کی آبادی حی الامیر فواز کے نزدیک واقع پولیس چوکی سے آگے ڈھائی کلومیٹر تک پھیل چکی ہے، جدہ کی آبادی ختم ہونے کے بعد سے منیٰ کے راستہ عرفات تک کی مسافت ۸۱ رکلومیٹر اور ۶۰۰ رمیٹر بنتی ہے؛ لیکن اگر ''کدی'' اور ''عوالی'' کے راستہ سے عرفات کا سفر کیا جائے تو یہ مسافت صرف ۷۳ رکلومیٹر بنتی ہے، مکہ مکرمہ کی آبادی کا منیٰ کے راستہ سے عرفات سے اتصال تو بالکل مفقود ہے، البتہ دوسرے راستے یعنی عوالی سے ''**جمعية الأطفال المعوقين**'' تک آبادی کا تسلسل ہے، پھر ۳ رکلومیٹر ۴۰۰ رمیٹر کا علاقہ غیرآباد ہے، اس کے بعد جامعہ ''ام القریٰ'' کی وسیع عمارت شروع ہوجاتی ہے، جس کے فوراً بعد ہی حدودِ عرفات کی ابتداء ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اہل جدہ جب حج کے اِرادہ سے عرفات کو منزل سمجھ کر سفر کرتے ہیں تو ان لوگوں کی وہاں شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟ رہنمائی کی درخواست ہے، اور علت ووجہ کی تنقیح بھی فرمائیں؛ تاکہ جدہ میں رہنے والے طلبہ اور دینی مسائل سے متعلق ومرتبط حضرات کے لئے لوگوں کو سمجھنا آسان ہوجائے کہ اہل جدہ قصر کریں تو کس بنا پر یا اقامت کو اختیار کریں تو کس وجہ سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اہل جدہ کا ''کدی'' اور ''عوالی'' کے راستہ سے سیدھے عرفات جانے کا ارادہ ہو، تو حسبِ تحریر سوال چوں کہ صرف ۷۳ رکلومیٹر مسافت ہوتی ہے، اس لئے بلاشبہ اہل جدہ اس راستہ سے عرفات جانے کی صورت میں قصر نہیں کریں گے، اور اگر منیٰ کے راستہ سے عرفات جاتے ہیں اور یہ مسافت حسب تحریر سوال ۸۱ رکلومیٹر ۶۰۰ رمیٹر بنتی ہے تو بھی محتاط اور محقق قول کے مطابق مسافت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے قصر جائز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ محتاط قول کے اعتبار سے مسافت سفر ۸۲ رکلومیٹر ۲۹۶ رمیٹر بنتی ہے۔ (تفصیل دیکھئے: احسن الفتاویٰ

۹۱/۴، ایضاح المسائل ۷۰، کتاب المسائل ۵۱۲/۱)

بریں بنا مسئولہ صورت میں بہر صورت اہل جدہ کو سفر حج میں اتمام ہی کرنا چاہئے، یہی احوط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیمار اور معذور کی نماز:

کرسی پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور ایسا شخص کیسے نماز پڑھے گا؟

سوال (۱۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مساجد میں کچھ لوگ دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ کرسی پر نماز پڑھ رہے ہیں، اور بعض لوگوں کو دیکھا کہ فرض کرسی پر جماعت میں شامل ہوکر اَدا کئے اور مابقیہ نماز کھڑے ہوکر با قاعدہ رکوع وسجدہ کے ساتھ اور کبھی اِس کے برخلاف دیکھنے کو ملا کہ فرض کھڑے ہوکر با قاعدہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ جماعت کے ساتھ اَدا کئے اور مابقیہ نماز کرسی پر ادا کی۔ اور بعض لوگ صحیح وسلامت قسم کے ایسے بھی نظر آئے کہ فرض قیام رکوع سجدہ سے اَدا کیا اور سنن میں یا وتر میں ابتدائی رکعت قیام سے شروع کی اور پھر ایک کے بعد والی رکعتیں بیٹھ کر ادا کیں، اِس طرح کی صورتوں کے بارے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ:

(۱) وہ حضرات کہ جو قیام کے ساتھ نماز پڑھ سکیں ہیں تو کیا وہ زمین پر یا کرسی پر بیٹھ کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

(۲) وہ کیسا عذر ہے جب زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنا یا کرسی پر نماز پڑھنا صحیح ہے؟

(۳) فرض کرسی پر اَدا کرنا اور مابقیہ نماز کرسی یا زمین پر بیٹھ کر اَدا کرنا یا اِس کا اُلٹا کہ فرض کھڑے ہوکر با قاعدہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ اَدا کرنا اور مابقیہ نماز (سنن ووتر) زمین یا کرسی پر بیٹھ کر اَدا کرنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا نماز ہوجائے گی؟

(۴) کرسی یا زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کے لئے کتنا جھکنا ضروری

ہے؟ اور کرسی یا (زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا جو سجدہ پر قادر نہیں) اُس کے لئے سجدہ میں کتنا جھکنا ضروری ہے؟ یا یہ کہ رکوع اور سجدہ میں برابر جھکا جائے گا؟

(۵) اگر کسی کو عذر ہو؛ لیکن ایسا عذر نہیں کہ کرسی یا زمین پر بیٹھ کر ہی نماز پڑھنی پڑے، پھر بھی اُس نے نماز کرسی پر یا زمین پر بیٹھ کر اَدا کر لی، تو کیا اُس کی نماز ہو جائے گی؟

(۶) کرسی پر یا زمین پر بیٹھ کر اِشارہ سے نماز پڑھنے والے کے ہاتھ رکوع اور سجدہ میں گھٹنے پر رہیں گے یا رکوع میں گھٹنے پر اور سجدہ میں اُس کے علاوہ، کیا طریقہ ہے؟

(۷) یہ حضرات تکبیرِ تحریمہ کھڑے ہو کر کہیں یا بیٹھ کر؟

(۸) صحیح، سلامت لوگ اگر سنن، وتر، نوافل میں ابتدائی یا اس کے علاوہ رکعت کھڑے ہو کر اور بعض رکعت بیٹھے بیٹھے ادا کریں، بلا عذر یا تھکاوٹ وغیرہ عذر کی وجہ سے، تو کیا حکم ہے؟

اَز راہِ کرم مسائل میں شرعی رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جو شخص قیام پر قادر نہ ہو اُس سے قیام کا فریضہ ساقط ہے، اَب اگر وہ سجدہ کرنے پر قادر ہے تو زمین پر بیٹھ کر باقاعدہ سجدہ کر کے نماز پڑھے گا، اگر وہ سجدہ پر قادر نہیں ہے تو اِشارہ سے نماز پڑھے گا؛ تاہم اگر اُس کے لئے زمین پر بیٹھنا بھی شدید کلفت کا باعث ہو تو کرسی پر بیٹھ کر اِشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يصلي المريض قائمًا، فإن نالته مشقة صلى جالسًا، فإن نالته مشقة صلى نائمًا يؤمي برأسه الخ. (المعجم الأوسط للطبراني ۱۰۳/۳ رقم: ۳۹۹۷)

وإن عجز عن القيام وقدر على القعود فإنه يصلي المكتوبة قاعدًا بركوع وسجودٍ، ولا يجزيه غير ذٰلك ...... فإن عجز عن الركوع والسجود وقدر على القعود؛ فإنه يصلي قاعدًا بإيماءٍ ويجعل السجود أخفض من الركوع. (الفتاویٰ التاتارخانية ۶۶۷/۲ رقم: ۳۵۳۵، حلبي كبير ۲۶۲ لاهور، مجمع الأنهر ۲۲۸/۱)

مـن تـعذر عليه القيام لمرضٍ أو خاف زيادته ...... صلّى قاعدًا. (الدر المختار ٥٦٤/٢، الفتاویٰ التاتارخانية ٦٦٨/٢ رقم: ٣٥٣٦ زکریا)

(۳) فرض واجب اور سننِ موکدہ نماز میں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنے سے اَدا نہ ہوں گی اور بقیہ سنن ونوافل زمین پر بیٹھ کر اَدا کریں، تو درست ہو جائیں گی؛ لیکن بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے کی وجہ سے ثواب آدھا ملے گا اور بلا عذر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا بہر حال شدید مکروہ ہے۔

ومنها القيام وهو فرض في صلاة الفرض والوتر. (الفتاویٰ الهندية ٦٩/١)

ولا يجوز أن يوتر قاعدًا مع القدرة على القيام. (الفتاویٰ الهندية ١١١/١)

وسنة الفجر لا تجوز قاعدًا من غير عذر بإجماعهم كما هو رواية الحسن عن أبي حنيفة. (شامي ١٣٢/٢ زکریا، الفتاویٰ الهندية ١٠٧/١، الموسوعة الفقهية ١٠٦/٣٤)

مـن صـلـى قـائمًا فهو أفضل، ومن صلى قاعدًا فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائمًا فله نصف أجر القاعد. (حلبي كبير ٢٧٠)

(۴) کرسی پر بیٹھ کر اِشارہ سے نماز پڑھنے والے معذور شخص کے لئے رکوع میں معمولی جھکنا کافی ہے اور سجدہ میں رکوع سے کچھ زیادہ جھکا جائے گا۔

عـن جـابـر بـن عبـد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عاد مـريـضًـا فـرآه يـصـلـي على وسادة، فأخذها فرمى بها، وأخذ عودًا ليصلي عليه، فأخذه فرمى به، وقال: صلى على الأرض إن استطعت وإلا فأوم واجعل سجودك أخفض من ركوعك (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٢٠/٢ رقم: ٣٦٦٩)

وجعل السجود أخفض من الركوع. (مجمع الأنهر ٢٢٨/١، حلبي كبير ٢٦٢ لاهور)

(۵) جو شخص نماز میں قیام رکوع اور سجدہ پر قادر ہو اُس کے لئے زمین یا کرسی پر بیٹھ کر اِشارہ سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، اگر فرض یا واجب نماز میں پڑھے گا تو یہ نمازیں اَدا نہ ہوں گی۔

عـن عـمـران بـن حـصـيـن رضـي اللّٰه عنه قال: كانت بي بواسير، فسألت

رسـول الـلّٰـه صـلـى اللّٰه عليه وسلم عن الصلاة، فقال: صل قائمًا، فإن لم يستطع فقاعدًا، فإن لم يستطع فعلى جنب. (صحيح البخاري ١/ ١٥٠ رقم: ١١٠٦)

عـجز عن القيام أو خاف زيادة المرض بسببه صلى قاعدًا يركع ويسجد.

(مجمع الأنهر ١/ ٢٢٨ دار الكتب العلمية بيروت)

(٦) کرسی یا زمین پر بیٹھ کر اِشارہ سے نماز پڑھنے والے کے ہاتھ رکوع اور سجدہ میں گھٹنے پر ہی رکھے جائیں گے۔

تـعـذر الـركـوع أو الـسـجـود أومـأ برأسه؛ لأن نفس السجود أخفض من الركوع، فكذا الإيماء به. (مجمع الأنهر ١/ ٢٢٨)

(۷) جو شخص سجدہ پر قادر نہ ہو اُس کے لئے افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر تکبیرِ تحریمہ کہے؛ تاہم اگر کھڑے ہو کر تکبیرِ تحریمہ کہی اور بیٹھ کر اِشارہ سے نماز پڑھی تو یہ بھی درست ہے۔

وإن قـدر الـمـريض على القيام دون الركوع والسجود أي كان بحيث لو قـام لا يـقـدر أن يـركع ويسجد لم يلزمه القيام عندنا، ويجوز أن يومي قاعدًا وهو أفضل. (حلبي كبير ٢٦٦ لاهور، الجوهرة النيرة ١/ ١١٤، مجمع الأنهر ١/ ٢٢٩)

(۸) نوافل بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے، مگر بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں کھڑے ہونے کے مقابلہ میں نصف ثواب ملے گا؛ البتہ وتر و سنن مؤکدہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔

وصـح الـنـفـل قـاعدًا مع القدرة على القيام ...... لما روى أنه عليه السلام كان يصلي ركعتين قاعدًا بغير عذر. (مجمع الأنهر ١/ ٢٠٠)

ويتنفل قاعدًا مع القدرة على القيام ابتداءً وبناءً ...... وقد حكى فيه إجماع العلماء. (البحرالرائق ٢/ ٦٢)

ومـن صـلـى قائمًا فهو أفضل، ومن صلى قاعدًا فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائمًا فله نصف أجر القاعد. (حلبي كبير ٢٧ لاهور)

ولا يجوز أن يؤتر قاعدًا مع القدرة على القيام. (الفتاویٰ الهندية ۱۱/۱)

وسنة الفجر لا تجوز قاعدًا من غير عذر بإجماعهم كما هو رواية الحسن عن أبي حنيفة. (شامي ۱۳۲/۲ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱۰۷/۱، الموسوعة الفقهية ۱۰۶/۳٤ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۳/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے متعلق چند اَہم سوالات

سوال (۱۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے متعلق چند مسائل درپیش ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ موجودہ دور میں شہر اور علاقہ کی بہت ساری مساجد میں اَداءِ صلوۃ کے لئے کرسیاں آگئی ہیں اور بعض مساجد میں پہلی صف کے دائیں بائیں کئی کرسیاں رکھی ہوتی ہیں، جن پر بیٹھ کر مخصوص معذور اشخاص پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

اصلی معذورین کو اگر کرسیوں پر نماز ادا کرنے کا موقع مل جائے، تو اُس میں اُن کے لئے آسانی ہے، یہ بات جہاں صحیح ہے وہیں دوسری طرف معمولی عذر کی وجہ سے بعض لوگ دیکھا دیکھی کرسی پر نماز ادا کرنے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں، اِس کے علاوہ مسجد کے اندر متعدد کرسیاں آنے کی صورت میں ایک غیر پسندیدہ صورت نظر آتی ہے، کرسی بہت پہلے کی ایجاد ہے؛ لیکن پچھلے زمانے میں مساجد میں لوگ اِس طرح کرسی پر بیٹھے نماز پڑھتے ہوئے نظر نہیں آئے جس طرح آج کل دیکھے جاتے ہیں۔ اِس بنا پر دریافت طلب امر یہ ہے کہ مساجد میں مسجد کمیٹی کی جانب سے متعدد کرسیاں رکھنا یا معذورِ محض کی سہولت کے لئے ذاتی کرسی رکھنا شرعی نقطۂ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نماز ایک مہتم بالشان فرض عبادت ہے، جو عاجزی وانکساری کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، ایسی عبادت خصوصاً فرض نمازیں کرسی پر بیٹھ کر اَدا کرنا کیا خشوع وخضوع کے خلاف نہیں ہے؟

(۳) علاوہ ازیں جولوگ کرسی پرنماز پڑھتے ہیں،اُن میں بہت سارے مصلی قیام کی حالت میں صحت مند آدمی کی طرح کھڑے رہتے ہیں اور رکوع وسجدہ کی حالت میں کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں، یہ طریقہ کہاں تک صحیح ہے؟

(۴) جومعذورین مین پر پیر پھیلا کر یا چار زانو ہوکر بیٹھنے پر قادر ہوں اُن کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور اُن کی نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

(۵) مزید سوال یہ ہے کہ جومعذورین کرسی کے علاوہ نماز ادا کرنے پر قادر نہیں، اُن کے لئے جمعہ یا دیگر فرض نمازیں کیا مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے؟ ایسی حالت میں اُن کے لئے گھروں میں نماز ادا کرنا بہتر ہے یا کرسی کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنا؟

(٦) آخری سوال یہ ہے کہ کن حالات میں کرسی پر نماز ادا کرنے کا شرعی جواز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) معمولی عذر کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر شخص ایسا معذور ہوکہ زمین پر بیٹھ کر اِشارہ سے نماز پڑھنے میں اس کو شدید کلفت ہو، مثلاً بدن بہت بھاری ہو یا گھٹنے میں تکلیف ہو، تو وہ کرسی پر نماز پڑھ سکتا ہے، ایسے معذورین کے لئے مسجد کی کمیٹی کی طرف سے یا خود معذورین کی طرف سے مسجد میں کرسی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے معذورین بیچ صف میں کرسی نہ لگائیں؛ بلکہ دائیں بائیں کرسی رکھ کر نماز پڑھیں؛ تاکہ صفوں میں انقطاع نہ ہو۔

فإن لم يستطع الركوع والسجود قاعدًا أيضًا أومى برأسه، لهما إيماءً، وجعل السجود أخفض من الركوع. (حلبي كبير ۲٦۲ لاهور، مجمع الأنهر ۲۲۸/۱)

(۲) کرسی پر نماز پڑھنا یقیناً خشوع وخضوع کے خلاف ہے؛ لیکن جو واقعی معذور ہو اُس کے لئے گنجائش ہے۔

عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: كانت بي بواسير، فسألت

رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الصلاة، فقال: صل قائمًا، فإن لم يستطع فقاعدًا، فإن لم يستطع فعلى جنب. (صحيح البخاري ١٥٠/١ رقم: ١١٠٦)

فإن لم يستطع الركوع والسجود قاعدًا أيضًا أومى برأسه، لهما إيماءً، وجعل السجود أخفض من الركوع. (حلبي كبير ٢٦٢ لاهور، مجمع الأنهر ٢٢٨/١)

(۳) جو شخص سجدہ پر قادر نہ ہو اور زمین پر بیٹھنا بھی اُس کے لئے مشکل ہو، تو اُس کے لئے اِس بات کی گنجائش ہے کہ قیام کی حالت میں نماز شروع کرے اور رکوع اور سجدہ کے لئے کرسی پر بیٹھ کر اِشارہ کرے۔ اور بہت سے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے شخص سے قیام کی فرضیت ساقط ہے، اُس کے لئے اَفضل یہ ہے کہ وہ کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھے ہوئے رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔

وإن قدر المريض على القيام دون الركوع والسجود، أي كان بحيث لو قام لا يقدر أن يركع ويسجد، لم يلزمه القيام عندنا، يجوز أن يومي قاعدًا وهو أفضل. (حلبي كبير ٢٦٦ لاهور)

فإن قدر على القيام ولم يقدر على الركوع والسجود لم يلزمه القيام، ويصلي قاعدًا يؤمي إيماءً. (الجوهرة النيرة ١١٤/١، مجمع الأنهر ٢٢٩/١)

(۴) جو معذورین زمین پر پیر پھیلا کر یا چار زانوں ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر ہوں، اُن کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے، اگر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھیں گے تو اُن کی نماز خلافِ اَدب اور مکروہ ہوگی۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عاد مريضًا فرآه يصلي على وسادة، فأخذها فرمى بها، وأخذ عودًا ليصلي عليه، فأخذه فرمى به، وقال: صلى على الأرض إن استطعت وإلا فأوم واجعل سجودك أخفض من ركوعك (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٢٠/٢ رقم: ٣٦٦٩)

وإن تقدر الركوع والسجود أومأ برأسه قاعدًا أي إن قدر على القعود.

(حلبي كبير ٢٦٣ لاهور، مجمع الأنهر ٢٢٨/١)

(۵) جو شخص اپنے پیروں سے چل کر مسجد آ سکتا ہو، تو اگر چہ وہ کرسی پر نماز پڑھے، پھر بھی اُس کے لئے مسجد میں آ کر جماعت سے نماز پڑھنا بہتر ہے؛ کیوں کہ وہ سجدہ کرنے سے تو معذور ہے؛ لیکن جماعت میں شرکت سے معذور نہیں۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من يسمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التي صلى. (سنن أبي داؤد ٨١/١)

الثاني في الأعذار التي تبيح التخلف عن الجماعة، فمنها: المرض الذي يبيح التيمم ...... أو لا يستطيع المشي كالشيخ العاجز وغيره. (كبيري ٥٠٩)

(٦) جو شخص زمین پر کسی بھی حالت میں بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کے اِشارہ پر قادر نہ ہو اُس کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اُس کے علاوہ کے لئے نہیں۔

فإن لم يستطع الركوع والسجود قاعدًا أيضًا أومى برأسه، لهما إيماءً، وجعل السجود أخفض من الركوع. (حلبي كبير ٢٦٢ لاهور، مجمع الأنهر ٢٢٨/١ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۳/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے سامنے کرسی رکھنا؟

سوال (۱۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگوں کو دیکھا ہے وہ معذوری کی وجہ سے کرسی پر نماز پڑھتے ہیں، مگر سجدے کے لئے سامنے ایک کرسی رکھ لیتے ہیں اور کرسی پر سر رکھ کر (سجدہ) کرتے ہیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معذور آدمی اگر کرسی پر نماز پڑھتا ہے تو وہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے گا اور اُس کے لئے سامنے کرسی پر سر رکھ کر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس طریقۂ کار کا التزام صحیح نہیں ہے؛ تاہم سجدے کے بقدر جھک جانے کی وجہ سے اس کا سجدہ فی نفسہٖ ادا ہوجائے گا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۸۰)

فإن فعل وهو يخفض برأسه لسجوده أكثر من ركوعه صح على أنه إيماء لا سجود إلا أن يجد قوة الأرض (الدر المختار) **وفي الشامي: فحينئذ ينظر إن كان الموضوع مما يصح السجود عليه كحجر مثلا ولم يزد ارتفاعه على قدر لبنة أو لبنتين فهو سجود حقيقي فيكون راكعاً ساجدًا لا مؤميًا – إلى قوله – وإن لم يكن الموضوع كذلك يكون مؤميًا – إلى قوله – بل يظهر لي أنه لو كان قادرًا على وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلك؛ لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقةً، ولا يصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما.** (الدر المختار مع الشامي ۲/۵٦۹ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/۱۳٦، البحر الرائق ۲/۲۰۱ زكريا)

ولو كانت الوسادة على الأرض فسجد عليها جاز أيضًا؛ ولكن إن كان يجد قوة الأرض تكون صلاته بالركوع والسجود وإلا فهي بالإيماء أيضًا. (حلبي كبير ص: ۲٦۳، شامي ۲/۵٦۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مختل الحواس مریض کیسے نماز پڑھے؟

سوال (۱۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ شخص جس کو مرض کی وجہ سے ہوش نہ رہے، جس کی بنا پر مثلاً قرأت کے بعد رکوع کے بجائے

سجدہ میں چلا جاتا ہو، جب کہ ہر وقت نمازی ایک حال میں نہیں رہتا، تو ایسے شخص کی نماز کیسے اَدا ہوگی؟ کیا ایسے شخص کو نماز کے اندر تلقین کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص بیماری کی وجہ سے ایسی غفلت میں ہوجائے کہ اُسے نماز کی رکعت، رکوع اور سجود کی ترتیب یاد نہ رہے، تو اصلاً ایسے شخص پر نماز کی ادائیگی لازم ہی نہیں ہے؛ تاہم اگر وہ کسی دوسرے شخص کے تلقین کرنے سے نماز پڑھ لے تو اُمید ہے کہ اُس کی نماز درست ہوجائے گی؛ کیوں کہ جب وہ بیماری کی وجہ سے عین نماز ہی کی ادائیگی کا مکلّف نہیں رہا تو جو باتیں تندرست آدمی کے لئے موجبِ فساد ہیں، وہ بھی اُس کے حق میں مفسد نہ ہوں گی۔

کما أفاده العلامة الرافعي: ولو اشتبه علی مریض أعداد الرکعات والسجدات لنعاس یلحقه لا یلزمه الأداء، ولو أداها بتلقین غیره ینبغي أن یجزیه کذا في القنیة (الدر المختار) وفي الشامي: أي بأن وصل إلی حال لا یمکنه ضبط ذٰلک، ولیس المراد مجرد الشک والاشتباه؛ لأن ذلک یحصل للصحیح، قوله: ''ینبغي أن یجزیه'' قد یقال: إنه تعلیم وتعلم وهو مفسد، کما إذا قرأ من المصحف أو عمله إنسان القراءة وهو في الصلاة، قلت: وقد یقال: إنه لیس بتعلیم وتعلم؛ بل هو تذکیر أو إعلام فهو کالإعلام المبلغ بانتقالات الإمام فتأمل. (شامي ۲/ ۵۷۱ زکریا، ۲/ ۱۰۰ کراچی)

والأحسن ما أجاب به السندي بأن المرض لما أسقط الشرائط والأرکان أوجب أن یغتفر بسببه مثل هٰذا التعلم کما اغتفر ممن لا یقدر علی صلاة إلا بأصوات مثل ''أوه'' کما قدمناه عن التجنیس. (تقریرات الرافعي علی هامشیه بن عابدین ص: ۱۰۴، شامي ۲ زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

نمازوں کا فدیہ

سوال (۱۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری والدہ کا ۴/ راگست ۲۰۱۴ء کو انتقال ہوا، اُن کی ۶/ ماہ کی نمازیں قضا ہوگئیں، اُن کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا؛ لیکن سب کو پہچانتی تھیں، جب اُن سے نماز پڑھنے کے لئے کہا جاتا تو نماز نہیں پڑھتی تھیں، اور کہتی تھیں کہ میں ناپاک ہوں، اور وقت پر دوائی، کھانا وغیرہ مانگتی تھیں، وہ شوگر کی مریضہ تھیں، اُنہوں نے پچھلے سال کے ۲۰/ روزے اور امسال کے ۳۰/ روزے نہیں رکھے، کیا ورثہ پر نمازوں اور روزوں کا کفارہ دینا واجب ہے، اگر دینا ہے تو تفصیل سے حساب لگا کر جواب تحریر فرما دیں، اگر کفارہ نہ دیا جائے تو کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ والدہ مرحومہ اخیر تک اتنی ہوش میں رہیں کہ وہ اپنی ضروریات کے بارے میں گھر والوں سے تقاضا کرتی تھیں، اور اُنہیں پاکی ناپاکی کا بھی ہوش تھا، تو ایسی صورت میں اُن کو اپنے چھوٹے ہوئے روزوں اور نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنی چاہئے تھی، اگر وصیت کی ہے تو اُن کے متروکہ ایک تہائی مال میں سے اُس وصیت کا پورا کرنا اُن کے وارثین پر لازم ہے، اور اگر وصیت نہیں کی ہے پھر بھی وارثین اُن کی طرف سے حساب لگا کر فدیہ ادا کر دیں تو بہتر ہوگا۔ ہر دن کی ۶/ نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا اور ایک فدیہ کی مقدار تقریباً ۳۰/ روپئے ہے۔ اسی طرح ہر روزہ کے بدلے میں ایک فدیہ ادا کیا جائے گا اب خود حساب لگالیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۲۰، ایضاح المسائل ۱۰۰)

ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصية بقدر إدراكهم عدة من أيام آخر ...... وإن لم يوص وتبرع وليه به جاز إن شاء الله ...... وفدية كل صلاة ولو وترًا كصوم يوم على المذهب ...... وعن أبي يوسف لو أعطى نصف صاع من بر عن يوم واحدٍ لمساكين يجوز، قال الحسن: وبه ناخذ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب

الصوم / فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم ٢/ ٤٢٤–٤٢٧ كراچی، ٣/ ٤٠٦–٤١٠ زکریا)

إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة، فأوصىٰ بأن تعطى كفارة صلواته، يعطى لكل صلاة نصف صاع من برٍ، وللوتر نصف صاع، ولصوم يوم نصف صاعٍ من ثلث ماله. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٢٥، شامي ٢/ ٥٣٢ زكريا، طحطاوي على المراقي ٢٣٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۲/۲ھ

سنن ونوافل:

کیا سنتوں کے صحیح ہونے کے لئے اذان شرط ہے؟

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا فرضوں سے پہلے کی سنتوں کے لئے بھی اذان شرط ہے یا فرضوں سے پہلے کی سنتوں کے لئے وقت کا ہونا شرط ہے، مساجد میں جماعت کی نماز کے لئے اذان شرط ہے؟ کیا جماعت کے وقت سے پہلے مسجد پہنچنے والے سنتوں کے لئے اذان کا انتظار کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنتوں کی ادائیگی کے لئے اذان شرط نہیں ہے؛ بلکہ نماز کا وقت ہوجانا ہی کافی ہے، بس جو شخص وقت ہوجانے کے بعد اَذان سے پہلے مسجد پہنچے تو وہ وقتیہ سنتیں ادا کرسکتا ہے، اَذان کے انتظار کی ضرورت نہیں؛ تاہم اگر اذان کے بعد سنتیں پڑھے تو مزید فضیلت حاصل ہوگی؛ اِس لئے کہ حدیث میں اذان واِقامت کے درمیان نماز پڑھنے کی تاکید وارد ہے۔

عن عبد اللّٰه بن مغفل رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: بين كل أذانين صلاة لمن شاء. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء في الصلاة قبل المغرب ١/ ٤٥ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وفي الهامش: المراد بيان أن مع كل فريضة نفلا، وينبغي أن يصلي بينهما نافلة لشرف الوقت وكثرة الثواب. (حاشية سنن الترمذي ۱/۴۵)

اتفق الفقهاء على أن الأذان إنما شرع للصلاة المفروضة ولا يؤذن لصلاة غيرها كالجنازة والوتر والعيدين وغير ذٰلک؛ لأن الأذان للأعلام بدخول وقت الصلاة والمكتوبات هي المخصصة بأوقات معينة، والنوافل تابعة للفرائض، فجعل أذان الأصل أذانًا للتبع تقديرًا. (الموسوعة الفقهية ۲/۳۷۱ كويت)

ولا أذان ولا إقامة في السنن. (بدائع الصنائع ۱/۳۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پریشانی کی وجہ جاننے کے لئے استخارہ

سوال (۱۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص کسی وجہ سے پریشان اور غمگین ہوا ور جس وجہ سے پریشان اور غمگین ہو، اُس کو معلوم نہیں کہ یہ وجہ پریشانی اور غمگین ہونے کی ہے بھی یا نہیں؟ صرف دل میں ایک شک ہو کہ یہ وجہ پریشانی کی ہے، اور جب وجہ پریشانی کی معلوم نہیں ہے اور پریشان اور غمگین ہو تو اگر ایسی حالت کے اندر استخارہ کریں کہ جس وجہ سے غموں اور پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے، اصل وجہ وہی ہے یا نہیں ہے؟ تو اگر استخارہ میں پتہ چل جائے کہ جس وجہ سے آپ پریشان وغمگین ہے وہ وجہ بالکل نہیں ہے اور آپ پریشان وغمگین ہو سب ٹھیک ہے، تو کیا اس طرح استخارہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''استخارہ'' کے معنی اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کرنے کے آتے ہیں، پس اگر متعدد کام سامنے ہوں اور اُن میں سے ایک کے انتخاب کی ضرورت ہو تو استخارہ کیا جاتا ہے؛ تاکہ کسی ایک جانب رجحان ہو جائے؛ لیکن پریشانی کی وجہ جاننے کے لئے استخارہ

کرنے کا کہیں ثبوت نہیں ہے، ایسے موقع پر استخارہ کے بجائے اللہ تعالیٰ سے عافیت اور پریشانی سے نجات کی دعا مانگنی چاہئے۔

ومنها ركعتا الاستخارة عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها الخ. (الدر المختار مع الشامي ۲/ ٤٧٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدہ میں دعا مانگنا؟

سوال (۱۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ہم فرض نماز کے اندر سجدے میں کوئی بھی عربی کی دعا یا اردو میں دعا مانگ سکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو وہ دورانِ سجدہ عربی میں اَدعیہ ماثورہ پڑھ سکتا ہے؛ لیکن جماعت کی نماز میں یہ دعائیں نہ پڑھنا بہتر ہے۔ اور عربی زبان کے علاوہ کسی زبان میں نماز کے اندر دعا نہیں مانگی جاسکتی، اِس سے ہر طرح کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

وكذا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح (على المذهب) وما ورد محمول على النفل. (شامي، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱/ ٥٠٥ کراچی)

ينبغي أن يدعو في صلاته بدعاء محفوظ. (شامي / كتاب الصلاة ۱/ ٥٢٣ کراچی)

وإن كان إمامًا لا يزيد على وجه يمل القوم. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ٧٥)

قال على أنه إن ثبت في المكتوبة، فليكن حالة الإنفراد. (شامي ٤/ ٢١٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۱۰/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرائض کے بعد اذکار و وظائف مختصر ہوں یا طویل؟

سوال (۱۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن فرائض کے بعد سنن مؤکدہ ہیں، اُن کے بعد کچھ لوگ بیٹھ کر وظائف پڑھتے ہیں، تو اُن کے لئے کتنی دیر بیٹھے رہنا مسنون وجائز ہے؟ اور آج کل جو دعاؤں میں اور وظائف میں مشغول رہا جاتا ہے، اُس کی کیا حقیقت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَحادیثِ شریفہ میں فرض نمازوں کے بعد مختلف دعائیں اور اَذکار مذکور ہیں، اُن میں سے بعض مختصر ہیں اور بعض طویل ہیں، اور حسبِ موقع اور ضرورت اُن سب کو یا اُن میں سے بعض کو نمازوں کے بعد پڑھنے کی گنجائش ہے؛ تاہم فقہاء نے لکھا ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنن مؤکدہ ہیں، اُن میں طویل وظائف اور دعاؤں کا وقفہ نہیں ہونا چاہئے؛ اِس لئے اَولیٰ واَفضل یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد مختصر دعا کر کے سنن ادا کی جائیں اور بقیہ اَذکار سنتوں کے بعد پڑھے جائیں، اِس سے ہر طرح کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

ویکره تاخير السنة إلا بقدر اللّٰهم أنت السلام الخ. قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال، قال الحلبي: إن أريد بالكراهة التنزيهية ارتفع الخلاف، قلت: وفي حفظي حمله على القليلة، ويستحب أن يستغفر ثلاثًا ويقرأ آية الكرسي والمعوذات ويسبح ويحمد ويكبر ثلاثًا وثلاثين، ويهلل تمام المائة، ويدعو ويختم بسبحان ربك الخ. (شامي ۲/۲٤۷ زكريا)

أن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وآله وسلم كان يقول في دبر كل صلاةٍ مكتوبةٍ: ''لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد (صحيح البخاري ۱/۱۱۷)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سلّم قال: اللّٰهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام. (السنن الكبرىٰ للنسائي ۹۹/٦ رقم: ۱۰۱۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۷/۳/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قضا نمازوں میں اَذکارِ مسنونہ کا ترک کرنا؟

سوال (۱۱٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قضاء نمازوں کی ادائیگی اور اس کے طریقہ سے متعلق ایک تحریر پیش خدمت ہے، غور فرما کر ملاحظہ فرمائیں، اور اس تحریر کے بارے میں حضور والا کی رائے عالی سے نوازیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

’’دین اسلام کی ایک اہم ترین عبادات نماز ہے، حدیث شریف میں اسے دین کا ستون کہا گیا ہے، اس کی ادائیگی پر بہت سے انعامات کا وعدہ اور چھوڑ دینے یا قضا کر دینے (وقت گذر جانے کے بعد پڑھنا) پر بہت سخت وعیدیں ہیں۔

جب بچے یا بچیاں بالغ ہوجائیں تو ان پر نماز فرض ہوجاتی ہیں (بچیاں عموماً نو سال کے بعد اور بچے چودہ پندرہ سال میں بالغ ہوتے ہیں، اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت نہ پائے جائے تو پندرہ سال کی عمر ہونے پر بہرحال دونوں بالغ ہوجائیں گے) فرض کا ادا کرنا انتہائی ضروری ہے، ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں، کاہلی اور سستی کی وجہ سے جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں ان کو جلد از جلد ادا (پورا) کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

ہمارے علماء نے قضا نمازوں کے ادا کرنے کا بہت آسان طریقہ بتلایا ہے، اگر اس پر عمل کیا جائے تو بہت آسانی سے تمام قضا نمازیں پوری ہوسکتی ہیں، ایک دن کی بیس رکعتیں ہوتیں ہیں، سترہ رکعتیں فرض اور وتر کی تین رکعتیں واجب ہیں۔

قضا نمازوں کی ادائیگی سورج کے طلوع، زوال اور غروب کے وقت کے علاوہ ہر وقت کی

جاسکتی ہے، قضا نمازوں کے ادا کرنے میں اس بات کا اختیار ہے کہ چاہے تو صرف فجر کی تمام نماز کو پہلے ادا کرلے پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، عشاء اور وتر کی تمام نمازوں کو ادا کرے، یا روزانہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھتا رہے، یا دن میں کسی وقت فرصت نکال کر ایک ہی وقت میں دن کی تمام نمازیں (سترہ رکعت فرض، تین رکعت وتر کی) ایک ساتھ پڑھ لے۔

تنبیہ:- ایک بات ذہن نشیں کرلیجئے کہ زندگی مختصر ہے، موت آنے والی ہے، موت کے بعد کسی عمل کی گنجائش نہیں ہے؛ اس لئے قضا نمازوں کو پورا کرنے میں جلدی کیجئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت آجائے اور نمازیں آپ کے ذمہ میں باقی رہ جائے اور اس غفلت وسستی کی وجہ سے قبر کا عذاب اور جہنم کی آگ برداشت کرنا پڑے۔

قضا نمازیں ادا کرنے کا آسان طریقہ:

قضا نماز ادا کرنے کے لئے اس نماز کی نیت کرنا ضروری ہے، نیت اس طرح کرے کہ میری جو پہلی نماز فجر یا ظہر یا عصر یا مغرب یا عشاء یا وتر قضا ہوئی اس کو ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں، جس کی بہت ساری نمازیں قضا ہیں ان کو آسانی سے ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ فرض کی پہلی دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد مختصر سورتیں مثلاً: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ﴾ سے سورۂ ناس تک یا پھر تین چھوٹی آیتیں جیسے: ﴿سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ سے آخر تک پڑھے، اور تیسری چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین بار "سبحان اللہ" پڑھے اور تمام رکوع سجدوں میں صرف ایک ایک بار "**سبحان ربي العظيم**" اور "**سبحان ربي الأعلى**" پڑھ لے، یہ بھی کافی ہے، دوسرے قعدے میں تشہد (التحیات) کے بعد درود ابراہیم کے بجائے "**اللّٰهم صل على سيدنا محمد وآله**" کہہ لینا بھی کافی ہے، وتر کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور مختصر سورتیں پڑھنا ضروری ہے؛ البتہ دعا قنوت سے پہلے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں، صرف زبان سے اللہ اکبر کہہ لے اور دعا قنوت کے بجائے "**اللّٰهم اغفر لي**" پڑھ لینا کافی ہے۔

قضاعمری کے بارے میں چندہ اہم مسائل سمجھ لیجئے:

مسئلہ: ایک دن میں جتنی قضا نمازیں پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

مسئلہ: روزانہ کی نمازوں میں نوافل اور غیر موکدہ سنتوں (جیسے عصر، عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعت) کی جگہ یہی نمازیں ادا کریں، اسی طرح شب قدر، شب معراج، شب برأت، شب عاشوراء اور عیدین کی راتوں میں بھی قضا نمازیں ادا کریں، حج کے مبارک سفر میں بھی قضا نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ: جس کے ذمہ متعدد قضا نمازیں ہیں، اسے چاہئے کہ وہ چھپ کر قضا نماز ادا کرے یا اس طور پر کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ وہ قضا نماز پڑھ رہا ہے؛ اس لئے کہ نماز قضا کرنا گناہ ہے اور گناہ کا اعلان درست نہیں“۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہم رشتہ پرچہ میں قضا نماز پڑھنے کا جو آسان طریقہ لکھا گیا ہے، اگر کوئی شخص اس طریقہ پر نماز پڑھ لے تو نماز تو ادا ہو جائے گی؛ لیکن اس طرح جلد بازی میں بعض سنن و مستحبات کو مسلسل ترک کر کے نمازیں پڑھنے کی تلقین کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا؛ بلکہ عوام کو بہرحال سنت کے موافق ہی نماز پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے، دو چار منٹ بچانے کی خاطر انہیں خلاف سنت طریقے پر نماز پڑھنے کی ترغیب نہ دی جائے، اس سے ترک سنت کی عادت پڑنے کا خطرہ ہے۔

وسننها الخ رفع اليدين للتحريمة، في الخلاصة، ان اعتاد تركه أثم. (الدر المختار) وفي الشامي: والمختار ان اعتاده أثم لا إن كان أحيانًا وجزم به في الفيض، وكذا في المنية، قال شارحها: يأثم لا لنفس الترك، بل لأنه استخاف وعدم مبالاة بسنة واظب عليها النبي صلى الله عليه وسلم مدة عمره، وهذا مطرد في جميع السنن المؤكدة. (شامي / باب صفة لصلاة ۲/ ۱۷۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۱/ ۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تسبیحات کس ہاتھ پر پڑھی جائیں؟

سوال (۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تسبیحات یا اوروظائف کس ہاتھ پر پڑھنا مسنون ہے؟ جوابات مع دلائل مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اَورادووظائف کی گنتی کے لئے دائیں ہاتھ کا استعمال کرنا اَفضل ہے، اور بعض روایتوں میں مطلقاً انگلیوں پر گننے کی فضیلت وارد ہوئی ہے، اِس اعتبار سے اگر کوئی شخص گننے میں دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کو بھی شامل کرلے تو بظاہر اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعقد التسبيح، قال ابن قدامة بيمينه. (سنن أبي داؤد ۲۱۰/۱)

عن يسرة رضي اللّٰه عنها - وكانت من المهاجرات - قالت: قال لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عليكن بالتسبيح والتهليل والتقديس، وعقدن بالأنامل، فإنهن مسئولات مستنطقات ولا تغفلن الخ. (المستدرك للحاكم ۷۳۲/۱ رقم: ۲۰۰۷)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يحب التيمن في شأنه كله مما استطاع في طهوره وترجله وتنعله. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۹۴/۶-۱۳۰-۱۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۷/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اندھیرے میں نماز پڑھنا؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اندھیرے میں نماز پڑھنا درست ہے ایسا اندھیرا جس میں ہاتھ بھی نظر نہ آئیں اور اگر نماز پڑھتے وقت لائٹ چلی گئی اور ایسے ہی اندھیرے میں ایک یا دو رکعت پڑھ لی پھر سلام پھیر کر لائٹ جلائی تو نماز میں کوئی کمی تو نہیں رہی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبلہ کا رخ درست ہو تو اندھیرے میں نماز پڑھنا منع نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲۲/۱ میرٹھ، ۶۸۴/۶ ڈابھیل)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنها قالت: كنت أنام بين يدي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ورجلاي في قبلته، فإذا سجد غمزني فقبضت رجلي، فإذا قام بسطتها، قالت: والبيوت يومئذٍ ليس فيها مصابيح. (صحيح البخاري / باب التطوع خلف المرأة ۱۰۸/۱ رقم: ۵۰۷) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۲/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

جنائز اور تعزیت:

میت کے ورثہ کو تعزیت کتنے دن میں پیش کرنا چاہئے؟

سوال (۱۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کے انتقال پر اُس کے ورثہ کی خدمت میں تعزیت کتنے دنوں تک پیش کی جاسکتی ہے، اِسی طرح دوسرے مقام پر رہنے والا شخص ایک مدت کے بعد مرحوم کے مقام پر پہنچے، تو کیا وہ ورثہ سے مل کر اظہارِ تعزیت کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قریب رہتے ہوئے میت کے ورثہ کو تین دن تک تعزیت پیش کرنے کی اجازت ہے؛ البتہ دوسرے مقام پر رہنے والے شخص کے لئے تین دن کے

بعد بھی جب وہاں جائے تو میت کے گھر والوں سے اظہار تعزیت کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۵/۱۴۷، احسن الفتاویٰ ۴/۲۳۴)

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنہ قال: ما من مؤمن یعزي أخاہ بمصیبۃ، إلا کساہ اللّٰہ سبحانہ من حلل الکرامۃ یوم القیامۃ. (سنن ابن ماجۃ، أبواب ما جاء في الجنائز / باب ما جاء في ثواب من عزی مصابًا ۱۱۵ رقم: ۱۶۰۲، سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في أجر من عزّی مصابًا رقم: ۱۰۷۳)

ذھب جمھور الفقھاء إلیٰ أن الأفضل في التعزیۃ أن تکون بعد الدفن؛ لأن أھل المیت قبل الدفن مشغولون بتجھیزہٖ؛ ولأن وحشتھم بعد دفنہ لفراقہ أکثر، فکان ذٰلک الوقت أولیٰ بالتعزیۃ(الموسوعۃ الفقھیۃ / مادۃ تعزیۃ ۱۲/۲۸۸ کویت)

إلا إذا کان أحدھما (المعزی أو المعزي) غائبًا، فلم یحضر إلا بعد الثلاثۃ، فإنہ یعزیہ بعد الثلاثۃ. (الموسوعۃ الفقھیۃ / مادۃ تعزیۃ ۱۲/۲۸۸ کویت)

لا بأس بتعزیۃ أھلہ وترغیبھم في الصبر وباتخاذ طعام لھم وبالجلوس لھا في غیر مسجد ثلاثۃ أیام، وأولھا أفضل، وتکرہ بعدھا إلا لغائب. (رد المحتار ۳/۱۴۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۰/۵/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین دن کے بعد تعزیت؟

سوال (۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس گھر میں موت ہو جائے تو کیا اس گھر میں تین دن بعد نہیں جانا چاہئے، کیا ان کا کہنا درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پاس پڑوس کے رہنے والوں کے لئے کسی میت کی

وفات کے تین دن بعد تعزیت کی نیت سے جانے کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے؛ اس لئے کہ اس سے بلا وجہ غم تازہ ہوتا ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص بروقت حاضر نہ رہا ہو، اور تین دن بعد حاضر ہوکر تعزیت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن زرارة ابن أبي أوفیٰ رضي اللّٰه عنه قال: عزی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم رجلاً علی ولده، فقال: آجرک اللّٰه وأعظم لک الأجر. (مطالب أولی النهیٰ، کتاب الجنائز / فصل في أحکام المصاب ۹۲۸/۱ المکتب الإسلامي دمشق، أحکام میت ۱٦۲)

مدة التعزیة: جمهور الفقهاء علی أن مدة التعزیة ثلاثة أیام. واستدلوا لذٰلک بأن الشارع في الإحداد في الثلاث فقط، بقوله صلی اللّٰه علیه وسلم: لا یحل لامرأة تؤمن باللّٰه والیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاث، إلا علی زوج: أربعة أشهر وعشرًا. وتکره بعدها؛ لأن المقصود منها سکون قلب المصاب، والغالب سکونه بعد الثلاثة، فلا یجدد له الحزن بالتعزیة. إلا إذا کان أحدهما (المعزی أو المعزي) غائبًا، فلم یحضر إلا بعد الثلاثة، فإنه یعزیه بعد الثلاثة.

(الموسوعة الفقهیة / مادة تعزیة ۲۸۸/۱۲ کویت)

وحکی إمام الحرمین وجهًا، وهو قول بعض الحنابلة أنه لا أَمُدُّ للتعزیة؛ بل تبقیٰ بعد ثلاثة أیامٍ؛ لأن الغرض الدعاء، والحمل علی الصبر، والنهي عن الجزع، وذٰلک یحصل علی طول الزمان. (الموسوعة الفقهیة / مادة تعزیة ۲۸۸/۱۲ کویت)

ووقتها من حین یموت إلیٰ ثلاثة أیام ویکره بعدها إلا أن یکون المعزي أو المعزي علیه غائبًا فلا بأس بها. (الفتاوی الهندیة ۱٦۷/۱-۱٤۹ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

ولا بأس بنقله قبل دفنه ...... وبتعزیة أهله وترغیبهم في الصبر بإتخاذ طعام لهم وبالجلوس لها في غیر مسجد ثلاثة أیام، وأولها أفضل وتکره بعدها، إلا لغائب. (الدر المختار مع الشامي ۱٤۷/۳ زکریا)

ولابأس بتعزية أهل الميت الخ وأكثرهم على أن يعزي إلى ثلاثة أيام، ثم يترك لئلا يجدد الحزن، وروى ابن ماجة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما من مؤمن يعزي أخاه بمعصية إلا كساه اللّٰه من حلل الكرامة يوم القيامة.

(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق ۵۷۹/۱، الفقه الإسلامي وأدلته ٤٨٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے تین دن بعد جلسہ تعزیت کرنا؟

سوال (۱۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہ بات آپ کے علم میں بھی ہوگی کہ مختلف دینی اِدارہ جات تعلیمی درس گاہیں اور ملی اور اصلاحی تنظیمیں اپنے اجلاس کے موقعوں پر مرحوم بزرگ حضرات کے لئے تعزیتی قرارداد منظور کرتی ہیں، اِس موقع پر مرحوم کی علمی، دینی، ملی اور اصلاحی خدمات اور اُن کی صفات وحالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جب کہ اُن کے انتقال کو عرصہ بیت جاتا ہے، کیا ایسی تعزیتی قرارداد اور تعزیتی کلمات کا عمل غیر شرعی ہے؟ اِس سلسلہ میں شرعی احکامات کیا ہیں؟

تفصیلات کی ضرورت اِس لئے پیش آئی کہ ابھی حال ہی میں ایک شخصیت جو مسلمہ بزرگ ہیں انتقال ہوا، اُن کے تربیت یافتہ ایک عالم دین سے یہ خواہش کی گئی کہ ہم اپنے ادارہ میں ایک جلسہ تعزیت رکھنا چاہتے ہیں، تو موصوف نے فرمایا کہ تعزیت صرف تین دن ہی کی جاسکتی ہے، آپ اِس کا عنوان ''جلسہ تعزیت'' نہ رکھیں، کیا موصوف کا یہ اشکال صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ تعزیت شرعی تعزیت نہیں؛ بلکہ اِدارہ یا جماعت کی طرف سے اظہار تعلق اور اظہار ہمدردی کے لئے ہے، اور میت کے اعزہ کے لئے صبر وتسلی بھی فی الجملہ اِس سے ہو جاتی ہے، اِس لئے اگر جلسہ تعزیت شہرت اور رسم کے طور پر نہ کیا جائے؛ بلکہ میت

کے ایصالِ ثواب اور اُن کے گھر والوں کو صبر وتسلی کے لئے کیا جائے، تو شرعاً اِس کی گنجائش ہے، خواہ کئی روز بعد ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۴۶۹، ۲/ ۴۲۴)

وحكى إمام الحرمين وجهًا، وهو قول بعض الحنابلة أنه لا أمدّ للتعزية؛ بل تبقىٰ بعد ثلاثة أيامٍ؛ لأن الغرض الدعاء، والحمل على الصبر، والنهي عن الجزع، وذٰلك يحصل على طول الزمان. (الموسوعة الفقهية / مادة تعزية ١٢/ ٢٨٨ كويت)

ووقتها من حين يموت إلىٰ ثلاثة أيام ويكره بعدها إلا أن يكون المعزي أو المعزي عليه غائبًا فلا بأس بها. (الفتاوى الهندية ١/ ١٦٧-١٤٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعزیتی مجلس کے انعقاد کی کیا دلیل ہے؟

سوال (۱۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی کے انتقال پر جو تعزیتی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر متوفی شخصیت ایسی عظیم ہو کہ اُس کی وفات پر ہر خاص وعام کو تسلی دینے کی ضرورت ہو، تو ایسی شخصیت کی تعزیت کے لئے اجتماعِ مجلس منعقد کرنا، یہ بھی تعزیت اور اظہارِ تعلق کی ایک شکل ہے۔

عن عبد الرحمٰن بن القاسم عن أبيه رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يعزي المسلمين في مصائبهم. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الجنائز / باب التعزية ٣/ ٣٩٥ رقم: ٦٠٧١ بيروت، وكذا في الاستذكار لابن عبد البر / باب جامع الحسبة في المصيبة ٣/ ٧٩ رقم: ٥١٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه أنه مات له ابن، فكتب إليه رسول اللّٰه

صـلـى الـلّٰـه عـليه وسلم يعزيه عليه: بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم. من محمد رسول الـلّٰـه إلى معاذ بن جبل، سلام عليک، فإني أحمد اللّٰه إليک الذي لا إلٰه إلا هو. أما بعـد! فـأعـظـم اللّٰه لک الأجر، وألهمک الصبر، ورزقنا وإياک الشكر، فإن أنفسنا وأمـوالـنا وأهلينا وأولادنا من مواهب اللّٰه عزوجل الهنيئة، وعواريه المستودعة، متَّـعک به في غبطةٍ وسرورٍ، وقبضه منک بأجرٍ كبيرٍ، الصلاةُ والرحمةُ والهدىٰ إن احتسبتَـه فـاصبِـر، ولا يحبط جزعُک أجرَک فتندَمَ، واعلم أن الجزع لا يردّ شيئًا، ولا يـدفـع حـزنًـا، وما هو نازلٌ فكان قد. والسلام. (الـمستـدرك لـلـحاكم، كتاب معرفة الـصحابة / ذكر مناقب أحد الفقهاء الستة من الصحابة، معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه ۳۰٦/۳ رقم: ٥۱۹۳ دار الـكتـب الـعلمية بيروت، المعجم الكبير للطبراني / محمود بن لبيد الأنصاري ۳۲/۲۰ مكتبة الزهراء الموصل، وهٰكذا في مجمع الزوائد / باب التعزية ۳/۳ دار الريان للتراث القاهرة)

ولا بـأس بتـعـزية أهـلـه وتـرغيبهم من الصبر، وفي الشامي: أي تصبيرهم والدعاء لهم به. (الدر المختار مع الشامي ۱٤۷/۳)

ونـقـل الـطحاوي عن شرح السيد: أنه لا بأس بالجلوس لها ثلاثة أيامٍ من غير ارتكاب محظورٍ. (الموسوعة الفقهية / مادة تعزية ۲۸۹/۱۲ كويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعزیت کے لئے فرش بچھانا؟

سوال (۱۲۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تعزیت کتنے دن تک کرنی چاہئے؟ اب جس طرح میت والے دن فرش بچھایا جاتا ہے، اِسی طرح پانچ دن تک تقریباً انتظام ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں تعزیت کی مدت تین دن ہے، تین دن

بعد قریب رہنے والے لوگوں کا باقاعدہ تعزیت کرنا ثابت نہیں ہے، اور اس کے لئے فرش وغیرہ بچھانے کا انتظام بھی محض رسم ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص سفر میں ہو یا اس کو علم نہ ہوسکا، تو بعد میں بھی تعزیت کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴؍۱۲۷)

وفي الدر المختار: لا بأس بالجلوس للتعزية في غير مسجدٍ ثلاثة أيامٍ.

قال ابن عابدين: استعمال لا بأس هنا على حقيقته؛ فإنه خلاف الأولىٰ. صرح به في شرح المنية ...... وهٰذا إذا لم يكن الجلوس مع ارتكاب محظورٍ من فرش البسط وإتخاذ الأطعمة من أهل الميت، وإلا كانت بدعة مستقبحةٌ، كما في مراقي الفلاح وحواشيه. ونقل في النهر عن التجنيس: أنه لا بأس بالجلوس لها ثلاثةَ أيامٍ، وكونه على باب الدار مع فرش بسطٍ على قوارع الطريق من أقبح القبائح. (الموسوعة الفقهية / مادة جنائز ١٦/٤٣ كويت)

وقتها من حين يموت إلى ثلاثة أيام، ويكره بعدها إلا أن يكون المعزي أو المعزي إليه غائبًا فلا بأس بها. (الفتاویٰ الهندية ١٦٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲؍۴؍۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مدینہ میں وفات پانے والا شہید ہے؟

سوال (۱۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مدینہ میں کسی مرد یا عورت کا انتقال ہوجائے تو کیا وہ شہد مرا؟ کیا اسے شہیدی کا درجہ ملا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض مدینہ میں انتقال کی وجہ سے کوئی شخص شہید نہیں کہلائے گا، البتہ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے کہ اسے

آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ضرور نصیب ہوگی، نیز پیغمبر علیہ السلام نے جنت البقیع میں مدفون ہونے والوں کے لئے مغفرت کی دعا بھی فرمائی ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بها، فإني أشفع لمن يموت بها. (سنن الترمذي ۲۲۹/۲، سنن ابن ماجة ص: ۲۲۵، ابن حبان ۲۱/۶ بيروت)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج من أخرىٰ الليل إلى البقيع فيقول: السلام عليكم دارقوم مومنين واتاكم ما توعدون غدا مؤجلين وأنا إن شاء اللّٰه بكم لاحقون، اللّٰهم اغفر لأهل بقيع الغرقد. (صحيح مسلم ۳۱۳۹/۱، السنن الكبرىٰ للبيقي ۷۹/٤ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۲/۵ ۱۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ صدقات:

دورِ نبوت میں مالی فراہمی کا طریقہ

سوال (۱۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف کرام رحمہم اللہ کا چندہ فراہم کرنے کا کیا طریقہ تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں چندہ کا طریقہ یہی تھا کہ لوگوں سے اجتماعی یا انفرادی طور پر تعاون کی اپیل کی جاتی تھی اور لوگ اپنی مرضی سے کبھی نقدی ادا کرتے تھے اور کبھی سامان کی شکل میں تعاون کرتے تھے، جب کہ اسلامی

حکومت میں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نمائندے علاقوں میں جاجا کر وصولی کیا کرتے تھے، اس کی تفصیلات کتب فقہ وحدیث میں موجود ہیں۔

كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا جاءه السائل أو طلبت إليه حاجة، قال: اشفعوا توجروا ويقضي اللّٰه على لسان نبيّهٖ ما شاء. (صحيح البخاري ۱۹۲/۱)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: أصيب رجل في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في ثمار ابتاعها فكثر دينه، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تصدقوا عليه، فتصدق الناس عليه، فلم يبلغ ذٰلك وفاء دينه، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لغرمائهٖ: خذوا ما وجدتم وليس لكم إلا ذٰلك.

(سنن الترمذي، أبواب الزكاة / باب من تحل له الصدقة من الغارمين وغيرهم ۱٤۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۰/۱۱/۱۴۱۱ھ

دینِ قوی پر زکوٰۃ؟

سوال (۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس یکم رمضان کو ۱۰/ ہزار روپئے نقد تھے اور ۵۰/ ہزار دوسروں کے ذمہ قرض تھے، زید پر اِسی حال میں سال گذر گیا، اس سال بھی یہی صورتِ حال رہی، کیا زید پر اس شکل میں زکوٰۃ فرض ہے؟ صاحبِ نصاب بننے کے لئے کیا دوسروں پر جو قرض ہے وہ شامل کیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ۱۰/ ہزار روپیہ نقد کے ساتھ ۵۰/ ہزار روپیہ دوسروں کے ذمہ جو قرض تھے، اسے ملاکر زید صاحبِ نصاب شمار ہوگا، بشرطیکہ دوسرے پر جو قرض ہے وہ دینِ قوی ہو، مگر زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب قرض کا روپیہ وصول ہو جائے۔

فحكمه عند أبي حنيفة أن يكون نصابًا قبل القبض، وتجب فيه الزكاة،

ولكن لا يجب فيه الأداء ما لم يقبض منه أربعين درهمًا. (المحيط البرهاني ٢٤٤/٣)

وتجب الزكاة في الدين مع عدم القبض، وتجب في المدفون في البيت فثبت أن الزكاة وظيفه الملك، والملك موجود، فتجب الزكاة فيه إلا أنه لا يخاطب بالأداء للحال لعجزه عن الأداء لبعده عنه، وهٰذا لا ينفي الوجوب كما في ابن السبيل. (بدائع الصنائع ۸۸/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈپازٹ کی رقم پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنا مکان خالد کو رہنے کے لئے دیا، نہ خرید وفروخت ہوئی نہ کرایہ طے ہوا اور نہ سال طے ہوئے، زید نے خالد سے پانچ لاکھ روپئے لئے اور خالد نے خوشی سے دے دیئے، بس یہ طے ہوا کہ جب خالد مکان واپس کرے گا اس وقت اپنے پانچ لاکھ روپئے واپس لے لے گا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان پانچ لاکھ روپئے کی زکوٰۃ زید کے ذمہ واجب ہے یا خالد کے ذمہ واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس شکل میں پانچ لاکھ روپئے ڈپوزٹ کی رقم کے درجہ میں ہے اور ڈپازٹ کی رقم بدل رہن کی طرح ہے، اس روپئے پر زکوٰۃ طالب ومطلوب میں سے کسی پر لازم نہیں ہوتی ہے، مالک پر اس لئے واجب نہیں ہے کہ ملک تام اس کو حاصل نہیں؛ کیوں کہ ملک تام کے لئے ملکیت اور قبضہ دونوں لازم ہے اور یہاں صرف ملکیت ہے قبضہ نہیں؛ اس لئے زید پر اس روپیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، اور خالد پر اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں کہ یہ رقم خالد کی ملکیت نہیں صرف قبضہ ہے۔

ولو كانت سائمة رهنًا عند رجل بألف وللراهن مائة ألف، فحال عليه الحول على الرهن في يد المرتهن كان على الراهن زكاة ما كان عنده من المال

الألف التي هي دين عليه، ولا زكاة عليه في غنم الرهن؛ لأنها كانت مضمونة بالدين. (الفتاوى التاتارخانية ۳/ ٤٥١ زكريا)

ولا في مرهون بعد قبضه أي لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد. (شامي ۳/ ۱۸۰ زكريا)

أن يكون مملوكًا له رقبة ويدا. (بدائع الصنائع ٤/ ۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱۱/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پلاٹنگ کا کاروبار کرنے والے زکوٰۃ کا حساب کیسے لگائیں؟

سوال (۱۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) زید زمین کا کاروبار کرتا ہے، کبھی پلاٹ فروخت کرتا ہے اور کبھی عمارت بنا کر مع عمارت کے پلاٹ فروخت کرتا ہے، پلاٹ فروخت کرنے کے بعد پلاٹ ہی لیتا ہے کبھی نہیں اور کبھی پلاٹ پر سال تمام ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا ہے، پلاٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو رأس المال موجودہ قیمت اور منافع تینوں پر زکوٰۃ ہے یا ایک پر زکوٰۃ ادا کرنے کی آسان شکل کیا ہے؟

(۲) زید پلاٹ فروخت کرتا ہے قسطوں پر اَب کئی کئی سالوں میں پوری رقم آتی ہے اور لوگ وعدے کے مطابق قسطیں ادا کرتے ہیں، تو زکوٰۃ تمام مال پر ہوگی یا صرف حوالہ کی ہوئی رقم پر؟ مدلل ومفصل مذکورہ مسئلوں کی وضاحت تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کے لئے حکم یہ ہے کہ آپ جس قمری تاریخ کو زکوٰۃ کا حساب جوڑتے ہیں، اس دن آپ کی ملکیت میں جو روپیہ پیسہ ہو یا پلاٹ جس حالت میں ہو اُس کی موجودہ قیمت لگا کر زکوٰۃ کا حساب بنا لیا جائے اور ڈھائی فیصدی کے حساب سے زکوٰۃ دے دی جائے، اس میں سے ہر روپئے یا ہر پلاٹ پر سال گذرنا کوئی شرط نہیں؛ بلکہ اگر

درمیان سال میں مال میں کمی بیشی ہوتی رہے تو اس سے زکوٰۃ کے حساب پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور جب پلاٹوں کی موجودہ قیمت جوڑی جائے گی تو منافع خود اُس میں شامل ہوجائیں گے۔

وشرط افتراض أدائها حولان الحول، وهو في ملكه. (الدر المختار ۱۸٦/۳ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱۷٥/۱)

ولكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وآخره لا في خلاله، حتى لو انتقص النصاب في أثناء الحول ثم كمل في آخره تجب الزكاة. (بدائع الصنائع ۹۹/۲، الفتاویٰ الهندية ۱۷٥/۱)

وأما المستفاد في أثناء الحول فيضم إلى مجانسه ويزكى بتمام الحول الأصلي. (مراقي الفلاح ۳۸۹، الفتاویٰ الهندية ۱۷٥/۱)

العبرة في الزكاة للحول القمري كذا في القنية. (الفتاویٰ الهندية ۱۷٥/۱)

(۲) آپ کے پاس قسطوں کے ذریعہ بعد میں آنے والی ہے وہ دین قوی کے درجہ میں ہے، جس کا شرعی حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ کا حساب لگاتے وقت اگر وہ قرض وصول نہ ہو تو سردست اُس کی ادائیگی واجب نہ ہوگی؛ لیکن جب بھی وہ رقم ملے گی تو سابقہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اور اگر چاہیں تو ملنے سے پہلے بھی حساب لگا کر اُس کی زکوٰۃ ادا کرسکتے ہیں۔

فتجب زكاتها إذا تم نصابًا وحال الحول لكن لا فورًا؛ بل عند قبض أربعين درهمًا من الدين القوي كقرض. (الدر المختار ۲۳٦/۳ زکریا)

فما وجب بدلاً عما هو مال التجارة، فحكمه عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه أن يكون نصابًا قبل القبض تجب فيه الزكاة، ولكن لا يجب الأداء ما لم يقبض منه أربعين درهمًا، وفي الخانية: ويعتد بما مضى من الحول قبل القبض في الصحيح من الرواية. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳٤٥/۳-۲٤٦ رقم: ٤۲٥٦-٤۲٥٦ زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

اگلے سال کی پیشگی زکوٰۃ

سوال (۱۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے ذمہ پانچ ہزار روپئے کی رقم زکوٰۃ میں واجب ہوئی تھی، چھ ہزار روپئے نکال دی، زید یہ چاہتا ہے کہ ایک ہزار روپئے جو فاضل چلے گئے اُن میں دس فطرہ واجب ہیں، اُن کی نیت کرلوں باقی جو رقم بچے گی اس کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں جوڑلوں گا، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچ ہزار کے بجائے چھ ہزار روپئے جو دے دیا گیا ہے اور اُن میں جو ایک ہزار زائد چلا گیا ہے، ان میں صدقۂ فطر کی نیت کرنا اور بقیہ کو اگلی سال کی زکوٰۃ میں جوڑ دینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ جس وقت اگلے سال کی زکوٰۃ میں جوڑنے کی نیت کی جارہی ہے اس وقت وہ روپیہ فقیر کے پاس موجود ہوا اور خرچ نہ ہوا ہو۔

ولو كان عند رجل أربع مائة درهم، وظن أن عنده خمس مائة درهم، فأدى زكاة خمس مائة، ثم ظهر أن عنده أربع مائة فله أن يحتسب الزيادة للسنة الثانية؛ لأنه أمكن أن يجعل الزيادة تعجيلاً. (الفتاوى التاتارخانية ۳/۰۳ ٤ زكريا)

ولو أمر بأصحاب الصدقات، فأخذ ومنه مما عليه ظنا منهم أن ذلك عليه لما أن ماله أكثر يحتسب الزيادة للسنة الثانية. (المحيط البرهاني ٦/۳ ٤٤ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کا مال الگ کرکے سال بھر خرچ کرتے رہنا

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکاۃ نکال کر الگ رکھ لیتا ہے اور وقت وقت پر نکال کر خرچ کرتا رہتا ہے پورے سال پھر اسی طرح دوسرے سال کرتا ہے تو ایسا کرنے میں کوئی گناہ تو نہیں ہے اس

کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیک وقت ساری زکوٰۃ نکالنا ضروری نہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا حساب لگا کر سال بھر حسبِ ضرورت ومصلحت مصارف پر خرچ کرتا رہے، تو شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ البتہ اس کی کوشش کی جائے کہ سال کے اندر اندر پوری زکوٰۃ ادا ہو جائے، پہلے سال کی زکوٰۃ کی رقم اگلے سال تک باقی نہ رکھی جائے۔

وقال الحنفية: إن عزل الزكاة عن ماله ونوى عند العزل أنها زكاة كفى ذلك (الموسوعة الفقهية ۲۹۳/۲۳ کويت)

وأما شرط أدائها فنية مقارنة للأداء أوالعزل ما وجب. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۰/۱ زکريا، البحر الرائق ۳۶۸/۲ زکريا)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل. (شامي ۱۸۹/۳ زکريا)

وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتاخيره من غير عذر. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۰/۱ زکريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۵/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معطی کا متعین طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دینا؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل مدارس میں حافظ یا عالم بنانے کے لئے زکوٰۃ کی رقم سے کسی مخصوص طالبِ علم کا مکمل صرفہ برداشت کیا جاتا ہے، کیا اہلِ مدارس کو اِس طرح مخصوص طالبِ علم کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

اگر مذکورہ طالب علم درمیان سال میں کسی وجہ سے اُس مدرسہ سے چلا جائے تو اُس رقم کو

دوسرے طالب علم پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس وقت صرفہ برداشت کرنے والے کی اجازت ضروری ہے یا شروع ہی سے اجازت لے لی جائے اور بھی کوئی بہتر صورت ہو تو بیان فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعین طور پر کسی مخصوص مستحق طالبِ علم کے لئے نامزد کر کے زکوٰۃ وصول کرنے کی گنجائش ہے، ایسی صورت میں مدرسہ والے معطی کے وکیل قرار پائیں گے، اور وہ رقم جب تک طالب علم کے قبضہ میں نہ دے دی جائے یا اُس پر خرچ نہ کر دی جائے اُس وقت تک وہ طالب علم اُس کا مالک نہ سمجھا جائے گا۔

اگر مذکورہ طالبِ علم دورانِ سال مدرسہ سے چلا جائے، تو یہ رقم معطی کی اجازت سے دوسرے طلبہ پر خرچ کرنا درست ہے، اور یہ اجازت شروع میں ہی صراحۃً لے لی جائے، تو بہتر ہے۔

سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلی الآخر مالاً، فقال له: هٰذا زکاة مالي فادفعها إلیٰ فلان، فدفعها الوکیل إلی آخر، هل یضمن؟ قال: نعم! وله التعیین.

(الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۲۸/۳ رقم: ۴۲۰۲ زکریا، البحر الرائق ۳۷۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امداد کی نیت سے دی گئی رقم میں بعد میں زکوٰۃ کی نیت کرنا

سوال (۱۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے شروع رمضان میں ایک مدرسہ کے ذمہ دار کو ایک ہزار روپئے امداد کے نام سے دئے، بعد میں زید اُن ہزار روپئے میں زکوٰۃ کی نیت کرتا ہے، کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور وہ روپیہ زکوٰۃ میں شمار ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امداد کی نیت سے دی گئی رقم مدرسہ کے ذمہ دار کے

پاس ابھی موجود ہے تو زید کے لئے اس پیسہ میں زکوٰۃ کی نیت کرنا درست ہے، اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ اور اگر ذمہ دار نے اس پیسہ کو خرچ کردیا ہے، اس کے بعد زید زکوٰۃ کی نیت کرتا ہے، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(وشرط صحة أدائها مقارنة له) أي للأداء ولو كانت المقارنة (حكمًا) كما لو دفع بلانية ثم نوى والمال قائم في يد الفقير. (الدر المختار ۱۸۷/۳)

إذا دفع المزكي المال إلى الفقير ولم ينو شيئًا، ثم حضرته النية عن الزكاة ينظر إن كان المال قائمًا في يد الفقير صار عن الزكاة وإن تلف لا. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۹۷/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقروض کو قرض کی ادائیگی کا وکیل بنانا

سوال (۱۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرس نے ایک صاحب سے دوہزار روپئے قرض لئے، رمضان میں جب وہ مدرس اُن صاحب کے پاس مدرسہ کی رسید بنانے کے لئے گئے، تو اُن صاحب نے کہا کہ آپ کے پاس جو میرے دوہزار روپئے قرض ہیں اُن کی رسید بنادو، جب آپ کے پاس ہوں گے مدرسہ کو دے دینا، کیا اِس طرح اُن صاحب کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور اُن مدرس کا وہ روپئے اپنے پاس سے مدرسہ کو دے کر قرض سے بھی بری ہوجائیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس صاحب سے مدرس نے دوہزار روپئے قرض لئے ہیں، رمضان میں چندہ کی رسید کٹواتے وقت اُن صاحبِ خیر کی طرف سے قرض لینے والے مدرس کو اس طرح وکیل بنانا جائز اور درست ہے کہ مقروض قرض کے پیسہ کو صاحبِ خیر کی طرف سے بطور زکوٰۃ ادا کردے، ایسی صورت میں مقروض کا قرض بھی ادا ہوجائے گا اور صاحبِ خیر کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی۔

قال: أد زكاة مالي من العشرة التي لي عليك تصح الوكالة بالإجماع، هكذا ذكر شمس الأئمة السرخسي. (الفتاوى التاتارخانية ١٤/٣٦٤ زكريا)

ولو أمره أي أمر رجل مديونه بالتصدق بما عليه صح. (الدر المختار ٤/٨ ٤٥ زكريا)

رجل له على رجل دين فتصدق به على آخر عن زكاة ماله، وأمره بقبضه فقبضه أجزأه؛ لأنه في القبض وكيله، فتعين المقبوض ملكًا لصاحب المال.

(كتاب المبسوط ١٤/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَدائیگی کے بغیر واجب کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا؟

سوال (۱۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید پر کئی ہزار روپئے نذور کے اور کئی زکوٰۃ اور قربانی کے جانور کی قیمت کے تصدق وغیرہ کی ادائیگی باقی ہے؛ لیکن زید چوں کہ غریب ہے، فی الحال اُس کے پاس اتنا مال نہیں ہے جس سے وہ اِن واجبات کی ادائیگی کر سکے۔ تو وہ یہ حیلہ کرتا ہے کہ کچھ رقم عمر کو جو مستحق ہے دے دیتا ہے، اور دینے کے بعد یہ کہتا ہے کہ تم للہ یہ رقم مجھے ہبہ کر دو، عمر وہ رقم زید کو بہ طیب خاطر ہبہ کر دیتا ہے، زید نے پھر وہ رقم عمر کو دی اور یہی کہا، عمر نے پھر واپس ہبہ کر دی، اِس طرح کئی بار کیا، شدہ شدہ اِس حیلہ سے اُس پر واجب الادا رقم کی ادائیگی ہوگئی؟ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اِس حیلہ سے اُس پر واجب الاداء رقم ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) زید نے اِسی طرح کا حیلہ کیا؛ لیکن اِس بار اُس نے عمرو سے کہا کہ للہ تم یہ رقم خالد کو دے دو اور خالد کو بھی یہی کہا، اِس طرح کئی بار کیا، اِس طرح کرنے سے اُس پر واجب الادا رقم ادا ہو جائے گی؟

(۳) زید کو ایسا حیلہ کرنا کیسا ہے جائز بلا کراہت یا مع الکراہۃ؟ اگر کراہت ہے، تو تحریمی یا تنزیہی؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا حیلہ کرنا جس سے ادائیگی کے بغیر واجب ساقط ہوجائے، سخت ترین مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا سوال میں مذکورہ حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ دیانات یعنی فیما بینہ وبین اللہ معاملات میں حیلے مفید حل واقعی نہیں ہیں۔ (دیکھئے: امداد الفتاویٰ ۱/۳۲۲)

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان. (عمدة القاري ۱۰۹/۲٤ بيروت)

وإنما يكره ذلک أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموه أو في حق يدخل فيه شبهة، فما كان على ذلک السبيل فهو مكروه. (المبسوط للسرخسي ۲۱۰/۳۰ بيروت، وكذا في الفتاوىٰ الهندية ۳۹۰/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سونا پرکھنے کی مشین میں باقی ماندہ معمولی ذرات کس کی ملک ہیں؟

سوال (۱۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سنار سونا تولنے کے لئے ترازو رکھتے ہیں جو بجلی سے چلتا ہے، اِسی طرح سونا پرکھنے کی مشین بھی رکھتے ہیں، پرکھنے اور وزن کرنے کی اُجرت لے کر مختلف لوگوں کے سونے کو پرکھتے اور تولتے ہیں، ترازو میں تو کم؛ البتہ پرکھنے کی مشین میں کچھ مقدار سونا رہ جاتا ہے، جو اتنا قلیل ہوتا ہے کہ سونے کا مالک نظر انداز کردیتا ہے؛ لیکن صبح سے شام تک یا کئی دنوں تک یہ عمل برابر جاری رکھنے کے بعد پرکھنے کی مشین سے خاصی مقدار میں ذرات یکجا کرلئے جاتے ہیں، مالک مشین جب اُجرت لے چکا ہے اور سونے کا مالک قصداً اس مقدار کو نظر انداز کرچکا ہے، تو اَب یہ سونا کس کی ملکیت مانا جائے گا؟ کیا مشین کے مالک کے لئے اُس کا لینا حلال ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرکھنے کی مشین میں جو معمولی ذرات رہ جاتے ہیں وہ

ذرات مشین کے مالک کے لئے حلال ہیں؛ اِس لئے کہ عرفاً اور دلالۃً مالکین کی طرف سے اُن کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا، نیز اُس کا حساب رکھنا بھی بہت دشوار ہے۔

وفيها سأل رجل عطاء رحمه اللّٰه تعالىٰ عمن بات في المسجد فاستيقظ وفي يديه صرة دنانير، قال: إن الذي صرها في يدك لا يريد إلا أن يجعلها لك.

وفي البحر: وجد في البادية بعيرًا مذبوحًا قريب الماء لا بأس بالأكل منه إن وقع في قلبه أن مالكه أباحه. (شامي، كتاب اللقطة / مطلب من وجد دراهم في الجدار أو استيقظ وفي يديه صرة ٦/٤٤٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲۹/ ۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سناروں کے درمیان رائج بعض معاملات کا شرعی حکم؟

سوال (۱۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِس وقت سونے کے تاجروں میں درج ذیل معاملوں کا بہت رواج ہورہا ہے، آپ وضاحت فرمائیں کہ شرعاً یہ معاملات درست ہیں یا نہیں؟

(۱) ایک سنار کئی لوگوں کے پاس سے سونا حاصل کر لیتا ہے اور اُس کے زیورات بنا کر سونے کے بدلے ہی فروخت کرتا ہے، مثلاً پچاس اَنگوٹھیاں بنائی جاتی ہیں، جن کا وزن سو گرام ہوتا ہے اور یہ انگوٹھی دوکان داروں کو ایک ۱۱۰ گرام سونے کے بدلے فروخت کردی جاتی ہے، سو گرام پر دس گرام قصداً زیادہ سونا اس عرف اور رواج کی وجہ سے لیا دیا جاتا ہے کہ زیورات بنانے میں عادۃ اتنا ضرور ضائع ہوجاتا ہے، انگوٹھی بنانے والے کو الگ سے کوئی مزدوری وغیرہ نہیں ملتی، جو دس گرام زیادہ مل گیا اُسی میں اُس کا سب کچھ ہے۔

(۲) زیورات بنانے والے کاریگر کئی لوگوں سے ایک سال کے لئے سو سو گرام سونا یہ کہہ کر لیتے ہیں کہ اس پر سالانہ جتنا نفع ملے گا اُس میں سے ہم تم کو دس گرام پر ایک گرام اضافہ کرکے سونا

دیں گے، یا جتنا سونا زائد ملے گا اُس میں سے ہم دوکان اور مزدوری وغیرہ کے اخراجات وضع کرکے نصفا نصفی یا تہائی یا چوتھائی تقسیم کرلیں گے، اِس میں اِس بات کی بھی ضمانت ہوتی ہے کہ شریک کا اصل سونا کم نہیں ہوگا اور نہ ضائع ہوگا، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سوگرام سونا سال بھر استعمال ہونے کے بعد بھی سوگرام ہی رہتا ہے اور زیورات بناتے ہوئے ذرات کی شکل میں جتنی مقدار ضائع ہوجاتی ہے دوکان دار دس گرام پر ایک گرام بڑھا کر دیتے ہیں اور وہی اخیر میں نفع اور بچت کی شکل میں ہاتھ آتا ہے، وہی کاریگر اور سونے کے مالک کے درمیان طے شدہ معاملہ کے تحت تقسیم ہوتا ہے، اِس معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب سونے کی سونے سے فروخت کی جائے، تو وزن میں برابری ضروری ہے، خواہ سونا بنے ہوئے زیور کی شکل میں ہو یا بسکٹ کی شکل میں، پس مسئولہ صورت میں جو بنا ہوا سونے کا زیور سوگرام پر دس گرام کے اِضافہ کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے یہ جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر بیع وشراء کا معاملہ نہ ہو؛ بلکہ کاریگر سنار سے لئے ہوئے سونے کو بعینہٖ اُس کی مرضی کے مطابق بنا کر اُسے واپس کردے اور پھر سنار زیور بنائی کی اُجرت کے بطور متعینہ مقدار میں سونا کاریگر کو دے دے، تو یہ معاملہ درست ہوسکتا ہے۔

فإن باع فضةً بفضةٍ أو ذهبًا بذهبٍ لا یجوز إلا بمثل، وإن اختلفت في الجودة والصیاغة. (الهدایة ۴/۳ ۱۰، الفقه الإسلامي وأدلته ۴/۵ ۴۰)

والأصل فیه أن ما یصلح أن یکون ثمنًا في البیاعات یصلح أن یکون أجرة في الإجارات عندنا. وفي الکافي: وما یصلح أن یکون ثمنًا في البیع کالنقود والمکیل والموزون صلح أن یکون أجرة في الإجارة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۱/۱۵ رقم: ۲۱۹۲۶ زکریا، الدر المختار مع الشامي ۶/۹-۵ زکریا)

(۲) زیورات بنانے والے کاریگر جو دوسروں سے سوگرام سونا لیتے ہیں اور پھر اُس پر ہر دس گرام پر ایک گرام اِضافہ کرکے واپسی کی شرط لگاتے ہیں، تو یہ سراسر سود ہے، اور چوں کہ اُن کا

اپنے زیورات کوزائد وزن پر بیچنے کا معاملہ بجائے خود ناجائز ہے، تواِس ناجائز کاروبار میں نفع کی حصہ داری اور شرکت بھی درست نہیں ہے، اِس معاملہ میں جواز کی شکل جب ہی نکل سکتی ہے جب کہ بیع صرف اور شرکت ومضاربت کے تمام اُصولوں کو شرعی اعتبار سے ملحوظ رکھا جائے؛ اِس لئے بہتر یہ ہے کہ کسی جانکار اور تجربہ کار مفتی کے سامنے معاملات پیش کر کے اُس کی رہنمائی میں کاروبار کیا جائے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاة المفاتيح ۴۳/۶ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

أيضا لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى المؤكل فصار كأنه باشره بنفسه فلا يجوز. (الهداية ۵۹/۳)

الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه الخ. (الهداية ۷۸/۳)

وفي الشرح: عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال. (الفتاویٰ الهندية ۱۱۷/۳)

فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض. (الفقه على المذاهب الأربعة ۲۲۷/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۳/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محصلین چندہ کو فیصدی انعام دینا؟

سوال (۱۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارس اسلامیہ میں محصلین کو اہل مدرسہ کی جانب سے تنخواہ کے علاوہ اضافی تعاون جس کو

کمیشن کہتے ہیں، کیا دیا جاسکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اُس کی مقدار کیا ہے؟ اور کیا مدرسہ شاہی مرادآباد کے فتاویٰ میں یہ درج ہے کہ سفر خرچ کے علاوہ بچت کی نصف رقم محصل کو دی جاسکتی ہے؟ نیز مدرسہ شاہی کے رواں ماحول میں محصلین کو بصورت کمیشن کی کیا شکل ہے؟ علی ہٰذا محصلین کی ازروئے شرع کیا حیثیت ہے؟ اَجیر کی، اَمین کی؟ امید کہ مدلل جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص مدرسہ کا باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہ ہو اُس کا کمیشن لے کر چندہ کرنا اِجارۂ مجہولہ کی وجہ سے ناجائز ہے؛ البتہ جو شخص مدرسہ کا تنخواہ دار ملازم ہو اور وہ چندہ کرنے کے بعد ساری رقم مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردے اور مدرسہ کے اُصول کے اعتبار سے بطور حسنِ کارکردگی اُس کو امدادی رقم سے کچھ انعام دیا جائے تو اِس کی گنجائش ہے اور اِس کو کمیشن نہیں کہا جاتا؛ بلکہ حسن کارکردگی کا انعام کہا جاتا ہے، اور اِس انعام کی مقدار انتظامیہ حسبِ مصلحت کچھ بھی متعین کرسکتی ہے؛ البتہ ملازم کی کل یافت مع انعام جمع شدہ رقم کے نصف سے زائد نہ ہونی چاہئے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے حکومت اسلامی کی طرف سے مقرر کردہ سفراء کے وظیفہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وظیفہ کل آمد کے نصف سے زائد نہ ہو۔ اور مدرسہ شاہی میں اِس کے متعلق کیا ضابطے ہیں، اِس کی تفصیل دفتر اہتمام سے معلوم کرنی چاہئے، ہمارے علم میں نہیں ہے۔

ومنها أي من شروط صحة العقد أن تكون الأجرة معلومة. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الإجارة ٤/ ٤١١)

وتفسد الإجارة بجهالة المسمى كله أو بعضه. (شامي / كتاب الإجارة ٦/ ٤٨٥)

وعامل يعمُّ الساعي والعاشر فيعطي ولو غنيًا ...... بقدر عمله ما يكفيه وأعوانه بالوسط، لكن لا يزاد على نصف ما يقبضه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الزكاة / باب المصرف ٣/ ٢٨٤-٢٨٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم کو اپنے مصارفِ سفر میں خرچ کرنا؟

سوال (۱۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ کے سفیر کے پاس دورانِ سفر سفرخرچ ختم ہوگیا اور نہ گھر سے منگانے کی کوئی شکل ہے، نہ مدرسہ سے منگانے کی کوئی شکل ہے، اجنبی جگہ ہے، کسی سے ادھار بھی نہیں لے سکتا، کیا اپنے پاس جو چندہ سے زکوٰۃ فطرہ کی آئی ہوئی رقم ہے اس میں سے بطور قرض لے کر خرچ کرسکتا ہے؟ گھر واپسی پر گھر یا مدرسہ سے وہ قرض ادا کردے، کیا اس شکل سے زکوٰۃ فطرہ دینے والوں کی ادائیگی پر تو کوئی اثر نہ پڑے گا اور اس سفیر کے لئے یہ قرض لینا جائز ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفیر نے صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ وفطرہ کا پیسہ جو وصول کیا ہے، وہ اُن پیسوں کے بارے میں چندہ دہندگان کی طرف سے وکیل ہے اور مدرسہ کے طلباء کی طرف سے بھی وکیل ہے، تو اُن فقراء کی طرف سے وکیل ہونے کی وجہ سے چندہ دہندگان نے سفیر کے ہاتھ زکوٰۃ وفطرہ کا پیسہ دے دیا، اُن کی زکوٰۃ وفطرہ اسی وقت ادا ہوگیا، اور چندہ دہندگان کی طرف سے وکیل ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے دفتر میں لاکر جمع کرنے کی ذمہ داری اس کے اوپر لازم ہوگئی اور جب تک یہ پیسہ مدرسہ کے دفتر میں لاکر جمع نہیں کرے گا اُس وقت تک سفیر کے ہاتھ میں امانت کے طور پر رہے گا، اور جب اس نے اس پیسہ میں سے اس ارادہ سے خرچ کردیا کہ بعد میں جاکر اپنی طرف سے پیسہ ادا کردے گا، تو یہ پیسہ امانت کے بجائے ضمانت بن گیا، اب سفیر کے اوپر لازم ہے کہ جتنا پیسہ اس میں سے خرچ کیا ہے اتنا پیسہ اپنی طرف سے مدرسہ کے دفتر میں چندہ دہندگان کی طرف سے ادا کردے، اس مسئلے میں مختلف آراء میں سے یہی رائے زیادہ صحیح ہے اور یہی معمول ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۵۱-۵۳، فتاویٰ خلیلیہ ۱/۱۹۹، تذکرۃ الرشید ۱/۱۶۴، امداد المفتیین ۱۰۸۵ کراچی، امداد الفتاویٰ ۴/۲۱۸ قدیم، ۲/۶۱۷ جدید، جواہر الفقہ ۴/۳۸۷، فتاویٰ محمودیہ ۳/۹۲/۲ میرٹھ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مال دار شوہر کی غریب بیوی کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر شوہر مال دار ہے اور کماتا بھی ہے؛ لیکن اپنی بیوی کا خرچ نہیں اٹھاتا، تو کیا اُس کی بیوی زکوٰۃ کا مال لے سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ عورت خود صاحبِ نصاب نہیں ہے، تو ضرورت کے وقت اُس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے، شوہر کے مال دار ہونے کی وجہ سے مسئلہ پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔

قال الطحطاوي: ويجوز الدفع لزوجة غني الفقيرة. (طحطاوي على المراقي ص: ۳۹۳، الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة / الباب السابع في المصارف ۱۸۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸؍۱۱؍۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب لڑکی کی شادی میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنا؟

سوال (۱۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک محترمہ جو کہ بیوہ ہیں، اُن کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، بیوہ کے پاس اپنی کرایہ کی آمدنی ہے، جس سے وہ اپنا گذر بسر کرتی ہے، اور لڑکا کسی نجی فرم میں ملازم ہے، جو بھی آمدنی ہے تقریباً اتنا ہی خرچہ گھر کے چلانے میں ہوتا ہے، بیوہ نے اپنی آمدنی میں کچھ پیسہ جمع کرکے اپنی لڑکی کی شادی کی تیاری کرلی ہے، مگر دیگر اخراجات جیسے کھانا وغیرہ اور جہیز وغیرہ میں مزید رقم درکار ہے، کیا وہ اُس کی لڑکی یا لڑکے کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، جس سے وہ شادی کے مزید اخراجات کرسکے؟ دوسرے یہ کہ اُس کے علاوہ بیوہ کے پاس اپنا نجی مکان اور کچھ جائیداد وغیرہ بھی نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوہ کے پاس جمع شدہ روپیہ اگر نصاب کے بقدر ہے، تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے؛ البتہ لڑکی اگر صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کی ضرورت کی اشیاء زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر دی جاسکتی ہیں، اور شادی کے کھانے میں زکوٰۃ کا روپیہ نہ لگایا جائے۔

ومنها الفقير وهو من له أدنیٰ شيء وهو ما دون النصاب. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۹/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''ایک ملک کی زکوٰۃ دوسرے ملک میں منتقل کرنا؟

سوال (۱۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید یہ کہتا ہے کہ ایک ملک کی زکوٰۃ دوسرے ملک میں، ایک صوبہ کی زکوٰۃ دوسرے صوبہ میں ،اسی طرح ایک ضلع کی زکوٰۃ دوسرے ضلع میں نہیں دی جاسکتی۔ شریعت کی رو سے اس میں کیا حکم ہے؟ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دوسرے شہروں یا ملکوں میں مستحق زکوٰۃ رشتہ دار یا زکوٰۃ کے زیادہ ضرورت مند لوگ موجود ہوں ، یا وہاں خرچ کرنے میں مسلمانوں کا نفع زیادہ ہو تو ایک شہر یا ایک ملک سے دوسرے شہر یا ملک کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے، اس سے یقیناً زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے ،البتہ اگر کسی جگہ زکوٰۃ کی سخت ضرورت ہو تو وہاں کے مالداروں کو مقامی ضرورت کو بالکل نظر انداز کرکے دوسری جگہ زکوٰۃ بھیجنا مکروہ ہوگا؛ لیکن اگر سرمایہ دار حضرات مقامی اور بیرونی دونوں جگہ کی ضرورتوں کا خیال رکھیں، تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ بریں بناء سوال میں ذکر کردہ زید کا قول کہ ''زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں بھیجی جاسکتی،،

علی الاطلاق صحیح نہیں ہے؛ بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ مدارس کے مستحق طلبہ کے لئے ملک وبیرون ملک سے جو تعاون حاصل کیا جاتا ہے، وہ بلاشبہ درست بلکہ اولیٰ وافضل ہے؛ کیوں کہ مستحق طلبہ اور علماء پر زکوٰۃ خرچ کرنے میں دوہرا ثواب ملتا ہے۔

إن فقراء بلدة أخرىٰ أكثر حاجة، فالصرف إلىٰ فقراء بلدة أخرىٰ أولى.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٢٢٤/٣ رقم: ٣١٨٩ زكريا)

ويكره نقل الزكاة من بلد إلىٰ بلد...... إلى أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج من أهل بلده لما فيه من الصلة أو زيادة دفع الحاجة. (الفتاویٰ الهندية ١٩٠/١ كوئٹه)

إلا إلىٰ قرابة أو أحوج أو أصلح أو أنفع للمسلمين. (الدر المختار مع الشامي ٣٠٤/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۷/۱/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کا روپیہ منتقل کرنے میں جو بینک خرچ ہوگا وہ زکوٰۃ میں شامل نہ ہوگا

سوال (۱۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے ذمہ ایک لاکھ روپئے کی زکوٰۃ دینا لازم تھا، تو اُس نے زکوٰۃ کے پیسے دوسرے شہر میں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، اُن کے پاس بینک یا ATM کے ذریعہ پہنچادئے، تو اَب سوال یہ ہے کہ:

(۱) بینک کی طرف سے زکوٰۃ منتقل کرنے میں جو اُجرت لگتی ہے اُس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ صاحبِ زکوٰۃ یا مستحق آدمی؟

(۲) اگر اسی ایک لاکھ سے اُجرت کاٹ لی جائے تو صاحبِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ یہ صورت اکثر اے ٹی ایم سے نکالنے کی صورت میں پیش آتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم ایک جگہ سے دوسرے جگہ بینک یا کسی اور ذریعہ سے منتقل کرنے میں جو خرچ آتا ہے اُسے زکوٰۃ میں محسوب نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ زکوٰۃ بھیجنے والا اُس رقم کو الگ سے ادا کرے گا؛ کیوں کہ یہ رقم مستحق فقیر تک نہیں پہنچتی؛ بلکہ بھیجنے والے ہی کے کھاتے سے یہ رقم کاٹی جاتی ہے۔ (کتاب المسائل ۲۲/۲، فتاویٰ محمودیہ ۴۸۴/۹ ڈابھیل، فتاویٰ دارالعلوم ۳۳۵/۶)

لا تخرج بعزل ما وجب عن العهدة؛ بل لا بد من الأداء إلى الفقير. (البحر الرائق / كتاب الزكاة ٣٦٩/٢)

ولا يخرج المزكي عن العهدة بالعزل؛ بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الزكاة ١٨٩/٣ زكريا)

إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه. (الفتاوىٰ الهندية ١٩٠/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۱/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیرون ملک رہنے والوں کا صدقہ فطر ہندوستان میں کس قیمت سے نکالا جائے گا؟

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: باہر ممالک میں رہنے والے بعض لوگ ہندوستان میں موجود اپنے بعض رشتہ داروں یا اَحباب کو صدقۂ فطر اَدا کرنے کا وکیل بنادیتے ہیں کہ ہماری طرف سے اتنے آدمیوں کا صدقۂ فطر نکال کر غرباء میں تقسیم کردینا، تو اُن کا صدقۂ فطر اُن کے ملک کی قیمت کے اعتبار سے ادا کیا جائے، یا ہندوستان کی قیمت کے اعتبار سے؟ نیز اُن کے ملک میں گیہوں کی قیمت زیادہ ہے اور کشمش کی قیمت کم ہے، تو روپئے سے صدقۂ فطر کی ادائیگی میں کس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ فطر میں اگر اصل جنس اَدا کی جائے، مثلاً نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کشمش وغیرہ، تو اُس میں ہر طرح جائز ہے، خواہ مالک اپنے مقام پر ادا کرے یا دوسری جگہ ادا کرے؛ لیکن اگر قیمت ادا کی جارہی ہے تو اُس میں فقہ کی دو روایتیں ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے:

ایک روایت یہ ہے کہ جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اُس کی جگہ کا اعتبار ہوگا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ جہاں صدقۂ فطر کی ادائیگی کی جارہی ہے اُس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

مسئولہ صورت میں انفع للفقراء ہونے کے اعتبار سے پہلی روایت اَحوط ہے، جب کہ دوسری روایت میں سہولت زیادہ ہے، اَب مستفتی خود ہی فیصلہ کرلے۔ (امداد الاحکام ۳/ ۴۱، فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۱۳، فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۶۲۳ ڈابھیل، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۳۱۶-۳۱۷)

وفي الفطر مكان المؤدي عند محمد وهو الأصح. (الدر المختار) بل صرح في العناية والنهاية بأنه ظاهر الرواية كما في الشرنبلالية، وهو المذهب كما في البحر، فكان أولىٰ مما في الفتح من تصحيح قولهما باعتبار مكان المؤدي عنه. قال الرحمتي: وقال في المنح: في أخر باب صدقة الفطر: الأفضل أن يؤدى عن عبيده وأولاده وحشمة حيث هم عند أبي يوسف وعليه الفتوىٰ، وعند محمد حيث هو، تأمل. قلت: لكن في التاتارخانية: يؤدى عنهم حيث هو، وعليه الفتوىٰ وهو قول محمد، ومثله قول أبي حنيفة، وهو الصحيح. (الدر المختار مع الشامي ٣/ ٣٠٧ زكريا، بدائع الصنائع ٢/ ٢٠٨ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۷/ ۴/ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یمن اور سعودیہ میں رہنے والے کا فطرہ کس قیمت سے نکالا جائے گا؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے لڑکے ممبئی اور سعودی میں رہتے ہیں، عیدالفطر کے موقع پر اپنے گھر خبر بھیج دیتے ہیں کہ ہمارا فطرہ بھی ادا کردو۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ممبئی اور سعودیہ رہنے والے ہمارے بچوں پر فطرہ واجب ہے جب کہ اُن کے پاس اتنی رقم نہیں ہے، جس سے وہ صاحبِ نصاب بنیں، کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ جہاں مقیم ہیں، وہیں کے ریٹ پر صدقۂ فطر کی اَدائیگی کریں، بشرطیکہ وہ صاحبِ نصاب ہوں، اور اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں ہیں اور والد خود اُن کی طرف سے فطرہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں والد کے جائے قیام کا اعتبار ہوگا۔

ويقوم في البلد الذي فيه المال، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه.

(الدر المختار مع الشامي ۲۱۱/۳-۲۱۲ زكريا، كذا في البحر الرائق ۴۰۰/۲، الفتاویٰ الهندية ۱۸۰/۱)

وهي واجبةٌ على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب (الفتاویٰ الهندية ۱۹۱/۱)

ولو أدى عنهم بغير أمرهم أجزأهم استحسانًا. (الفتاویٰ الهندية ۱۹۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا درمیانی حیثیت کے پڑوسی کو صدقۂ فطرہ دے سکتے ہیں؟

سوال (۱۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص شہر سے دور رہتا ہے اور اُس کے پڑوسی درمیانی حیثیت کے ہیں، یعنی نہ امیر نہ فقیر، تو کیا وہ اُنہیں صدقۂ فطر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو وہ کیا کرے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ فطر کے مستحق صرف فقراء ہیں؛ لہٰذا جو حضرات صاحبِ نصاب ہوں اُن کو صدقۂ فطر دینا درست نہ ہوگا۔ مسئولہ صورت میں اگر پڑوس میں فقراء نہ رہتے ہوں تو مذکورہ شخص پر لازم ہے کہ وہ ایسی جگہ صدقۂ فطر کی رقم بھیج دے جہاں صدقۂ فطر کا مصرف پایا جاتا ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ [التوبۃ: ٦٠]

ومصرف هٰذه الصدقة ما هو مصرف الزكاة. (الفتاویٰ الهندية ١٩٤/١ زكريا)

وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف (الدر المختار) وتحته في الشامية:

ولا تصح إلىٰ من بينهما أولاد أو زوجية ولا إلى غني. (الدر المختار مع الشامي ٣٢٥/٣ زكريا)

والفقر شرط عام لصرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة، وصدقة الفطر. (الفقه الإسلامي ٧٨٦/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۷/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صدقۂ جاریہ، نفلی حج اور غیر مستحق رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں کون سا مصرف اَفضل ہے؟

سوال (۱۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اپنی رقم صدقہ جاریہ میں لگانا بہتر ہے یا غیر مستحق رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہے، یا نفلی حج وغیرہ میں صرف کرنا اَفضل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ تینوں ہی مصارف اپنی اپنی جگہ اہم ہیں، اِس لئے حسبِ موقع تینوں مصارف میں صرف کرنا چاہئے؛ لیکن رشتہ دار حد درجہ مفلس اور

غریب نہ ہوتو ایسی صورت میں اُن کی مدد کرنا نفلی حج وغیرہ سے اَفضل نہ ہوگا۔

فقالوا: حج النفل أفضل من الصدقة (بحر) وفي المنحة: قلت قد يقال: أن الصدقة التطوع في زماننا أفضل - إلى قوله - ولعل تلك الصدقة محمولة على إعطاء الفقير الموصوف بغاية الفاقة، أو في حال المجاعة. (حاشية منحة الخالق على البحر الرائق ۲/٤٣٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۷/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کی نیت سے اِمام اور مؤذن کو رمضان میں کپڑے دینا؟

سوال (۱۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آندھرا پردیش میں عام رواج ہے کہ اِمام ومؤذن کو اپنے مرحومین کو ایصالِ ثواب کی غرض سے خصوصاً رمضان میں کپڑے دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ صاحبِ نصاب امام حفاظ اور مؤذن کے لئے اُن کپڑوں کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ صدقہ نافلہ کس کو کہتے ہیں؟ اِس کا مستحق کون ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحبِ نصاب شخص کے حق میں صدقہ نافلہ ہدیہ اور تحفہ کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا رمضان کے موقع پر اِمام حفاظ اور مؤذن وغیرہ کو جو کپڑے دئے جاتے ہیں، اُس کی حیثیت ہدیہ اور تحفہ کی ہوتی ہے، اُن کے لئے اُن کپڑوں کا استعمال شرعاً درست ہے، اور صدقہ نافلہ غریبوں کو دینے پر صدقہ کا ثواب ملے گا؛ لیکن صاحبِ نصاب مال دار شخص کو دینے کی صورت میں صدقہ کا ثواب نہیں ملے گا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/۳۰۲، فتاویٰ رحیمیہ ۸/۲۴۷)

قوله عليه السلام: لا تحل صدقة لغني خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة. (البحر الرائق ٢/٥٤ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۸/۳/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فقیر کے دینے کے لئے آٹا یا پیسہ نکال کر فقیر کے چلے جانے پر واپس استعمال کرنا؟

سوال (۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے دروازہ پر ایک فقیر مانگنے آیا، ہم گھر سے آٹا یا پیسے لے کر جب اُس کو دینے دروازہ پر گئے تو وہ فقیر جاچکا تھا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ جو آٹا یا پیسے ہم نے فقیر کو دینے کے لئے نکالے تھے، کیا واپس ہم رکھ لیں اور آٹے کو آٹے میں ملادیں یا اُن کو صدقہ ہی کرنا پڑے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آٹا یا پیسے آپ نے فقیر کو دینے کے لئے نکالے تھے، وہ صدقہ کے لئے متعین نہیں ہوئے ہیں؛ لہٰذا آپ واپس اُنہیں اپنے آٹے یا پیسے میں ملا سکتے ہیں، شرعاً اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۶۵۵ ڈابھیل)

مستفاد: وإن دفع خمسة من المأتين بعد الحول إلیٰ رجل، وأمره بأن يتصدق بها عن الزكاة، فلم يتصدق حتى وجد في ماله درهمًا ستوقا كان له أن يسترده من الوكيل. (خانية على هامش الهندية ۲٦۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/ ۵/ ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جان کے بدلے جان کے عقیدے سے بکرا ذبح کرنا؟

سوال (۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کا لڑکا بیمار ہے، اُس کی شفایابی کے لئے بکرا ذبح کر کے صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو اِس مقصد سے جو بکرا ذبح کیا جائے گا وہ حلال ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ جانور کو ذبح کرنے سے اگر عقیدہ یہ ہے کہ

بکرے کی جان لینے سے مریض کی جان بچ جائے گی تو یہ عقیدہ قطعاً فاسد ہے، اور اِس عقیدہ سے ذبح شدہ جانور بھی ممنوع اور ناجائز کہا گیا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰ بحوالہ: ایضاح المسائل ۱۳۹)

لیکن اگر جانور کو ذبح کرنے سے اصل مقصود صدقہ ہو اور جان کے بدلے جان کا عقیدہ نہ ہو، تو بہ نیت صدقہ یہ ذبیحہ حلال ہے، جیسا کہ درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

وعلیٰ هذا فالذبح عند وضع الجدار أو عروض مرض أو شفاء منه لا شك في حله؛ لأن القصد منه التصدق. حموي (شامي، كتاب الذبائح / قبيل كتاب الأضحية ۹/٤٤٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۳/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ میں آمدہ صدقہ کے زندہ بکروں کو فروخت کرنا؟

سوال (۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مدرسے میں زندہ بکرے بکری آتے ہیں اور کبھی گوشت بھی آتا ہے، تو طلبہ صدقہ سمجھ کر کھانے سے گریز کرتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا مالک کی اِجازت سے اُس گوشت یا زندہ بکرے کو فروخت کرکے اُس کی جگہ بھینس کا گوشت خرید کر یا کوئی دوسری چیز خرید کر طلبہ کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صدقہ کے بکرے اور بکری کو فروخت کرکے اُس رقم سے دوسری کوئی چیز خرید کر طلبہ پر خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، شرعاً اِس کی گنجائش ہے۔

والنذر من اعتكاف ...... أو غيرها غير المعلق ولو معيناً لا يختص بزمانٍ ومكانٍ ودرهم وفقير. (الدر المختار ۳/٤۲۲)

ولو نذر أن يتصدق ببخارىٰ فتصدق بسمرقند يجوز بالاتفاق. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٦/۲۸٦ رقم: ۹۳۸٦ زكريا)

وفي السراجية: نذر أن يتصدق بهٰذه المائة الدرهم يوم كذا علی فلان، فتصدق بمائة أخریٰ قبل مجيء ذلک الیوم علی مسکین آخر جاز (الفتاویٰ التاتارخانیة ٦/٢٨٥ رقم: ٩٣٨٥ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہٗ ۱/۳/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حرام غذا پیٹ میں چلی جانے پر صدقہ دینا؟

سوال (۱۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کہیں پر کچھ ایسا کھانا کھانا پڑ جائے کہ جس میں حرام کا یا شرک کا گمان ہو اور منع کرنے میں بحث اور جھگڑا بڑھتا ہو، رشتہ میں خرابی آتی ہو، تو کیا صدقہ میں اتنی ہی قیمت دینے کی نیت کرلی اور کھالیا تو صحیح ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام غذا اگر پیٹ میں چلی جائے تو اولاً توبہ واستغفار کرے، اور بہتر ہے کہ اُس کے بقدر صدقہ کردیا جائے، تو اُمید ہے کہ اِس صدقہ سے اُس کی تلافی ہوجائے گی۔

المستفاد: لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ٦/٣٨٥ کراچی، ٩/٥٥٣ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ٥/٣٤٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہٗ ۲۸/۵/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزہ:

رمضان کے ادائی روزوں کا اہتمام؟

سوال (۱۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کسی پر روزوں کی قضا واجب تھی، اس نے روزوں کی قضا نہ رکھی، حتی کہ اگلا رمضان آ گیا، تو اَب کون سے روزے رکھے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص اولاً رمضان کے ادا روزے رکھے اور رمضان گذرنے کے بعد پچھلے رمضان کے قضا شدہ روزے رکھے۔

وإن أخره حتى دخل رمضان آخر صام الثاني؛ لأنه في وقته، وقضى الأول بعده ؛ لأنه وقت القضاء. (الهداية ۱/۲۲۲ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان کا فرض روزہ بالقصد چھوڑ دینا؟

سوال (۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر بھی روزے نہ رکھیں، تو کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے اُس کے روزوں کا کفارہ ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کو کفارہ ادا کرنے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص قدرت رکھنے کے باوجود بلا عذر رمضان کا کوئی فرض روزہ چھوڑ دے تو وہ سخت گنہگار رہوگا اور اُس کے بارے میں حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہے کہ اگر وہ قضا شدہ روزہ کے بدلے میں پوری زندگی روزے رکھتا رہے تو اجر وثواب کے اعتبار سے اُس ایک روزہ کی تلافی نہیں ہوسکتی؛ اس لئے کسی بھی مسلمان کو بلا عذر شرعی رمضان کا روزہ ہرگز ہرگز قضا نہیں کرنا چاہئے ؛ تاہم اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہے؛ بلکہ بعد میں ایک روزہ کی قضا کرنی ضروری ہے اور توبہ واستغفار لازم ہے۔

عـن أبـي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفطر يومًا من رمضان من غير رخصةٍ ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله.

(سنن الترمذي ١/١٥٣ رقم: ٧٢٣، شعب الإيمان للبيهقي ٣/٣١٨ رقم: ٣٦٥٣، سنن أبي داؤد ١/٣٢٦ رقم: ٢٣٩٦، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٢/٤٥٨ رقم: ٩٩١٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عذر کی وجہ سے تازندگی روزے نہ رکھ سکا؟

سوال (۱۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھا، حتیٰ کہ مرنے کا وقت آ گیا، تو کیا اُن پر روزوں کے فدیہ کی وصیت کر کے جانا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر کوئی شخص انتقال تک مسلسل مسافر یا مریض ہی رہا، تو اس پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا یا وصیت کچھ بھی لازم نہیں؛ لیکن اگر اُس کے روزے سفر یا مرض کی وجہ سے چھوٹے تھے، پھر وہ مقیم یا صحت مند ہوگیا؛ لیکن اس نے چھوٹے ہوئے روزے قضا نہیں کئے، تا آنکہ انتقال کا وقت آ گیا، تو ایسی صورت میں اس چھوٹے ہوئے روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا لازم ہے۔

إذا مـات الـمـريض والمسافر هما على حالها لم يلزمها القضاء، ولو صح الـمـريـض وأقـام الـمسـافـر ثم ماتا لزمهما القضاء بقدر الصحة والإقامة لوجود الإدراك بهٰذا الـمـقـدار، وفـائدته وجوب الوصية الإطعام (الهداية ١/٢٢٢ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزہ کی حالت میں ہومیوپیتھی دوا کا زبان پر ٹپکانا؟

سوال (۱۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روزہ کی حالت میں ہومیوپیتھک دوا جو پانی کی طرح ہوتی ہے، جب زبان پر ڈراپ دیا جائے تو فوراً ہوا کے ساتھ مل جاتی ہے اور اُس کا کوئی جز اندر نہیں جاتا، تو ایسی دوا سے روزہ کا کوئی نقصان ہوگا یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال اگر واقعۃً مذکورہ ہومیوپیتھک دوا کا کوئی جز حلق کے ذریعہ سے اندر تک نہیں پہنچتا؛ بلکہ زبان پر رکھتے ہی تحلیل ہو جاتا ہے، تو اُس سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ تاہم بلا شدید ضرورت کے روزہ کی حالت میں ایسی دوا کا استعمال مکروہ ہے؛ کیوں کہ لعاب کے ذریعہ سے دوا کا اثر حلق تک پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔

لو ذاق دواء فوجد طعمه في حلقه، زيلعي وغيره. وفي القهستاني: طعم الأدوية وريح العطر إذا وجد في حلقه لم يفطر كما في المحيط. (شامي ۳۶۷/۳ زكريا، ۳۹۶/۲ كراچی)

وكذا إذا ذاقت شيئًا بلسانها؛ لأن فيه تعريض الصوم للفساد. (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية ۱۰۰/٤)

وكره له ذوق شيء، وكذا مضغه بلا عذر. (البحرالرائق ۴۸۸/۲-۴۸۹ زكريا، الدر المختار مع الشامي ۳۹۵/۳ زكريا، ۴۱٦/۲ كراچی)

والمفطر إنما هو الداخل من منافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (شامي ۳٦۷/۳ زكريا، ۳۹۵/۲ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قضا روزہ کے ساتھ عرفہ کے روزے کی نیت؟

سوال (۱۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عرفہ کے روزوں میں ہم چھوٹے ہوئے روزوں اور ذی الحجہ کے ۱۰؍ دن کے روزوں کی نیت دونوں ایک ساتھ کرلیں گے تو کیا ادا ہوجائیں گے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ذی الحجہ کے مستحب روزوں میں رمضان المبارک کے قضا شدہ روزوں کی نیت کی جائے، اور ساتھ میں ذی الحجہ کے روزوں کی فضیلت کو بھی حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو اِس طرح روزہ رکھنے سے اُمید ہے کہ قضا کے ساتھ مستحب روزوں کی فضیلت بھی حاصل ہوجائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قال العلامة الحموي: أقول في فتح المدبر: صام في يوم عرفة مثل قضاء أو نذر أو كفارة ونوى معه الصوم عن يوم عرفة أفتى بعضهم بالصحة والحصول عنهما. (حاشية: الأشباه والنظائر ١/٦٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۰/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت کے روزہ کے ساتھ رمضان کے قضا روزہ کی نیت؟

سوال (۱۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے اوپر رمضان کے روزوں کی قضا ہے، کیا میں شبِ برأت کے روزہ میں قضا اور شعبان کے روزے دونوں کی نیت کرسکتی ہوں؟ کیا اِس طرح میری رمضان کے روزوں کی قضا ادا ہوجائے گی؟ تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے ذمہ رمضان کے فرض روزوں کی قضا ہو

اُس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ نفل کے بجائے قضا ہی کی نیت کرے؛ تاہم اگر اس نے قضا کے ساتھ نفل روزے کی بھی نیت کر لی تب بھی اُس کا قضا شدہ روزہ ادا ہو جائے گا۔

ونوى في الصوم القضاء والكفارة كان عن القضاء، وفي الحموي: لأن سببه إيجاب الله تعالىٰ، وسبب الكفارة إيجاب العبد على نفسه، فانصرف إلى الأقوى لترجحه. (الأشباه والنظائر ۷۷ قديم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/۷/۱۴۳۶ھ

صرف ۱۵/شعبان کا روزہ رکھیں یا اُس کے ساتھ مزید روزہ ملائیں؟

سوال (۱۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۴/ اور ۱۵/شعبان کے دو روزے رکھنے چاہئے یا صرف ۱۵/شعبان کا ایک روزہ رکھ سکتے ہیں؟ کیوں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں ایک روزہ نہیں رکھنا چاہئے، قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف ۱۵/شعبان کا روزہ بھی رکھ سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو ۱۳-۱۴/ اور ۱۵/ تینوں دنوں کا بھی روزہ رکھ سکتے ہیں؛ اِس لئے کہ بعض احادیث میں ایام بیض کے روزوں کی فضیلت ثابت ہے۔

عن جرير رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صيام ثلاثة أيام من كل شهر صيام الدهر، أيام البيض، صبيحة ثلاث عشر، وأربع عشر وخمس عشر. (شعب الإيمان للبيهقي ۳/ ۳۹۰ رقم: ۳۸۵۳)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم حتى نقول: ما يفطر ويفطر حتى نقول ما يصوم، وما رأيت رسول الله صلى الله

عليه وسلم في شهر أكثر صيامًا منه شعبان. (سنن النسائي ١/ ٢٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/۷/۱۴۳۶ھ

شعبان کا روزہ توڑنے پر کفارہ ہے یا نہیں؟

سوال (۱۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے مجبوری میں شعبان کا روزہ توڑ دیا، تو کیا کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفلی روزہ توڑنے سے صرف قضا لازم ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا؛ لہٰذا شعبان کا روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔

لا كفارة بإفساد صوم غير رمضان. (الفتاویٰ الهندية ١/ ٢١٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/۷/۱۴۳۶ھ

روزہ رکھنے کے لئے عورتوں کا مانع حیض دواء استعمال کرنا؟

سوال (۱۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ عورتیں رمضان میں مانع حیض گولیوں کا استعمال کرتی ہیں؛ تاکہ انہیں رمضان کے بعد روزوں کی قضا نہ کرنی پڑے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اِن گولیوں کا استعمال جائز ہے؟ اور کیا اِس سلسلہ میں کچھ قیود بھی ہیں جن کی عورتوں کے لئے پابندی لازمی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مانع حیض گولیوں کا استعمال فی نفسہٖ درست ہے؛ لیکن

اِس کی وجہ سے طبعی نظام میں خلل پڑتا ہے اور بعض مرتبہ دیگر جسمانی عوارض پیش آ جاتے ہیں، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ اس طرح کی گولیاں کھانے کا تکلف نہ کیا جائے؛ بلکہ حسبِ معمول روزے رکھے جائیں اور جو روزے قضا ہو جائیں اُن کو بعد میں مناسب وقت میں رکھ لیا جائے۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۴/۵۰۷، کتاب المسائل ۱/۲۲۸)

لا يجوز للمرأة أن تمنع حيضًا أو تستعجل إنزاله إذا كان يضر صحتها؛ لأن المحافظة على الصحة واجبة. (الفقه على المذاهب الأربعة ۱/۱۲٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِفطار کی دعا کب پڑھیں؟

سوال (۱۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روزہ کھولنے کی دعا افطار کرنے سے پہلے پڑھنی چاہئے یا بعد میں؟ کیوں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دعا پڑھ کر افطار کرنا خلافِ سنت ہے، اور کہتے ہیں کہ پہلے کھجور کھائیں اُس کے بعد دعا پڑھیں، کیا یہ صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر یہی ہے کہ افطار کرنے سے پہلے دعا پڑھی جائے؛ کیوں کہ یہ دعا ہی افطار کے کھانے کے لئے بسم اللہ کے حکم میں ہے اور ہر کھانے کی ابتدا بسم اللہ سے کرنا مسنون ہے، بریں بنا دعا پڑھ کر افطار کرنے کو خلافِ سنت نہیں کہہ سکتے، باقی اگر کوئی شخص افطار کر کے مذکورہ دعا پڑھے تب بھی دعاء افطار کی سنت ادا ہو جائے گی۔

عن معاذ بن زهرة أنه بلغه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا أفطر قال: اللّٰهم لك صمت وعلى رزقك أفطرت. (سنن أبي داؤد ۱/۳۲۱)

ومن السنة أن يقول عند الإفطار: اللّٰهم لك صمت وبك آمنت وعليك

توکلت وعلی رزقک أفطرت(الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۰۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/ ۷/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حرمین شریفین میں افطار کے دسترخوانوں پر صاحبِ وسعت لوگوں کا شریک ہونا؟

سوال (۱۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان میں مکہ مدینہ میں حرم کے اندر لوگ افطار کراتے ہیں، تو کیا اُن کا دیا ہوا افطار صاحبِ حیثیت لوگ بھی کھاسکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرمین شریفین میں رمضان المبارک میں جو عام لوگوں کو افطار کرایا جاتا ہے یہ زکوٰۃ اور خیرات سے نہیں ہوتا؛ بلکہ حکومت یا اَصحابِ خیر کی طرف سے عمومی ضیافت کے طور پر ہوتا ہے؛ لہٰذا اِس طرح کے افطار میں صاحبِ حیثیت لوگوں کی شرکت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

فأما الصدقة علی وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، وفي الفتاوی العتابية: وکذلک یجوز النفل للغني(الفتاوی التاتارخانية ۳/ ۲۱٤ زکریا)

فأما التطوع فیجوز الصرف إلیهم کذا في الکافي. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۸۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۱۰/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مطلق اعتکافِ نذر رمضان کے فرض روزوں کے ساتھ ادا ہوگا یا نہیں؟

سوال (۱۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کوئی شخص یوں نذر کرے کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے گا تو تین دن کا اعتکاف کروں گا، اَب جب مقصد برآیا تو تین دن کا اعتکاف مع روزے کے لازم ہوا، تو یہ شخص رمضان المبارک میں ادا روزے کے ساتھ تین دن کا اعتکاف کرلے تو نذر پوری ہوجائے گی یا نہیں؟

شامی ۳/۲/۳ ۴۳۲-۴۳۳ زکریا کی تفصیلی بحث اور عالمگیری ۱/۲۱۱ پر منذور اعتکاف کی بحث میں بطور تفریع ذکر کردہ جزئیہ:

"حتی لو نذر اعتکاف شهر، ثم اعتکف رمضان لا یجزیه".

اور عمدہ الفقہ ۳/۳۹۷ پر موجود عبارت: ''اگر کسی مہینے کے اعتکاف کی نذر کی اور رمضان میں اعتکاف کیا تو جائز نہیں''۔ نیز احسن الفتاویٰ ۴/۵۱۶، پر ایک استفتاء کے جواب حضرت کی تحریر: ''اور اگر غیر معین اعتکاف کی نذر کی ہو تو اُس کے لئے مستقل روزے رکھے''۔

اِن حوالجات سے ثابت ہوتا ہے کہ سوال مذکور میں ذکر کردہ منذور اعتکاف رمضان المبارک کے اَدا روزوں سے درست نہیں ہوگا۔

جب کہ جواہر الفتاویٰ ۱/۳۷ پر ہے: ''اگر کسی نے بلاتعین وقت کسی بھی وقت دس روز یا تین روز اعتکاف کرنے کی منت مانی تھی، اگر غیر رمضان میں پورا کرتا ہے تو غیر واجب روزوں کے ساتھ پورا کرے گا، اگر رمضان المبارک میں پورا کرتا ہے، تو رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ پورا کرسکتا ہے''۔ (جواہر الفتاویٰ، تصنیف: حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹ گامی مدظلہ العالی)

حضرت مفتی عبدالسلام صاحب مدظلہ العالی نے اِس پر کوئی حوالہ نقل نہیں فرمایا ہے، اَب بظاہر اوپر ذکر کردہ دلائل اور ''جواہر الفتاویٰ'' میں تضاد ہے، تو فتویٰ کس قول کے مطابق دیا جائے؟ اُمید ہے کہ اپنی مصروفیات میں سے قدرے وقت نکال کر جلد رہبری فرمائیں گے، بقیہ اَحوال لائق شکر ہیں۔ اَدعیہ مخلصانہ میں یاد فرمائی کی درخواست ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ مطلق اعتکاف کی نذر مانی ہے، تو اُس کے لئے رمضان کے علاوہ دنوں میں الگ سے روزہ رکھ کر اعتکاف کرنا ضروری ہوگا،

رمضان کے فرض روزوں کے ساتھ اعتکاف کافی نہ ہوگا، وجہ یہ ہے کہ نذر کی صحت کے لئے منذور بہ کا جنس واجب یا فرض میں سے ہونا ضروری ہے اور اعتکاف اپنی ذات کے اعتبار سے فرض یا واجب نہیں؛ البتہ روزہ کی نذر کے ضمن میں واجب ہوجاتا ہے، تو گویا کہ جس شخص نے مطلق اعتکاف کی نذر مانی ہے اُس نے مطلق روزوں کی نذر کی ہے، پس جس طرح مطلق روزوں کی نذر رمضان کے فرض روزے رکھنے سے ادا نہیں ہوتی، اِسی طرح مطلق اعتکاف بھی رمضان کے فرض روزوں کے ساتھ اَدا نہ ہوگا، اور اِس بارے میں ''عمدۃ الفقہ'' اور ''احسن الفتاویٰ'' کی عبارات اُصول کے موافق ہیں۔ اور ''جواہر الفتاویٰ'' میں ذکر کردہ بات دلائل سے مؤید نہیں ہے؛ اِس لئے ''احسن الفتاویٰ'' اور ''عمدۃ الفقہ'' کی رائے پر ہی فتویٰ دینا چاہئے۔

وإن لم يعتكف رمضان المعين قضى شهرا غيره صوم مقصود لعود شرطه إلى الكمال الأصلي فلم يجز في رمضان آخر ولا في واجب سوى قضاء رمضان الأول؛ لأنه خلف عنه، وتحقيقه في الأصول في بحث الأمر (الدر المختار) وهو أن النذر كان موجبًا للصوم المقصود، ولكن سقط لشرف الوقت، ولما لم يعتكف في الوقت صار ذلك الوقت بمنزلة نذر مطلق عن الوقت فعاد شرطه إلى الكمال بأن واجب الاعتكاف بصوم مقصود لزوال المانع وهو رمضان. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصوم / باب الاعتكاف ٤٣٣/٣ زكريا)

وقال الرافعي: قوله: وهو أن النذر كان موجبًا للصوم المقصود؛ لأن الاعتكاف الواجب يستدعي صومًا ولا يوجب بدونه وما لا يتوصل إلى الواجب إلا به يجب بوجوبه. (تقريرات الرافعي ١٥٤/٣ زكريا)

والمقصود لا يتأدى بغيره حتى لو نذر اعتكاف شهر ثم اعتكف رمضان لا يجزيه. (الفتاوىٰ الهندية ٢١١/١)

والنذر بالشيء إنما يصح إذا كان من جنسه واجب أو مشتملاً على الواجب وهٰذا كذلك؛ لأن الاعتكاف يشتمل على الصوم ومن جنس الصوم

واجب الخ. (شامي ٥١٧/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۳/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مستورات کا مساجد میں اعتکاف کرنا؟

سوال (۱۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان شریف میں امریکہ میں بہت سی مستورات مسجدوں میں اعتکاف کرنے لگی ہیں، بیان فرمائیں کہ شرعاً مسجدوں میں مستورات کا رمضان میں اعتکاف کرنا کیسا ہے؟ جب کہ بعض مساجد میں پردہ کا معقول نظم ہوتا ہے، بعض میں بالکل نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستورات کا عام مسجدوں میں جا کر اعتکاف کرنا سخت فتنہ کا سبب ہے، اگر وہاں پردہ کا معقول انتظام ہو پھر بھی عورتوں کو اعتکاف سے منع کیا جائے گا اور جن مساجد میں پردہ کا انتظام ہی نہ ہو وہاں بدرجہ اولیٰ ممانعت ہوگی؛ اِس لئے اس سلسلہ میں حکمتِ عملی کے ساتھ روکنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

قال الشيخ أبوبكر الرازي رحمه الله، وقد ورد في الحديث المرفوع أن صلاة المرأة في دارها أفضل من صلاتها في مسجدها، وصلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في دارها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها، فلما كانت صلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في المسجد كان اعتكافها كذلك قال: وإنما كره ذلك للمرأة في المسجد؛ لأنها تصير لابثة مع الرجال في المسجد، وذلك مكروه لها، سواء كانت معتكفة أو غير معتكفة. (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم ١٩٨/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان میں روزہ کے اَوقات میں دوکان کھولے رکھنا؟

سوال (۱۶۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں دوکان کھول کر دوکان (خواہ چائے کی ہو یا پان کی، یا کھانے کا ہوٹل ہو) میں صبح سے شام تک دوکان داری کرنا کیسا ہے؟ جب کہ دوکان دار خود روزہ سے ہو، اور اُن دوکان داروں کی روزی روٹی کا ذریعہ بھی صرف یہی دوکان ہی ہو، تو اُن کے لئے شریعتِ محمدی کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں روزہ کے اوقات میں ہوٹل و پان کی دوکان کھولے رکھنا احترام رمضان کے خلاف ہے، مسلم محلوں میں اِس طرح کی دوکانیں بند ہی رہنی چاہئیں؛ تاکہ روزہ خوروں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ اور حکم قرآنی: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (اور مت مدد کرو گناہ اور ظلم پر) پر عمل ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۵ھ

حج وعمرہ:

آنحضرت ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟

سوال (۱۶۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو چار عمروں کی بات کہی جاتی ہے، کیا حدیبیہ کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں کفار مکہ نے جانے نہیں دیا تھا، وہ عمرہ کس طرح کیا اور کیسے شمار ہوا؟ جب کہ حدیبیہ سے ہی واپس ہو گئے تھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل میں ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

تین عمرے فرمائے: (۱) عمرۃ القضاء (۲) عمرہ جعرانہ (۳) حج کے ساتھ۔ اور عمرہ حدیبیہ اگر چہ ناقص تھا؛ لیکن خصوصی طور پر اِس احرام باندھنے پر پورے عمرہ کا ثواب عطا کیا گیا؛ اِس لئے اُس کو بھی نبی کریم علیہ السلام کے عمروں میں شامل کرلیا گیا ہے۔

قال الإمام النووي: إحداهن من ذي القعدة عام الحديبية سنة ست من الهجرة، وصدوا فيها فتحللوا وحسبت لهم عمرة. (شرح النووي على صحيح مسلم تحت حديث: ١٢٥٥)

وقال ......: في عدهم عمرة الحديبية التي صد عنها ما يدل على أنها عمرة تامة الخ. (فتح الباري ٤/٧٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محض قرعہ اندازی میں نام آنے سے حج فرض نہ ہوگا

سوال (۱۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں حکومت کی طرف سے حج کو جانے کا قرعہ اندازی کے ذریعہ نام چنا جاتا ہے، میرے بھائی کا قرعہ اندازی میں نام آیا، حالاں کہ وہ صاحبِ نصاب نہیں، تو قرعہ اندازی میں نام آنے سے اس پر حج فرض ہوگا؟ وہ صاحبِ نصاب تو نہیں؛ لیکن گھر میں ماں بہن بیوی کے پاس کچھ سونا چاندی ہے، اُس کو بیچ کر حج کو جاتا ہے، تو اُس کا حج قابل قبول ہوگا؟ ماں بہنیں اور بیوی نے اُس کو اپنی رضامندی سے سونا چاندی دیا تھا۔

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ قرعہ اندازی سے نام آنے سے حج فرض ہوگا یا نہیں؟

(۲) وہ صاحبِ نصاب نہیں؛ لیکن گھر والوں کو بھی شوق ہے اور وہ بھی شوق سے حج کو جانے کا انتظام اپنے زیورات دے کر کر رہے ہیں تو اُس کا حج قابل قبول ہوگا؟

(۳) بیوی کو دئے ہوئے مہر کو واپس لینا شریعت میں اِس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض قرعہ اندازی میں نام آنے سے حج فرض نہیں ہوتا؛ بلکہ حج کی فرضیت کے لئے مالی وسعت شرط ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کے بھائی پر قرعہ اندازی میں نام آنے سے حج فرض نہیں ہوا؛ لیکن اگر وہ قرض لے کر یا ماں بہن اور بیوی کی رضا مندی سے اُن کا مال لے کر حج ادا کریں گے، تو اُن کا حج ادا ہوجائے گا، اور بیوی سے مہر یا زیور واپس لینے کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے؛ لیکن اگر وہ بیوی سے جبر کے بغیر اپنی خوشی سے اپنا مال شوہر کو دے تو اس میں حرج نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۹۷]

قال الکاساني: ولا استطاعة بدون ملک الزاد والراحلة ...... ثم إذ حج بالسوال من الناس یجوز ذٰلک عن حجة الإسلام، حتی لو أیسر لا یلزمه حجة أخریٰ؛ لأن الاستطاعة بملک الزاد والراحلة ومنافع البدن شرط الوجوب (بدائع الصنائع، کتاب الحج / شرائط فرضیته ۲/ ۲۹٤ المکتبة النعیمیة دیوبند)

ومنها القدرة علی الزاد والراحلة بطریق الملک أو الإجارة دون الإعادة والإباحة، سواء کانت الإباحة من جهة من لا منة علیه، کالوالدین أو مولودین أو من غیرهم کالأجانب ...... وتفسیر ملک الزاد والراحلة أن یکون له مال فاضل عن حاجته وهو ما سویٰ مسکنه ولبسه وخدمه وأثاث بیته قدر ما یبلغه إلیٰ مکة ذاهبًا وجائیًا راکبًا لا ماشیًا (الفتاویٰ الهندیة، کتاب المناسک / الباب الأول في تفسیر الحج وفرضیته ۱/ ۲۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۱۱/ ۱٤۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس جائیداد کی آمدنی سے پورے سال کا خرچ چلتا ہو اس پر حج کا حکم؟

سوال (۱٦۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک آدمی ایسا ہے کہ اس کے پاس کچھ زمین وجائیداد ہیں جس کی آمدنی پورے سال کے خرچ کے لئے کافی ہو جاتی ہے، تو کیا ایسے شخص کے لئے حج کرنا فرض ہے؟ اگر فرض ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ کیا زمین وجائیداد میں سے کچھ بیچ کر حج کرے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے پاس اتنی جائیداد ہے کہ اس میں سے حج کے صرفہ کے بقدر بیچ کر مابقیہ سے بآسانی گذر بسر ہوسکتا ہے، تو آپ پر حج فرض ہوگا، اور اگر جائیداد اتنی کم ہے کہ بیچنے کے بعد مابقیہ کی آمدنی سے گذر بسر نہ ہوسکے گا، تو آپ پر حج فرض نہیں ہے۔ (مستفاد از: انوار مناسک ۱۶۹)

وإن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر ما يعيش بغلته الباقي يفترض عليه الحج وإلا فلا. (غنية الناسك جديد ۲۰ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۴/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈیڑھ لاکھ کی ملکیت رکھنے والے پر حج فرض نہیں

سوال (۱۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پاس تقریباً پونے چھ تولہ سونا اور ۴۰-۵۰/ تولہ چاندی ہے، اِس کے علاوہ پیسہ کچھ نہیں ہے، تو کیا میرے اوپر حج فرض ہے؟ نیز قربانی کا حکم بھی تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۶/ تولہ سونا اور ۴۰-۵۰/ تولہ چاندی کی موجودہ قیمت تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپئے ہوتی ہے، یہ مقدار موجودہ دور میں حج کے سفر کے لئے ناکافی ہے، اِس لئے آپ پر حج فرض نہیں؛ لیکن مذکورہ ملکیت کی بنیاد پر قربانی اور زکوٰۃ حسبِ شرائط واجب ہے۔

وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوىٰ مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلىٰ مكة. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب المناسك ۱/۲۱۷ زكريا)

وشرائطها: (أي الأضحية) الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر بأن ملك مأتي درهم أو عرضًا يساويها (شامي / أول كتاب الأضحية ۹/۴۵۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روپیہ منتقلی کرنے پر اُجرت لے کر اُس رقم سے حج کرنا؟

سوال (۱۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم عارف اقبال پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہم دس سال پہلے دہلی سے آئے تھے، اُس وقت ہم ۵٪ فیصد کی در سے روپیہ دہلی سے نوادا منتقلی کا کام کرتے تھے، اِس ۵٪ فیصد میں آمد ورفت کا کرایہ وصرفہ بینک بھی شامل ہے، بقیہ رقم منافع کی شکل میں ہوتی ہے، منافع کی رقم سے ہم نے لیڈیز چپلوں کا کاروبار شروع کیا تھا، جس میں بہت ترقی ہوئی۔

اَب ہم حج کرنا چاہتے ہیں، کیا اِس رقم سے حج کرنا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو اِس کاروبار کو شریعت کے مطابق کیسے کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں جو وقت اور محنت صرف ہوتی ہے، اُس کو بنیاد بنا کر اِس عمل پر متعینہ اُجرت لینے کی گنجائش ہے اور اُجرت میں فیصد کی شرح سے اُجرت متعین کرنا بھی آپسی رضا مندی سے جائز ہے؛ لہٰذا آپ نے روپیہ منتقلی کے عمل سے جو نفع کمایا وہ حلال تھا، اور اس آمدنی سے جو چپلوں کا کاروبار کیا ہے وہ بھی جائز رہا،

اَب آپ اِس رقم سے بلا تکلف حج کو جاسکتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۴۶)

الإجارة عقد يرد على المنافع بعوض، ولا تصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (الهداية / كتاب الإجارات ۲۹۳/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹی داماد کے ساتھ سفر حج؟

سوال (۱۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک بیوہ عورت ہوں، میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے اب میری بیٹی اور داماد حج بیت اللہ کے لئے جانے والے ہیں، کیا میں اپنی بیٹی داماد کے ساتھ حج کرنے جاسکتی ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داماد آپ کے لئے محرم ہے؛ لہٰذا اگر کسی فتنہ کا خطرہ نہ ہوتو آپ اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ حج کو جاسکتی ہیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۹۲/۳)

ويؤيد كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة، فينبغي استثناء الصهرة الشابة هنا أيضًا؛ لأن السفر كالخلوة. (شامي، كتاب الحج / مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع ٤٦٤/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۱۱ھ

مکہ میں ملازمت کرنے پر ایسے شخص کا اشہر حج میں عمرہ کرنا؟

سوال (۱۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مکہ شہر میں ملازمت کرتا ہے، رمضان کے بعد گھر آ گیا تھا، اب گھر سے مکہ شہر میں اپنی ملازمت کے لئے جا رہا ہے، زید کو جا کر اس سال حج بھی کرنا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا زید آفاقی

کی طرح جا کر عمرہ کرلے، پھر حج کے دنوں میں حج کرلے، اس طرح متمتع ہو جائے، یہ درست ہے؟ جب کہ زید تو مکہ مکرمہ میں ملازمت کرنے کی وجہ سے مکی کے درجہ میں ہے وہ اگر تمتع کرے تو کیا دم تو واجب نہ ہوگا؟ اور اگر زید جا کر عمرہ نہ کرے یہ سوچ کر کہ مجھے حج کرنا ہے، تو عمرہ نہ کرنے کی وجہ سے دم آرہا ہے، نیز زید اس سال حج بھی کرنا چاہتا ہے اور دم سے بھی بچنا چاہتا ہے کیا شکل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید چوں کہ رمضان کے بعد ماہ شوال میں کچھ وقت مکہ معظّمہ میں مقیم رہا، اُس کے بعد اپنے وطن ہندوستان آیا ہے، اور پھر اسے ملازمت کے لئے مکہ معظّمہ واپس جانا ہے، تو وہ مکی شخص کے حکم میں ہے، اَب وہ میقات سے عمرہ یا حج کا احرام باندھ کر جاسکتا ہے؛ لیکن اگر عمرہ کرنے کے بعد اُسی سال حج کرے گا تو وہ سنت کے خلاف کرنے والا ہوگا اور اُس کا تمتع درست نہ ہوگا اور اس پر ایک دمِ جنایت لازم ہوگا، اِس صورت میں اُس کے لئے دم سے بچنے کی شکل یہ ہے کہ یا تو میقات سے عمرہ کا احرام باندھے اور پھر اس سال حج کا ارادہ نہ کرے، اور یا پھر میقات سے حج کا احرام باندھے اور حج تک احرام ہی کی حالت میں رہے۔

ولو خرج المكي إلى الآفاق كالمدينة في أشهر الحج أو قبلها يعني دخل مكة لعمرة في أشهر الحج وحج من عامه لا يكون متمتعًا على طريق السنة لوجود الإلمام. (المناسك لملا علي القاري ص: ٢٨٤)

البتہ اگر یہ شخص شوال سے قبل ہندوستان میں رہتا، پھر شوال یا ذی قعدہ میں واپس جاتا ہے تو اُس کے لئے تمتع درست رہتا اور اُس پر کوئی دم لازم نہ آتا۔

وإن جاوز الوقت قبل أشهر الحج كان متمتعًا عند الكل؛ لأن أشهر الحج قد رحلت وهو في مكان قد جاز لأهله التمتع والقران فجاز له التمتع أيضًا. (المناسك لملا علي القاري ص: ٢٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حدودِ حرم سے گذر کر حل میں جانے والے کا حکم؟

سوال (۱۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے ایک ساتھی حدود حرم سے باہر حل میں رہتے ہیں، جب دہلی سے جاتے ہیں، تو اپنی ملازمت گاہ حل میں بغیر احرام کے جاتے ہیں، جب کہ اُن کو حل میں جانے کے لئے حدودِ حرم اور مکہ سے گذرنا پڑتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ آفاقی اگر مکہ شہر یا حدود حرم سے گذر کر حل میں اپنی ملازمت کی جگہ جارہا ہے، اس کا عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، تو کیا پھر صرف مکہ یا حدود حرم سے گذرنے کے لئے احرام ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ ملازمت گاہ میں جانے کے لئے مذکورہ شخص کو حدودِ حرم مکہ معظّمہ سے گذرنا پڑتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے میقات سے احرام باندھنا اور عمرہ یا حج کرنا لازم ہے، اگر بلا احرام گذرے گا تو دم لازم ہوگا۔

ومن دخل من أهل الآفاق مكة أو الحرم بغير إحرام فعليه أحد النسكين أي من الحج والعمرة، وكذا عليه دم المجاوزة أو العود. (المناسك لملا علي القاري ص: ۸۷، البحر العميق ۶۱۸/۲)

لأن مجاوزة الميقات بنية دخول الحرم بمنزلة إيجاب الإحرام على نفسه. (غنية الناسك ص: ۶۳) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طائف سے حدودِ حرم سے گذر کر جدہ جانے والے کے لئے احرام کا لزوم؟

سوال (۱۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید اپنے وطن دہلی سے مکہ مکرمہ بغرض ملازمت گیا، مکہ ہی میں ملازمت کرتا ہے؛ لیکن فلائٹ دہلی سے جدہ کی نہیں ملی؛ بلکہ دہلی سے طائف کی ملی اور زید طائف اتر کر ضروری کام کی غرض سے حدودِ حرم سے گذر کر جدہ گیا، پھر جدہ سے اپنے کمرہ پر مکہ آ گیا۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ طائف میں آ کر زید احرام باندھے یا طائف سے پہلے جہاز ہی میں احرام باندھے یا جدہ جا کر طائف سے پھر جدہ سے احرام باندھے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر زید طائف میں احرام نہ باندھے جدہ آ کر باندھے تو دم تو واجب نہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید پر لازم تھا کہ طائف سے روانہ ہو کر میقات (ہذا) سے احرام باندھتا؛ کیوں کہ اسے جدہ جانے کے لئے حدود حرم سے گذرنا تھا اور جب حدودِ حرم میں داخلہ کا ارادہ ہو تو بہر حال میقات سے احرام باندھنا لازم ہوتا ہے، اَب چوں کہ وہ بلا احرام مکہ پہنچ چکا ہے تو اُس پر ایک عمرہ یا حج لازم ہے۔ اور اگر کسی میقات پر واپس جا کر احرام نہ باندھا تو دم بھی لازم ہوگا، اور بہت سے علماء کے نزدیک چوں کہ جدہ بھی میقات کے حکم میں ہے اِس لئے اگر مذکورہ شخص جدہ جا کر احرام باندھ لے گا تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا۔

آفاقي مسلم مكلف أراد دخول مكة أو الحرم ولو لتجارة أو سياحة، وجاوز آخر مواقيته غير محرم ثم أحرم أو لم يحرم أثم، ولزم دم، وعليه العود إلى ميقاته التي جاوزه أو إلى غيره أقرب اللّٰه أبعد. (غنية الناسك، ص: ٦٠، الفتاویٰ الهندية ٣٥٣/١، المناسك لملا علي القاري ص: ٨٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف کے دوران رخ بدلنا یا پیچھے لوٹ کر آنا؟

سوال (۱۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: طواف کرتے وقت اگر کوئی آدمی دو چار قدم مڑ جائے یا پیچھے لوٹ جائے مووی بنانے یا پانی وغیرہ لینے کے لئے تو کیا ایسا کرسکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف کرتے وقت اگر بالقصد کسی وجہ سے سینہ یا پیٹھ بیت اللہ کی طرف ہوجائے تو اس حالت میں جتنا بھی طواف کیا جائے گا وہ معتبر نہ ہوگا؛ لہٰذا جس جگہ سے یہ صورت پیش آتی ہے وہاں لوٹ کر طواف کا چکر پورا کیا جائے۔ (کتاب المسائل ۳/۲۴۴)

اور دورانِ طواف مووی بنانا سخت گناہ ہے۔

لیس شيء من الطواف یجوز عندنا مع استقبال البیت. (غنیة الناسك ۱۴۵ سهارنفور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۱۰/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹے بال والی عورت حج وعمرہ میں کیسے قصر کرے؟

سوال (۱۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت نے مردوں کی طرح بالکل چھوٹے بال رکھ رکھے ہیں، اَب وہ حج کو جارہی ہے، تو سوال یہ ہے کہ وہ عمرہ کرکے کس قدر بال کٹائے گی؟ واضح ہو کہ اُس کے سر کے بال صرف ڈیڑھ انچ بڑے ہیں، ایک مرتبہ قصر ہونے کے بعد جب حج کا مرحلہ آئے گا تو اُس کے سر پر ایک انچ سے کم بال رہ جائیں گے، اَب حج کے احرام سے حلال ہونے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ کیا ایسی عورت کے لئے حلق کرانا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ عورت پر ایک چوتھائی سے زیادہ سر کا قصر ضروری ہوگا؛ لہٰذا اُس کے لئے بہتر یہ ہے کہ عمرہ سے فارغ ہوکر آدھا سر پورے

کے برابر قصر کرالے اور پھر حج سے فراغت کے بعد بقیہ آدھے حصہ کا قصر کرالے تو وہ احرام سے باہر ہوجائے گی، اور یہ قصر چوں کہ ضرورۃً ہورہا ہے، اِس لئے اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

والمراد بالتقصير أن يأخذ الرجل والمرأة من رؤوس شعر ربع الرأس مقدار الأنملة، كذا ذكره الزيلعي. (شامي، كتاب الحج / مطلب في رمي جمرة العقبة ٣/٥٣٤ زكريا)

وحلقه أفضل أي هو مسنون وهٰذا في حق الرجل، ويكره للمرأة؛ لأنه مثلة في حقها كحلق الرجل لحيته. (شامي، كتاب الحج / مطلب في رمي جمرة العقبة ٣/٥٣٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱۱/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفرِ حج اور حرمین شریفین میں خلافِ شرع اُمور کا ارتکاب کرنا؟

سوال (۱۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عام طور پر حاجی کو علماء کرام سمجھاتے ہیں اور کتابوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ حاجی لوگ گھر آکر وہاں کی یعنی مکہ مکرمہ کی کوئی برائی نہ کریں؛ لیکن وہاں کھلے طور پر برائی دیکھنے کو ملتی ہے جیسے وہاں کھلی ہوئی فوٹو گرافی موبائل اور کیمرہ کے ذریعہ، موبائل کا میوزک کھلے عام مسجدِ نبوی اور مسجدِ حرام میں بجنا اور مسجدِ نبوی کے باہر اور وہاں کے خصوصی مقامات پر فوٹو گرافروں کا ایلبم دکھا کر حاجی کو فوٹو گراف پر آمادہ کرنا اور قرآنِ کریم کی کیسٹیں بازاروں میں بکری کے لئے کھلے عام بجنا، اور ٹی وی پر امام حرم کو نماز پڑھاتے اور دعا مانگتے دیکھا کرسی ڈی کی بکری کرنا، اور وہاں کے کپڑا بازاروں میں عورتوں کے مجسموں کی سجاوٹ اور وہاں کی رہائش میں عورت کا پردہ کرنا ناممکن سا ہونا، اور اِن سب باتوں میں وہاں کی حکومت کا دھیان نہ ہونا وغیرہ، اِن سب باتوں کا اسلام میں کیا حکم ہے؟ اور اِن سب باتوں کو دیکھ کر آنے کے بعد حاجی کا کیا ردِ عمل ہونا چاہئے؟

اِسلام میں پردے کی کیا اَہمیت ہے؟ اور فوٹو گرافی کتنی بری چیز ہے؟ اور تصویر کشی کی کتنی سخت ممانعت ہے؟ یہ سب باتیں علماءِ کرام سے چھپی ہوئی نہیں ہیں؛ لیکن آج بے پردگی اور فوٹو گرافی عام ہوتی جارہی ہے اور حج کے سفر سے اِس کو تقویت مل رہی ہے کہ اسلام کا ایک بہت بڑا رکن حج ہے، جس کا سفر ایک روحانی سفر ہے؛ لیکن اِس روحانی سفر کے آغاز سے ہی جہاں پردہ ہوسکتا ہے، وہاں بھی عورت کو بے پردہ کیا جاتا ہے، پاسپورٹ ایک مجبوری ہے کہ حکومت کا قانون ہے؛ لیکن اِس کے علاوہ جہاں ہم کو قدرت ہے کہ ہم اپنے عوام کو بچاسکتے ہیں وہاں پر افسوس ناک بے پرواہی دیکھنے کو مل رہی ہے، مثلاً پولیو کی دوا پلانے جیسے کاموں میں ہم کوشش کریں تو عورتوں کے لئے عورتوں کا اسٹاف بلا سکتے ہیں، اور جہاز میں حاجیوں کا استقبال لڑکیاں کرتی ہیں اور حاجی کو کھانے کے لئے جہاز میں مرغے کی بریانی ملتی ہے، احقر یہ سمجھتا ہے کہ یہ بھی حج کے سفر کی روحانیت کے خلاف ہے، میری گذارش ہے اس پر ہمارے علماءِ کرام اور دانشور لوگ خاص طور پر اللہ کے لئے دھیان دیں، تو اِن سب برائیوں سے بچا جاسکتا ہے، جب کہ جہاز میں سارے ہی مسافر حاجی ہوتے ہیں۔ اور احقر یہ سمجھتا ہے کہ اگر اِن چھوٹی چھوٹی بنیادی باتوں پر دھیان دیا گیا تو عوام کے دلوں میں پردے کی اَہمیت کچھ جاگے جو کہ بالکل مرچکی ہے، اور یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ آج کل جو حج کا سفر ہورہا ہے اُس سے خاص طور پر پردے اور فوٹو گرافی کا منفی اثر پڑ رہا ہے، اور حجت اور دلیل بن گیا ہے، احقر کی گذارش ہے کہ برائے کرم دھیان دیں اور اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفرِ حج کے دوران جن منکرات کا ذکر سوال نامہ میں کیا گیا ہے، وہ یقیناً قابلِ مذمت ہیں، جس شخص کو اس پر نکیر کرنے کی قدرت ہو وہ اپنی قدرت کے موافق نکیر کرے، اور جسے قدرت نہ ہو جیسے کہ عام لوگ تو وہ دل سے برا سمجھیں، اور خود کو اور اپنے ماتحتوں کو جہاں تک ممکن ہوسکے، اِن منکرات سے بچانے کی کوشش کریں، یہ ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، اور کسی ناجائز بات پر اظہارِ افسوس کرنا تاکہ لوگ اُن برائیوں میں پڑنے سے بچ جائیں یہ غیبت میں شامل نہیں۔

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا﴾ [التحريم، جزء آيت: ٦]

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من راٰى منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذٰلک أضعف الإيمان. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، وأن الإيمان يزيد وينقص الخ ٥٢/١ رقم: ٤٩ بيت الأفكار الدولية، مشكاة المصابيح / باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول ٤٣٦/٢)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ﴾ وجه التخصيص عشيرته صلى اللّٰه عليه وسلم الأقربين بالذكر مع عموم رسالته عليه الصلاة والسلام دفع توهم المحاباة، وإن الاهتمام بشانهم أهم، وإن البدأة تكون بمن يلي ثم من بعده. (روح المعاني ١٣٤/١٩)

عن معقل بن يسار رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: المدنية مهاجري ومضجعي في الأرض حق على أمتي أن يكرموا جيراني ما اجتنبوا الكبائر. (مجمع الزوائد ٣١٠/٣)

ولو ذكر مساوي أخيه على وجه الإهتمام لا يكون غيبة، وإنما الغيبة أن يذكر على وجه الغضب والسب. (الدر المختار مع الشامي ٥٨٥/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۴/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم ڈاکٹرنی کو حج سے تسبیح منگا کر دینا؟

سوال (۱۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غیر مسلم ڈاکٹرنی ہے، جو حج سے تسبیح منگوانا چاہتی ہے، تو اُس کو منگا کر دینا جائز ہے؟ اور وہ عورت یہ بھی چاہتی ہے کہ اُس کو اُس کے مرنے کے بعد جلایا نہ جائے؛ بلکہ اُس کو دفن کیا

جائے اور کوئی مسلم عورت اُس کو اِسلام کی دعوت دینا چاہتی ہے، اگر ایسا کرنا جائز ہو تو ایسی دعا لکھ دیجئے کہ وہ خود بخود ایمان لے آئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ غیر مسلم ڈاکٹرنی کو تسبیح لاکر دینا اور اِسلام کی دعوت دینا بہت مناسب ہے، اُن سے کہیں کہ یہ دعا کثرت سے پڑھتی رہیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ کی رہنمائی فرمائیے) ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ (کفایۃ المفتی ۳۱۴/۹ جدید، فتاویٰ محمودیہ ۵۴۵/۱۹ ڈابھیل)

ولو دعي له أي الذمي بالهدی جاز؛ لأنه علیه السلام قال: اللّٰهم اهد قومي فإنهم لا یعلمون. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة / الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحکام التي تعود إلیهم ۳٤۸/۵)

ولا بأس بتعلیمه القرآن والفقه عسی یهتدي. (الدر المختار، کتاب الطهارة / باب المیاه ۱۷۷/۱ دار الفکر بیروت، ۳۲۱/۱ زکریا)

لا بأس أن یصل الرجل المسلم المشرک قریبًا کان أو بعیدًا محاربًا کان أو ذمیًا. (البحر الرائق، کتاب الکراهیة / فصل في البیع ۳۷٤/۸ زکریا، وکذا في رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة / فصل في البیع ۳۸۸/٦ دار الفکر بیروت، الفتاویٰ الهندیة / الباب الرابع من کتاب الکراهیة ۳٤۷/۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبائح واضحیہ:

سعودی عرب کے شخص کو ۱۳/ ذی الحجہ کو ہندوستان میں اپنی قربانی کرانا؟

سوال (۱۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ :ایک شخص سعودی عرب میں رہتا ہے، اس پر قربانی واجب ہے وہاں کی تاریخ کے اعتبار سے ۱۳؍ذی الحجہ ہوچکی ہے، اور اس نے ابھی تک قربانی نہیں کیا؛ لیکن ہندوستان کے اعتبار سے ابھی قربانی کے ایام باقی ہیں، تو کیا یہ شخص اپنے وطن اصلی ہندوستان میں فون کر کے اپنی قربانی کراسکتا ہے؟ جب کہ وہاں (سعودی عرب میں) جہاں وہ رہتا ہے، قربانی کے ایام ختم ہوچکے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ اور چند اہم عصری مسائل نامی کتاب از مفتی زین العابدین صاحب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص فون کر کے اپنی قربانی نہیں کراسکتا ہے، اِس کے بالمقابل آپ کی کتاب: ’’کتاب الاضحیہ‘‘ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص فون کر کے اپنی قربانی کراسکتا ہے۔ براہِ کرم صحیح مسئلہ مفصل ومدلل واضح فرما کر ممنون ومشکور ہوں عنایت بے نہایت ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص سعودی عرب میں رہتا ہو، وہ وہاں سے تیرہ ذی الحجہ کو ہندوستان میں اپنی قربانی کرائے جب کہ یہاں ذی الحجہ کی بارہ تاریخ ہو، تو اس صورت میں سعودیہ میں رہنے والے شخص کی قربانی درست ہوجائے گی اور جہاں جانور کو قربان کیا جارہا ہے وہاں کی تاریخ کا اعتبار ہوگا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب سبب وجوب یعنی قربانی کی طاقت رکھنا اور وجوبِ ادا یعنی قربانی کا وقت ہوجانا دونوں پائے جائیں، تو اب مقام اُضحیہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مثلاً بارہ ذی الحجہ کو گوہاٹی میں بمبئی سے ایک گھنٹہ پہلے سورج غروب ہوتا ہے، اَب اگر کوئی گوہاٹی کا رہنے والا شخص ۱۲؍ذی الحجہ کو گوہاٹی میں سورج غروب ہوجانے کے بعد بمبئی میں کسی دوست کو اپنی قربانی کرانے کا حکم کرے جب کہ ابھی بمبئی میں سورج غروب نہ ہوا ہو، تو بالاتفاق اُس کی قربانی درست ہوجائے گی اور مقام اُضحیہ کا اعتبار ہوگا۔ اِسی طرح سعودی عرب سے فون کرنے والے شخص کی قربانی کا معاملہ ہے۔ (مستفاد: انوارِ رحمت ۳۹۱، کتاب المسائل ۲؍۳۰۲)

إن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر، والغني شرط الوجوب

(فتح القدير ۹؍۵۱۹ زكريا)

ويعتبر مكان المذبوح لا مكان المالك (خانية على هامش الهندية ٣/٥ ٣٤)

وأما شرائط أدائها فمنها: الوقت في حق المصري بعد صلاة الإمام، والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحي. (البحر الرائق ٨/١٧٣ كراچی، ٨/٣١٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۷/۶ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آمر کے ملک میں اگر وقت شروع نہ ہو تو مامور کے ملک میں قربانی درست نہ ہوگی

سوال (۱۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امریکہ ودیگر ممالک میں رہنے والے حضرات اپنی قربانی کے لئے اپنے ملک والوں کو وصیت کرتے ہیں کہ ان کی طرف سے قربانی کردیں اور وہ رقم بھیج دیتے ہیں، تو قربانی کرنے والے حضرات مقام قربانی کی تواریخ کا اعتبار کریں گے یا موصی کے ملک کی تواریخ کا اعتبار کریں؟ کیوں کہ بعض مرتبہ دونوں ملکوں میں ایک دو دن کا فرق پڑ جاتا ہے، تفصیل سے وضاحت فرمائیے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی صحت کے لئے لازم ہے کہ جو شخص قربانی کرنے کا حکم دے رہا ہے اس کے ملک میں اور جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں پر قربانی کے ایام پائے جائیں؛ لہٰذا اگر ان دونوں میں سے کسی ایک جگہ بھی قربانی کے ایام نہیں پائے جائیں گے، تو قربانی درست نہ ہوگی، مثال کے طور پر اگر امریکہ میں جمعہ کو یوم النحر واقع ہوا اور ہندوستان میں سنیچر کو یوم النحر پڑا تو جس شخص نے امریکہ سے ہندوستان میں قربانی کرنے کا انتظام کیا ہے، اس کی طرف سے ہندوستان میں جمعہ کو قربانی درست نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ ابھی مکان اضحیہ میں قربانی کا وقت نہیں پایا گیا، اس کے برعکس اگر ہندوستان کا رہنے والا کوئی شخص امریکہ میں قربانی کرائے تو

اس کی قربانی بھی مفروضہ صورت میں سنیچر سے پہلے درست نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ جمعہ کے دن اگرچہ امریکہ میں قربانی کا وقت پایا گیا ہے؛ لیکن آمر کے ملک (ہندوستان) میں ابھی قربانی کا وقت نہیں آیا۔ اور جب قربانی کا وقت نہیں آیا تو آمر پر قربانی واجب نہ ہوگی؛ لہٰذا وجوب سے قبل قربانی ادا نہ ہوگی۔

وأما وقت الوجوب فأيام النحر، فلا تجب قبل دخول الوقت؛ لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم ونحوها، وأيام النحر ثلاثة: يوم الأضحى وهو اليوم العاشر من ذى الحجة، والحادي عشر والثاني عشر. (بدائع الصنائع ۱۹۸/٤)

سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر والغني شرط الوجوب.

(فتح القدير ٥٠٦/٩ بيروت، ٥١٩/٩ زكريا)

وأما شرط أدائها: فمنها: الوقت في حق المصري بعد صلاة الإمام، والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحي، وسببها طلوع فجر يوم النحر.

(البحرالرائق ۱۷۳/۸ کراچی)

والدليل على سببية الوقت امتناع التقديم عليه كامتناع تقديم الصلاة، وإنما لم تجب على الفقير لقصد الشرط وهو الغني وإن وجد السبب. (شامي ۳۷۹/۹ بيروت، ٤٥۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑے جانور میں شخص واحد کا مختلف قربتوں سے سات حصے کرنا؟

سوال (۱۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایک بڑا جانور قربان کررہا ہے، جس میں اس نے اپنا ایک حصہ رکھا اور ایک ایک حصہ اپنے والدین کی طرف سے اور ایک حصہ نبی علیہ السلام کی طرف سے اور تین حصے بنیت عقیقہ رکھے،

تو کیا اِسی تفصیل کے مطابق سب حصے درست ہوجائیں گے؟ یا پورے جانور سے صرف واجب قربانی ادا ہوگی؟ ''احسن الفتاوی'' ۷/۵۳۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا جانور سے صرف واجب قربانی ادا ہوگی، اِس کے برخلاف ''فتاویٰ محمودیہ مکتبہ شیخ الاسلام ۱۷/ ۱۴۱ کے جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تفصیل کے مطابق سب حصے درست ہوجائیں گے۔ براہِ کرم صحیح مسئلہ بالتفصیل واضح فرمائیں اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ اشخاصِ متعددہ کی طرف سے بڑے جانور میں مختلف جہات والی قربات ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بڑے جانور کی قربانی میں ہر حصہ قربت وعبادت کی نیت سے کیا جارہا ہو، چاہے وہ عبادت نفلی ہو یا واجب، تو حسبِ نیت سب حصے درست ہوجائیں گے، ہمارے نزدیک یہی بات راجح ہے۔

قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل، وشمل ما لو كانت القربة واجبة علـى الكل أو البعض، اتفقت جهاتها أولا: كأضحية إحصار وجزاء صيد، وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامي ۹/۴۷۲ زكريا)

ولـنـا أن الـقـربة فـي إراقة الـدم، ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من الـقـرب أجزأهم، سواء كانت القربة واجبةٌ أو تطوعًا أو وجبت على البعض دون البـعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن كان أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد الخ. (بدائع الصنائع ۴/ ۲۰۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/ ۶/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس جانور کا سینگ ہلتا رہتا ہو اُس جانور کی قربانی کا حکم؟

ســـوال (۱۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک جانور کا سینگ پیدائشی طور پر ہلتا رہتا ہے نہ تو ٹوٹا ہوا ہے اور نہ جڑ سے اکھڑا ہوا ہے، بس ہلتا رہتا ہے، اُس کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جانور کا سینگ صرف ہلتا رہتا ہے نہ تو ٹوٹا ہوا ہے اور نہ جڑ سے اُکھڑا ہوا ہے، تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے؛ اِس لئے کہ یہ عیب ایسا نہیں ہے جو اضحیہ کی کمالِ منفعت یا جمال کو ختم کردے؛ لہٰذا اُس کی قربانی درست ہوگی۔

المستفاد: کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال أو الجمال یمنع الأضحیة وما لا یکون بهٰذه الصفة لا یمنع. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / الباب الخامس في بیان محل إقامة الواجب ۵/۲۹۹ زکریاء الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۷/۴۳۱ رقم: ۲۷۷۳۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہاتھی کی قربانی جائز نہیں؟

سوال (۱۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہاتھی کی قربانی ائمہ اَربعہ میں سے کسی اِمام کے نزدیک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس کے نزدیک؟ اور اِس کے ذبح کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہاتھی کی حرمت اور کراہت میں اگرچہ بعض ائمہ کا اختلاف ہے؛ لیکن چوں کہ یہ ایک وحشی اور جنگلی جانور ہے، اور قربانی صرف اصلاً پالتو جانور (اونٹ، گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ) کی ہی جائز ہوتی ہے، اِس لئے ہاتھی جیسے جنگلی جانور کی قربانی کسی بھی امام کے نزدیک درست نہ ہوگی، اگر چہ اُسے پالتو بنالیا جائے۔

ولا تصح الأضحیة بغیر النعم من الإبل والبقر والجاموس والغنم. (الفقه علی المذاهب الأربعة ۱/۲۷۲ المکتبة العصریة صیدا بیروت)

فمن ضحى بحيوان مأكولٍ غير الأنعام ...... لم تصح تضحيته به ...... ولأنه لم تنقل التضحية بغير الأنعام عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (الموسوعة الفقهية، مادة: أضحية / شروط صحة التضحية ٨٢/٥ كويت)

المراد بالحيوانات المفترسة: كل دابة لها ناب يفترس به، سواء أكانت أهلية كالكلب والسنور الأهلي، أم وحشية كالأسد والذئب والضبع والنمر والفهد والثعلب والسنور الوحشي والسنجاب والفنک والسمور والدلق (وهو أبو مقرض) والدب والقرد وابن آوى والفيل.

وحكمها: أنها لا يحل شيء منها عند الحنفية والشافعية والحنابلة وهو قول المالكية، غير أن الضبع والثعلب قال بحلهما أبو يوسف ومحمد.

واستدل الجمهور على تحريم هٰذا النوع كله أو كراهته كراهة تحريمية – بقطع النظر عن الأمثلة – بحيث أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: أكل كل ذي ناب من السباع حرام. (الموسوعة الفقهية، مادة: أطعمة، النوع الثالث: الحيوانات المفترسة ١٣٣/٥ رقم: ٢٤-٢٥ كويت)

اتفق العلماء على أن الأضحية لا تصح الأنعم إبل وبقر، ومنها: الجاموس وغنم، ومنها: المعز بسائر أنواعها ...... ولم ينقل عنه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا عن الصحابة التضحية بغيرها. (الفقه الإسلامي ٦١١/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۶/۱/۱۷ھ

گھوڑا کھانے کا حکم؟

سوال (۱۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے حضرت تھانویؒ کے بہشتی زیور میں ایک مسئلہ پڑھا ہے کہ گھوڑا کھانا جائز ہے، تو اِس سے

کونسا گھوڑا مراد ہے؟ یہ جو ہماری سواری وغیرہ میں کام آتا ہے یا اور کوئی گھوڑا مراد ہے، کھانا درست ہے، تو گھوڑے کی قربانی بھی ہوسکتی ہے یا نہیں اور گھوڑے کا گوشت سے کوئی نقصان تو نہیں ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھوڑے کے گوشت کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت مکروہِ تحریمی ہونے کی ہے؛ لیکن ظاہر الروایہ اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ گھوڑا کھانا حلال ہے، مگر مکروہ تنزیہی ہے؛ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ گھوڑے کا گوشت نہ کھایا جائے اور اِس گھوڑے سے وہی گھوڑا مراد ہے جو عام طور سے ہمارے یہاں پایا جاتا ہے، اور سواری وغیرہ کے کام آتا ہے؛ تاہم گھوڑے کی قربانی بالاتفاق درست نہیں ہے؛ کیوں کہ جن پالتو چوپایوں کی قربانی کا حکم ہے اُن میں گھوڑا شامل نہیں ہے۔

وذهب الحنفية في الراجح عندهم وهو قول ثانٍ للمالكية إلىٰ حل أكلها مع الكراهة التنزيهية. وحجتهم هي اختلاف الأحاديث المروية في الباب، واختلاف السلف، فذهبوا إلى كراهة الخيل احتياطًا؛ ولأن في أكلها تقليل آلة الجهاد. (الموسوعة الفقهية، مادة: أطعمة / النوع الثامن: الخيل ١٣٨/٥ كويت)

ويكره أكل لحم الفرس عند أبي حنيفةؒ. (شامي / كتاب الذبائح ٤٤٢/٩ زكريا)

وعندهما والشافعي تحل، وقيل: إن أبا حنيفة رجع عن حرمته قبل موته بثلاثة أيام، وعليه الفتوىٰ (الدر المختار) وفي الشامي: وهو مكروه كراهة تنزيه وهو ظاهر الرواية. كما في كفاية البيهقي وهو الصحيح على ما ذكره فخر الإسلام وغيره ...... والخلاف في خيل البرّ، أما خيل البحر فلا تؤكل اتفاقًا. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الذبائح ٤٤٢/٩ زكريا)

ثم يختص جواز الأضحية بالإبل والبقر والغنم. (كتاب المبسوط ٩/١٢ بيروت)

لما روى عن الصحابة أنهم قالوا: ''الهدايا من ثلاثة من الابل والبقر والغنم'' وما لايجوز في الهدايا لا يجوز في الضحايا؛ لأنهما نظيران. (الفتاوىٰ

الولوالجية، كتاب الصيد والذبائح والأضحية / الفصل الثالث ۷٦/۳ بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بتوں کے نام پر زندہ چھوڑے گئے جانوروں کا حکم؟

سوال (۱۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو جانور مندروں پر چڑھائے جاتے ہیں یا بتوں کے نام پر سڑکوں پر چھوڑے جاتے ہیں، اُن کو کوئی مسلمان پکڑ کر اللہ کے نام پر ذبح کر دے تو کیا یہ جانور حلال ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے، اور مقصود اِس سے خدمت اور کام لینے سے آزاد کرنا ہو جس کو ''سانڈ'' کہا جاتا ہے، یہ ﴿مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ ایسا جانور ''سائبہ'' کے حکم میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر اُس کو مالک سے خرید کر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے تو یہ جانور حلال ہے؛ لیکن اگر بغیر مالک کی اجازت کے ایسے ہی پکڑ کر ذبح کر دیا جائے تو اگرچہ ذبیحہ حلال ہو جائے گا؛ لیکن ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے انتفاع درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲۳۵/۸، جواہر الفقہ ٦۴۴/٦)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَلاَ سَائِبَةٍ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۱۰۳]

والسائبة البعير يسيب بنذر يكون على الرجل إن سلمه اللّٰه من مرض، أو بلّغه منزله أن يفعل ذٰلک فلا تحبس عن رعي ولا ماءٍ، ولا يركبها أحد. وقال به أبو عبيد. قال الشاعر: وسائبة للّٰه تَنمِن تشكرًا – إن اللّٰه عافى عامرًا أو مجاشعًا …… وقيل: السائبة: هي المخلاة لا قيد عليها ولا راعي لها. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي / المائدة: ۱۰۳ الجزء السادس ۲۵۷/۳ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۱۱/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مندر پر چڑھاوے کے جانور خرید کر ذبح کرنا؟

سوال (۱۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مندروں پر چڑھائے گئے جانور اگر نیلام کردئے جائیں اور مسلمان قصائی اُسے خرید لیں اور پھر اللہ کے نام پر ذبح کردیں تو اُن جانوروں کا گوشت حلال ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مسلمان قصائی کا مندروں پر چڑھائے گئے جانور کو خرید کر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا جائز اور درست ہے، اور اُس سے جانور حلال ہو جائے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم ۱۵/۴۳۵، کفایت المفتی ۸/۴۳۱، جواہر الفقہ ۶/۱۴۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دیوی دیوتاؤں کے نام پر پلی ہوئے گائے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنا؟

سوال (۱۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غیر مسلم دیوی دیوتاؤں کے نام پر گائیں پالتا ہے، پھر کسی مسلمان سے کہتا ہے کہ اسے ذبح کردو، اَب مسلمان اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کردیتا ہے، تو یہ گائے حلال ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم نے جو گائے دیوی دیوتاؤں کے نام پر پال رکھی ہے، پھر وہ اُس گائے کو اپنی ہی ملکیت میں رکھتے ہوئے اپنی دیوی دیوتاؤں کے تقرب کے لئے ذبح کرانا چاہتا ہے، تو اگرچہ وہ کسی مسلمان سے ذبح کرائے اور وہ مسلمان ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے پھر بھی اُس گائے کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا؛ البتہ وہ غیر مسلم ذبح سے پہلے اُس گائے کو مسلمان کے ہاتھ فروخت کردے یا ہبہ کرکے قابض ومالک بنادے یا اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام چڑھانے کی نیت سے رجوع کرلے اور اُس کا گوشت کھانے یا فروخت کرنے کے لئے کسی بھی

مسلمان سے ذبح کرائے تو اُن سب صورتوں میں یہ ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/۲۳۵، فتاویٰ دار العلوم جدید ۱۵/۴۳۱، جواہر الفقہ ۶/۲۴۴ زکریا)

ولـو ذبـحه لأجل قدوم الأمير أو قدوم واحدٍ من العظماء وذكر اسم الله، فـقـال يـحـرم أكله؛ لأنه ذبحها لأجل قدوم الأمير تعظيمًا الخ. (الـفـتـاوىٰ التاتارخانية ۳۹/۱۷ رقم: ۲۷۵۹۷ زكريا، شامي / كتاب الذبائح ۹/٤٤٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبح سے قبل کرنٹ یا مخصوص آلہ سے جانور کو سن کرنا؟

سوال (۱۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانوروں کو ذبح سے قبل بجلی کے ہلکے کرنٹ یا مخصوص میکانکی آلہ کے ضرب کے ذریعہ سن کیا جاتا ہے، جسے اِسٹنگ کہتے ہیں، اُس کا مقصد یہ ہے کہ ذبح کے عمل میں جانور قدرے ساکن ہوجائیں؛ تاکہ اُن پر قابو پایا جاسکے، اور ذبح کرنے والے کو زیادہ زور آزمائی نہ کرنی پڑے، اور جانور اور دوسرے لوگوں کو بے جا چوٹ لگنے سے بچایا جاسکے۔ سن کرنے کے بعد جانور پوری طرح ہوش میں ہوتا ہے، اور ذبح سے قبل یہ یقین کرلیا جاتا ہے کہ جانور زندہ ہے؛ البتہ اِس کا احتمال ہے کہ کوئی جانور ضرب کی شدت سے یا زیادہ کرنٹ لگنے کی وجہ سے ذبح کرنے سے پہلے مرجائے؛ لیکن یہ یقینی بنایا جاسکتا ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے جانور زندہ ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا اسٹننگ کا عمل جائز ہے؟

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مختلف ممالک میں جانوروں کی فلاح وبہبود سے متعلق ایجنسیاں اور سرکاری اِدارے اسٹننگ کو لازم قرار دیتے ہیں؛ کیوں کہ اُن کے نزدیک بغیر اسٹننگ کے جانور کو ذبح کرنا ظالمانہ عمل ہے؛ چوں کہ ابھی تک مختلف ممالک میں علماء کا رویہ باہمی متنازع ہے اور عموماً اسٹننگ نہ کرنا محتاط سمجھا جاتا ہے، اِس لئے اسٹننگ سے پرہیز کیا جاتا ہے، اور اِس وجہ

سے اَب مختلف ممالک میں بشمول ہندوستان ایسے قانون بنائے جارہے ہیں جس کے تحت حلال ذبیحہ کو ہی ظالمانہ عمل اور غیر قانونی ٹھہرایا جارہا ہے، ایسی صورتِ حال میں کیا اسٹنگ کو مطلقاً حرام یا غیر اِسلامی طریقہ قرار دیا جانا درست ہے؟

جو لوگ اسٹننگ کو جائز قرار دیتے ہیں، اُن کا استدلال یہ ہے کہ اگر جانوروں کو بندوق کے ذریعہ شکار کر کے یا کتوں اور شکرے کے ذریعہ شکار کر کے ذبح کرنا جائز ہے، جب کہ اِس میں جانور کے مرنے کا زیادہ احتمال ہے، تو پھر اسٹننگ کو کیسے ناجائز ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ اور اگر یہ ناجائز ہے تو اِس کے عدمِ جواز پر کیا شرعی دلائل ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذبح سے قبل جانوروں کو کرنٹ لگانے کا عمل شرعاً مکروہ ہے؛ لیکن اگر کرنٹ کے باوجود جانور ہوش میں رہے، اور یہ یقین ہو کہ ذبح کے وقت وہ زندہ تھا، تو ایسا جانور شرعاً حلال ہی رہے گا، اور شارٹ لگانے کا عمل شریعت میں اِس لئے منع ہے کہ اُس میں بلاضرورت جانور کو تکلیف دینا لازم آتا ہے، اور اِسے شکاری جانور پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ شکار کرنے والے کو شکار کے جانور پر پہلے سے اختیار حاصل نہیں ہوتا، اِس لئے بدرجہ مجبوری ذبح اضطراری کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور اُس میں بھی صرف دھار دار آلہ کے ذریعہ زخمی کرنے کا اعتبار ہے، بندوق سے زخمی کرنا حلت کے لئے کافی نہیں۔

نیز اگر کسی جانور پر شکار نے نشانہ لگایا اور اُس کی موت سے پہلے شکاری وہاں پہنچ گیا، تو اَب اُسے باقاعدہ ذبح کرنا ضروری ہوتا ہے، پہلے زخم سے خون نکلنا کافی نہیں۔ (کفایت المفتی ۸/۲۵۶ جدید، فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/۴۰۸، منتخبات نظام الفتاویٰ ۳/۲۵۷-۲۶۴)

عن شداد بن أوس رضي اللّٰه عنه قال: ثنتان حفظتهما عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن اللّٰه تعالیٰ کتب الإحسان علی کل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القِتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ولیُحِدَّ أحدکم شفرته، فلیُرح

ذبیحته. (صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح / باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرة ۱۵۲/۲ رقم: ۱۹۵۵ بیت الأفکار الدولیة)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینهیٰ أن تُبصرَ بهیمةً أو غیرها للقتل. (متفق علیه)

قال ابن أبي جمرة: فیه رحمة اللّٰه لعبادہٖ حتی في حال القتل، فأمر بالقتل، وأمر بالرفق فیه. قال العلماء: صبر البهائم أن تحبس وهي حیة للقتل بالرمي ونحوه …… وهٰذا النهي للتحریم؛ ولهٰذا لعن أي النبي صلی اللّٰه علیه وسلم من فعل هٰذا؛ لأنه تعذیب للحیوان وإتلاف نفسه، وتضییعٌ لمالیتهٖ وتفویت لذکاتهٖ إن کان مزکیً، ولمنفعته إن لم یکن مزکیً. (فتح الإلٰه في شرح مشکاة المصابیح / للعلامة ابن حجر الهیتمي، کتاب الصید والذبائح ۱۷۷/۹-۱۷۸ دار الکتب العلمیة بیروت)

ذبح شاة مریضة فتحرکت وخرج الدم حلت وإلا لا، إن لم تدر حیاته عند الذبح، وإن علم حیاته حلت مطلقًا، وإن لم تتحرک ولم یخرج الدم. (الدر المختار) وفي شامي قوله: حلت مطلقًا؛ لأن الأصل بقاء ما کان علی ما کان، فلا یحکم بزوال الحیاة بالشک وإن علمت حیاتها، وإن قلت وقت الذبح أکلت مطلقًا بکل حالٍ …… سواء وجدت تلک العلامات أولاً (الدر المختار مع لشامي ۴۴۷/۱-۴۴۸ زکریا)

والأصل أن إیصال الألم إلی الحیوان لا یجوز شرعًا، إلا لمصالح تعود علیه. (تبیین الحقائق ۲۲۷/۶)

ومثل ذٰلک ما إذا رماہ بعصًا أو خشبةً أو حجر لا حدّ له فأماته، فإنه لا یحل …… وکذا إذا رماہ برصاص البنادق أو رشها فأماته فإنه لا یحل. فإذا احتمل الحیوان الرمیة کأن کان کبیرًا وأدرکه وفیه حیاة مستقرة وذبحه فإنه یحل.

والحنفية قالوا: إن الأصل في ذٰلک أن یکون شک في أن موت الصید کان بسبب الجرح لا بسبب الثقل، فإذا تحقق أنه مات بالثقل أو شک في ذٰلک فإنه لا یحل أکله ما لم یدرکه، وفیه حیاة مستقرة یذبحه ...... أما إذا تحقق أنه مات بالجرح لا بالثقل فإنه یحل. (الفقه علی المذاهب الأربعة مکمل ٤٢١-٤٢٢ المکتبة العصریة بیروت، شامي ٤٧١/٦ کراچی، ٥٩/١٠ زکریا)

وأما الحنفیة فالجمهور في دیارنا علی عدم حل المصید بالرصاص ما لم یدرک حیا، فیذبح بطریق مشروع (تکملة فتح الملهم ٤٩١/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے گوشت کی تقسیم کیسے ہو؟

سوال (۱۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے گوشت قربانی کرنے والے کا کتنا حصہ ہے؟ ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ لوگ تو اپنے لئے بالکل نہیں رکھتے ہیں، سب گوشت بانٹ دیتے ہیں اور کچھ لوگ تھوڑا سا بانٹ دیتے ہیں اور باقی اپنے پاس ہی رکھ لیتے ہیں، آخر کتنا گوشت رکھنا اُس کے لئے جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اَفضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں، ایک حصہ فقیروں میں تقسیم کر دیا جائے، دوسرا حصہ دوست احباب اور رشتہ داروں کو پیش کردیں، تیسرا حصہ خود اپنے استعمال میں لائیں؛ اِس لئے کہ اپنی قربانی میں سے خود کھانا بھی مستحب ہے؛ تاہم اگر سارا گوشت دوسروں کو بانٹ دیں یا سب خود ہی استعمال کریں تو اِس کی بھی گنجائش ہے۔

والأفضل أن یتصدق بالثلث، ویتخذ الثلث ضیافة لأقربائه، ویدخر

الثلث، ويستحب لا يأكل منها، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (شامي / كتاب الصيد والذبائح ٩/٤٧٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا؟

سوال (۱۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا کیسا ہے؟ جہاں قربانی ہوتی ہے وہاں سے کچھ غیر مسلم بھی قربانی کا گوشت لے جاتے ہیں، کیا اُنہیں گوشت دینا جائز ہے؟ کیا اس پر بھی اجر ملے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا جائز ہے؛ کیوں کہ اصل عبادت قربانی کے جانور کا خون بہا دینے سے ادا ہوچکی ہے اور گوشت کا صدقہ کرنا نفلی صدقہ کے درجہ میں ہے، جس کو غیر مسلم پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر وہ غیر مسلم پڑوسی یا رشتہ دار ہو تو اس کو گوشت دینے سے حسن وسلوک کا ثواب ملنے کی بھی امید ہے۔

ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي. (الفتاویٰ الهندية ٣٠٥)

لأن القربة في الإراقة والتصدق باللحم تطوع. (شامي / كتاب الصيد والذبائح ٩/٤٧٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بقرعید کے دن قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتداء؟

سوال (۱۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کیا قربانی کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اُس دن کے کھانے کا آغاز اپنی قربانی کے گوشت سے کرے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کرنے والے کے لئے مستحب اور مسنون یہ ہے کہ بقرعید کے دن اپنی قربانی کے ہی گوشت سے کھانے کا آغاز کرے؛ تاہم اگر کوئی شخص قربانی سے پہلے کوئی چیز کھا پی لے تو اُس پر کوئی گناہ لازم نہ آئے گا۔

ويندب تاخير أكله عنها وإن لم يضح في الأصح، ولو أكل لم يكره أي تحريمًا. (شامي ٦٠/٣ زكريا)

لكنه في الأضحى يؤخر الأكل عند الصلاة؛ لأنه عليه الصلاة والسلام كان لا يأكل في يوم الأضحىٰ حتى يرجع فيأكل من أضحيته. (مراقي الفلاح ٤٤٠)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۰/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معاشرت

متعلقاتِ نکاح:

اُم المومنین حضرت حفصہؓ آپ کے نکاح میں کتنے عرصہ رہیں؟

سوال (۱۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنے سال رہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اُم المؤمنین سیدتنا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شعبان ۳ھ میں ہوا، جب کہ آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی، اِس حساب سے تقریباً ساڑھے سات سال حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ (اصح السیر ۵۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۵/۱۰ھ

بالغہ لڑکی کا اپنی مرضی سے نکاح کرنا؟

سوال (۱۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسلمان لڑکی اپنے ماں باپ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کہیں نکاح کر سکتی ہے؟ اور اگر کرلیتی ہے تو کیا وہ نکاح باطل ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بالغہ لڑکی اپنے کفو یعنی ہم رتبہ خاندان میں کسی مرد سے نکاح کرتی ہے، تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجاتا ہے؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ والدین کی مرضی سے ہی نکاح کا اقدام کیا جائے؛ کیوں کہ اپنی مرضی سے نکاح کرنے میں آگے چل کر بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں اور زندگی بے سکون ہوجاتی ہے۔

ینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها، وإن لم یعقد علیها ولي بكرًا كانت أو ثیبًا عند أبي حنیفة وأبي یوسف في ظاهر الروایة. (الهدایة / كتاب النكاح ۳۱۳/۲-۳۱٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چچازاد، ماموں زاد بہن بلاشبہ حلال ہیں

سوال (۱۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا سورۂ احزاب کی آیت ۵۰/ خالہ زاد بہنوں سے متعلق ہے یا نہیں؟ یہ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ کیوں جھانسی شہر میں مدثر اللہ خاں نامی شخص نے قرآن - 32/5 - 33/40 - 7/35 - 4/80 وغیرہ کے حوالوں سے دعویٰ کیا ہے کہ چچیری، ممیری، پھوپھیری وخلیری بہنوں (زاد بہنوں) سے شادی کرنا از روئے قرآن سورہ احزاب آیت ۵۰/ مسلمانوں کو جائز وحلال نہیں حرام ہے، اس کا کہنا ہے کہ سورہ احزاب کی آیت ۵۰/ خالص زاد بہنوں سے متعلق ہے، اسی لئے: ''اللّٰتی ازواجک'' اور ﴿بَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ﴾ ساتھ استعمال ہوا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کی بیویاں جن میں ایک بیوی زاد بہن بھی تھی کن شرائط پر حلال ہیں؟ اسی طرح ﴿بَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ﴾ کے ساتھ ''اللاتی'' کہ کن شرائط پر نبی کو حلال ہیں؟ لیکن علماء ماننے کو تیار نہیں؛ کیوں کہ

وہ آیت مذکورہ ۵۰/سورہ احزاب کو چار ٹکڑوں: (۱) بیوی (۲) لونڈی (۳) زاد بہن اور (۴) مومن عورت میں بانٹ کر کہتے ہیں کہ ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ صرف فقرہ نمبر چار سے تعلق رکھتا ہے، اس پر مدثر اللہ خاں کا کہنا ہے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو لفظ ''اللاتی'' لونڈی اور مؤمن عورت کے ساتھ بھی لگا ہوتا؛ لہٰذا التجاء ہے کہ اصلیت سے جلد آگاہ کریں، تاکہ غلط افواہ پھیلانے والے مدثر اللہ خاں پر قانونی کارروائی کی جاسکے، جواب کے لئے لفافہ ہم رشتہ ہے، فقط والسلام

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تمام اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب مسلمانوں کے لئے چچا زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں حلال ہیں اور اس کی واضح دلیل قرآنی آیت: ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ [النساء، جزء آیت: ٢٤] ہے۔ جس میں محرمات کے ذکر کے بعد یہ بتلا دیا گیا کہ اس کے علاوہ بقیہ رشتہ دار غیر رشتہ دار سب عورتیں اپنی شرائط کے ساتھ حلال ہیں۔ اور سورہ احزاب کی آیت نمبر: ۵۰ ﴿يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا﴾ الخ میں ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا تعلق یا تو صرف ان عورتوں سے ہے جو بلا مہر اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے اور اگر اس کا تعلق بقول بعض مفسرین آیت میں ذکر کردہ دیگر عورتوں سے بھی مانا جائے تو ان میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ آپ کی چچا زاد یا خالہ زاد بہنیں وہی آپ کے حلال ہیں جنہوں نے ایمان لاکر مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی اور جنہوں نے ہجرت نہیں کی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال نہیں تو ہجرت کی یہ قید پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی خصوصیت ہے، اور عام مسلمانوں کے لئے مہاجرہ یا غیر مہاجرہ ہر طرح کی چچا زاد، خالہ زاد بہنوں سے نکاح میں کوئی حرج نہیں؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ جس شخص کی طرف سے ان بہنوں کی حرمت کی بات چلائی جارہی ہے وہ قطعاً غلط ہے، اور اس بارے میں سورہ احزاب کی آیت ۵۰/ کا حوالہ دینا نری جہالت اور شرانگیزی ہے۔ (مستفاد: از معارف القرآن ۷/۱۸۸-۱۸۹، فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۲۶۰ ڈابھیل)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمُ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمُ﴾ [النساء، جزء آیت: ٢٤]

أي ما عدا من ذكر من المحارم هن لكم حلال. (تفسیر ابن کثیر ٢٧٤/١)

﴿مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمُ﴾ يعني ما سوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسير المظهري ٢٧٦/٢)

وبنات الأعمام والعمات والأخوال والخالات لم يذكرن في المحرمات فكن مما وراء ذلك فكن محللات (بدائع الصنائع / کتاب النکاح ٥٣١/٢)

وبعض آخر كونه قيدًا لإحلال جميع ما تقدم على القيود المذكورة أي خلص إحلال ما أحللنا لك من المذكورات على القيود المذكورة خلوصها من دون المومنين؛ فإن إحلال الجميع على القيود المذكورة غير متحقق في حقهم؛ بل المتحقق فيه إحلال بعض المعدود على الوجه المعهود واختاره الزمخشري. (روح المعاني ٨٧/٢٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رضاعی بھائی کی خالہ سے نکاح؟

سوال (۱۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی والدہ نے زید کے چچا کے لڑکے حامد کو دودھ پلایا کسی عذر کی وجہ سے، تو کیا زید کی شادی حامد کی خالہ سے ہوسکتی ہے؟ جب کہ زید کا رضاعی بھائی بن گیا دودھ پینے کی وجہ سے؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کا نکاح اپنے رضاعی بھائی حامد کی خالہ سے درست ہے؛ کیوں کہ رضاعی بھائی کی خالہ سگے بھائی کی خالہ کے درجہ میں نہیں ہے۔

ولا بأس لأخ الغلام أن يتزوج التي أرضعت أخاه، وكذلك ما بدا له من

ولـدهـا لأم. وفـي الأنـفع: وأم أخيه من الرضاع يجوز نكاحها. (الفتـاوىٰ التاتارخانية ٣٦٢/٤ رقم: ٦٤٢٣ زكريا)

يـحـرم عـلـى الـمـرضـعة أبناء رضيعها وأبناء أبنائه وإن سفلوا. ولا يحرم عليها أصوله كأبيه، وجدّه، ولا حواشيه كإخوته وأعمامه وأخواله، فيجوز لهؤلاء أن يتزوجوا المرضعة أو بناتها أو أخواتها، فالرضاعة لا تنشر الحرمة إلىٰ أصول الرضيع وحواشيه. (الموسوعة الفقهية ٣٤٨/٢٢ كويت)

أمـا الأم أو الأخـت مـن الـرضـاع فإنه يجوز الزواج بها، ولا يجوز الزواج بـأم الأخ أو الأخـت مـن الـنسـب لأبيـه كـان ترضع امرأة طفلا وكان لها ابن من الـنسـب فيـجـوز لهٰـذا الابـن أن يتزوج بأم هٰذا الطفل وهي أم أخيه من الرضاع. (الفقه الإسلامي و أدلته ١٤٣/٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

باپ شریک خالہ سے نکاح جائز نہیں

سوال (۱۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی دو بیویاں ہیں: فاطمہ، زینب۔ فاطمہ کی ایک بیٹی عائشہ ہے جس کا بیٹا محمد ہے، اور زینب کی ایک بیٹی کلثوم ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا عائشہ کے بیٹے (جو زید کا نواسہ ہے) محمد کا نکاح زینب کی بیٹی کلثوم (جو محمد کی خالہ ہے) سے درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں محمد کا نکاح کلثوم کے ساتھ جائز نہیں؛ اِس لئے کہ کلثوم محمد کی والدہ عائشہ کی باپ شریک بہن ہے، اِس اعتبار سے وہ محمد کی خالہ ہے،

اور خالہ سے نکاح حلال نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَ خَالَاتُكُمْ﴾ [النساء، جزء آیت: ۲۳]

وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم، سواء كن لأب وأم أو لأب أو لأم، لإطلاق اسم الأخت والعمة والخالة. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح / المحرمات بالقرابة ۲/ ۵۳۰ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/ ۷/ ۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس لڑکی نے خالہ کا دودھ پیا ہو اُس کا نکاح اُس خالہ کی اولاد سے نہیں ہوسکتا

سوال (۱۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکی کو اُس کی خالہ نے بچپن میں دھوکے سے دودھ پلا دیا تھا، اُس وقت اُس بچی کی عمر تقریباً چھ مہینے کی تھی۔ اب مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس بچی کا نکاح اُس کی اُسی خالہ کے لڑکے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکی نے چھ مہینے کی عمر میں اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے، وہ اُس کی رضاعی بیٹی بن گئی، اور خالہ کی سگی اَولاد کے لئے رضاعی بہن بن گئی؛ لہٰذا اس لڑکی کا اُس خالہ کے کسی لڑکے سے نکاح درست نہیں ہے۔

قال عليه الصلاة والسلام: الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة. (صحيح البخاري / باب قوله تعالىٰ وامهاتكم اللاتى الخ ۲/ ۷٦٤ رقم: ٤٩٠٩)

والأصل في ذٰلك أن كل اثنين اجتمعا على ثدي واحدٍ صار أخوين أو

اختين أو أخا وأختًا من الرضاعة، فلا يجوز لأحدهما أن يتزوج بالآخر، ولا بولده كما في النسب. (بدائع الصنائع /أول كتاب الرضاع ۳/٦ ۳۹ المكتبة النعيمية ديوبند)

ولا حل بين الرضيعية وولد مرضعتها. (الدر المختار مع الشامي / باب الرضاع ۲۱۷/۳ كراچی)

قال رحمه الله: وكل صبيين اجتمعا على ثدي واحدةٍ لم يجز لأحدهما أن يتزوج بالأخرىٰ، هٰذا هو الأصل؛ لأن أمهما واحدة فهما أخ وأخت. (الهداية على فتح القدير / كتاب الرضاعة ۳/ ٤٥٠ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کے ساتھ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا؟

سوال (۱۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اپنی سالی کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اُس لڑکی کا شوہر انتقال کر چکا ہے، اُس کے بچے بھی ہیں، اُس لڑکی کی عمر ۳۴ر سال ہے اور میری عمر ۴۵ر سال ہے، میری اپنی بیوی یعنی اس سالی کی لڑکی کی خالہ بھی موجود ہے؛ لیکن بیمار رہتی ہے، تو کیا میں سالی کی لڑکی یعنی اپنی بیوی کی بھانجی سے نکاح کر سکتا ہوں یا نہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے اُس کی بھانجی (سالی کی لڑکی) سے نکاح جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۱۹۱/۶)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يجتمع بين المرأة وعمتها ولا بين المرأة وخالتها. (صحيح البخاري ۷٦٦/۲ رقم: ٤٩١٨)

قال تعالىٰ: حرمت عليكم – إلىٰ أن قال – وأن تجمعوا بين الاختين ،قال

القاضي: والتحقت به بالسنة والإجماع حرمة الجمع بين امرأة وعمتها وامرأة وخالتها. (تفسير المظهري ٢٧٢/٢ سورة النساء، بحواله: آپ کے مسائل اور اُن کا حل ١٩١/٦)

لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها. (شامي / كتاب النكاح ١١٧/٤ زكريا)

ولا يجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها أو ابنة أخيها أو ابنة أختها، قوله عليه السلام: لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها. (الهداية، كتاب النكاح / فصل في المحرمات ٣٠٨/٢، بدائع الصنائع، كتاب النكاح / فصل في المحرمات ٤٣٠/٣ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ممسوسہ پھوپھی کی نواسی سے اپنے بیٹے کا نکاح؟

سوال (۱۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی پھوپھی کے ساتھ شہوت سے بوس وکنار کیا اب زید کا بیٹا اس پھوپھی کی نواسی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو یہ نکاح اس کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو اپنی پھوپھی سے شہوت کے ساتھ بوس وکنار کیا ہے، اس کی بنا پر پھوپھی کی اولاد سے خود زید کا نکاح کرنا تو حرام ہوگیا؛ لیکن اس حرمت کی وجہ سے زید کی اولاد کے لئے زید کی پھوپھی کی اولاد سے نکاح حرام نہیں ہوا؛ کیوں کہ اُن کے درمیان کوئی وجہ حرمت نہیں پائی جارہی ہے۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں زید کے لڑکے کا زید کی پھوپھی کی نواسی سے نکاح کرنا حلال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فمن زنى بامرأة حرمت عليه أمها، وإن علت وابنتها وإن سفلت. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح / القسم الثاني في المحرمات بالصهرية ٢٧٤/١ زكريا)

ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني وفروعها. (شامي، كتاب النكاح / فصل في المحرمات ١٠٧/٤ زكريا)

لا يحرم أصولها وفروعها على ابن الواطي وأبيه. (مجمع الأنهر / كتاب النكاح ٤٨١/١ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ممسوسہ بالشہوۃ کی بیٹی سے نکاح کرنے کیلئے امام شافعی کے مسلک پر عمل کرنا؟

سوال (۲۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اگر اِمام شافعی کے مسلک پر عمل کرے تو ایسے وقت میں اُس کے لئے کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ جب کہ زید حنفی مسلک کا ماننے والا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفسانی تقاضہ کی وجہ سے مسلک کی تبدیلی قطعاً جائز نہیں ہے۔

ثم المس إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم يكن بينهما ثوبٌ، أما إذا بيهنما ثوب فإن كان صفيقًا لا يجد الماس حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرة، وإن انتشرت آلته بذلك، وإن كان رقيقًا بحيث تصل حرارة الممسوس إلىٰ يده تثبت. (الفتاویٰ الهندية ٢٧٥/١)

ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد. (الفتاویٰ الهندية ٣٣٠/١)

ويثبت لكل واحدٍ منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه، ودخل بها أولاً في الأصح، خروجًا عن المعصية فلا ينافي وجوبه؛ بل يجب على القاضي

التفريق بينهما. (شامي ٢٧٥/٤ زكريا)

وفي شرح جمع الجوامع للمحلي: الأصح أنه يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ رتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين؛ لأن على العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه إلى معرفة الأحاديث. (إيضاح المسالك ٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۳/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لڑکی سے زنا کرنے کے بعد بیوی کو طلاق بائن دینا؟

سوال (۲۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک سگے باپ نے اپنی سگی بیٹی سے جو تقریباً ۱۴/سال کی ہے جبراً زنا کیا، چیخ سن کر ماں وہاں گئی، تو لڑکی نے ساری بات بتائی، اِس بات کا لڑکی کی پھوپھی اور پھوپھا وغیرہ کو بھی علم ہوگیا، صبح جب گھر والے اکٹھے ہوئے تو لڑکی کی ماں نے کہا کہ میں اَب اِس کے ساتھ کیسے رہوں؟ میں نہیں رہتی، تو لڑکی کے باپ نے کہا کہ ”جا تو میری طرف سے کہیں جا تو آزاد ہے، میں تو ایسی رکھیل بھی نہ رکھوں“۔ اتنا کہہ کر وہ گھر سے بھاگ گیا، سعودی عرب میں کام کرتا ہے، وہیں چلا گیا، اَب لڑکی کی ماں کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ شوہر کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں؟ اور کیا اُس کے علاوہ کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ واقعہ نہایت شرمناک ہے، اِس کا کسی بھی شریف انسان سے تصور نہیں کیا جاسکتا؛ تاہم اُس کے شرعی ثبوت کے لئے ملزم کا اقرار یا شرعی گواہی ضروری ہے، اگر ثبوت ہوجائے تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی، اور اِس واقعہ کے بعد جو اُس نے بیوی سے یہ کہا کہ ”جا تو میری طرف سے کہیں جا تو آزاد ہے“ اس سے ایک طلاق بائن تو

ضرور واقع ہوچکی ہے، اب عدت گذرنے کے بعد وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز ہے۔

فالكنايات لا تطلق بها إلا بنية أو دلالة الحال ...... فنحو أخرجي واذهبي وقولي ...... بائن. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق / باب الكنايات ٤/٥٢٨-٥٣١ زكريا، مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر ٢/٣٨، الفتاوىٰ الهندية ١/٣٧٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر اَول سے طلاق کے بغیر نکاح؟

سوال (۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر کی پہلی بیوی بکر کو دھوکہ دے کر چلی گئی، بکر کے اندر کوئی کمی نہیں، کمی یہ تھی کہ بکر نمازی اور سادہ مزاج تھا، اِس بنا پر چلی گئی، اور چھ ماہ بعد پتہ چلا کہ وہ دوسرے سے تعلق کرچکی ہے، اور اس کے گھر بلا طلاق کے چلی گئی اور کہا کہ ”میرا آدمی مرچکا ہے“ چھ ماہ کے بعد پتہ چلا کہ اُس کا شوہر زندہ ہے، پھر اُس کے گھر والوں کے اصرار پر خلع کا طریقہ اختیار کیا گیا، جس سے جو رقم طے ہوئی اُس میں مہر کی بھی رقم جوڑ دی گئی، تو ایسی صورت میں کیا بکر کو مہر کی رقم دینی پڑے گی، شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: خلع کے اندر شوہر سے مہر کی معافی کی شرط ہوتی ہے۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں اگر خلع کا معاملہ طے ہوا ہے تو بکر پر مہر کی ادائیگی لازم نہ ہوگی، اور بہر حال بکر کی بیوی نے دھوکہ دے کر جو دوسرے شخص سے نکاح کیا ہے وہ قطعاً حرام ہے اُس پر سچے دل سے توبہ واستغفار لازم ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حقٍ، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسدٍ كالبيوع الفاسدة والاستيجار على المعاصي والطاعات بغير عقد كالسرقة والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ...... وإلا

ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء (بذل المجهود ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، ۳۷/۱ قديم)

كره تحريمًا أخذ شيء ...... إن نشز وإن نشزت لا. (الدر المختار مع الشامي / باب الخلع، مطلب: معنى المجتهد فيه ۹۴/۵-۹۵ زكريا)

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذٰلک وقعت تطليقة بائنةً ولزمها المال. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب الثامن ۴۸۸/۱)

لايجوز لرجل أن يتزوج زوجة غيره. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح / القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير ۲۸۰/۱)

واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبةٌ، وأنها واجبة على الفور. (شرح النووي على صحيح مسلم ۳۵٤/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۸/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرد کی طرح منکوحہ عورت دوسری شادی کیوں نہیں کرسکتی؟

سوال (۲۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مرد جب تک طلاق نہ دے یا کسی طرح کا تعلق نہ رکھے میکے میں چھوڑ دیا ہو، ایسی صورت میں بیوی دوسری شادی نہیں کرسکتی؟ جب کہ بغیر طلاق دئے مرد دوسری شادی کرسکتا ہے، تو بیوی کے ساتھ ایسی ناانصافی اور ظلم کیوں؟ کہاں ہے مساوات؟ ایسے میں کہاں عورتوں کو مرد کے برابر حقوق مل رہے ہیں؟ جب کہ اسلام (شریعت) میں تو عورتوں کو برابری کے حقوق کی بات کی گئی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے بیوی کے لئے

دوسرے مرد سے نکاح کرنا شریعت میں قطعاً حرام ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کی اجازت دی جائے تو اس عورت سے پیدا ہونے والے بچوں کے نسب میں اختلاط کا عین امکان ہے، جب کہ نسب کا تحفظ انسانیت کی بقا کے لئے ضروری ہے، منکوحہ عورت کی نکاح کی بات وہی شخص سوچ سکتا ہے جس کی نظر میں انسانیت اور حیوانیت میں کوئی فرق نہ ہو، ورنہ جو شخص بھی انسانیت کے تحفظ کا جذبہ رکھتا ہو وہ ایسی بے حیائی کی بات کا تصور نہیں کرسکتا، اس طرح کے سوالات مغرب زدہ ماڈرن مادر پدر آزاد لوگوں کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں، جن کی نظر میں انسان اور کتے، بلیوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اسلام ایسے بے غیرت لوگوں کی تائید ہرگز نہیں کرسکتا؛ لہٰذا کوئی عورت جب تک کسی مرد کے نکاح میں ہو، اس سے طلاق یا تفریق یا اس کی موت کے بعد عدت گذارے بغیر اس کا جنسی تعلق کسی اور مرد سے ہرگز قائم نہیں ہوسکتا۔ اور اس کو مردوں کے متعدد شادی کرنے کے جواز پر قیاس نہ کیا جائے؛ کیوں کہ ایک مرد کوئی عورتوں کو منکوحہ بنانے سے بچوں کے نسب پر کوئی فرق نہیں پڑتا؛ بلکہ اس کی سب جائز بیویوں کی اولاد اس مرد کی حقیقی اولاد قرار پاتی ہے اور ان کی سب ضروریات کا وہی مرد کفیل ہوتا ہے۔

اِس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ منکوحہ عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ دینا کوئی ناانصافی یا ظلم کی بات نہیں؛ بلکہ یہی عورت کے لئے عزت اور عافیت کا راستہ ہے؛ کیوں کہ ایک عورت کے بیک وقت کئی شوہر ہونے میں عورت کے لئے سخت مشکلات اور فتنے رونما ہونے کا یقین ہے، جس کا تحمل کرنے سے صنف نازک عاجز ہے، مثلاً بیک وقت اس کے سب شوہر اس سے خواہش پوری کرنا چاہیں، تو یہ یقیناً ایسی مشکل ہوگی جس کو وہ جھیل نہیں سکتی، ان حقیقی باتوں کو نظر انداز کر کے اسلام کی فطری تعلیمات پر اعتراض کرنا خود اپنی عقل پر ماتم کرنے کے مرادف ہے۔

عن رويفع بن ثابت رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول يوم حنين: لا يحل لامرئ يؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن يسقى مائه زرع غيره. (سنن أبي داؤد ۲۹۳/۱ رقم: ۲۱۵۸ دار الفكر بيروت)

وفـي رواية عـنـه عـن الـنبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان يومن بالله واليوم الآخر فلا يسقي ماءه ولد غيره. (سنن الترمذي، كتاب النكاحخ / باب الرجل يشتري الجارية وهي حامل ۲۱٤/۱)

ومنها أن لا تكون منكوحة الغير لقوله تعالىٰ: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ وهي ذوات الأزواج. (بدائع الصنائع ۵٤۸/۲ زكريا)

ولا يـجـوز لـلـرجـل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة سواء كانت العدة عن طلاق الخ. (الفتاوىٰ الهندية / القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق لغير ۲۸۰/۱)

أمـا نـكـاح منكوحة الغير ومعتدته ...... إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي ۲۷٤/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

منکوحہ عورت کا دوسرے سے نکاح کرنا باطل ہے؟

سوال (۲۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری شادی شدہ لڑکی ہے، اَب وہ کسی دوسرے سے اُس کے بہکاوے میں آ کر اُس کے ساتھ چلی جائے اور اُس سے شادی کرلے تو کیسا ہے؟ کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ حالاں کہ پہلے شوہر نے اُس کو طلاق بھی نہیں دی ہے، شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی شدہ لڑکی کا شوہر سے طلاق اور اُس کی عدت گذرے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کرنا قطعاً باطل ہے، وہ لڑکی بدستور شوہر کے نکاح میں ہے، اُس نے دوسرے شخص سے تعلق قائم کرکے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اُس پر سچے دل سے توبہ واستغفار اور پہلے شوہر کے پاس جانا لازم ہے۔

والمحصنات من النساء عطف علی أمهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنات من النساء أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها أو يطلقها، وتنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق. (تفسير المظهري ۲۷٤/۲ زكريا)

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذٰلك المعتدة (الفتاویٰ الهندية ۲۸۰/۱ زكريا، بدائع الصنائع ۲۷۲/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۸/۹ھ

ہندولڑکے سے نکاح کرنے والی مسلمان لڑکی کا حکم؟

سوال (۲۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکی نے ہندولڑکے کے ساتھ شادی کرلی، اُس کو بہت سمجھایا گیا؛ لیکن وہ واپس نہیں آنا چاہتی، اور کہتی ہے کہ میں اِسی ہندولڑکے کے ساتھ رہوں گی؛ لیکن وہ اُس کے گھر رہتے ہوئے بھی نماز پڑھتی ہے، اور قرآنِ کریم کی تلاوت بھی کرتی ہے اور اُس کا شوہر بھی اسلام لانے کو تیار نہیں ہے، اور وہ اپنے کو ہندو ہی بتاتا ہے، تو ایسی لڑکی کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ آیا وہ مسلمان برقرار ہے یا وہ بھی کافر ہوچکی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسلم لڑکی کا ہندولڑکے کے ساتھ رہن سہن قطعاً حرام اور بدترین گناہ ہے، خاندان والوں پر لازم ہے کہ اُسے اِس گناہ سے باز رکھنے کی کوشش کریں؛ لیکن چوں کہ وہ حسبِ تحریر سوال نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکامات پر عمل کرتی ہے اور اُس سے کوئی موجبِ کفر بات صادر نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا اسے محض ہندولڑکے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا، اور اُس کے ساتھ زندگی میں اور مرنے کے بعد مسلمانوں جیسا ہی معاملہ کیا جائے گا، یعنی وہ اپنے مسلمان مورث کی وارث بھی ہوگی، اور موت کے بعد اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا، وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۲۱]

الكفر لغة: الستر، وشرعًا: تكذيبه صلى اللّٰه عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورة. (الدر المختار مع الشامي ۳۵۶/۶-۳۵۷ زكريا، ۲۲۳/٤ کراچی، البحر الرائق ۲۰۲/٥ زكريا)

الإيمان في اللغة: التصديق، وفي الشرع: التصديق بما جاء به النبي صلى اللّٰه عليه وسلم من عند اللّٰه تعالىٰ. (شرح العقائد ۱۲۰، البحر الرائق ۲۰۲/٥ کوئٹہ)

لا يجوز تزوج المسلمة من المشرك (الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح / القسم السابع المحرمات بالشرك ۲۸۲/۱ زكريا)

العصاة من أهل الكبائر لا يخلد في النار إذا ماتوا وهم موحدون. (شرح العقيدة الطحاوية ص: ۲۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۵/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ولیمہ کس وقت کرنا اَفضل ہے؟

سوال (۲۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ويجوز أن يولم بعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبني بها، والثالث هو الأولى. (بذل المجهود / باب في استحباب الوليمة للنكاح ١٦٠/٥)

بعد النكاح، بعد الرخصة، أو بعد أن يبني بها کی براہِ کرم وضاحت فرمائیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ بعد أن يبني بها کے لئے ہم بستری ضروری ہے یا نہیں؟ نیز بعد أن يبني بها کو اولیٰ اور اَفضل کہا گیا ہے، کیا خلوتِ صحیحہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ پائی جائے تو وہ افضلیت ولیمہ میں بعد أن يبني بها میں داخل ہے یا نہیں؟ براہِ کرم مفصل اور مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعد النکاح سے مراد نکاح کے بعد سے رخصتی سے پہلے پہلے کا زمانہ ہے، یعنی اَبھی بیوی میکے ہی میں ہو شوہر کے گھر نہ آئی ہو، اور بعد الرخصت سے مراد یہ ہے کہ بیوی شوہر کے گھر آ گئی ہو؛ لیکن ابھی اُن میں تنہائی کی نوبت نہ آئی ہو، اور **بعد أن یبنی بها** کا محمل یہ ہے کہ میاں بیوی کو تنہائی کا موقع مل گیا ہو، خواہ صرف خلوت ہوئی ہو یا اُس کے ساتھ ہم بستری بھی ہوگئی ہو، یہ صورت دونوں کو شامل ہے، اور اَفضلیتِ ولیمہ ہم بستری پر موقوف نہیں ہے؛ بلکہ خلوتِ صحیحہ اُس کے لئے کافی ہے؛ کیوں کہ وہ بھی حکماً ہم بستری کے درجہ میں ہے۔

فإن الدخول یشمل الخلوۃ أیضًا؛ لأنها دخول حکمًا. (شامي ۲۳٦/٤ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنا زیور اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے بعد شوہر سے مطالبہ کرنا؟

سوال (۲۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سعید کی شادی مورخہ ۹۹-۴-۱۴ کو مسمّی سعدیہ کوثر کے ساتھ ہوئی، میاں بیوی نے تقریباً دس سال بحسن وخوبی زندگی گذاری، اس دوران ایک لڑکی تولد ہوئی، بیوی کے والدین نے اس کو ۱۴۰ گرام سونے کے زیورات دئے اور شوہر کو ۲۱ گرام زیورات بطور تحفہ دئے، شوہر سعید کے ذمہ داروں نے سعدیہ کوثر کو ۸۷ گرام سونا کے زیورات دئے کل ملاکر بیوی کے زیورات ۲۲۷ گرام ہوئے، اب میاں بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہوا نا اتفاقی اس حد تک پہنچ گئی کہ بیوی نے خلع کی درخواست دار القضاء میں دیدی، اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ سعدیہ کے ۲۲۷ گرام زیورات میں سے ۱۲۱ گرام زیورات انہیں کے پاس ہیں، بقیہ ۱۰٦ گرام زیورات کا حساب درج ذیل ہے:

الف:- ۴ گرام سونے کا ایک زیور بیوی پہن کر کسی تقریب میں گئی، رات میں سوتے

وقت بیوی نے وہ زیور نکال کر شوہر کو حفاظت کے لئے دے دیا، شوہر اس کو جیب میں رکھ کر سو یا، اس دوران وہ زیور غائب ہوگیا، صبح کو میاں بیوی نے مصالحت کرلیا کہ جو چیز گم ہوگئی اس کو چھوڑ دیا جائے، اب اس کا مطالبہ بیوی کی طرف سے کیا جا رہا ہے، جب کہ اس واقعہ کو ہوئے دس سال ہوگئے، کیا اس زیور کا ضمان شوہر پر شرعاً واجب ہے؟

ب:- شوہر کے بھائی کی شادی ہوئی ایسے موقعوں پر نئے جوڑے کو تحفہ دینے کا رواج ہے، اس رواج کے مطابق میاں بیوی اپنی رضامندی کے ساتھ ۱۶رگرام کا ایک زیور نئے جوڑے کو تحفہ میں دیا، اس واقعہ کو گذرے ہوئے تقریباً ۵رسال ہوگئے، اب علیحدگی کی صورت میں بیوی کی طرف سے اس زیور کا مطالبہ ہو رہا ہے، کیا شرعاً شوہر پر اس زیور کا تحفہ واپس لے کر لوٹانا واجب ہے؟

ج:- بیوی کے والدین بہت قرض دار تھے اور اس وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے، انہوں نے اپنے داماد سے درخواست کیا کہ کہیں سے سودی قرض لے کر دیں، داماد نے ان کے لئے سودی قرض کا انتظام کر دیا، اور اس کے علاوہ عقد کے کئی سال تک عدم استقرار حمل رہا، شوہر نے استقرار حمل کے علاج کے لئے بھی سودی قرض لیا، اس کی صورت حقیقت یہ ہے کہ داماد نے سسرال والوں کے قرض اور بیوی کے لئے علاج کے لئے بھی سودی قرض لیا، سودی قرض اتنا ہوگیا کہ اس کو ادا کرنا محال ہوگیا، تو ایسی مجبوری کی صورت میں سعدیہ نے شوہر سے کہا کہ میرے زیورات فروخت کر کے اس سود کی رقم ادا کردو، سعدیہ کے حکم سے شوہر سعید نے ۷۷رگرام سونے کے زیورات فروخت کر کے ادا کیا، بعد میں سسرال والوں نے اصل رقم ادا کر کے قرض کو ختم کیا، اب سوال یہ ہے کہ ۷۷رگرام سونا جو سعدیہ کوثر کے حکم سے فروخت کر کے سعید نے سود کی رقم ادا کی ہے، کیا ان زیورات کا شوہر پر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زیورات بیوی نے برضا ورغبت فروخت کرادئے اور اس کی رقم آپسی رضامندی سے قرض وغیرہ میں ادا کردی گئی، اسی طرح جو زیور بیوی نے دیور کی شادی میں ہدیہ کیا، نیز شوہر سے گم شدہ جس زیور پر مصالحت ہو چکی تھی، ان تمام چیزوں کا اب خلع

کے وقت مطالبہ درست نہ ہوگا۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان، ولا علی المستودع غیر المغل ضمان .(سنن الدار قطني ۳/ ٣٦ رقم: ۲۹۳۹)

کل یتصرف في ملکه کیف شاء. (شرح المجلة لسلیم رستم باز ۱/ ٦٥٣)

حکم الهبة ثبوت الملک للموهوب له(الفتاویٰ التاتارخانیة ٤١٣/١٤ رقم: ٢١٥٣٧ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس شخص کے دس سال تک بچے نہ ہوئے ہوں وہ کیا کرے؟

سوال (۲۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی شادی کو تقریباً دس سال ہو چکے ہیں، اور اَولاد جیسی نعمت سے محروم ہے، ڈاکٹری اعتبار سے زید کے جراثیم منویہ بالکل نہیں بن رہے ہیں، اِس لئے تمام ڈاکٹروں اور اَطباء کے مطابق اَولاد نہیں ہوسکتی، زید کیا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کو چاہئے کہ ممکن حد تک علاج کراتا رہے، اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مراد پوری ہونے کا یقین رکھے، اور اگر اَولاد نہ ہو تو اُس پر صبر کرے، اور یہ سمجھے کہ اِسی میں اُس کے لئے خیر ہے، اور اَولاد کی تحصیل کے لئے کوئی خلافِ شریعت کام نہ کرے، اور اِس سلسلہ میں کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ. اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا، وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ. [الشوریٰ: ٤٩-٥٠] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین ایکڑ سے کم زمین کے مالک کا حکومت سے بچوں کی شادی کے لئے امداد وصول کرنا؟

سوال (۲۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومتِ ہند نے ایک قانون بنایا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس تین ایکڑ سے کم کھیت ہے، تو وہ اپنی لڑکیوں کی شادی کے لئے حکومت سے بطور تعاون وامداد دس ہزار روپئے حاصل کرسکتا ہے، تو کیا شرعاً حکومتِ ہند سے یہ روپئے لینا جائز ہے؟ اُمید کہ جواب سے نوازیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بچیوں کی شادی کے لئے حکومت سے تعاون کی رقم لینا درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اور غریبوں کا تعاون کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۲/۴/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا عالمہ لڑکیاں شادی کے بعد پریشان رہتی ہیں؟

سوال (۲۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے والد صاحب سے کسی نے کہا کہ لڑکیوں کو عالمہ نہیں کرانا چاہئے، شادی کے بعد پریشان رہتی ہیں، اِس کی کیا حقیقت ہے؟ اور کہنے والے شخص خود عالم ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی حدود میں رہ کر لڑکیوں کو عالمہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور رہ گیا عالمہ کا شادی کے بعد پریشان رہنے کا معاملہ، تو اِس کا مدار عالمہ لڑکی کے

طرزِ عمل اور برتاؤ پر ہے، اگر وہ اپنے عالمہ ہونے کے زعم میں شوہر کو خاطر میں نہیں لائے گی، تو یقیناً پریشان رہے گی، اور اگر اپنے علم کی روشنی میں شوہر کے قدر و مرتبہ کا خیال رکھے گی اور دل و جان سے اُس کی خدمت کرے گی تو پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة. (سنن ابن ماجة، كتاب العلم / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم رقم: ٢٢٤، مشكاة المصابيح / كتاب العلم ٣٤/١ رقم: ٢١٨)

اعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه. (شامي ٤٤/١ كراچی)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٢٨]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لو كنت آمر أحدًا أن يسجد لأحدٍ لأمرت المرأة أن يسجد لزوجها. (سنن الترمذي ٢١٩/١)

حق الزوج على الزوجة أن تطعيه في كل مباح يأمرها به. (البحر الرائق ٣٨٥/٣، شامي ٢٠٨/٣ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۲/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متعلقاتِ طلاق:

کیا نکاح ایک وقتی معاہدہ ہے؟ عورت کو طلاق کا اختیار کیوں نہیں؟

سوال (۲۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مسلمانوں میں شادی ایک وقتی معاہدہ (Contact Base) کے تحت ہوتی ہے کہ بیوی شوہر کے جب تک ساتھ میں ہے تمام اخراجات شوہر برداشت کرتا ہے؛ کیوں کہ بیوی شریک حیات کی نہیں صرف ایک کنیز کی حیثیت سے رہتی ہے، تو شوہر بغیر حیل وحجت بنا عذر وجواز جب

چاہے ایک نشست میں تین بار طلاق دے تو طلاق ہو گیا، دوسرا طریقہ رجعی میں اور مغلظہ کا بھی تو طلاق ہی ہے، بھلے ہی تین مہینے کا وقفہ سمجھے، اور سمجھوتے کے لئے مل جانا ہو یہ مردوں کا عورتوں پر صریحاً ظلم اور بالا دستی نہیں ہے تو کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام کی نظر میں کوئی نکاح وقتی اور محدود معاہدہ کا نام نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایسا عقد ہے جس کا تادیر قائم رکھنا شریعت میں مطلوب اور پسندیدہ ہے؛ اسی لئے رشتہ ناطہ میں کفاءت یعنی دونوں خاندانوں میں برابری کو پیش نظر رکھا گیا ہے، تاکہ آپس میں نبھاؤ کے امکانات زیادہ سے زیادہ پائے جاسکیں اور اسلام کی نظر میں منکوحہ بیوی محض خادمہ یا کنیز کی حیثیت سے نہیں ہوتی بلکہ وہ شریک زندگی قرار پاتی ہے، اسی لئے قرآن پاک میں بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء، جزء آیت: ۲۲۸]

(ان بیویوں کے ساتھ اچھی طرح معاشرت اختیار کرو) نیز ارشاد باری ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. [البقرة، جزء آیت: ۲۲۸]

(اور بیویوں کا بھی اسی طرح حق ہے جس طرح بیویوں پر شوہروں کا حق ہے معروف طریقہ پر)

نیز احادیثِ شریفہ میں بھی جا بجا بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور اُن کے حقوق ادا کرنے کی تاکید ووصیت کی گئی ہے، اِن آیات واَحادیث کے ہوتے ہوئے کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اسلام کی نظر میں بیوی محض کنیز کی حیثیت رکھتی ہے؛ البتہ طلاق کے اختیار کے معاملہ میں یا خرچ واخراجات کی ذمہ داری کے معاملہ میں مرد کو ذمہ داری دی گئی ہے، وہ دونوں صنفوں کی فطری ساخت میں فرق کی وجہ سے ہے، عورت چوں کہ فطرۃً کمزور واقع ہوئی ہے، اِسی لئے شریعت نے اس پر کمانے کا بوجھ نہیں ڈالا۔ نیز اکثر عورتیں منفعل المزاج، جلد باز، زود رنج اور ناعاقبت اندیش ہوتی ہیں؛ اِس لئے اُن کو طلاق کے اختیار میں شریک نہیں بنایا گیا؛ کیوں کہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اگر

عورت کوطلاق کا کلی اختیار مل جائے تو اکثر نکاح پائے دارنہیں رہ پائیں گے؛ اس لئے کہ جہاں بھی تھوڑی بہت ناچاقی ہوگی بیوی طلاق دے کر گھر چھوڑ کر چلی جائے گی، اسی طرح اگر طلاق کے وقوع کے لئے بیوی کی رضامندی کوشرط قرار دیا جائے گا تو طلاق کا منشا ہی فوت ہوجائے گا؛ کیوں کہ طلاق کا منشا یہ ہے کہ دل نہ ملنے کی وجہ سے تنگ زندگی سے نجات حاصل کی جائے، اب اگر بہرصورت بیوی کی اجازت طلاق میں مشروط ہوگی تو بسا اوقات شوہر حالات کی وجہ سے طلاق دینا چاہے گا اور عورت طلاق پر آمادہ نہ ہوگی، تو ایسی صورت میں شوہر کو جس ضیق کی کیفیت سے گزرنا ہوگا اُس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا؛ اس لئے شریعت نے کامل دوراندیشی اور مرد وعورت میں فطری فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرد کو طلاق دینے کا جو اختیار دیا ہے وہ فطرت کے عین مطابق ہے، تاہم شریعت نے مرد کو اختیار طلاق دے کر اسے اخلاقی طور پر اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ بلا واقعی ضرورت کے ہرگز طلاق کا اقدام نہ کرے؛ کیوں کہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ اور اسلام عورتوں پر ظلم وتعدی کا ہرگز مؤید نہیں ہے، اگر کوئی شوہر کسی بیوی پر ظلم کرے تو بیوی ظلم کے دفعیہ کے لئے اسلامی حکومت میں عدالت عالیہ سے اور غیر مسلم حکومت میں محکمہ شرعیہ سے رجوع کرسکتی ہے، اور اگر بالفرض کوئی شوہر شرعی حدود وتعلیمات کا خیال نہیں رکھتا تو اس کی اس ذاتی کوتاہی کی وجہ سے شریعت کی طرف سے بدگمانی بٹھالینا عقل مندی اور انصاف کی بات نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى الله عز وجل الطلاق. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق / باب كراهية الطلاق ١/ ٢٩٦)

عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم ...... ثم قال: إنما يملك الطلاق من يأخذ بالساق (السنن الكبرى للبيهقي ٧/ ٥٩١)

وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه.

(شامي / كتاب الطلاق ٤/ ٤٢٨ زكريا)

عـن حـكيـم بـن معاوية القشيري عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: قلت يا رسول اللّٰه! ما حق زوجة أحدنا عليه؟ قال: إن تطعمها إذا طعمت، وتكسوها إذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر إلا في البيت. (مشكاة المصابيح ٢/ ٢٨١ رقم: ٣٢٥٩)

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أكمل المؤمنين إيمانًا أحسنهم خلقًا، وخيار كم خيار كم لنسائهم. (مشكاة المصابيح ٢/ ٢٨٢ رقم: ٣٢٦٤)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم للقيط بن صبرة: ولا تضربن ظعينتك ضربك أميتك. (مشكاة المصابيح ٢/ ٢٨٢ رقم: ٣٢٦٠)

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: استوصوا بالنساء خيرًا، فإنهن خلقن من ضلع، وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه، فـإن ذهبـت تـقيـمـه كسرته، وإن تركته لم يزل أعوج، فاستوصوا بالنساء خيرًا. (صـحيـح البـخاري، كتاب النكاح / باب الوصاة بالنساء ٢/ ٧٧٩ رقم: ٥١٨٦ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب الرضاع / باب الوصية بالنساء ١/ ٤٧٥ رقم: ١٤٦٨ بيت الأفكار الدولية، مشكاة المصابيح ٢٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاق کے وقوع کے لئے گواہی کیوں شرط نہیں؟

سوال (۲۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نکاح دو گواہوں (باراتی بھی ایک طرح کے گواہ ہی ہوتے ہیں) کی تحریری مرضی سے قاضی پڑھاتا ہے، پھر طلاق بھی چند لوگوں کے سامنے تحریر میں ہونا چاہئے، اور شوہر تنہائی میں یا زبانی یا

کچھ گھر کے افراد کے یا ایس ایم ایس سے یا فون پر طلاق دے تو ایسے طلاق کو کالعدم قرار دینا چاہئے، مگر نہیں ہوتا تو کیوں؟ ایسا طلاق بھی صورت میں قبول نہیں ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ طلاق دیتے وقت یا رجعت کرتے وقت دو عادل گواہوں کو گواہ بنالیا جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾ [الطلاق، جزء آیت: ۲]

یعنی طلاق رجعی کی عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے مرد کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ اچھے طریقے پر بیوی سے رجوع کرے یا خوش اسلوبی سے اس سے جدائی اختیار کرے اور اس پر دو معتبر گواہ بنالے تاکہ بعد میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

اِس سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق دیتے وقت بھی گواہ بنالیا نا چاہئے؛ لیکن یہ گواہ بنانا اس طرح لازم اور شرط نہیں ہے جیسے کہ نکاح کے وقت شرط ہے؛ بلکہ محض مستحب اور افضل ہے اور دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے؛ اس لئے وہاں گواہی شرط ہے، تاکہ بعد میں اگر کوئی فریق منکر ہو تو اس کے خلاف گواہی پیش کی جاسکے، جب کہ طلاق دینے کا اختیار بلا شرکت غیر مرد کو حاصل ہوتا ہے؛ اس لئے اس کے واسطے طلاق پر گواہ بنانا افضل تو ہے؛ لیکن ضروری نہیں ہے، چنانچہ آثار صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بلا گواہی کے بھی طلاق رجعی کا ثبوت ہو جاتا ہے اگر چہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔

عن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: إذا طلق سرًا ورجع سرًا ذلک رجعة الخ.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤/١٨٧ رقم: ١٩١٨)

إن عمران بن حسين سئل عن رجل يطلق امرأته ثم يقع بها ولم يشهد على طلاقها ولا على رجعتها، فقال عمران: طلقت بغير سنة راجعت بغير سنة،

أشهد على طلاقها وعلى رجعتها. (سنن ابن ماجة/ باب الرجعة ص: ١٤٦، شرح الثميري على الهداية ١٢٥/٣-١٢٦)

وهٰذا الإشهاد مندوب إليه عند أبي حنيفة كقوله تعالىٰ: ﴿وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ وعند الشافعي واجب في الرجعة، ومندوب إليه في الفرقة. وفائدة الإشهاد أن لا يقع بينهما التجاحد والا يتهم في إمساكها. (أحكام القرآن للقرطبي ١٥٧/١٨-١٥٨)

قلنا أيضًا: الإشهاد على الطلاق ليس بواجب إجماعًا، فالأمر للاستحباب كما في قوله تعالىٰ: ﴿وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ (تفسير المظهري ٣٢١/٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خلع اور طلاق میں مرد وعورت کے اختیارات؟

سوال (۲۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) عورت مرد سے خلع کب اور کن حالات میں لے سکتی ہے، بیوی شوہر کو خلع کی خبر کیسے پہنچائے؟ کسی کی زبانی یا تحریری؟ یا خبر دینے کی ضرورت نہیں؟

(۲) کیا بغیر شوہر کی اِجازت اور رضا کے عورت خلع نہیں لے سکتی تو کیوں؟ ایسی صورت میں عورت کو کیا برابر کے حقوق ملتے ہیں؟

(۳) کیا عورت کی مرضی اور اجازت کے بغیر مرد طلاق دے سکتا ہے، اگر طلاق دے سکتا ہے تو عورت کو بغیر شوہر کی مرضی اور اجازت کے خلع لینے کا حق بھی ہونا چاہئے نا، برابر کے حقوق اور مساوات کا اصول تو یہی ہونا چاہئے؟

(۴) مرد طلاق اس لئے نہیں دیتا کہ بیوی کی طرف سے دیا ہوا جہیز (سامان) واپس نہ کرنا پڑے، جب کہ مرد کے زیور اور سامان اکثر مرد بیوی کو چھوڑنے سے پہلے رکھ لیتے ہیں، تو کیا یہ درست ہے؟ کیوں اور کیسے؟

(۵)عورت خلع کرلیتی ہے تو جہیز کا سارا سامان اپنا کپڑا اور شوہر کے زیور بھی اسے چھوڑنا پڑے گا تو کیوں؟ یہ کیسا انصاف اور مساوات ہے؟

(٦)مرد طلاق نہ دے تو جہیز کا سامان بھی نہیں دے گا، عورت خلع لے تو جہیز کا سامان بھی نہیں لے سکتی، پھر تو مرد دونوں صورتوں میں جہیز اور اپنے زیور وغیرہ کا بھی مالک بنا رہے گا، ایسی صورت (شرط) میں عورت کے ساتھ ظلم اور استحصال نہیں ہے؟ یہ کہاں کا انصاف ہے؟

(۷)جب شوہر پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرسکتا ہے، تو پھر بیوی بھی بغیر طلاق اور خلع کے دوسری شادی کیوں نہیں کرسکتی؟ برابری کے حقوق کا مطلب تو یہی ہوا، اگر نہیں تو پھر مرد کو یکطرفہ حقوق اور بالا دستی کیوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر عورت کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے اور از خود طلاق بھی نہ دے تو ایسی صورت میں عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ خلع کے لئے پیش کش کرکے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرلے، مگر یاد رہے کہ محض خلع کی پیش کش کرنے سے شوہر سے چھٹکارا نہیں مل سکتا؛ بلکہ اس پر شوہر کی رضامندی ضروری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے بسا اوقات ناعاقبت اندیشی میں خلع کا مطالبہ کرنے لگتی ہے، جب کہ عورت کے مقابلے میں عموماً مرد زیادہ دور اندیش ہوتے ہیں؛ اس لئے یک طرفہ خلع کے بجائے باہمی رضامندی سے خلع کی بات زیادہ قرین انصاف ہے اور عورت و مرد کے درمیان مساوات کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں کی مصالح کو نظر انداز کرکے مطلقاً ہر ایک کو اختیارات دے دئے جائیں؛ کیوں کہ اس سے ازدواجی نظام قائم نہیں رہ سکتا اور خلع کی صورت میں شرعی حکم یہ ہے کہ مرد مہر اور اپنی طرف سے دئے گئے سامان سے زیادہ کسی چیز کا مطالبہ عورت سے نہ کرے، اگر اس سے زیادہ کا مطالبہ کریگا تو سخت مکروہ ہوگا؛ لہٰذا یہ کہنا کہ خلع کی وجہ سے جہیز وغیرہ کا سامان شوہر کی ملکیت ہو جاتا ہے یہ غلط ہے، شرعی حکم یہ ہے کہ خلع میں مہر کی معافی تو ہوتی ہے؛ لیکن دیگر جو سامان جس حالت میں

موجود ہو اسی حالت میں واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور جب تک خلع یا تفریق نہ ہو بیوی کو دوسری شادی کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں نسب کا اشتباہ پایا جاتا ہے اور بیک وقت کسی عورت کا کئی مردوں سے تعلق کسی بھی شریف شخص کے لئے کبھی بھی منظور نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا شرعی طلاق یا تفریق یا موت کے بغیر کوئی منکوحہ عورت کسی غیر سے تعلق قائم نہیں کرسکتی۔

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود اللّٰه فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلک وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال. (الفتاوى الهندية ٤٨٨/١ زكريا)

وإذا اختلعت المرأة من زوجها فالخلع جائز، والخلع تطليقة بائنة عندنا. (المبسوط للسرخسي / باب الخلع ١٧١/٦ بيروت)

إذا كان بعوض الإيجاب والقبول؛ لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة، ولا يستحق العوض بدون القبول. (شامي / باب الخلع ٨٨/٥ زكريا)

لأنه أوقع الطلاق بعوضٍ، فلا يقع إلا بوجود القبول. (المبسوط للسرخسي / باب الخلع ١٩٤/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

لو ادعت الخلع لا يقع بدعواها شيء؛ لأنها لا تملک الإيقاع. (شامي ١٠٢/٥ زكريا)

وكره تحريمًا أخذ شيء ويلحق به الإبراء عما لها عليه إن نشز، وإن نشزت لا، ولو منه نشوز أيضًا ولو بأكثر مما أعطاها على الأوجه فتح. وصحح الشمني كراهة الزيادة، وتعبير الملتقى لا بأس به يفيد أنها تنزيهية، وبه يحصل التوفيق. (الدر المختار) والحق أن الأخذ إذا كان النشوز منه حرام قطعًا لقوله تعالىٰ: ﴿لاَ تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ ...... وفيه: نعم يكون أخذ الزيادة خلاف الأولى، والمنع محمول على الأولىٰ، ومشى عليه في البحر أيضًا. (الدر المختار مع رد المحتار /

باب الخلع، مطلب معنى المجتهد فيه ۵/۹۳-۹۵)

وكذلك امرأة اختلعت من زوجها على أكثر من مهرها الذي تزوجها عليه، فإن كان النشوز من جهتها طاب الفضل للزوج، وإن كان النشوز من قبله كره له ذٰلک، وجاز في القضاء، خص الفضل للزوج بالكراهة، والصحيح أن النشوز إذا كان من قبله فالكل مكروه، وإن كان النشوز من قبلها طاب له قدر المهر باتفاق الروايات، وهل يكره الفضل؟ في رواية هذا الكتاب: لا يكره، وفي رواية الأصل يكره. (الفتاویٰ التاتارخانية / باب الخلع ۵/۷-۸ رقم: ۷۰۷۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاق کا بے جا استعمال اور اُس کا حل؟

سوال (۲۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں (اصحابِ رسول) میں انسانیت وانصاف، رواداری واخلاق تھا، تقویٰ اور ایمان تھا، مکمل مذہب اور اسلام سے تمام لوگ سرشار تھے؛ لیکن آج کا آشوبی دور تب کے دور سے بالکل متضاد ہے، بھارت کے پچاس فیصد مسلمان خط افلاس (روٹی، چٹنی) میں زندگی گذار رہے ہیں اور انہیں کے یہاں بچوں کی بھرمار بھی ہے، بچوں کی پرورش، تعلیم، غربت، شادی اور سائبان کی پریشانی سوہان روح ہے، انہیں کی بچیوں کی شادی بھی بہت بڑا مسئلہ اور المیہ ہے، طلاق کی شرح بھی انہیں کے یہاں تقریباً ۲۰/ فیصد ہے اور انہیں کو مسلمانوں سے حق وانصاف نہیں ملتا، مذہبی علماء اور سماجی رہنما بھی ان کی مدد سے کتراتے ہیں، تو پھر ایسے میں وہ کیا کریں؟ کہاں جائیں؟

آج مسلمانوں نے طلاق کو ایک مذاق اور عورتوں پر ظلم کرنے کا ہتھیار بنالیا ہے، بے جا طلاق کے خلاف اگر دارالقضاء میں مطلقہ انصاف چاہے تو وہاں بھی انصاف نہیں ملتا؛ کیوں کہ سماج

اور مذہب پر مردوں کی بالا دستی اور من مانی ہے، ایسے کئی واقعات میرے سامنے ہیں؛ اس لئے اب مجبوراً مطلقہ ہندوستانی آئین کی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں، جہاں سماجی، معاشی، مذہبی اور اخلاقی حالات اور امور کو سامنے رکھ کر بہت حد تک انصاف مل جاتا ہے، بھلے ہی دیر سے سہی۔ آج مسلمان شور مچاتے ہیں کہ مذہب میں دخل اندازی برداشت نہیں کریں گے، مگر دخل اندازی اس وقت تک برداشت کرنی ہی پڑے گی جب تک اجتہاد کے تحت طلاق سے متعلق سخت موقف اور کچھ پابندیاں مردوں پر عائد نہیں کی جاتیں، خطاکار (مطلق) کو جب تک سماجی اور معاشی سزا نہیں ملے گی تب تک بے قصوروں (مطلقہ) کو عدالت کا سہارا لینا ہی پڑے گا، اس لئے تمام مسلک ومکتب کے علماء وصالحین اور سماجی رہنماؤں کو حالات کے تناظر میں اجتہاد اور سخت موقف اختیار کرنا ہی پڑے گا، ایک عورت طلاق کے خوف سے شوہر اور سسرال کے ظلم وستم، ذہنی اور جسمانی اذیت کب تک برداشت کرے گی؟ اور کیوں؟ کرے کوئی، بھرے کوئی، آخر کب تک مردوں کی بالا دستی قائم رہے گی؟ عورت کب تک طلاق اور جہیز کی بھینٹ چڑھتی رہے گی؟ طلاق کے بعد سسرال اور مائکے میں بھی ٹھکانہ اور سہارا اور سرپرست نہ ہوں، والدین وفات پاچکے ہوں، بھائی بھابھی غربت کے مارے مدد نہ کریں تو پھر مطلقہ کہاں جائے؟ کب تک غربت اور ذلت کی زندگی گذارے گی؟ کیوں وہ دوسروں (شوہر) کے قصور کی سزا بھگتے؟ کیوں بیچاری تل تل مرے اور بالا خانے پر جاکے بیٹھے یا خودکشی کرے؟ شوہر (مطلق) تو فوراً دوسری شادی کر لیتا ہے، مگر مطلقہ پر طلاق کا داغ، اور شوہر (مردوں) سے دئے ہوئے غلط الزامات سے مطلقہ کی دوسری شادی بھی مشکل تو کیا ناممکن ہوجاتی ہے، آخر مرد کب تک عورتوں پر ظلم کرے گا؟ کب تک حق تلفی، ناانصافی اور استحصال کرے گا؟ مرد کی نکیل کیوں نہیں کسی جاتی؟

اگر یہ بتایا جائے کہ مطلقہ کو خدا کے یہاں آخرت میں حق اور انصاف ملے گا تو بچیاں پیدا ہی کیوں ہوتی ہیں؟ مردوں کا ظلم وستم، جبر واستحصال، ناانصافی اور حق تلفی سہنے کے لئے؟ گھٹ گھٹ کر مرنے کے لئے؟ کیا بچیاں (بیویاں) خوشی، سکون، سہارے اور چھت کی دنیا میں حق دار نہیں تو

کیوں؟ کیا مردوں کو مذہب کے نام پر ہر طرح کی آزادی اور چھوٹ ہے؟ انا اور طاقت پر چلنے کی آزادی ہے؟ کہاں گیا عورتوں کو، مردوں کے برابر حق اور انصاف کا فرمان؟ بس باتوں سے ہی دل بہلایا جائے، یہ تو سراسر ناانصافی ہے، عورت کو خوف خدا دلایا جائے۔

مسلمانوں میں زیادہ تر لڑکیاں تعلیم یافتہ ہیں اور لڑکے کم، لڑکیوں کے معیار کے رشتے بھی نہیں ملتے، اگر مل بھی گئے تو انہیں جہیز بھی اچھا چاہئے، شہروں میں گھر کی کمی سے شادیاں بھی جلد ہو نہیں پاتیں اور جہیز میں فلیٹ اور کار، موٹر سائیکل اور ٹی وی، فریز، وغیرہ دینے کی طاقت و بساط ہزار میں ایک ہی کو شاید ہو، جب کہ گاؤں میں گھر کا مسئلہ نہیں ہوتا، وہاں شادیاں قدرے آرام سے ہو جاتی ہیں، مگر جہیز کی مانگ اور طلاق کا المیہ ہر جگہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، اسی لئے اب شہروں کی لڑکیوں میں ہندو لڑکوں سے شادی کا رجحان بڑھتا ہی جا رہا ہے، جہاں مکان بھی مل جاتا ہے اور طلاق بھی دونوں (لڑکا اور لڑکی) کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا، ہوتا بھی ہے تو سمجھوتے کے ساتھ، جہاں لڑکیوں کا کچھ نہ کچھ اقتصادی بھلا ہو ہی جاتا ہے، جینے کے لئے، یہ اسلامی ملک نہیں ہے جہاں عدالتیں یا دارالقضاء لڑکیوں کے حق میں مفید فیصلہ کریں۔ اس لئے مسلمان مذہبی علماء، دانشوروں اور سماجی رہنماؤں کو اجتہاد کی گنجائش نکالنی ہی چاہئے، لڑکوں پر کچھ پابندیاں عائد کرنی چاہئے، انہیں سزا ملنی چاہئے۔

آج مسلمانوں کے لئے غربت اور مہنگائی سے زیادہ شادی، جہیز اور طلاق بہت ہی بڑا مسئلہ اور المیہ بن گیا ہے، بعد از نکاح، جہیز کی مانگ پوری نہ ہونے سے طلاق، قتل اور ہلاکت ایک ناسور بن کر والدین اور سماج کو بے چین کر رہا ہے، ان الجھنوں کے خطا کار شوہروں کو کیا سزا ہونی چاہئے؟ اس کا مثبت حل کیا ہوگا؟ اس طرح کے حالات وسوالات کے تحت میرے کچھ دکھی مسلم اور دو ہندو دوستوں نے میرے توسط سے آپ سے درخواست کرتے ہوئے مسئلوں کا حق اور فتویٰ چاہتے ہیں، اس لئے آپ قرآن وحدیث (شریعت) اور اجتہاد کی روشنی میں مشورہ با جواب اور فتویٰ سے رہنمائی کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں طلاق دینے کا اختیار مرد کو حاصل ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ طلاق حلال باتوں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؛ اس لئے مردوں کو ذمہ داری ہے کہ صبر وتحمل سے کام لیں اور طلاق کے اختیار کو صرف ناگزیر حالات ہی میں استعمال کریں، کیوں کہ بلاوجہ طلاق دینے کے جو مفاسد ہیں وہ سب کے سامنے ہیں، آنجناب نے اپنے طویل سوال نامہ میں جو باتیں اٹھائی ہیں ان سے یہ تأثر ابھرتا ہے کہ گویا طلاق دینے میں ہمیشہ مرد ہی قصوروار ہوتا ہے؛ حالانکہ یہ بات حقیقت اور مشاہدہ کے خلاف ہے، ہمارے سامنے دارالافتاء اور محکمہ شرعیہ میں بہت سے ایسے مسائل آتے رہتے ہیں، جن میں شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا جب کہ لڑکی والے طلاق لینے پر مصر رہتے ہیں اور عموماً قصور بھی لڑکی اور اس کے گھر والوں کی طرف سے ہوتا ہے؛ اس لئے اس پہلو کو نظر انداز کر کے سارا قصور مردوں پر ڈالنا انصاف کے خلاف ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے کی ذہن سازی اس انداز میں کی جائے کہ مرد ہو یا عورت دونوں نبھاؤ کی پالیسی اختیار کریں اور معمولی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کی عادت ڈالیں، اس کے بغیر معاشرتی زندگی کامیاب اور پرسکون نہیں ہوسکتی، طلاق دینے والے پر سماجی اور معاشرتی سزا کی جو تجویز آپ نے رکھی ہے، وہ ہرگز قابل عمل نہیں؛ کیوں کہ ہر طلاق دینے والا ناحق نہیں ہوتا۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ جو ناحق طلاق دے اس پر سزا جاری ہوگی، تو ناحق ہونے کا فیصلہ کرنا سخت مشکل ہے؛ کیوں ہر طلاق دینے والا ایسے اعذار پیش کرسکتا ہے جو اسے ناحق کے بجائے حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں؛ اس لئے آپ نے سوال میں جن مشکلات کا ذکر کیا ہے ان کا حق سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ معاشرے کی اچھی طرح ذہن سازی کی جائے اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائے گی پر آمادہ کیا جائے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى اللّٰه عزوجل الطلاق. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق / باب في كراهية الطلاق ۱/ ۳۰۳، المستدرك للحاكم ۲/ ۲۱۸ رقم: ۲۸۰۹، السنن الكبرىٰ ۷/ ۳۱٦)

وإيقاعه مباح عند العامة لإطلاق الآيات. (الدر المختار ٤٢٧/٤ زكريا)

وقولهم الأصل فيه الحظر معناه أن الشارع ترك هذا الأصل فأباحه؛ بل يستحب لو موذية أو تاركة صلاة ...... ويجب لو فات الإمساك بالمعروف (الدر المختار مع الشامي / كتاب الطلاق ٤٢٨/٤-٤٢٩ زكريا)

وأما الطلاق؛ فإن الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه ...... ولهذا قالوا: أن سببه الحاجة إلى الإخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة، وعدم إقامة حدود الله تعالى، فليست الحاجة مختصة بالكبر والريبة كما قيل. (شامي / كتاب الطلاق ٤٢٨/٤ زكريا)

ومحله المنكوحة وأهله زوج عاقل بالغ يستيقظ. (الدر المختار ٤٣١/٤ زكريا)

عن عكرمة عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ثم قال: إنما يملك الطلاق من يأخذ بالساق (السنن الكبریٰ للبيهقي ٥٩١/٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاق کے وقوع کے لئے بیوی کا منظور کرنا شرط نہیں

سوال (۲۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بیوی سمرین فرح ناز بہت مسائل پیدا کررہی تھی، اس لئے میں نے ۹/۸/۲۰۱۴ء کو یہ کہہ کر طلاق دے دی تھی، میں نے تم کو طلاق دی، وہ اُس وقت اپنے والد کے گھر پر تھی، اس لئے میں نے طلاق کی اطلاع دینے کے لئے اُس کو خط بھیج دیا، ساتھ ہی میں نے مہر اور نفقہ عدت کے لئے بینک ڈرافٹ بھیج دیا، سمرین فرح ناز نے طلاق قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور مسئلہ کے حل کے لئے ثالث کا سہارا لیا، غیر مشروط معافی اور اپنے اچھے برتاؤ کا تحریری حلف نامہ دے کر میرے ساتھ رہنے کے لئے ۳۰/۹/۱۴ء کو واپس آگئی۔

واپسی کے بعد ایک مہینہ کے اندر ہی اس نے روزانہ مسلسل بدسلوکی، جھگڑا اور گالی گلوج شروع کردی، میری جانب سے حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کے باوجود اُس نے اپنا برتاؤ نہیں بدلا، اِس لئے میں نے مؤرخہ ۲۰۱۵/۲/۱۱ء کو پھر سے تین طلاق دے دیں، جن کے الفاظ یہ ہیں:

''سمرین فرح ناز بنت جاوید محبوب ۲۰۱۵/۲/۱۱ء کو میں نے تم کو یہ کہتے ہوئے تین مرتبہ طلاق دے دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تمہارے مہر اور نفقہ عدت کی رقم سپیڈ پوسٹ سے ۲۰۱۵/۲/۱۱ء کو تمہارے پاس بھیج دی ہے، اور اب ہم شوہر اور بیوی نہیں رہے، اور از روئے شرع ہم ایک دوسرے کے لئے حرام ہوگئے ہیں، میں نے یہ پیغام ایس ایم ایس اور واپس ایپ کے ذریعہ بھیج دیا، تب سے وہ اپنے والد کے گھر رہی ہے۔

سمرین فرح ناز یہ کہہ رہی ہے کہ وہ طلاق قبول نہیں کرے گی اور کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، جب تک شوہر و بیوی دونوں موجود نہ ہوں اور طلاق کے لئے رضامندی کا اظہار نہ کریں۔

سوال یہ ہے کہ قانونی وشرعی حکم کیا ہے؟ آیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اور رہا راشوہر و بیوی کا رشتہ حرام ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے وقوع کے لئے شوہر کا اقرارِ طلاق کافی ہے، بیوی کا قبول کرنا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا حسبِ تحریرِ سوال جب کہ آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تو بلاشبہ اُس پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، اور وہ آپ کی بیوی نہیں رہی، بیوی کی طرف سے طلاق کے انکار کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

لو أقر بالطلاق كاذبًا أو هازلاً وقع قضاء. (شامي ۲۳٦/۳ کراچی)

لو قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثًا. (الأشباه والنظائر ۲۱۹ قديم، ص: ۳۷٦ جديد)

الطلاق والخلع يصح دون علم الآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته ۲۹۱/۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۹ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وقفہ وقفہ سے طلاق؟

سوال (۲۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ہے جو اپنی بیوی سے جب بھی جھگڑا ہوتا ہے اس کو کبھی بولتا ہے کہ تم کو ایک طلاق دیتا ہوں اور کبھی بولتا ہے کہ دطلاق دیتا ہوں چلی جاؤ، اور یہ جملہ چھ سات سال کے درمیان کئی بار بول چکا ہے، اور اب بھی بولتا ہی رہتا ہے۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں اس کی بیوی کو طلاق پڑ جائے گی اگر پڑ جائے گی تو کتنی پڑے گی؟ واضح رہے کہ ابھی بھی وہ دونوں آپس میں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں، تو اب شریعت کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''تم کو ایک طلاق دیتا ہوں'' کہنے سے مذکورہ شخص کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگئی تھی، اِس کے بعد اگر وہ دونوں ساتھ رہتے رہے تو خود بخود رجعت ہوگئی، اَب بعد میں جب اُس نے یہ کہا کہ دو طلاق دیتا ہوں، تو اُس سے مزید دو طلاقیں واقع ہوگئیں، اور پہلی طلاق اور ان دونوں طلاقوں کو ملاکر تین طلاقیں واقع ہونے کی وجہ سے بیوی پوری طرح نکاح سے باہر ہوگئی ہے، اِس کے بعد سے اُن دونوں کا ساتھ رہنا قطعاً حرام ہوا، دونوں سخت گنہگار رہیں، فوری طور پر دونوں کو علیحدہ ہونا اور سچی توبہ کرنا لازم ہے۔

الصريح يلحق الصريح (الدر المختار) وفي الشامية: لو قال لها أنت طالق ثم قال أنت طالق أو طلقها على مال وقع الثاني. بحر. فلا فرق في الصريح الثاني بين كون الواقع به رجعيًا أو بائنًا. (شامي، كتاب الطلاق / باب الكنايات، مطلب: الصريح يلحق الصريح والبائن ٥٤٠/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۳/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین طلاق کو ایک سمجھنا؟

سوال (۲۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیں؛ لیکن زید کا کہنا ہے کہ میں ڈاکٹر ذاکر نائک کے پروگرام ٹی وی پر اور سی ڈی لا لاکر دیکھا کرتا تھا، اور میں بہت زیادہ اُن کے بیانوں سے مانوس ہوا۔ ایک بیان اُن کا میں نے طلاق کے بارے میں سنا، اُنہوں نے کافی تفصیل سے بیان کیا اور فرمایا کہ ’’ایک مجلس میں چاہے کتنی بار طلاق دے دو، ایک ہی مانی جائے گی‘‘۔ کچھ دنوں کے بعد زید کی بیوی زید کی بغیر اجازت اپنے میکے دوائی لینے چلی گئی، زید جب کام سے گھر آیا تو بیوی کو نہ پاکر فون پر بات کی اور کہا کہ تم بغیر اجازت کیوں چلی گئی؟ اسی بات پر کچھ تکرار ہوئی اور زید نے تین طلاقیں دے دیں؛ لیکن زید کا کہنا ہے کہ میں نے ایک ہی طلاق سمجھ کر دی ہے، بقول ڈاکٹر ذاکر نائک کے۔ لیکن زید دیوبندی ہے یہ سب انجانے میں ہوا ہے، تو کیا زید کی بیوی کو تین طلاقیں لگ چکی ہیں، یا پھر نیت ایک کی تھی صرف ڈرانے کی وجہ سے تین طلاق دے دی ہیں۔ زید نے کچھ علماء سے رابطہ کیا تو اُنہوں نے تین طلاق مان کر حلالہ کرانے کے بعد ہی نکاح کو کہا، زید کی بیوی کا کہنا ہے کہ مجھے کسی حال میں بھی حلالہ نہیں کرانا، ایسے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید چوں کہ خود بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کررہا ہے، تو یقیناً اُس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اور اُس کا یہ سمجھنا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتی ہیں، لاعلمی پر مبنی ہے، جس کا شریعت میں اعتبار نہیں۔ بہر حال اب زید کا اپنی مطلقہ بیوی سے حلالۂ شرعیہ کے بغیر دوبارہ ازدواجی رشتہ قائم نہیں ہوسکتا۔

عن سهل بن سعد رضي اللّٰه عنه في هذا الخبر قال فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأنفذه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم.

(سنن أبي داؤد ۱/۳۰٦ رقم: ۲۲۵۰)

وقال الليث عن نافع كان ابن عمر رضي الله عنه إذا سئل عمن طلق ثلاثًا قال: لو طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي عليه السلام أمرني بهذا، فإن طلقها ثلاثًا حرمت حتى تنكح زوجًا غيره. (صحيح البخاري ٧٩٢/٢، رقم: ٥٠٦٦ ف: ٥٢٦٤)

وذهب جمهور العلماء من التابعين و من بعدهم منهم: الأوزاعي، والنخعي، والثوري وأبو حنيفة، والشافعي وأصحابه، وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيدة وآخرون كثيرون على أن من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولكنه يأثم. (عمدة القاري، الطلاق / باب من أجاز طلاق الثلاث ٢٣٣/٢٠ بيروت)

ومنها: إذا قال: أنت طالق أنت طالق أنت طالق، ولم يقصد تاكيدًا ولا استئنافًا؛ بل أطلق، فالأظهر يقع ثلاث؛ لأنه موضوع للإيقاع كاللفظ. (المنثور في القواعد للزركشي ٣٢٠/١ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت)

ولو أقر بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء، وصرح في البزازية: بأن له في الديانة إمساكها إذا قال: أردت به الخبر عن الماضي كذبًا، وإن لم يرد به الخبر عن الماضي، وأراد به الكذب أو الهزل وقع قضاء وديانة. (البحر الرائق ٢٤٦/٣ كوئٹه، شامي ٤٤٠/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۳/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”تجھے تیسری طلاق“ کہنے سے کتنی طلاق پڑیں گی؟

سوال (۲۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی سے یہ کہا کہ: ”تجھے تیسری طلاق“ اُس کو بہت سے لوگوں نے سنا بھی، تو اُس کی بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص کی بیوی پر تین طلاقیں

واقع ہوجائیں گی۔

ولو قال: أنت طالق تمام ثلاث أو ثالث ثلاث فهي ثلاث. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤/٤٤٠ رقم: ٦٦٢١ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١/٣٧٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''ایک دو تین، تم میرے گھر سے نکل جاؤ'' کہنے سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

سوال (۲۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: معلمین ولد مرسلین نے اپنی بیوی کو جھگڑے لڑائی کے دوران یہ کہہ دیا کہ: ''ایک دو تین، تم میرے گھر سے نکل جاؤ'' جب کہ گھر زمین اور جائیداد سب بیوی کا ہے، جو اُن کے والد صاحب نے دیا ہے، معلمین اپنی سسرال میں ہی رہتا ہے۔ اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ معلمین کی بیوی پر مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ زوجین کے درمیان آئے دن جھگڑا ہوتا ہی رہتا ہے، اور ایک بار یہ بھی کہہ دیا تھا کہ چلی جاؤ یہاں سے ورنہ میں تم کو طلاق دے دوں گا۔

نوٹ: - یہ واقعہ ضلع کٹیہار بہار کا ہے، اور وہاں لفظ ایک دو تین بیوی سے جھگڑے کے دوران طلاق کے لئے مستعمل ہے، نیز معلمین نے الفاظِ مذکورہ ایک دو تین کے بعد نکل جاؤ بھی بولا ہے اور یہ بھی بولا ہے کہ اَب تو صحیح ہوگیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑائی جھگڑے اور غصہ کی حالت میں شوہر کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ: ''ایک دو تین تم میرے گھر سے نکل جاؤ''، بظاہر نیت طلاق کا قرینہ ہے؛ لہٰذا مذکورہ الفاظ کہنے سے بیوی پر تین طلاق واقع ہوجائیں گی، اَب حلالۂ شرعیہ کے بغیر اُن دونوں میں اِزدواجی تعلق قائم نہیں رہ سکتا۔

ولـو قال لامرأته: أنت بثلاث، قال ابن الفضل: إذا نویٰ يقع ...... ولو قال: أنـت مـنـي ثلاثًا طلقت إن نویٰ، أو كان في مذاكرة الطلاق. (شـامي، كتاب الطلاق / باب الصريح، مطلب قول الإمام: إيمان كإيمان جبرئيل ٤/٤٩٧ زكريا)

وإذ قال لامرأته: تو یکےتوسہ أو قال: ترا یکےتراسہ، في الظهيرية ...... ينبغي أن يكون الـجـواب على التفصيل إن كان في حال مذاكرة الطلاق أو في حال الغضب يقع وإلا فلا يقع إلا بالنية. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤/٤١٨ رقم: ٦٥٧٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۱/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں'' سے طلاقِ بائن کا حکم؟

سوال (۲۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی اپنی بیوی سے لڑائی ہورہی تھی اِس دوران بیوی نے کہا ''مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے'' شوہر نے غصے میں آکر کہا کہ: ''آج سے تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں ہے، تجھے جہاں جانا ہے جا'' اور زور سے دروازہ بند کیا، اور نکل گیا۔

واضح رہے کہ زید نے اِسی طرح کے الفاظ مثلاً ''تو جاتی کیوں نہیں، جا چلی جا'' اس سے پہلے غصے میں الگ الگ موقع پر اپنی بیوی کے لئے استعمال کرچکا ہے، اِن سب سے طلاق مغلظہ تو واقع نہیں ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـاللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں بیوی کے یہ کہنے پر کہ ''مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے'' تو شوہر کا غصہ میں آکر یہ جواب دینا کہ ''آج سے تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں ہے تجھے جہاں جانا ہے جا'' اِس بات کا قرینہ ہے کہ شوہر نے طلاق کی نیت سے مذکورہ الفاظ ادا کئے ہیں؛ لہٰذا اِس کی وجہ سے بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوچکی ہے، اَب تجدید نکاح کے بغیر اُن میں

ازدواجی تعلق جائز نہ ہوگا، اور قبل ازیں شوہر نے ”تو جاتی کیوں نہیں جا چلی جا“ جیسے الفاظ جو کہہ رکھے ہیں، اُس کے بارے میں اس کی نیت معلوم کی جائے گی، اگر وہ یہ اقرار کرے کہ میں نے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے تھے، اُسی وقت سے طلاق کے وقوع کا حکم ہوگا، اور اگر طلاق کی نیت کا اقرار نہ کرے تو اِن الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۵۵۷-۵۶۶ ڈابھیل)

ولو قال لها لا نكاح بيني وبينك أو قال: لم يبق بيني وبينك نكاح، يقع الطلاق إذا نوىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق / الفصل الخامس في الكنايات ۱/۳۷۵ زكريا)

لم يبق بيني وبينك عمل نوىٰ يقع كذا في العتابية، ولو قال لها: اذهبي أي طريق شئت لا يقع بدون النية، وإن كان في حال مذاكرة الطلاق. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق / الفصل الخامس في الكنايات ۱/۳۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۶/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاقِ بائن کا فتویٰ حاصل کرکے دوسری بیوی سے نکاح کرنا؟

سوال (۲۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عقد ثانی کی غرض سے یوں ایک فتویٰ کسی مفتی صاحب سے طلب کیا کہ زید نے یا فلاں ابن فلاں نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے دی، طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ مفتی صاحب کا جواب ہوگا طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اُس کی بیوی زید کے نکاح میں یا فلاں ابن فلاں کے نکاح میں نہیں رہی، محصلہ فتویٰ مطلوب جگہ بتا کر دیکھو میرے پاس فتویٰ بھی طلاق کے وقوع کا ہے، زید عقد ثانی کر لیتا ہے۔ واضح رہے کہ سوالیہ تحریر زید کی نہیں ہے، نہ ہی دستخط زید کے، نہ ہی الفاظ طلاق نہ ہی طلاق کا ارادہ، کیا اِس صورت میں پہلی بیوی پر طلاق ہوگئی؟

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک طلاقِ رجعی دی، کچھ ہی دنوں میں رجوع کرلیا، کچھ سال بعد طلاقِ بائن دے دی کہا۔ بعض احباب کہتے ہیں مذکورہ صورت میں مغلظہ واقع ہوگئی؛ کیوں کہ ایک

طلاق دے کر رجوع ہوا تھا پھر بائن دیا، اور بائن دو طلاق کو کہتے ہیں۔ بعض کا گمان ہے ہندہ کو فقط نکاح سے آزاد کرنے کے ارادہ سے صریح طلاقِ بائن کہا ہے، اس لئے فقط بائن واقع ہوئی مغلظہ نہیں۔ حضرت مفتی صاحب سے التماس ہے کہ دونوں سوال کے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس ممنون ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے اپنی مرضی سے استفتاء مذکورہ کا مضمون لکھوایا ہے، جس میں صاف طور پر زید کا نام مع ولدیت درج کرنے کے بعد یہ لکھا گیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے دی ہے، تو اس مضمون کو لکھوانے کی بنا پر زید کی پہلی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہے، اَب نکاحِ جدید کے بغیر اس بیوی سے از دواجی تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔

ولو أقر بالطلاق كاذبًا أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانةً. (شامي ٤٤٠/٤ زكريا)

ایک طلاقِ رجعی سے رجوع کرنے کے بعد جو دوسری طلاقِ بائن دی ہے اس سے بیوی مغلظہ نہیں ہوئی؛ بلکہ دو طلاق بائن واقع ہوئی ہیں، اگر میاں بیوی ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو از سرِ نو نکاح کر لیں، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

كذا استفاد من: والبائن يلحق الصريح. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ٥٤٠/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۹/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرضی کارروائی کے ذریعہ فسخِ نکاح؟

سوال (۲۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جامعہ اسلامیہ خیرآباد سلطانپور میں ایک محکمہ شرعیہ قائم ہے، جس میں فیروز احمد نامی شخص نے ایک مقدمہ پیش کیا کہ اُس کے اور اُس کی بیوی کے درمیان کچھ نزاع چل رہا تھا، اُس کی بیوی نے اُس کے خلاف مسجد چاند تارہ ضلع پرتاپ گڈھ میں مقدمہ قائم کیا اور اہل محکمہ نے غیر شرعی طریقہ پر

فسخ نکاح کر کے فسخ نامہ فیروز کے نام بھی بھیج دیا (جس کی فوٹو کاپی ساتھ میں ارسال ہے) جب کہ محکمہ شرعیہ سلطان پور نے اِس فسخ نامہ کو دیکھا تو اِس پر شبہ ہوا، جب کہ اسی طرح کا ایک فسخ نامہ مذکورہ محکمہ کا اِس سے پہلے بھی سلطان پور آچکا تھا اور شبہ کی وجہ سے محکمہ کے ذمہ دار اشتیاق احمد سے محکمہ کے ذمہ داروں نے رابطہ کیا تھا، اور اُنہوں نے یہ کہہ کر تسلی کرادی تھی کہ مصلحۃً اپنے محکمہ کے پیڈ پر کاغذات نہیں دیئے گئے تھے، اور وقف دارالعلوم سے بنوا کر دیئے گئے ہیں، اس بار بھی رابطہ کرنے پر مفتی اشتیاق احمد صاحب نے وہی جواب دیا؛ لیکن جب وقف دارالعلوم کے ذمہ داروں سے رابطہ کیا، تو معلوم ہوا کہ وہاں کوئی محکمہ شرعیہ قائم ہی نہیں ہے، حال ہی میں ایک اور فسخ کا واقعہ مذکورہ محکمہ کے ذریعہ سامنے آیا تو محکمہ شرعیہ سلطان پور کے ذمہ داروں نے موصوف مفتی صاحب سے اُن کی کارروائی کی فائل مانگی؛ تاکہ معلوم ہوسکے کہ وہاں فسخ کی شرائط کی تحقیق کے لئے کیا کیا عمل ہوا ہے، تو موصوف کافی دنوں تک ٹال مٹول کرتے رہے، آخر میں یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی کہ وہ فائل فیصلہ کے بعد فریق مدعی کو دے دی گئی ہے، اور حال یہ ہے کہ فسخ سے پہلے نہ شرائط پوری کی گئی ہیں، اور نہ ہی مدعی علیہ کو فسخ کی اطلاع دی گئی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا حالات میں جو واقعات سے ظاہر ہیں، فسخ نکاح شرعاً معتبر ہوں گے یا نہیں اور اِس طرح کے غیر ذمہ دار اِداروں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ فسخ نکاح کی ضروری کارروائی کئے بغیر فیروز احمد کے مقدمہ میں مسجد چاندتارہ ضلع پرتاپ گڈھ میں قائم محکمہ نے فسخ کا غلط فیصلہ کیا ہے اِس لئے یہ فیصلہ اس وقت تک نافذ نہ ہوگا جب تک کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں ذکر کردہ اسباب میں سے کوئی سبب فسخ یقینی طور پر متحقق نہ ہوجائے، اور فرضی طور پر دارالقضاء دارالعلوم وقف کی طرف سے فسخ نامہ لکھنا کھلا ہوا فراڈ ہے، جس کی کسی مؤمن سے توقع نہیں کی جاسکتی، ایسے غیر ذمہ دار افراد اور اِدارہ ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم ۲/۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۱۰ھ

مبتلا بہ عورت کا فقہ شافعی کے مطابق بذاتِ خود اپنا نکاح فسخ کرنا؟

سوال (۲۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندستان جیسے ملک میں قوت نافذہ کے بغیر نظام قضاء کو عمل میں لانا احکام شریعت (نکاح، طلاق، خلع، ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ) جیسے مسائل میں مسلمانوں کے بیچ نزاعات کو حل کرنا اور اس کے لئے دارالقضاء یا محکمۂ شرعیہ قائم کرنا بہر کیف جمہور علماء ہند اس کے قائل ہیں کہ جب دونوں فریق مسلمان ہوں اور متنازع مسئلہ مسلمانوں کے عائلی زندگی (مسلم پرسنل لاء) سے متعلق ہوتو ولایت عامہ (ایمانی قوت) کے بل بوتے پر علماء اسلام ایسے مسائل کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں، اور کرتے آئے ہیں، اور یہ نظام قضاء سب سے پہلے امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ میں عمل میں آیا، اور آج اس کے ماتحت پچاس سے زائد دارالقضاء چل رہے ہیں، دوسری طرف آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ جو ۱۹۷۲ء میں اکابر علماء ہند کے بدست وجود میں آیا موجودہ وقت میں اس کی نگرانی میں چالیس سے زائد دارالقضاء چل رہے ہیں، جب کہ جمعیۃ علماء ہند اور اس سے ملحق امارت شرعیہ ہند کے ماتحتی میں بھی بہت سے محاکم شرعیہ چل رہے ہیں، اور یہ نظام تقریباً دس صوبوں میں چل رہا ہے، جس میں صوبہ راجستھان بھی شامل ہے، جہاں پر ۲۰۰۹ء میں امارتِ شرعیہ راجستھان کو علماء صلحاء اور وکلاء کی ایک جماعت نے مل کر امارت شرعیہ بہار اڑیسہ کے دستور کو سامنے رکھ کر باقاعدہ رجسٹرڈ کروالیا، اور اس کے لئے زمین وجائیداد بھی حاصل ہوگئی، اور بحمد اللہ اس کے ماتحت کئی شعبوں میں بالخصوص شعبۂ قضاء میں ملت کی اہم خدمت کی جارہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس نظام قضاء کو علمی اور روحانی قوت دارالعلوم دیوبند اور ان جیسے مرکزی اداروں سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

دوسری طرف اسلام مخالف تنظیموں کی طرف سے سپریم کورٹ کے ایک وکیل وشلوچن مدان نے ۲۰۰۵ء میں سپریم کورٹ میں دارالعلوم دیوبند، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اور امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور اس نے اپنے عرضی دعویٰ میں دارالافتاء اور دارالقضاء پر بالکلیہ پابندی کی اپیل کی اور اس نے لکھا کہ چونکہ یہ نظام قضاء حکومت کے نظام عدالت کے متوازی ہے اس لئے اسے بند کیا جائے، چنانچہ یہ مقدمہ تمام مراحل کو عبور کرتے ہوئے ۷ر جولائی ۲۰۱۴ء کو فیصل ہوا، اور اس میں آر، بیٹریشن ایکٹ (قانونی ثالثی) کے ماتحت شعبۂ قضاء اور افتاء کو چلانے کی اجازت بھی دی بلکہ ترغیب بھی دی؛ لیکن ساتھ میں یہ مشروط پابندی بھی لگا دی کے فریقین کی رضا مندی کے بغیر علماء اسلام نہ فیصلہ کرسکتے ہیں نہ فیصلہ کرنے کے بعد اس کے ماننے پر مجبور کرسکتے ہیں، شرعی فیصلہ ہونے کے بعد کوئی فریق انکار کرتے ہوئے سرکاری عدالت میں پہنچتا ہے، اور شرعی فیصلہ کو چیلنج کرتا ہے، تو سرکاری عدالت اس کی اپیل کو سن کر شرعی فیصلے کو کالعدم کرسکتی ہے۔

سپریم کورٹ کے اس مذکورہ فیصلہ کے آجانے کے بعد ولایت عامہ (ایمانی قوت) کے بل بوتے پر جو نظام قضاء مسلمانوں کے بیچ چل رہا تھا اس کے متعلق علماء کرام اور دانشوران قوم (وکلاء) کے مثبت اور منفی تأثرات اور ردعمل تحریروں اور تقریروں میں سامنے آئے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ نظام قضاء پر سو فیصد پابندی اگرچہ نہیں لگی، کئی مواقع اور امکانات باقی ہیں، تاہم یہ مان کر چلنا ہوگا کہ کسی نہ کسی درجہ میں ولایت عامہ (قوت ایمانی) کے بل بوتے پر مثلاً: متعنت شوہر جو کبھی بھی اسلامی شعبۂ قضاء میں پاؤں نہ رکھے اس کے خلاف علماء اسلام فیصلہ کرتے آرہے تھے اس پر تو پابندی لگ چکی ہے، یعنی موجودہ نظام قضاء اپنے عموم وشیوع کے ساتھ اور اپنے شرعی دائرہ میں شرعی اختیارات کے ساتھ جو کام کررہا تھا اس پر یقیناً کسی نہ کسی درجہ میں پابندی عائد ہوچکی ہے۔

شعبۂ قضاء امارت شرعیہ راجستھان جودھ پور میں ۲۰۱۳ء کو ایک مقدمہ جے پور سے آیا، جب کہ مدعیہ کا مدعا علیہ کے خلاف سرکاری عدالت میں کیس چل رہا تھا، اس لئے شعبۂ قضاء کے

ذمہ داروں نے کہا کہ جب تک سرکاری عدالت سے آپ کا مقدمہ ختم نہیں ہوجاتا شعبۂ قضاء کوئی کاروائی نہیں کرسکتا، چناں چہ مدعیہ نے اس پر عمل کیا اور سرکاری عدالت سے سارے مقدمہ واپس لے لئے ، اور پھر دوبارہ شعبۂ قضاء امارت شرعیہ میں کاروائی کی درخواست پیش کی، اس کے بعد شعبۂ قضاء نے کاروائی کی اور یہ کاروائی ۲۰۱۴ء کے اخیر تک چلتی رہی کاروائی مکمل ہونے تک مدعاعلیہ نے کبھی شعبۂ قضاء کے اطلاع کی مثبت پیروی نہیں کی ؛ بلکہ پہلی نوٹس سے ہی منفی جواب تحریری شکل میں شعبۂ قضاء میں داخل کئے ، مرحلہ وار کاروائی کے بعد مقدمہ کی سماعت ہوئی جس میں مدعا علیہ حاضر نہیں ہوا؛ البتہ مدعیہ اور اس کے گواہوں کے بیانات قلم بند ہوگئے، اور مقدمہ فیصل ہونے کے قریب تھا جب مدعا علیہ نے ایک تحریر بھیجی جس میں اس نے وضاحت کیا کہ اس نے ہائی کورٹ میں شعبۂ قضاء امارت شرعیہ راجستھان کو فریق بنالیا ہے، اس نے یہ بھی لکھا کہ تمام شرعی عدالتوں کے خلاف سپریم کورٹ کا فیصلہ آچکا ہے؛ لہٰذا آپ ذمہ داران شعبۂ قضاء اس میں نہ پڑیں، آپ نہ نوٹس دے سکتے ہیں نہ فیصلہ کرسکتے ہیں نہ فیصلہ ماننے پر مجبور کرسکتے ہیں، چناں چہ ایک عرصے بعد واقعی ہائی کورٹ جے پور سے شعبۂ قضاء امارتِ شرعیہ راجستھان اور اس کے قاضی شریعت کے خلاف نوٹس آگیا، اور اب باقاعدہ امارت شرعیہ راجستھان آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی سرپرستی میں ہائی کورٹ جے پور کے کارروائی کی پیروی کررہی ہے۔

آخر قصہ کوتاہ ایسی نازک صورتِ حال میں ذمہ داران شعبۂ قضاء نے اکابر علماء سے رجوع کیا، انہوں نے یہ تدبیر بتائی کہ تحریری فیصلہ کرنے کے بجائے مدعیہ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا زبانی اختیار دے دیا جائے، اور وہ اپنے اوپر اسی مجلس قضاء میں طلاق واقع کرلے تو نکاح ختم ہوجائے گا، چناں چہ اس پر عمل کرلیا گیا، پھر اس کی مزید تحقیق کی گئی تو مولانا خالدسیف اللہ رحمانی کی کتاب جدید فقہی مسائل میں فقہ شافعی کے حوالے سے ایسی واضح عبارت بھی مل گئی۔ (دیکھئے جدید فقہی مسائل ۳/۳۵/۱۳۴)

پھر اس عبارت کی روشنی میں فقہ شافعی کے بڑے ادارہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے رجوع کیا

گیا تو انہوں نے بھی مدلل تائیدی فتویٰ دیا، وہ فتویٰ بھی سوال کے ساتھ منسلک ہے، اور یہ بات بہت واضح ہے کہ ہمارے علماء نے کئی مسائل میں دوسرے مسالک کی طرف عدول کیا ہے، اور خاص طور پر وہ مسائل جن کا تعلق نظام قضاء سے ہے اس میں تو عند الضرورۃ اکثر عدول سے کام لیا گیا ہے۔ جامعہ اسلامیہ بھٹکل (جو ہندوستان میں فقہ شافعی کا معتبر اِدارہ ہے) کو اِرسال کردہ سوال اور اُس کا جواب درج ذیل ہے:

سوال:- احقر نے چند سال پہلے ۲۰۰۹ء میں علماء، صلحاء، وکلاء کے بدست امارتِ شرعیہ راجستھان کی بنیاد رکھوائی، پھر باضابطہ اسے رجسٹرڈ کروایا، اس کے لئے زمین جائیداد بھی حاصل ہوگئی اور اس کے بعد سے اب تک امارت اپنے کئی شعبوں میں کام کررہی ہے خصوصی طور پر شعبۂ قضاء کی کارکردگی قابل ذکر ہے، بحمد اللہ اس شعبہ کے ذریعہ اکابرین کے طرز پر کئی مقدمات حل ہوچکے ہیں اور ہنوز کام جاری ہے؛ لیکن ابھی ایک سال قبل جے پور کے ایک مقدمہ میں فریق ثانی کی عدم پیروی کی وجہ سے تھوڑی پریشانی پیش آگئی، اور فسخ نکاح بظاہر بہت مشکل ہوگیا، اس وجہ سے اکابرین کے مشورے سے تحریری فیصلہ کے بجائے زبانی تفویض طلاق کے ذریعہ معاملہ حل کرنا پڑا؛ لیکن چوں کہ اس کے لئے مسلک شافعی کی طرف عدول کیا گیا، اس لئے اکابرین کے تحریری تائید وتوثیق کی ضرورت محسوس ہوئی، چوں کہ یہ مسئلہ صرف راجستھان کا نہیں؛ بلکہ پورے ہندوستان کا ہے، اس لئے اسے ملکی پیمانے پر اجتماعی طریقے سے حل کرنے کی اشد ضرورت ہے، اسی لئے ایک استفتاء آپ کے دارالافتاء میں بھی داخل کیا گیا ہے، براہِ کرم آپ اپنے خصوصی توجہ سے اسے حل کرنے کا حکم فرمائیں، یقیناً آپ کی توجہ ہمارے لئے مشعل راہ ہوگی۔

ایک لڑکی ہندہ نامی جس کو اس کے شوہر نے آج سے تقریباً چار سال قبل میکے میں لاکر چھوڑ دیا۔ واضح رہے کہ شوہر کے گھر قیام کے دوران شوہر اپنی بیوی سے جہیز کا مطالبہ کرتے ہوئے بارہا زدوکوب اور مار پیٹ کیا کرتا تھا، اب وہ نہ بیوی کا نان نفقہ دے رہا ہے اور نہ ازدواجی تعلق قائم کئے ہوئے ہے، طلاق کا مطالبہ کرنے پر طلاق بھی نہیں دے رہا ہے، اس طرح لڑکی کو معلق بنا کر چھوڑا

ہے۔ چوں کہ لڑکی کے گاؤں یا قرب وجوار میں کوئی شرعی دار القضاء نہیں ہے، تو کیا اس صورت میں لڑکی اپنے اوپر خود سے طلاق واقع کرتے ہوئے جدائی اختیار کرسکتی ہے؟ شرعی رہنمائی فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

[جواب از: دار الافتاء جامعہ اسلامیہ بھٹکل]

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

جواب: ''درصورت صدق اظہار مستفتی مذکورہ بالا مسئلہ میں لڑکی کو نان نفقہ نہ ملنے، ضرر لاحق ہونے نیز ازدواجی تعلق قائم نہ رہنے کے باعث لڑکی معلق رہ جاتی ہے، جو قرآنی حکم کے خلاف ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [النساء: ۱۲۹]

چوں کہ لڑکی کو وہاں مرافعہ کے لئے شرعی عدالت یا کوئی جماعت کا نظام نہیں ہے، اس لئے وہ خود اپنا نکاح فسخ کرتے ہوئے شوہر کی زوجیت سے خارج ہوسکتی ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں موجود ہے۔

فأما إذا امتنع من دفع النفقة مع قدرته فوجهان: أحدهما لها الفسخ لتضررها الخ.

يجوز الفسخ إذا تعذر تحصيلها وهو اختيار القاضي الطبري وإليه مال ابن الصباغ وذكر الروياني وابن أخته صاحب العدة أن المصلحة الفتوى به. (روضة الطالبين وعمدة المفتين للإمام يحيىٰ ابن شرف النووي ۹/۷۲ المكتب الإسلامي)

قال شيخنا: فإن فقد قاض ومحكم بمحلهما، أو عجزت عن الرفع إلى القاضي كأن قال لا أفسخ حتى تعطيني ما لا استقلت بالفسخ للضرورة، وينفذ ظاهرًا، وكذا باطنًا كما هو ظاهر، وفي فتاوىٰ شيخنا ابن زياد: لو عجزت المرأة عن بينة الإعسار جاز لها الاستقلال بالفسخ، قال الشيخ عطية المكّي في فتاويه:

إذا تعذر القاضي أو تعذر الإثبات عنده لفقد الشهود أو غيبتهم، فلها أن تشهد بالفسخ وتفسخ نفسها . (فتح المعين شرح قرة العين بمهمات الدين للعلامة زين الدين المليباري ٥٦٣/٦٢ دار الفيحاء مكتبة نور الإسلام داغستان)

ولا فسخ بإعسار زوج بشيء مما ذكر حتى يثبت عند قاض بعد الرفع، أو عند محكم، هٰذا إذا قدرت على الرفع إلى القاضي، فإن استقلت بالفسخ لعدم حاكم ومحكم أو عجزت عن الرفع إلى القاضي نفذ ظاهرًا وباطنًا للضرورة، أما عند القدرة على ذٰلک فلا ينفذ ظاهرًا، ثم على ثبوت الفسخ باعتبار الزوج لا يمهل بها في قول ونسب للقديم؛ بل ينجز الفسخ عند الإعسار وقت وجوب تسليمها ولا تلزم الإمهال بالفسخ والأظهر إمهاله ثلاثة أيام، وإن لم يطلب الزوج الإمهال لتحقق عجزه؛ فإنه قد يعجز لعارض ثم يزول ولها بعد الإمهال الفسخ صبيحة الرابع.

(مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج للشيخ شمس الدين محمد الخطيب الشربيني ٥٤١/٣)

الفسخ ففيه قولان: أنها لا تفسخ بنفسها ؛ بل يرفع إلى الحاكم حتى يأمره بالطلاق أو يطلق عليه؛ لأنه موضع اجتهادٍ واختلاف، فكان إلى الحاكم كالفسخ بالعنة. والثاني: أنها تفسخ كالمعتقة تحت عبد. (البيان في مذهب الإمام الشافعي شرح كتاب المهذب كاملاً ٢٢٥/١١ دار المنهاج) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ابراہیم الندوی
۱۴۳۶/۳/۱ھ

مہر دارالافتاء
جامعہ اسلامیہ بھٹکل کرناٹک

لہٰذا اَب سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات، حکومت کے مخالف نظریہ اور دشمنانِ دین کے طرح طرح کے اٹھتے ہوئے اس پرفتن دور میں کیا فقہ شافعی کے اس مسئلہ پر عمل کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟ جب کہ یہ مسئلہ صرف راجستھان کا نہیں؛ بلکہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد پورے ملک کے شعبۂ قضاء کا ہے؟ براہ کرم شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

[جواب از: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد]

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہے عورت خود اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کرسکتی، اور فقہ شافعی کے جس جزئیہ کو بنیاد بنا کر خاص حالات میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی اجازت دینے کی کوشش کی جارہی ہے، وہ قطعاً مناسب نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے واقعات میں عورتیں خود اپنے اوپر طلاق واقع کرنے میں جری ہوجائیں گی، اور نظام معاشرت بگڑ جائے گا، اس لئے کسی بھی حنفی مفتی یا قاضی یا محکمہ شرعیہ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مذکورہ معاملہ میں بیوی کو طلاق کا اختیار تفویض کرے۔

دوسرے یہ کہ فقہ شافعی کی طرف عدول کی جو مصالح سوال میں ذکر کی گئی ہیں، وہ قابل توجہ نہیں ہیں؛ کیوں کہ اولاً محکمہ شرعیہ کسی فیصلے کا پابند نہیں ہے، پس اگر کوئی ناگزیر واقعہ پیش آجائے تو وہ مقدمہ خارج کرکے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، دوسرے یہ کہ خود سپریم کورٹ نے چند ماہ پیشتر یہ وضاحت کی ہے کہ شرعی عدالتیں سرکاری عدالتوں کے متوازی نہیں ہیں، اور ان کے فیصلوں کی حیثیت سرکار کی نظر میں ایک مشورہ کی مانند ہے اس لئے سرکار سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اور فسخ وتفریق وغیرہ معاملات میں ان فیصلوں کا نفاذ سرکاری طور پر نہیں؛ بلکہ شرعی طور پر ہے، اس لئے محکمہ شرعیہ کے ذمہ داران کو کسی خوف کی ضرورت نہیں، انہیں پورے حوصلے کے ساتھ اپنے مسلک کی روشنی میں کام جاری رکھنا چاہئے، اور کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہئے جس سے شریعت کے نظام طلاق پر کوئی اثر پڑے۔

عن زيد بن ثابت رضي اللّٰه عنه قال: ''الطلاق بالرجال والعدة بالنساء'' هٰكذا عن الشعبي وإبراهيم وسليمان بن يسار. (المصنف لابن أبي شيبة ٩/١٣٦ رقم: ١٨٥٠٧، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٧/٦٥٠)

صعد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المنبر فقال: يا أيها الناس! ما بال أحدكم يزوج عبده أمته، ثم يريد أن يفرق بينهما، إنما الطلاق لمن أخذ بالساق.

(سنن ابن ماجة، كتاب الطلاق / باب طلاق العبد ١٥١ رقم: ٢٠٨١ دار الفكر بيروت)

ومن وجوه التفضيل عليها ما ملك الرجل من فراقها بالطلاق ولم تملكه.

(أحكام القرآن لأبي بكر حصاص الرازي ٤٥٥/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵؍۷؍۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا عورت تین طلاق سن کر خود شوہر سے الگ ہوکر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے؟

سوال (۲۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت نے اپنے شوہر کو تین طلاق دیتے ہوئے سنا، مگر بعد میں شوہر نے طلاق سے انکار کرتے ہوئے پنچایت کے سامنے قسم بھی کھالی، اور بیوی کو حقوق کی رعایت کے ساتھ اپنے پاس رکھنے پر راضی بھی رہا، اور خلع سے انکار کیا، تو اَب وہ عورت کسی مفتی سے اس کے متعلق سوال کرے اور مفتی صاحب فتاویٰ ہندیہ میں مذکور:

قال شمس الأئمة السرخسي: ما ذكر أنها إذا هربت ليس لها أن تعتد وتتزوج بزوج آخر جواب القضاء، أما فيما بينها وبين اللّٰه تعالىٰ فلها أن تتزوج بزوج آخر بعد ما اعتدت، كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكرهية / الفصل الثاني ٣٨٦/٥ دار الكتب العلمية بيروت)

کے مطابق دیانت کا فتوی دے دے، تو عورت کو اُس پر عمل کرنا درست ہوگا؟ بندہ کی نظر سے اُردو فتاوی کی کتابوں میں خلاصی کی مختلف صورتیں گذری ہیں، مگر ہندیہ کی مذکورہ عبارت کے مطابق لکھا ہوا فتوی کہیں نہیں ملا، امید ہے کہ آپ حضرات رہنمائی فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے سوال میں فتاوی ہندیہ کی جو عبارت شمس

الائمہ سرخسی کے حوالہ سے نقل کی ہے، اُس کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ یہ معاملہ کسی قاضی یا مفتی کے سامنے پیش نہ ہوا ہو؛ بلکہ عورت نے بذاتِ خود یہ عمل کیا ہو تو فیما بینہ وبین اللہ وہ گنہگار نہ ہوگی؛ لیکن اگر معاملہ مفتی کے سامنے پیش ہوگیا، تو وہ اس بارے میں دیانت پر فتویٰ نہیں دے سکتا؛ کیوں کہ اِس کا تعلق ایک دعویٰ سے ہے اور دعویٰ بغیر بینہ کے قبول نہیں؛ لہٰذا اِس معاملہ میں مفتی قضاء کے حکم پر فیصلہ کرنے کا پابند ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب عورت کے پاس طلاق کے دعویٰ پر گواہ نہیں ہے تو شوہر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، اور جب تک شوہر طلاق کا اقرار نہ کرے یا اس سے تفریق نہ ہو یہ عورت اسی کی منکوحہ رہے گی، دوسرے شخص سے نکاح کرنا اُس کے لئے درست نہ ہوگا۔

وفي البزازية: عن الأوزجندي أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. (شامي، كتاب الطلاق / باب الصريح ٤٦٣/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تفویضِ طلاق؟

سوال (۲۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حبیب احمد نے اپنی بیوی سے کہا ''اپنے بھائی کو بلا اور طلاق لے'' پھر فون بیوی کو دینے لگا؛ تاکہ بھائی کو بلائے؛ لیکن بیوی نے فون نہیں لیا، مذکورہ جملہ بیوی سے دو مرتبہ کہا اور اِس جملہ کو کہے ہوئے پانچ سال ہوچکے ہیں اور میاں بیوی ساتھ ہی رہ رہے ہیں۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اِس جملہ سے طلاق واقع ہوگئی تھی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حبیب احمد کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ ''اپنے بھائی کو بلا اور طلاق لے'' یہ جملہ بظاہر تفویض اور تعلیق پر مشتمل ہے، یعنی بیوی کو طلاق کا اختیار دینا بھائی کو بلانے پر معلق کیا گیا ہے، اور حسبِ تحریر سوال بیوی نے بروقت نہ تو بھائی کو بتلایا اور نہ خود طلاق

اختیار کی، اِس لئے اُس کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اور دونوں کا میاں بیوی کی طرح ساتھ رہنا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

هو ربط حصول مضمون جملة بحصول مضمون جملة أخرىٰ، وشرط صحته كون الشرط معدومًا على خطر الوجود. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق / باب التعليق ٤/٥٨٩-٥٩١ زكريا)

رجل قال لامرأته خذي طلاقك، فقالت: أخذت، يقع الطلاق (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق / الفصل الثاني في إيقاع الطلاق ١/٣٥٩)

وإن قامت من مجلسها قبل مشيئها لا. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق / باب الأمر باليد، مطلب: في مسألة الهدم ٤/٥٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شریر بیٹے کو گھر میں داخلہ سے نہ روکنے پر طلاق کو معلق کرنا؟

سوال (۲۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا لڑکا بہت شریر ہے اُس کی شرارت کی وجہ سے اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے اِس شریر بیٹے کو گھر میں داخل ہونے دیا تو تجھ پر تین طلاق ہیں۔

اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی بیوی نے اس شریر بیٹے کو گھر میں آنے سے نہیں روکا اور وہ بیٹا گھر میں داخل ہوگیا، یا منع تو کیا تھا مگر منع کئے جانے کی باوجود وہ گھر میں داخل ہوگیا، دونوں صورتوں میں کیا حکم ہوگا؟ طلاق پڑے گی یا نہیں؟ نیز اگر اس قول سے رجوع کرنا چاہے تو اِس کی کوئی صورت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر بیوی نے مذکورہ شریر بیٹے کو گھر

میں داخل ہونے سے نہیں روکا، جس کی بناء پر وہ بیٹا گھر میں داخل ہوگیا، تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوجائیں گی، اور وہ شوہر کے لئے حلال نہ رہے گی؛ لیکن اگر بیوی نے لڑکے کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کی پوری کوشش کی اِس کے باوجود لڑکا زبردستی گھر میں داخل ہوگیا، تو اَب بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیوں کہ وقوعِ طلاق کی شرط نہیں پائی گئی۔ واضح ہو کہ یہاں طلاق کے وقوع کی شرط بیٹے کا داخل ہونا نہیں ہے؛ بلکہ داخل ہونے دینا ہے، اور یہ جبھی ہوگا جب کہ بیوی لڑکے کو روکنے کی کوشش نہ کرے، اگر بیوی روکنے کی کوشش کرے، پھر بھی بیٹا داخل ہوجائے تو یہ داخل ہونے دینے کے معنی میں نہ ہوگا، اور بہرصورت زید اپنی شرط کو واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔

وإذا أضافه إلی الشرط وقع عقیب الشرط مثل أن یقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق. (الهدایة ۳۸۵/۲، الفتاویٰ الهندیة / الفصل الثالث، باب تعلیق الطلاق بکلمه إن الخ ۴۲۰/۱ زکریا، البحر الرائق ۵/۴، تبیین الحقائق ۱۰۹/۳، شامي ۳۵۵/۳ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۵/۸/۹ھ

خلع میں مہر سے زیادہ مال کا مطالبہ کرنا؟

سوال (۲۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خلع کرتے وقت کیا عورت سے مہر سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرنا درست ہے؟ یہ مطلقاً جائز ہے؟ یا اِس میں کچھ تفصیل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خلع صرف مہر کے عوض میں ہونا چاہئے، اِس میں مہر سے زائد رقم کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر عورت کی طرف سے قصور اور نافرمانی پائی جائے تو مزید رقم لینے کی بھی گنجائش ہے۔

إن كـان الـنشوز من جهتها طاب الفضل للزوج، وإن كان النشوز من قبله كـره له ذٰلک وجاز في القضاء.(الـفتـاویٰ التـاتارخانية ٥/٧-٨ رقم: ٧٠٧٥ زكريا، فتح القدير ١٩٦/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۵/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فیکس کے ذریعہ طلاق؟

سوال (۲۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری لڑکی نسیم جہاں بنت محمد سفیر الدین موضع دلپت پور مرادآباد کی شادی محمد معروف ابن محمد رسالت موضع مانپور تحصیل ٹھاکردوارہ مرادآباد سے بتاریخ ۲۹/ مارچ ۲۰۱۳ء کو ہوئی تھی، اُس دن سے آج تک لڑکی پریشانی میں مبتلا ہے، اُس کا شوہر اُسے تنگ رکھتا ہے، اُس کے اخراجات پورے نہیں کرتا، اُسے مارتا ہے، برا بھلا کہتا ہے، غرض ہر طرف سے لڑکی پریشان تھی۔ اَب اُس کا شوہر اُسے بتائے بغیر دوسرے ملک چلا گیا، جس کی بناپر ہم لڑکی کے گھر والے اُسے اپنے گھر لے آئے، اورلڑکی تقریباً ایک سال سے اپنے ماں باپ کے گھر رہ رہی ہے، اَفسوس ناک بات یہ ہے کہ اَب اُس کا شوہر سعودی عرب سے فیکس کے ذریعہ اُسے طلاق دینا چاہتا ہے، تو اِس طلاق کا کیا حکم ہے؟ طلاق ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر فیکس کے ذریعہ اپنی بیوی کو طلاق نامہ بھیجے تو اُس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ وہ طلاق نامہ شوہر ہی نے بھجوایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۸۴/۱۲)

ثـم الـمرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق فـكـمـا كـتـب هٰذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها

بـمجيء الكتاب بأن كتب، إذا جاء ک کتابي فأنت طالق، فجاء ها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق، كذا في الخلاصة. (شامي مع الدر المختار ٤٥٦/٤ زكريا)

إن كتب على وجه المرسوم ولم يعلقه بشرط بأن كتب أما بعد يا فلانة فأنت طالق، وقع الطلاق عقيب كتابة لفظ الطلاق بلا فصل، لما ذكرنا أن كتابة قوله: أنت طالق على طريق المخاطبة بمنزلة التلفظ بها. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق / فصل: وأما النوع الثاني فهو أن يكتب ١٠٩/٣ كراچی، شامي ٢٤٦/٣ کراچی، الفتاوىٰ الهندية ٣٧٨/١، فتاویٰ قاضي خان ٤٧١/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۰/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹی بی کے مریض سے مقررہ رشتہ ختم کرنا؟

سوال (۲۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی لڑکی کا رشتہ عمرو کے لڑکے سے طے کردیا اور رشتہ طے ہوئے تین سال کا عرصہ گذر چکا ہے، لڑکی والے شروع سے ہی لڑکے والوں سے شادی کرنے کا مطالبہ کرتے رہے؛ لیکن لڑکے والے شادی کو مؤخر کرتے رہے، اسی عرصہ میں لڑکے کو ٹی بی کا مرض لاحق ہوگیا اور لڑکے والوں نے اس کی خبر لڑکی والوں کو نہیں دی، پھر لڑکی والوں کو کسی طرح اس بات کا علم ہوگیا کہ لڑکے کو ٹی بی کا مرض ہے اور یہ مرض اپنی آخری حد کو پہنچ چکا ہے اور اس کا علم لڑکی والوں کو لڑکے کا علاج کرنے والے ڈاکٹروں کے ذریعہ ہوا ہے، پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ زید نے جو اپنی لڑکی کا رشتہ عمرو کے بیٹے سے کیا تھا وہ اس وجہ سے کیا تھا کہ لڑکا حافظ قرآن ہے؛ لیکن دو سال سے تراویح میں قرآن کریم بھی نہیں سنا رہا ہے؛ جبکہ وہ قرآن کریم سنا سکتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ وجوہات کے بناء پر زید کے لئے اپنی لڑکی کا رشتہ عمرو کے لڑکے سے توڑ دینا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ کیا اس رشتے کو توڑ دینے کی بناء پر زید گناہ گار ہوگا؟ مدلل جواب تحریر فرما کر مشکور وممنون ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رشتہ طے کرنا ایک طرح کا وعدہ ہے، اور حتی الامکان وعدہ کی پاس داری کرنی چاہئے؛ لیکن حسبِ تحریر سوال کیوں کہ لڑکا ایک ایسی بیماری میں گرفتار ہے، جس کے رہتے ہوئے زوجین میں نبھاؤ نہ ہونے کا خطرہ ہے اور حقوق زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی کا اندیشہ ہے؛ اس لئے اگر یہ رشتہ خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کردیا جائے تو اس میں کچھ گناہ نہ ہوگا۔

الخلف في الوعد حرام ...... إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف فلا إثم عليه. (شرح الأشباه والنظائر / كتاب الحظر والإباحة ۱۰۹/۲–۱۱۰ مكتبة إدارة القرآن كراچي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفر لہ ۲۴/۱/۲۷ ۱۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نفقہ وحضانت ونسب:

نان نفقہ لڑکی کا حق ہے یا اَولیاء کا؟

سوال (۲۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نان ونفقہ لڑکی والوں کو لینا ضروری ہے؟ اور یہ لڑکی کا حق ہے، یا لڑکی کے اَولیاء کا؟ اور لڑکی کے اَولیاء کے انکار یا معاف کرنے سے لڑکے والوں یا شوہر سے یہ ذمہ ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نان ونفقہ لڑکی کا حق ہے جب کہ لڑکی شوہر کی مرضی کے مطابق عدت گذارے اور اُس کی نافرمان نہ ہو، اگر لڑکی ناشزہ ہو، یا وہ خود ہی نان ونفقہ لینے سے منع کردے تو یہ نان ونفقہ شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے، اور لڑکی کے اَولیاء کو لڑکی کی مرضی کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

إن الفرقة إذا كانت من قبل الزوج بطلاقٍ فلها النفقة والسكن، سواءٌ كان

الطلاق رجعيًا أو بائنًا . (بدائع الصنائع ٤١٩/٣)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (الهداية ٤٣٨/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۱۱/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عدت کا خرچ کتنا ہو؟

سوال (۲۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سیما پروین کو طلاق ہوئی ہے، اُس کی عدت کا خرچہ کتنا ہوگا اور کس پر ہوگا؟ اور شوہر کی دو سالہ بچی بھی ہے، اُس کا خرچہ کتنا ہوگا اور کس پر ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مطلقہ سیما پروین کی عدت کا خرچہ شوہر کی مالی وسعت کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ بہتر ہے کہ فریقین کے سنجیدہ اور معتدل حضرات مل بیٹھ کر کوئی مقدار مقرر کرلیں؛ تاکہ نزاع نہ رہے اور بچی کا واجبی خرچ بھی اُس کے والد کے ذمہ ہے، واجبی خرچ سے زیادہ کا اُس سے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۴۴۹/۸، کتاب الفتاویٰ ۱۴۵/۵)

قال في البحر: واتفقوا على نفقة الموسرين إذا كانا موسرين، وعلى نفقة المعسرين إذا كانا معسرين، ...... وأما على المفتى به فتجب نفقة الوسط في المسألتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة. (شامي، كتاب الطلاق / باب النفقة، مطلب: لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير ٢٨٤/٥ زكريا، ٥٧٥/٣ كراچی، البحر الرائق ٢٩٧/٤، كذا في الخانية على الهندية ٤٢٦/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر کے مرنے کے بعد بچی کی پرورش کا نفقہ اور حق کس کے ذمہ ہوگا؟

سوال (۲۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: محمد ادریس کی لڑکی (عمر ساڑھے تین سال) کی پرورش کس کے ذمہ ہے؟ دادا پر یا اُس کی ماں اور ماموں نانی پر؟ اور کس عمر میں دادا لے سکتا ہے؟ نیز بڑی ہونے پر شادی وغیرہ کرنے کی کس کی ذمہ داری ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں محمد اِدریس کی لڑکی کے ضروری اِخراجات کی ذمہ داری اُس کے دادا پر ہے، اور پرورش کا حق بالغ ہونے تک ماں کو حاصل ہے، بشرطیکہ وہ لڑکی کے غیر محرم سے نکاح نہ کرے، اور اگر وہ غیر محرم سے نکاح کرلے گی، تو بچی کی پرورش کا حق نانی کو ہوگا، اور نانی اگر تیار نہ ہو تو دادی کو ہوگا، اور بڑی ہونے کے بعد شادی وغیرہ کی ذمہ داری دادا یا دیگر اَولیاء (چچا تایا وغیرہ) کی ہے۔

ونفقة الإناث واجبةٌ مطلقًا على الآباء ما لم يتزوجن، إذا لم يكن لهن مال.

(الفتاویٰ الهندية ٥٦٣/١)

أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح، أو بعد الفرقة الأم ...... وإن لم يكن أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة، أو متزوجة بغير محرم أو ماتت، فأم الأم أولىٰ. فإن لم يكن للأم أم، فأم الأب أولىٰ ممن سواها، وإن علت. (الفتاویٰ الهندية ٥٤١/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچوں کی پرورش کا حق کس کو حاصل ہے؟

سوال (۲۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کی اجازت کے بغیر مرد بچوں کو اس وقت تک اپنی تحویل میں نہیں لے سکتا جب تک عورت راضی نہ ہو اور بچوں کا خرچ مرد (شوہر) کو ہی اٹھانا چاہئے، ماں نے پیدا کیا، جتنی ماں

پرورش کرسکتی ہے باپ نہیں سوتیلی ماں کی نگہداشت میں کبھی بھی بچوں کی پرورش اچھی نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ سوتیلی ماں کا ساتھ باپ بھی دیتا ہے، ایسی صورت میں بچوں کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک بچے یا بچیاں ماں کی تربیت کے محتاج ہوں اس وقت تک شوہر کے مقابلے میں ماں کو ان کی پرورش کا حق حاصل ہے، اور فقہاء نے لڑکوں میں سات سال تک اور لڑکیوں میں بالغ ہونے تک اس کی مدت مقرر کی ہے؛ البتہ جب بچے بڑے ہوجائیں تو اب باپ کو ذمہ داری دی گئی ہے، یہ فطرت مصلحت اور ضرورت کے عین مطابق ہے، اس میں اشکال واعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع، وبه يفتىٰ؛ لأنه الغالب ...... والأم والجدة أحق بها بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ في ظاهر الرواية. (الدر المختار) وفي الشامي قال في البحر: لأنها بعد الاستغناء تحتاج إلى معرفة آداب النساء والمرأة على ذلک أقدر، وبعد البلوغ تحتاج إلى التحصين والحفظ، والأب فيه أقوى وأهدى. (شامي، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٥/٢٦٧-٢٦٨ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

متوفی عنہا زوجہا کے دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد شوہر کے بھائیوں کا بچوں کو مانگنا؟

سوال (۲۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: والد والدہ کا پہلے انتقال ہوگیا تھا چار لڑکے تھے، ایک کا انتقال ہوگیا، متوفی نے دو لڑکے اور ایک بیوی چھوڑی، نتیجہ میں لڑکی کے والد گئے، اُن سے متوفی کے بھائیوں نے کہا کہ کیا لڑکی کو لے

کر جاؤ گے؟ والد نے کہا ہاں! اور سامانِ جہیز بھی لے کر جاؤں گا، لڑکی کو مع جہیز اور دونوں بچوں کے بھیج دیا، لڑکی نے والد کے گھر پر عدت گذاری، عدت مکمل ہونے کے وقت متوفی کے بھائی آئے اور بچوں کو لے کر جانا چاہتے تھے، لڑکی نے جواب دیا میری عدت پوری ہورہی ہے، میں اپنے دونوں بچوں کو لے کر خود آرہی ہوں، یہ سن کر متوفی کے بھائی بولے تو بھی یہیں رہ اور اُن بچوں کو بھی تو ہی رکھ، ہمارے گھر مت آنا، تین سال کا عرصہ ہوگیا کوئی دیکھنے یا بچوں کی خبر گیری کے لئے نہیں، اَب لڑکی نے اپنا نکاح کرلیا، اَب متوفی کے بھائی بچوں کو لینے آرہے ہیں، لڑکی بچوں کو دینے کے لئے تیار نہیں ہے؛ اِس لئے کہ اُس نے بہت مشقت سے پالا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں اگر بیوہ نے دوسری جگہ نکاح کرلیا ہے، تو اُن چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق سات سال تک نانی کو حاصل ہوگا، پس اگر نانی موجود رہے تو متوفی شوہر کے بھائیوں کو اُن بچوں کو لے جانے کا حق حاصل نہیں۔

وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة، أو متزوجة بغير محرم، أو ماتت فأم الأم أولىٰ من كل واحدة، وإن علت والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱ ٥٤١ - ٥٤٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۶/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر گواہی کے نکاح کے نتیجے میں پیدا شدہ بچے کا نسب؟

سوال (۲۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکا اور ایک لڑکی نے آپسی رضامندی سے بغیر گواہوں کے ایک حافظ صاحب سے نکاح پڑھوایا، کیا اُس کا نکاح بغیر گواہوں کے درست ہوگیا؟ کیا دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو پھر کیا تجدید نکاح ضروری ہے؟ اور اتنے دن بیوی سے صحبت کرنا اور استقرار حمل کا

ہونا کیا یہ سب زنا میں شمار ہوگا، اور کیا لڑکا ولدالزنا میں شمار ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر گواہوں کے نکاح کرنا فاسد ہے، اور اِس درمیان صحبت کرنا سخت گناہ ہے؛ تاہم اگر اُس کی وجہ سے بچہ کی پیدائش ہوجائے تو راجح قول کے مطابق بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوجائے گا، اور بہرصورت مذکورہ مرد عورت پر تجدید نکاح شرعی طریقہ پر لازم ہے۔

قال عامة العلماء: إن الشهادة شرط جواز النكاح – إلى قوله – فلو لم تكن الشهادة شرطًا لم تكن زانية بدونها. (بدائع الصنائع ۲۳/۲ ٥ زكريا)

إن الدخول في النكاح الفاسد موجب للعدة، وثبوت النسب، ومثل له في البحر هناك بالتزوج بلا شهود (شامي ۱۹۷/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لاوارث مجہول النسب بچے کا نسب پرورش کرنے والے سے ثابت کرنا؟

سوال (۲۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے دو شادیاں کیں؛ لیکن ایک سے بھی کوئی بچہ حیات نہ رہ سکا، پہلی شریکِ حیات انتقال کرگئی۔ دوسری شریکِ حیات کی بہن نے ایک بچی لاکر دی اُن کے مطابق پیدائش کے ۴ر دن بعد وہ بچی دی تھی، اُس کی ولدیت کا بھی پتہ نہیں ہوسکا، زید نے اُس بچی کا رجسٹریشن میونسپل بورڈ میں اپنی ولدیت کے ساتھ درج کرایا، اور بخوبی پرورش کرتا چلا آرہا ہے، اور اس کی تعلیم وتربیت بھی کراتا رہا، اُس بچی کی تعلیم واسکول سرٹیفکٹ میں بھی زید اپنی ولدیت لکھتا آرہا ہے، اَب وہ بچی شادی کی عمر تک پہنچ گئی اور رشتہ وغیرہ بھی طے ہوچکا ہے، اَب شرعی رو سے زید نکاح نامہ وغیرہ میں اس بچی کی ولدیت اپنی لکھا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں لاوارث اُٹھائی گئی بچی اگرچہ مجہول النسب تھی؛ لیکن زید نے چوں کہ اُس کے لئے ولدیت کا دعویٰ کردیا اور اُس کے مقابلہ میں اس کے نسب کا کوئی اور مدعی بھی نہیں ہے، اِس لئے زید کے دعویٰ کو قبول کرلیا جائے گا، اور زید کی طرف اُس بچی کی ولدیت کی نسبت کی گنجائش ہوگی۔

ويثبت نسبه من واحد بمجرد دعواه، ولو غير الملتقط استحسانًا، وفي الشامي: والقياس أن لا تصح دعواهما، أما الملتقط فلتناقضه، وأما غيره فلأن فيه إبطال حق ثابت بمجرد دعوىٰ. وجه الاستحسان أنه إقرار للصبي بما ينفعه، والتناقض لا يضر في دعوى النسب. (الدر المختار مع الشامي، كتاب اللقيط / مطلب في قولهم الغرم بالغنم ٦/٤٢٦ زكريا)

إذا ادعى اللقيط شخص واحد، سواء كان هو الملتقط أو غيره، فإن كان رجلاً مسلمًا حرًا لحق نسبه به إن أمكن أن يكون منه بأن يتحقق فيه شروط الاستحقاق، وهٰذا ما ذهب إليه الحنفية أيضًا في الاستحسان؛ لأن في إثبات النسب نظرًا من الجانبين جانب اللقيط بشرف النسب، والتربية والصيانة عن أسباب الهلاك وغير ذٰلك، وجانب المدعي بولد يستعين به على مصالحه الدينية والدنيوية. (الموسوعة الفقهية ٣١٨/٣٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسلام میں متبنّٰی اور لاوارث بچوں کی پرورش کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہ بات ظاہر ہے کہ اِسلام میں والدین اور اَولاد کا رشتہ ایک فطری رشتہ ہے، یہ مصنوعی رشتہ

نہیں ہے کہ زبان کے بول سے وجود میں آ جائے ، اِسی لئے شریعتِ اسلامی میں لے پالک کا تصور نہیں ہے، ہندوستان میں متعدد بار ایسی کوششیں کی گئیں کہ لے پالک سے متعلق ایسا قانون پاس ہو جس کا اِطلاق مسلمانوں کے بشمول ہندوستان کے تمام شہریوں پر ہو، مگر مسلمانوں نے ہمیشہ اُس کی مخالفت کی؛ بلکہ ایک طرف سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاسیس ہی متبنی بل ۱۹۷۲ء کے پس منظر میں عمل میں آئی اور اللہ کا شکر ہے کہ بورڈ کی کوششوں سے حکومت نے یہ بل واپس لے لیا تھا۔

اَب سپریم کورٹ میں شبنم ہاشمی کی طرف سے ایک درخواست دائر کی گئی ہے، جس میں انسانی حقوق اور بہبودی اَطفال کے حوالہ سے مسلمانوں کے لئے بھی تبنیت کا حق طلب کیا گیا ہے، اور اِس سلسلہ میں اَقوامِ متحدہ کی حقوق اَطفال کے سلسلہ میں بعض قراردادوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ یتیم لاوارث بچوں کی نگہداشت کے لئے یا تو گود لینے کی اِجازت ہونی چاہئے ، یا اِسلام کا نظامِ کفالت مہیا کیا جانا چاہئے ، گو یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر گود لینے میں یتیموں کے سہارا بننے کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا ؛ بلکہ اپنے بے اولاد ہونے کا تدارک مقصود ہوتا ہے۔

بورڈ اِس سلسلہ میں فقہی اور قانونی معلومات جمع کرر ہا ہے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ مؤثر طریقہ پر شرعی نقطہ نظر کی ترجمانی ہوسکے، اِس سلسلہ میں آپ کی خدمت میں چند سوالات پیش ہیں، اور آپ سے خواہش ہے کہ قرآن وتفسیرِ قرآن ، حدیث وشروح حدیث، آثار صحابہ اور فقہاء کے اَقوال کی روشنی میں اِن کے جوابات عنایت فرمائیں:

(۱) اِسلام میں نادار اور لاوارث بچوں کی پرورش اور معاشی کفالت کا کیا نظام ہے؟

(۲) یتیم ولاوارث بچوں کا نفقہ کن لوگوں پر واجب ہوتا ہے، اور وجوبِ نفقہ کی ترتیب کیا ہے؟

(۳) اگر کسی یتیم کے اَقارب موجود نہ ہوں تو ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں اِسلامی حکومت نہیں ہے، نفقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی ؟ اور اس سلسلہ میں مسلم سماج کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور یہ ذمہ داری قانونی نوعیت کی ہے یا اخلاقی نوعیت کی، یعنی یہ ذمہ داری اُن پر قضاءً ہے یا دیانۃً ؟

(۴) لقیط اور لاوارث بچوں کے نفقہ کی ذمہ داری کس پر ہوگی ؟ اور اِسلام میں اُن کی معاشی

کفالت اورنگہداشت کا کیا نظام ہے؟ بالخصوص ایسے علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں؟

آپ سے درخواست ہے کہ ۳۰؍ مئی تک ضرور بورڈ کے دفتر کو اپنے جوابات اِرسال فرمائیں، یہ قانون شریعت کے تحفظ کے سفر میں آپ کا گراں قدر تعاون ہوگا اور انشاء اللہ آپ بہترین اَجر کے مستحق ہوں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِسلامی شریعت میں متبنیٰ کو حقیقۃً کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے اور بحیثیت تبنیت متبنیٰ بنانے والے پر شرعاً کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؛ تاہم مسلم معاشرے میں اگر ایسے بچے پائے جائیں جن کی پرورش ناگزیر ہو تو اُن کی کفالت اور دیکھ ریکھ کا اِنتظام مجموعی حیثیت سے مسلمانوں پر لازم ہے، اَب اِس طرح کے مستحق بچوں کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں:

(۱) وہ یتیم اور نادار بچے جن کے والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ہو اور اُن کے پاس اپنا مال نہ ہو، جس سے اُن کی ضرورت پوری کی جاسکے، تو ایسے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری اُن بچوں کے اُن قریبی اَعزہ پر ہوگی جو شرعی اعتبار سے اُن کے وارث بنتے ہیں، اور اگر وارث متعدد ہوں تو جس وارث کا وراثت میں جتنا حصہ شرعی بنتا ہے اُسی کے بقدر ہر وارث ایسے نادار بچوں کی کفالت میں رقم صرف کرنے کا ذمہ دار ہوگا، اگر یہ وارثین اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کریں تو اسلامی حکومت اُن کو مجبور کرسکتی ہے۔

(۲) دوسرے وہ لاوارث بچے جن کا کوئی وارث دریافت نہ ہو، اُن کو شریعت کی اِصطلاح میں ''لقیط'' کہا جاتا ہے، ایسے بچوں کی پرورش کرنا بھی شرعاً لازم ہے، اور اُن کو ضائع کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اگر کسی شخص کو ایسا بچہ کہیں دستیاب ہو تو اُس پر بطور فرضِ کفایہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بچے کو اپنی تحویل میں لے لے، اب اگر اُس بچے کے ساتھ اُس کا مال بھی ہے تو وہی مال اُس پر خرچ کیا جائے گا، اور اگر چھان بین کے بعد اُس کے قریبی اعزہ کا علم ہوجائے تو اُن کے سپرد کردیا جائے اور اگر اَعزہ وغیرہ کا پتہ بالکل نہ چلے تو اسلامی حکومت میں بیت المال سے اُس بچے کا وظیفہ جاری کیا

جائے گا، اور کسی جگہ اسلامی حکومت اور بیت المال کا وجود نہ ہوتو عامۃ المسلمین پر اُس بچے کی پرورش فرضِ کفایہ ہے، اگر ایک یا چند لوگ اُس ذمہ داری کو بجالائیں گے تو بقیہ سے گناہ ساقط ہوجائے گا، اور اگر کوئی بھی اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے گا، تو پوری قوم گنہگار ہوگی۔ اِس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ علاقائی یا قومی مسلم تنظیمیں یا اِدارے اپنے بجٹ کا ایک حصہ ایسے لاوارث بچوں کی پرورش کے لئے مختص کردیں اور توجہ اور اہتمام کے ساتھ قوم کے لاوارث اور نادار بچوں کی کفالت کی ذمہ داری نبھائیں۔

قال اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ، ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ٤]

وتحته في روح المعاني: قوله تعالىٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ﴾ إبطال لما كان في الجاهلية أيضًا وصدر من الإسلام من أنه إذا تبنى الرجل ولد غيره أجريت أحكام البنوة عليه. وقوله تعالى: ﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ فقط من غير أن يكون له مصداق وحقيقة في الواقع ونفس الأمر، فإذن هو بمعزل عن القبول أو استتباع الأحكام كما زعمتهم. (روح المعاني ٢٢٢/١٢ زكريا، تفسير ابن كثير ص: ١٠٥٠ دار السلام رياض، أحكام القرآن للجصاص ٣٥٤/٣ لاهور)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٣٣]

وفي الروح: المراد بالوارث وارث الولد؛ فإنه يجب عليه مثل ما وجب على الأب من الرزق والكسوة بالمعروف إن لم يكن للولد مال – إلى قوله – وخص الإمام أبو حنيفة هٰذا الوارث بمن كان ذا رحم محرم من الصبي، وبهٖ قال حماد. (أحكام القرآن للتهانوي ٤٠٣/١ كراچى، أحكام القرآن للجصاص ٤٠٧/١ لاهور، تفسير مدارك ٩٤، الدر المنثور ٢٨٨، روح المعاني ٢٢١/٢ زكريا، معارف القرآن ٥٨٢/١، روائع البيان ٣٥٦/١-٣٥٨ دمشق)

وقال أبو جميلة: وجدت منبوذًا فلما رآني عمر قال: ”عسى الغوير

أبؤسا'' كأنه يتهمني، قال عريفي: أنه رجلٌ صالحٌ قال كذلک إذهب وعلينا نفقته.
(صحيح البخاري / باب إذا زكّیٰ رجل رجلاً كفاه ١/٣٦٦)

قال الحافظ ابن حجر: وجدت مبنوذًا أي لقيطًا – إلى قوله – وفيها جواز الالتقاط وإن لم يشهد، وأن نفقته إذا لم يعرف في بيت المال، وأن ولاء ه لملتقطه. (فتح الباري ٢٧٥/٥ دارالفكر بيروت)

وفي عمدة القاري: اذهب وعلينا نفقته، وفي رواية مالک اذهب فهو حر ولک ولاء ه وعلينا نفقته، يعني من بيت المال – إلى قوله – وفيه جواز الالتقاط وإن لم يشهد، وأن نفقته إذا لم يعرف في بيت المال. (عمدة القاري ٢٣٧/١٤ بيروت، المصنف لعبد الرزاق رقم: ١٦١٨٢–١٦١٩٠ بيروت، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٠٢/٦ بيروت)

التقاطه فرض كفاية إن غلب على ظنه هلاكه لو لم يرفعه، ولو لم يعلم به غيره ففرض عين ومثله رؤية أعمى يقع في بئر والا فمندوب لما فيه من الشفقة والإحياء، وهو حرٌ مسلمٌ تبعًا للدار إلا بحجة رقه على خصم ...... وما يحتاج إليه من نفقةٍ وكسوةٍ وسكنى ودواء ومهر إذا زوجه السلطان في بيت المال إن برهن على التقاطه، وإن كان له مال أو قرابة ففي ماله أو على قرابته وارثه. (شامي ٤٢٣/٦ -٤٢٤ زكريا)

ندب التقاطه ووجب إن خيف الضياع، أي فرض على الكفاية إن غلب على ظنه هلاكه لو لم يرفعه بأن وجده في مفازة ونحوها من المهالک صيانةً له ودفعًا للهلاک عنه كمن رآى أعمىٰ يقع في البئر افترض عليه حفظه من الوقوع إلىٰ قوله – ونفقته في بيت المال، وإن وجد معه مال فهو له. (البحر الرائق ١٤٤/٥ كوئٹه)

اللقيط حرٌ باعتبار الأصل والدار ونفقته من بيت المال، وهو المروي عن عمر رضي الله عنه، والملتقط متبرع في الإنفاق عليه لعدم الولاية عليه، إلا أن يأمره القاضي به يكون دينًا عليه. (فتاوى النوازل لفقيه أبي الليث ٢٦٧ مكتبة دار

الإيمان سهارن فور، الفتاویٰ الهندية ۲۸۵/۲، بدائع الصنائع ۲۹۱/۵ زكريا، المبسوط للسرخسي ۲۰۱/۱۰ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۷/۷ ۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے کے بچے کو گود لینا کیسا ہے؟

سوال (۲۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی دوسرے کی اَولاد کو گود لینا کیسا ہے؟ کس بچے کو گود لینا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے کے بچہ کو گود لینا اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن اُس بچہ کا حکم نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ میں حقیقی اَولاد کی طرح نہیں ہوگا؛ بلکہ اِن تمام معاملات میں وہ اَجنبی کی طرح ہوگا۔

إن الدعي والمتبنیٰ لا يلحق في الأحكام بالابن، فلا يستحق الميراث ولا يرث عنه المدعي. (أحكام القرآن للتهانويؒ ۱۸۳/۵ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/۲۸ ۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم عورت سے زنا سے پیدا شدہ بچہ کو گود لینا؟

سوال (۲۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ بچہ جس کی ماں غیر مسلم ہو بغیر شادی کے بچے کو جنم دے کر ہسپتال میں چھوڑ کر چلی جائے، اُس بچے کو گود لینا چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ اُس بچہ کی بخوبی حفاظت کر سکتے ہیں اور اُس

کی مناسب دیکھ بھال کرسکتے ہیں، تو اُس کو گود لینے کی آپ کو اِجازت ہے؛ لیکن اُس بچہ کا حکم نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ میں اَجنبی کی طرح ہوگا۔

وهو في الشريعة اسم لحي مولودٍ طرحه أهله خوفًا من العيلة أو فرارًا من تهمة الزنا، مضيعه آثم ومحرزه غانم، والالتقاط مندوب إليه، وإن غلب على ظنه ضياعه كأن وجده في الماء، أو بين يدي سبع فواجب. (الفتاویٰ الهندية ٢٨٥/٢، شامي ٤٢٣/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گود دے کر بچہ کو واپس لینا؟

سوال (۲۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنے بڑے بھائی بکر سے شادی کے دو سال بعد ایک بچہ پالنے کے لئے لیا تھا، اُس وقت دونوں بھائیوں کے درمیان اِسٹامپ پر لکھ کر یہ بات طے کرلی گئی تھی کہ میں اس بچہ کو کبھی واپس نہیں لوں گا، اَب آٹھ سال کے بعد زید کے بڑے بھائی بکر اُس بچہ کو واپس مانگ رہے ہیں، اور زید کے پاس اُس کے علاوہ کوئی اَولاد نہیں ہے، اور وہ بچہ اَپنے حقیقی باپ کے پاس جانا بھی نہیں چاہتا، اور بکر کے پاس پانچ اولادیں ہیں، دو بیٹی اور تین بیٹے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ بچہ اپنے اصل باپ بکر ہی کی طرف منسوب ہوگا، اِسٹامپ پیپر پر لکھنے سے وہ بچہ زید کا قرار نہیں دیا جاسکتا؛ لہٰذا زید نے بکر کے ساتھ بچہ واپس نہ کرنے کا جو معاہدہ کیا ہے وہ شرعاً قابلِ تعمیل نہیں، بکر کو بہرحال شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچہ کو اپنے پاس رکھے۔

قال اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَ كُمۡ اَبۡنَآءَ كُمۡ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ﴾ [الأحزاب، جزء آيت: ٤]

وفـي الـحديث: من ادعى إلى غير أبيه، وهو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرامٌ. (أحكام القرآن للجصاص ٣/٤ ٥ ٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عدت:

دو حیض آنے کے بعد سلسلہ بند ہوگیا تو معتدہ عدت کیسے گذارے؟

سوال (۲۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی عورت کا دورانِ عدت جب کہ وہ حیض کے حساب سے عدت گذار رہی تھی، ایک یا دو حیض ابھی آئے تھے کہ حیض کا سلسلہ بند ہوگیا، اور طویل زمانہ تک حیض نہ آیا، تو اَب یہ عورت اپنی عدت کیسے پوری کرے گی؟ آیا از سرنو تین مہینے عدت کے پوری کرے گی یا جتنی عدت باقی ہے اُسی کو مہینوں کے حساب سے پوری کرے گی؟ یا حیض ہی کا انتظار کرتی رہے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکم شرعی یہی ہے کہ جب تک تین حیض مکمل نہ ہو جائیں، طلاق کی عدت پوری نہیں ہوتی۔ اَب مسئولہ صورت میں چوں کہ تیسرے حیض کے آنے میں تاخیر ہورہی ہے، اِس لئے شرعاً اِس بات کی گنجائش ہے کہ ڈاکٹر سے حیض آور دوا لے کر حیض جاری کردیا جائے، ایسی صورت میں اگر وہ خون تین دن سے زیادہ جاری رہا، تو اُس کا شرعاً اعتبار رہوگا، اور اُسے حیض قرار دے کر عدت کی تکمیل کی جائے گی۔

الشـابة الممتدة بالطهر بأن حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض إلىٰ أن تبـلـغ سـن الأيـاس (الدر المختار) وتحته في الشامية: ثم امتد طهرها أي سنة أو أكثر. (الـدر الـمـختـار مـع الشـامي / بـاب العدة، مطلب: في مدة الصغيرة المراهقة ٣/٨ ٠ ٥ كراچی، ٥/١٨٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین طلاق کے باوجود مطلقہ کا شوہر کے مکان پر قابض ہونا؟

سوال (۲۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد مرغوب بن عبدالعزیز نے آج سے تقریباً تین سال قبل اپنی بالغہ بیوی سعدیہ کو تین طلاقیں دے دی تھیں، جس کا اِقرار آج بھی مرغوب بن عبدالعزیز کرتے ہیں، بعد میں اہلِ پنچایت یعنی حافظ طفیل، الحاج خلیل، الحاج جمیل، محمد مجیب، حامد عرفان، نیتا عارف وغیرہم سعدیہ مطلقہ سے پوچھا کہ کیا مرغوب نے تین طلاق دے دی ہے؟ تو اِن مذکورہ حضرات کے سامنے تسلیم کیا کہ ہاں مرغوب نے ہمیں طلاق دے دی ہے، اِس کے باوجود عدالت کا جھوٹا سہارا لے کر مرغوب بن عبدالعزیز کے کمرہ میں زبردستی قابض ہوگئی ہے، اُس کا یہ عمل اور قبضہ دلانے والوں کا تعاون شریعت کی نظر میں کیا درجہ رکھتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، جس کا اقرار بیوی بھی کرتی ہے، تو وہ اَب آپ کی زوجیت سے خارج ہوچکی ہے اور آپ کے مکان یا اُس کے کسی حصہ میں اس کا کوئی حق نہیں بنتا؛ لہٰذا وہ بیوی اور اس کے ساتھ ناجائز قبضہ دلانے میں تعاون کرنے والے سبھی لوگ گناہ گار رہیں۔

عن سعبد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من اقتطع شبرًا من الأرض ظلمًا طوقه اللّٰه إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (صحيح مسلم ۳۲/۲)

إذا قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثًا. (الأشباه والنظائر ۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثًا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (الفتاویٰ الهندية ۴۷۳/۱ زكريا)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب

الحدود / باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال ١٠٥/٦ زكريا، ٦١/٤ كراچی، الفتاویٰ الهندية ١٦٧/٢، شرح المجلة ٦٢/١ رقم: ٩٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۷/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ عدت امتحان دینے کے لئے کالج جانا؟

سوال (۲۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے تین پسر وتین دختران جن میں تینوں دختران ڈاکٹر ''اپنا ہوسپٹل'' چلا رہی ہیں، ایک پسر انجینئر ہے، چھوٹا پسر ڈاکٹری کورس کی تعلیم پارہا ہے، بڑا پسر ہمارے ساتھ ایکسپورٹ کررہا تھا، جو گورنمنٹ کی پابندی عائد ہونے سے بند کردیا گیا، جس کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ کرسکا، قریب ڈھائی سال قبل شادی ہوچکی، تینوں حج سے بھی فارغ ہوچکے، گھر میں سب کی یہی خواہش ہے کہ گھر کے دیگر افراد کی طرح لڑکے کی بیوی مہتاب جہاں کو بھی ڈاکٹری تعلیم دلائی جائے؛ تاکہ یہ بھی خود پریکٹس کرکے اپنی فیملی کی زندگی پرسکون گذار سکے؛ لہٰذا ڈاکٹری کورس میں داخلہ لینے کی نیت سے امتحان انٹر سائنس کورس کا فارم داخل کردیا ہے، جس میں پریکٹیکل ہوچکے ہیں، امتحان ۱۹ر فروری سے شروع ہورہے ہیں، بڑے پسر محمد عاکف بیمار چل رہے تھے؛ لہٰذا اُن کا انتقال مؤرخہ ۱۷ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بروز جمعہ ہوگیا، بیوہ مہتاب جہاں عدت کررہی ہیں، اگر امتحان میں شامل نہ ہوسکیں تو ضروریاتِ زندگی میں بڑی دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں، محمد عاکف پسر نے اپنے آخری وقت میں ہم سب کو یہ وصیت کی تھی کہ میری بیوی مہتاب جہاں کو میرے بہن بھائیوں کی طرح ڈاکٹر بنانا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا مہتاب جہاں اپنی زندگی پرسکون گذارنے کے لئے عدت کی حالت میں کالج کے کسی تنہا کمرے میں بیٹھ کر امتحان دے سکتی ہے، اگر ہاں تو اس کا بہتر طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر مہتاب جہاں کے لئے عدتِ وفات یعنی ۴ر مہینے دس دن کے دوران کھانے پینے اور رہنے کی کوئی پریشانی نہیں ہے، تو اُس کے

لئے عدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، اور وہ ڈاکٹری میں داخلہ کے لئے امتحان دینے کی غرض سے بھی عدت کے دوران گھر سے باہر نہیں جائے گی؛ البتہ گھر میں رہتے ہوئے امتحان میں پرچہ دینے کی کوئی شکل ہو تو اُس کی گنجائش ہے۔

قال في الفتح: والحاصل أن مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره، فمتى انقضت حاجتها لايحل لها بعد ذٰلك صرف الزمان خارج بيتها؛ وبهذا اندفع قول البحر: أن الظاهر من كلامهم جواز خروج المعتدة عن وفاة نهارا ولو كان عندها نفقة، وإلا لقالوا: لا تخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة، فإن المطلقة تخرج للضرورة ليلاً أو نهارًا. (شامي، كتاب الصلاة / باب العدة، مطلب الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع ۵۳۶/۳ کراچی، ۲۲۵/۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۴/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قسم:

شوہر نے قسم کھائی میں تمہارے پاس نہیں سوؤں گا پھر بیوی نے سلا لیا؟

سوال (۲۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اور ہندہ دونوں میاں بیوی ہیں، دونوں میں ایک دن بات چیت کے دورانِ غصہ اور ناراضگی ہوگئی، زید نے قسم کھالیا کہ میں تمہارے پاس نہیں سوؤں گا، چناں چہ کچھ اَیام کے بعد ہندہ نے زید کو اپنے بستر پر سلا لیا اور زید ہمبستر ہوگیا، اَب اِس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید اپنی قسم میں حانث ہو چکا ہے؛ لہٰذا اُس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے، اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلائے۔ (احسن الفتاویٰ ۴۹۵/۵)

من حرم على نفسه شيئًا ثم فعله كفر ليمينه .(شامي ٥٠٨/٥-٥٠٩ زكريا)

وكفارته تحرير رقبةٍ أو إطعام عشرةٍ مساكين أو كسوتهم بما يصلح.

(شامي ٥٠٢/٥-٥٠٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قسم کھائی ''اگر فلاں حادثہ میں رشتہ دار بچ گئے تو پوری زندگی روزہ رکھوں گی'' کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زاہدہ نے کسی رشتہ دار کے اچانک حادثہ پر قسم کھائی کہ اگر میرے فلاں رشتہ دار اِس حادثہ میں بچ گئے، اور صحت درست ہوگئی، تو پوری زندگی تا حیات روزے رکھوں گی، اَب جب کہ اُس کو حالات سے واقفیت ہوئی اور رشتہ دار تھوڑی چوٹ کے ساتھ اَب صحیح سالم ہے، اور علاج کرنے پر وہ چوٹ بھی ختم ہوگئی، تو آیا زاہدہ پر پوری زندگی کے روزے لازم ہوں گے، یا چند روزے رکھنے پر اُس کی ادائیگی ہوجائے گی؟ یا پھر زاہدہ کے لئے کوئی صورت ہے کہ پوری زندگی کے روزے رکھنے سے چھٹکارا حاصل ہوجائے، یا فدیہ وغیرہ دے کر اُس سے نجات حاصل کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں پوری زندگی روزہ رکھنے کی نذر صحیح ہوچکی ہے، اور زاہدہ پر تا عمر روزہ رکھنا لازم ہے، اور جس دن بلا عذر شرعی روزہ چھوٹے گا اُس کے بدلہ میں فدیہ دینا ضروری ہوگا۔

ولو قال: للّٰه علي صوم العمر ولا نية له يقع على الأبد. (الفتاویٰ الهندية ١٢٣/٢)

بخلاف إذا كان شرطًا يريد كونه كقوله: إن شفى اللّٰه مريضي لانعدام معنى اليمين فيه الخ. (البحر الرائق ٢٩٥/٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۰/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معاملات

بیوع:

مبیع میں کتنا نفع لینے کی گنجائش ہے؟

سوال (۲۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن چیزوں کی قیمت بازار میں متعین نہ ہو، تو اُس چیز کو فروخت کرتے وقت کتنا نفع خریدار سے لینا جائز ہے؟ کوئی مقدار شرعاً متعین ہے، یا فروخت کرنے والے کو اختیار رہے جتنا چاہے نفع حاصل کرے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت میں نفع کی کوئی حد متعین نہیں ہے، مالک اپنی مصلحت سے جتنی چاہے قیمت متعین کرسکتا ہے؛ تاہم مروت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مشتری کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے، کسی کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائے۔

لأن الثمن حق العاقد فإليه تقديره. (الهداية، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٤/٤٥٥ إدارة المعارف ديوبند، بدائع الصنائع ٥/١٢٩ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الگ الگ لیبل کا عطر الگ الگ قیمت پر بیچنا؟

سوال (۲۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک آدمی نے ایک عطر بنایا، جس کی لاگت دس روپئے آئے ہیں، اُس نے عبداللہ کا ٹریڈ مارک لگا کر ایک شیشی بنوائی اور اُس کو ۱۲؍روپئے میں فروخت کر دیا۔ دوسرے شخص نے ایک عطر بنایا اُس کی لاگت دس روپئے آئی، اُس نے بلال نام کے ٹریڈ مارک کی ایک شیشی بنوائی، وہ اِس عطر کو ۵۰؍روپئے میں فروخت کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ بلال کمپنی کا عطر ہے، تو اُس کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں دس روپئے کی چیز الگ الگ لیبل لگا کر مختلف قیمتوں میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ فریقین راضی ہوں، اور کسی قسم کی دھوکہ دہی نہ پائی جائے۔

من اشتریٰ شیئًا وأغلی في ثمنه جاز …… الخ. (الفتاویٰ الهندیة ۳/ ۱۳۱ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵؍۱؍۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گنگا کی مچھلیاں ٹھیکیدار کی اجازت کے بغیر پکڑنا؟

سوال (۲۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بجنور میں گنگا بیراج پر حکومت مچھلی پکڑنے کے لئے ٹھیکہ چھوڑتی ہے، اور قانوناً ٹھیکے دار کے علاوہ کسی اور کے لئے مچھلی پکڑنا ممنوع ہے، اَب اگر کوئی شخص چوری چھپے جال وغیرہ ڈال کر مچھلی پکڑ لے تو یہ مچھلی اُس کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ گنگا بیراج کا متعین کنارہ بھی ٹھیکے دار کے زیر اختیار رہتا ہے، اِس لئے ٹھیکے دار کو اِس بات کا تو حق حاصل ہے کہ وہ دیگر لوگوں کو اس کے کنارے پر آکر مچھلی کا شکار کرنے سے روک دے؛ لیکن اگر کوئی شخص ٹھیکے دار سے

چھپ کر گنگا کے جمع شدہ پانی سے مچھلی پکڑ لے، تو اُس کی پکڑی ہوئی مچھلیاں اُس کے لئے حلال رہیں گی، اُن کو وہ خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور دوسروں کو بھی بیچ سکتا ہے؛ کیوں کہ بڑی ندیوں میں رہنے والی مچھلیاں پکڑنے سے پہلے کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں۔ (مستفاد: انوار رحمت ۲۹۶)

وجاز إجازة القناة والنهر مع الماء، به يفتىٰ لعموم البلوىٰ. (الدر المختار، كتاب الإجارة / باب ضمان الأجير ۹/۸٦ زكريا)

ولا يجوز إجازة ماء في نهر أو قناة أو بئر، وإن استاجر النهر وَالقناة مع الماء لم يجز أيضًا؛ لأن فيه استهلاک العين أصلاً، والفتوىٰ على الجواز لعموم البلوىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز ٤/٤٤١ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۱۱/۲۲ھ

ابتدائی رجسٹری کے بغیر زمینوں کا کاروبار؟

سوال (۲۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ زمین کا کاروبار کرتے ہیں اور کسی سے زمین خرید کر اُس کو اس زمین کا روپیہ دے دیتے ہیں، اُس زمین کا بیع نامہ اپنے نام نہیں کرتے ہیں، پھر کچھ مدت گذرنے کے بعد یہ لوگ دوسرے سے اس زمین کو بیچ دیتے ہیں پھر پہلے والے شخص کو لے جا کر جس کے ہاتھ زمین اُن لوگوں نے بیچی ہے، اُس کے نام کرا دیتے ہیں، اپنے نام بیع نامہ کراوانے میں زیادہ روپیہ لگتا ہے، اِس لئے صرف لے کر اپنی ملکیت میں اُس کو بیچ دیا کرتے ہیں، تو کیا اِس طرح سے زمینی کاروبار کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین وغیرہ کی بیع کی تکمیل کے لئے نامزد رجسٹری ہونا لازم نہیں؛ بلکہ فریقین کے درمیان پختہ طور پر معاملہ طے ہو جانا کافی ہے۔ بریں بناء مسئولہ صورت

میں اگر زمین کے کاروباری حضرات مالک اول سے خریدنے کے بعد دوسرے شخص کے ہاتھ وہ جگہ بیچیں اور زائد رجسٹری فیس سے بچنے کے لئے براہِ راست مالک اول سے مشتری کے نام سے رجسٹری کرادیں، تو اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

للمشتري أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقارًا وهٰذا علی قول الإمامين. لهما: أن ركن المبيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه. (شرح المجلة ۱۲۸/۱ رقم: ۲۵۳، الفتاویٰ الهندیة ۱۳/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۱۱/۲۷ھ

انٹرنیٹ کے ذریعہ فرضی خرید وفروخت کا کاروبار؟

سوال (۲۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس وقت ''گولڈ مارکیٹ'' میں ''بروکر'' کے ذریعے آن لائن خرید وفروخت کا رواج عام ہوتا جارہا ہے اور سونے کی قیمت میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا وہ روزانہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، لوگ ''بروکر'' کے ذریعہ آن لائن سونا خریدتے ہیں تو فوراً ان کے اکاؤنٹ سے پیسہ مہاجن یا کمپنی کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوجاتا ہے اور شام کو یا دوسرے دن جب فروخت کرتے ہیں تو بڑھی ہوئی رقم مثلاً ایک گرام پر دس روپئے کے حساب سے ان کے اکاؤنٹ میں واپس آجاتی ہے اور کبھی کبھار جب قیمت گھٹتی ہے تو خسارہ بھی ہوجاتا ہے، پیسہ تو مہاجن کے اکاؤنٹ میں جاکر واپس آجاتا ہے جس کا حساب اکاؤنٹ کے مالک کو فوراً معلوم ہوجاتا ہے، مگر سونے پر اس کا قبضہ نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ ''بروکر'' کے ذریعہ کسی کے قبضہ میں آجاتا ہے اور خریدنے والے کو اگر وہ چاہے تو دو چار روز میں فراہم بھی کردیا جاتا ہے، مگر عادۃً کوئی سونا اپنے قبضہ میں نہیں لیتا صرف قیمت کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر خرید وفروخت ہوتی رہتی ہے، شرعًا یہ کاروبار کیسا ہے؟

واضح ہو کہ اگر کچھ دن تک سونا محفوظ رکھنا ہوا تو ''بروکر'' خریدنے والے سے اپنی بروکری

کے ساتھ ساتھ اس حفاظت کی اجرت بھی وصول کرتا ہے، بروکر کی اجرت اور حفاظت کی رقم عامۃً معروف ہوتی ہے؛ لیکن گراہکوں کی دلچسپی کی وجہ سے بروکر اس میں کمی بیشی بھی کرتا رہتا ہے؛ اس لئے نفع نقصان دونوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس پر بائع مشتری دونوں راضی رہتے ہیں، ایسا کاروبار کرنا یا اس میں بروکری کرنا شرعًا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انٹرنیٹ کے ذریعہ سے سوال میں ذکر کردہ سونے یا دیگر اشیاء کی خرید وفروخت کی جو صورت لکھی گئی ہے، وہ ہرگز جائز نہیں ہے؛ بلکہ سراسر سود یا قمار پر مشتمل ہے؛ اس لئے کہ شریعت میں شئے کے حقیقۃً یا دلالۃً مقبوض ومضمون ہونے سے پہلے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے اور مذکورہ صورت میں مبیع پر حقیقی قبضہ نہیں ہوتا؛ بلکہ صرف فرضی کارروائی ہوتی ہے اور اس فرضی کارروائی پر نفع یا نقصان کی کوئی بھی صورت جائز نہیں ہوسکتی؛ البتہ اگر بائع سے واقعۃً سونا فراہم کر کے قبضہ میں لے لیا جائے تو قبضہ کے بعد اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی، اسی طرح سونا قبضہ میں لے کر اگر اسے بروکر کے پاس بطور امانت رکھوا دیا جائے اور بروکر جو اصل بائع نہیں ہے وہ اس سونے کی حفاظت پر متعینہ اجرت لے تو اس کی گنجائش ہوگی۔

عن حکیم بن حزام رضي اللّٰه عنه قال: یا رسول اللّٰه! یأتیني الرجل فیرید مني البیع لیس عندي، أفأبتاعه له من السوق؟ فقال: لا تبع ما لیس عندک (سنن أبي داؤد / کتاب البیوع ۲/۴۹۵)

وأما لمعدوم فلا یحتمل العقد أصلاً؛ لأنه لیس بشيء. (بدائع الصنائع / بیع الموزونات ۴/۳٦٤ المکتبة النعیمیة دیوبند)

لا یصح اتفاقًا بیع منقول قبل قبضه ولو من بائعه. (الدر المختار مع الشامي ۷/۳٦۹ کراچي، ٤/۳٦٤ زکریا)

للمشتري أن یبیع المبیع من آخر قبل قبضه ...... وإن کان منقولاً، فلا.

(شرح المجلة لسليم رستم باز / الباب الرابع ۱۲۸/۱ رقم المادة: ۲۵۳)

المودع إذا شرط الأجر للمودع على حفظ الوديعة صح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۵۸/۱٦ رقم: ۲۳۱۸۷ زكريا)

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك (سنن الترمذي/ باب ماجاء في كراهية بيع ما ليس عنده ۲۳۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پوجا میں استعمال ہونے والی اشیاء اور تصاویر والی چیزیں فروخت کرنا؟

سوال (۲۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب کاروبار کرتے ہیں، وہ تانبا و پیتل کی چیزیں فروخت کرتے ہیں، اُس میں کچھ چیزیں غیر مسلموں کی پوجا کی ہوتی ہیں، جیسے تامن یعنی تابنے کی پلیٹ، گڑوا پوجا کا لوٹا وکٹوری، بالٹی، جس میں ناگ کی شکل ہوتی ہے، آنکھ نہیں ہوتی، کلسی، اشٹی ونا یک یعنی گھنٹی کی شکل والا لوٹا، نوراتری کا چراغ، پیتل کی اَشیاء میں مندر کا گھنٹہ، ہاتھ گھنٹی، جس میں ڈنڈی میں مورتی کی شکل بنی ہوئی ہوتی ہے، جیسے گائے، ہنومان، پری، گھنٹی، مندر کلس، پوجا کا دیپ وغیرہ، پیتل کی مورتی کے آگے رکھنے والی سمئ، بعض سمئ میں تصاویر ہوتی ہیں، جیسے مندر ہوتا ہے یا مرغ ہوتا ہے، کسی بیوپاری کے مال کا آرڈر ہوتا ہے جس میں مورتی بھی دینی پڑتی ہے اور یہ لازم ہوتا ہے، یہ کاروبار دو بھائی چلاتے ہیں ایک خریداری کرتا ہے اور دوسرا دوکان چلاتا ہے، دوکان چلانے والا بھائی دین دار ہے اور اِس کاروبار کو پسند نہیں کرتا ہے کہ مورتی یا اُن جیسی چیزوں کی خرید وفروخت کی جائے، تو کیا دوکان چلانے والے بھائی کے لئے اِس کاروبار کو چھوڑ کر الگ ہو جانا لازم ہے، یا وہ اُس کو جاری

رکھ سکتا ہے، دوکانیں کرایہ کی ہیں، جن کا کرایہ وغیرہ چالیس ہزار روپئے ہیں، اگر بڑے گاہک چھوڑ دئے جائیں تو چھوٹے گاہکوں سے کرایہ نکلنا بھی مشکل ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوجا میں استعمال ہونے والے چراغ یا تانبا کی پلیٹ یا لوٹا اور کٹوری وغیرہ بیچنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور اِن اشیاء کو پوجا میں استعمال کرنے کی کوئی ذمہ داری بیچنے والے پر نہیں؛ البتہ پیتل کی ایسی گھنٹی جس میں مورتی بنی ہوئی ہو یا مرغ وغیرہ کی تصویر والی اشیاء وغیرہ کو فروخت کرنا مسلمان کے لئے سخت مکروہ ہے؛ لیکن اُس کی آمدنی حرام نہیں کہلائے گی؛ کیوں کہ فی نفسہٖ پیتل اور لوہا قیمتی مال ہیں؛ البتہ اگر مٹی کی مورتیاں ہوں، تو اس کی آمدنی ناجائز ہوگی، بہرحال مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی دوکان سے کسی طرح کی بھی مورتیاں فروخت نہ کریں اور حتی الامکان ایسے مکروہ کاروبار سے بچنے کی کوشش کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲۹/۲۴ میرٹھ)

لا يكره بيع الزنانير من النصراني والقلنسوة من المجوسي. (شامي ٥٦٣/٩ زكريا)

وبيع الزنار من النصراني وبيع قلنسوة المجوسي من المجوسي جائز من غير كراهةٍ. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٥٦/٢٨ رقم: ٢٤٣٤٠ زكريا)

لأنها لو كانت من خشب أو صفر جاز اتفاقًا فيما يظهر لإمكان الانتفاع بها. (شامي ٤٧٨/٧ زكريا)

اشترىٰ ثوبًا أو فرسًا من خزف لأجل استيناس الصبي لا يصح ولا قيمة له. (شامي ٤٧٨/٧ زكريا)

وكذا بطل بيع مال غير متقوم كالخمر والخنزير، ويدخل فيه فرس أو ثور من خزف. (الدر المنتقىٰ ٧٨/٣ بيروت)

الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: سواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرامٌ بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء كان في

ثوب أو بساط أو درهم أو إناء أو حائط وغيره. (شرح النووي علی صحیح مسلم ۱۹۹/۲)

والأجر يطيب وإن كان السبب حرامًا. (شامي ۶۲/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پھول کی دُھلائی اور آم کی رکھوالی پر چوتھائی پھل دینے کی شرط لگانا؟

سوال (۲۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی نے آم کا باغیچہ کسی شخص کو اِس شرط پر دیا کہ میرے باغیچہ کی پھول کی دھلائی اور رکھوالی کرو، آم توڑنے کے وقت کل پھل کا ایک چوتھائی دوں گا، اِس طرح شرط کر کے دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ صورت باغ میں بٹائی کی صورت ہے جو شرعاً درست ہے۔

ويشترط تسمية الجزء مشاعًا لما بينا في المزارعة. (الهداية ۴۳۱/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۶/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بل میں دھوکہ دھڑی جائز نہیں؟

سوال (۲۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنے چچا کی دوکان میں بیٹھتا ہے، چچا نے زید ہی کو پورا مالک بنا رکھا ہے، یعنی دوکان کا مال باہر سے لانا اور اُس کو دوکان میں رکھ کر فروخت کرنا وغیرہ۔ اور چچا زید کو ۲۰۰۰ روپئے مہینہ دیتا ہے؛ لیکن زید جب مال لینے جاتا ہے، تو جس دوکان سے مال لاتا ہے، وہ دوکان ایک ہندو کی ہے،

اس میں جو مال کا بل بناتا ہے وہ بھی ہندو ہے، زید چوں کہ کافی دنوں سے اُس کے یہاں سے مال لیتا ہے؛ اِس لئے اُس کی اچھی خاصی پہچان ہوگئی ہے، جس کی بنا پر بل بنانے والا کم پیسوں کا بل بناتا ہے، مثلاً اگر مال ۱۰ ہزار روپئے کا ہے، تو بل ۹ رہزار کا بناتا ہے، اَب جو ایک ہزار بچ گیا اُس کو زید اور بل بنانے والا دونوں آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، زید کو چوں کہ مال پورا مل گیا، اِس لئے اُس کا چچا اُس سے کچھ پوچھ گچھ نہیں کرتا، سوال یہ ہے کہ زید کے لئے اُن پیسوں کا لینا جائز ہے یا نہیں جو اُس نے بل بنانے والے کے ذریعہ حاصل کئے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بل میں کمی بیشی کر کے مالک سے زائد پیسے وصول کرنا بہت بڑی خیانت اور دھوکہ ہے، اِس طرح سے جو زائد رقم بچے گی اُس کا استعمال زید یا اُس کے ساتھی کے لئے قطعاً حرام ہے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: ما خطبنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إلا قال: لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له. (مشکاة المصابیح ۱۵/۱، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۱۳۵/۳، والطبراني في الأوسط وابن حبان في صحیحه ۱۹٤، الترغیبوالترهیب مکمل، کتاب الأدب وغیره / الترغیب في إنجاز الوعد الخ رقم: ٤٥٤٦ بیت الأفکار الدولیة)

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من غش فلیس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في کراهیة الغش في البیوع ۲٤٥/۱، صحیح مسلم ۷۰/۱، مشکاة المصابیح / باب المنهي عنها من البیوع ۲٤۸)

الظلم ظلماتٌ یوم القیامة. (صحیح البخاري ۳۳۱/۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱/۱/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹیکس سے بچنے کے لئے فرضی بل بنانا اور بیچنا؟

سوال (۲۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: (۱) میں دار العلوم تنزانیہ کا ایک شہری ہوں، اِس ملک میں ۱۸/ فیصد ٹیکس کی ادائیگی کا نظام ہے، عام مسلمان تاجرین اپنے کاروبار کے حسابات کی آڈیٹنگ ٹیکس سے بچنے کے لئے آڈیٹرس سے فرضی بل بنواکر بیچتے ہیں، تو کیا اس حیلہ کے لئے فرضی بلوں کا استعمال شرعاً جائز ہے، یا یہ حکومت کے حق میں دھوکہ ہے؟

(۲) میں اِن فرضی بلوں کا کاروبار کرتا ہوں، میں مختلف آڈیٹرس سے اِن فرضی بلوں کو خریدتا ہوں اور منافع کے ساتھ دوسرے تاجروں کو فروخت کرتا ہوں، تو کیا یہ تجارت اور اُس کا منافع شرعاً جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ظالمانہ ٹیکس کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حساب کے کاغذات اِس طرح بنوانا جس سے ٹیکس کی بچت ہو، فی نفسہٖ درست ہے؛ تاہم حتی الامکان جھوٹ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

الكذب مباح لإحياء حقه و دفع الظلم عن نفسه و المراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٩/٦١٢ زكريا، سكب الأنهر ٤/٢٢١)

(۲) فرضی بل ایک قیمتی مال ہے؛ لہٰذا اُس کو کم قیمت میں خرید کر کے اِضافہ کے ساتھ بیچنا درست ہے، اَب اِن بلوں سے اگر کوئی شخص ناجائز کام کرتا ہو، تو اُس کی ذمہ داری بیچنے والے پر نہ ہوگی۔

المرابحة بيع ما ملكه من العروض ...... فإنه إذا ثمنه بما قام عليه ثم باعه مرابحة على تلك القيمة جاز. (شرح المجلة ١/٦٥٤ رقم المادة: ١١٩٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱۰/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گٹکھے فروخت کرنا؟

سوال (۲۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گٹکھے کا فروخت کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گٹکھا صحت کے لئے نقصان دہ چیز ہے، اِس لئے اِس کی تجارت نہ کرنا ہی بہتر ہے؛ لیکن اگر کرلی تو آمدنی حرام نہیں ہے۔

درء المفاسد أولی من جلب المصالح. (الأشباه والنظائر ۱٤۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۸/۷ھ

گٹکھا کمپنی کو سپاری سپلائی کرنا؟

سوال (۲۵٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ سپاری (چھالی) کا کاروبار کرتا ہے، اور میری طرح بہت سے مسلمان اِس کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، اور یہ سپاری زیادہ تر ہم لوگ گٹکھا بنانے والی کمپنیوں کو دیتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا گٹکھا کی کمپنی کو سپاری دینا اور یہ کاروبار کرنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ بیشتر گٹکھا میں تمباکو پڑتا ہے، جو صحت کے لئے نقصان دہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سپاری (چھالی) ایک حلال چیز ہے، اور گٹکھا میں جو اجزاء یعنی تمباکو وغیرہ شامل ہوتے ہیں وہ بھی فی نفسہٖ حلال ہیں؛ لہٰذا آپ کے لئے گٹکھا بنانے والی کمپنی کو سپاری بیچنا جائز ہے، اور اُس سے حاصل شدہ نفع بھی حلال ہے؛ البتہ گٹکھا کھانے میں چوں کہ طبی اعتبار سے ضرر پایا جاتا ہے، اِس لئے اس کا استعمال کم از کم مکروہ تنزیہی ہے، اِس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۱۱٦، فتاویٰ محمودیہ ۲۷/۲۳٦ میرٹھ، فتاویٰ عثمانی ۳/۸۸-۸۹)

فيفهم منه حكم النبات التي شاع في زماننا المسمى بالتتن فتنبه (الدر المختار) وقال الشامي: وهو الإباحة على المختار أو التوقف. وفيه إشارة إلىٰ عدم تسليم إسكاره وتفتيره وإضراره ...... قال أبو السعود: فتكون الكراهة تنزيهية، والمكروه تنزيهًا يجامع الإباحة. (شامي / آخر كتاب الأشربة ١٠/٤٤ زكريا، ٦/٤٦٠-٤٦١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آیۃ الکرسی کندہ کی ہوئی پیالی کو گلانا اور فروخت کرنا؟

سوال (۲۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ڈھلائی کا کام مزدوری پر کرتا ہوں اور میرے پاس ایک عدد پیالی جس میں آیۃ الکرسی کندہ ہے، ڈھلائی کے لئے آئی اور اِس عدد کو ڈھالا گیا، تو وہ عدد خارج ہوگیا، اِس خارج شدہ پیالی کو توڑ کر گلایا گیا، تو اِس خارج شدہ پیالی کو جس میں آیۃ الکرسی تحریر ہے اُس عدد کو توڑ کر بنانا اور تیاری کر کے بازار میں فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیتل کے عدد کو گلانے کے بعد چوں کہ حروفِ قرآنی باقی نہیں رہتے؛ لہٰذا اُس کو کسی اور شکل میں تبدیل کرنا درست ہے، ممنوع نہیں ہے اور اُس کی خرید وفروخت جائز ہے۔

ولو محا لوحًا كتب فيه القراٰن واستعمله في أمر الدنيا يجوز. (الفتاویٰ الهندية ٥/٣٢٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۱۱/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دیت وتاوان:

ٹرک حادثے میں مرنے والے کو عدالت سے ملنے والی رقم کا مالک کون ہوگا؟

سوال (۲۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد عثمان کا ایک سڑک حادثہ میں ایک ٹرک سے ٹھوکر لگ کر انتقال ہوگیا تھا، پھر محمد عثمان کے گھر والوں نے ٹرک کے مالک پر مقدمہ کردیا تھا، اب مقدمہ فائنل ہوا، تو مالک ٹرک کی طرف سے عدالت نے محمد عثمان کے ورثہ کو کچھ رقم دلوائی ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس رقم کا حق دار کون ہے، والدین یا بھائی بہن؟ ابھی مرحوم کی شادی نہیں ہوئی تھی، تو شرعاً اس رقم کو لینا کیسا ہے؟ اور اس رقم سے والدین حج کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ٹرک کے مالک کی طرف سے جو رقم بذریعہ عدالت موصول ہوئی ہے، یہ دیت کے حکم میں ہے، اور اُسے عثمان کے شرعی ورثہ یعنی اُس کے والدین کے درمیان حسبِ حصص شرعیہ تقسیم کیا جائے گا، والدہ کو کل رقم کا چھٹا حصہ دیا جائے گا، اور مابقیہ پوری رقم والد کو ملے گی، یہ دونوں اگر چاہیں تو اپنے اپنے حصہ کی رقم کو سفرِ حج میں بھی لگاسکتے ہیں؛ کیوں کہ یہ مال اُن کے لئے حلال اور طیب ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ، فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ. (النساء، جزء آیت: ۱۱)

ثم الصلح في فصل الخطاء إن كان بعد القضاء بنوع من أنواع الدية، أو بعد تراضيهما على ذٰلک – إلى قوله – وإن كان بعينه يجوز سواء قبض في المجلس أو لم يقبض، هٰذا الذي ذكرنا إذا اصطلحا بعد القضاء. (الفتاویٰ الهندية ٦/ ٢٠ كوئٹه)

كـانـت الدية في مال القاتل لورثة المقتول. (خـانيـه على هامش الهندية ٣/٤٤٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳؍۷؍۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر کوئی ہمارا نقصان کرے تو اس سے بدلہ لینا کیسا ہے؟

سوال (۲۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی ہمارا نقصان کرتا ہو، یعنی جانی یا مالی، چاہے وہ مسلمان ہو یا پھر غیر مسلم ہو، تو کیا ہمیں اُس سے اِسلامی تعلیم کے مطابق بدلہ لینا چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نقصان کی شکل میں بذاتِ خود بدلہ لینے کے بجائے قانونی طور پر بذریعۂ عدالت بدلہ لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ [البقرة، جزء آيت: ١٩٤]

وقال الله سبحانه تعالىٰ: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ، وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [البقرة، جزء آيت: ١٩٥] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹؍۸؍۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِجارہ:

پنشن لینا کیسا ہے؟

سوال (۲۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رٹائر ہونے کے بعد پنشن کی حیثیت سے جو رقم دی جاتی ہے وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

کیوں کہ اس وقت تو وہ کام کرتا نہیں اور کام کئے بغیر اُجرت لینا جائز نہیں ہے، اور وہ رقم تنخواہ کی آدھی رقم ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پنشن لینا جائز ہے، وہ اجارہ نہیں؛ بلکہ ابتدائی طور پر تعاون اور تبرع کی شکل ہے، اِسی وجہ سے اس کی کوئی مدت مقرر نہیں؛ بلکہ جب تک بھی ریٹائر ملازم زندہ رہے، اسے پنشن ملتی رہتی ہے، اور بعض صورتوں میں مرنے والے ملازم کی بیوی کو بھی دی جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۰/۴۰۴، امداد الفتاویٰ ۴/۳۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۵/۱۹ ۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دھوکہ سے پینشن وصول کر لی تو اَب کیا کرے؟

سوال (۲۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہانہ پنشن جو حکومت کی جانب سے ایک تبرع اور انعام ہے، جس کے نامزد کردی گئی ہے، اُسی کو ملے گی، اِس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، حکومت کے ایک شعبہ کے ایک مسلمان افسر تھے اُن کی بیوی کو ہر ماہ پنشن معمول کے مطابق مل رہی تھی؛ لیکن بیوی نے اَب راز ظاہر کیا کہ مجھے اُنہوں نے اپنی زندگی میں طلاق دے دی تھی؛ لیکن حکومت کے اس شعبہ کو طلاق کا علم نہیں ہے، اور آج تک پنشن جاری ہے؛ البتہ اس خاتون نے اپنی دینی فکر کے اعتبار سے اتنا ضرور کیا کہ چونکہ میرا میرے شوہر سے شرعی تعلق ختم ہوگیا ہے تو اس پنشن کی بھی میں حق دار نہیں ہوں؛ لہٰذا پنشن کو اب وہ اپنی اولاد کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے اعتبار سے تقسیم کر رہی ہے، تو اِس بارے میں شریعت کا حکم دریافت کرنا تھا کہ آئندہ وہ کیا کرے یا اُس نے جو فیصلہ کیا ہے شرعاً درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانکار حضرات سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ

سرکاری ملازم کی وفات پر بیوی کو جو پنشن ملتی ہے، وہ صرف بیوی کا حق ہوتا ہے۔ اَب مسئولہ صورت میں جب کہ وہ عورت مذکورہ افسر کی وفات کے وقت اُس کی خاتون بیوی ہی نہ تھی، تو اُس کے لئے شرعاً وقانوناً یہ پنشن لینا جائز ہی نہیں ہوا، یہ سراسر دھوکہ اور فریب کا معاملہ ہے، اِس لئے مذکورہ عورت کو نہ صرف یہ کہ پنشن لینا بند کردینا چاہئے؛ بلکہ وکلاء کے مشورہ سے ایسی صورت اپنانی چاہئے کہ اَب تک جو رقم لی جاچکی ہے، وہ کسی نہ کسی انداز سے سرکاری خزانہ میں واپس لوٹادی جائے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ٢٤٥/١، صحيح مسلم ٧٠/١، مشكاة المصابيح / باب المنهي عنها من البيوع ٢٤٨)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود / باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال ١٠٥/٦ زكريا، ٦١/٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عالم دین کے لئے سرکاری ملازمت؟

سوال (۲۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: علماء دین کے لئے سرکاری ملازمت کرنا کیسا ہے؟ اگر روا ہے تو کسی قسم کی قباحت وکراہت ہے یا نہیں؟ نیز مسلمان عورتوں کے لئے سرکاری ملازمت کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو کراہت وقباحت سے خالی بھی ہے یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی سرکاری ملازمت جس میں شریعت کی خلاف ورزی اور کسی گناہ یا منکر کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، تو وہ فی نفسہٖ جائز ہے، اور علماء دین کو بہرحال اپنا وقار ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ان کے لئے ایسی ملازمت مناسب نہ ہوگی جس سے ان کا وقار مجروح

ہوتا ہو۔ اور مسلمان عورت کے لئے بھی شرعی شرائط کے ساتھ سرکاری ملازمت کی گنجائش ہے، تاہم اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ وہ بغیر شرعی عذر کے گھر سے باہر کی کوئی بھی ملازمت اختیار نہ کرے۔

يصح العقد على مدة معلومة أي مدة كانت قصرت المدة كاليوم ونحوه أو طالت كالسنين. (الفتاویٰ الهندية ٤/٤٥١ زكريا)

هي (الإجارة) تمليك نفع بعوض (تنوير الأبصار مع الدر المختار ٩/٤-٥ زكريا)

هي بيع منفعة معلومة بأجر معلوم. (كنز الدقائق مع البحر الرائق ٧/٥٠٦ كوئٹه)

قال الله تعالىٰ: ﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ [النور، جزء آيت: ٣١]

عن عبد الله رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذي رقم: ١١٧٣، مسند بزار–البحر الذخار رقم: ٢٠٦١، صحيح ابن خزيمة / باب اختيار صلاة المرأة في بيتها رقم: ١٦٨٥، صحيح ابن حبان / ذكر الأخبار عما يجب على المرأة رقم: ٥٥٩٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۷/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہیوی ڈپوزٹ کے ساتھ کرایہ داری؟

سوال (۲۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) بمبئی کے ایک علاقہ میں ہیوی ڈپوزٹ (۵/لاکھ سے ۱۰/لاکھ تک) پر مکان لیتے ہیں، مدت کی تعیین دونوں کی رضامندی سے ہوجاتی ہے، اور اِس مدت کا کوئی کرایہ متعین نہیں ہوتا ہے، صرف ڈپوزٹ کی رقم ہی کا مالک مکان مستحق ہوتا ہے۔ نیز مدت پوری ہونے کے بعد مکان خالی کرنے کے بعد ہیوی ڈپوزٹ کی مکمل رقم واپس کرنا لازم ہوتا ہے، یہ بات بھی دونوں کی رضامندی سے ہوتی ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ۱۰/لاکھ ہیوی ڈپوزٹ کے علاوہ ۵/ ہزار روپئے ماہانہ طے کرتے ہیں جب کہ اُس علاقہ کا ماہانہ کرایہ دس ہزار روپئے ہوتا ہے، اور یہ کام بھی آپسی رضامندی سے ہوتا ہے، اِن دونوں صورتوں کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا کرایہ طے کرنا ضروری ہے؟ یا صرف ڈپوزٹ کی رقم ہی کافی ہے، اور کیا کرایہ کم مقدار کا معتبر ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہیوی ڈپوزٹ لے کر مکان کا کرایہ متعین نہیں کیا گیا ہے، تو یہ معاملہ انجام کار کے اعتبار سے بیع الوفاء کے مشابہ ہے، جس کی ضرورت کے وقت بعض فقہاء نے گنجائش دی ہے۔

بيع الوفاء أن فيه عهدًا بالوفاء من المشتري بأن يرد المبيع على البائع حين رد الثمن، وبعض الفقهاء يسميه البيع الجائز، ولعله مبني على أنه بيع صحيح لحاجة التخلص من الربا حتى يسوغ للمشتري أكل ريعه. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء ٧/٥٤٥ زكريا)

(۲) ہیوی ڈپوزٹ لے کر ۵/ ہزار روپئے کرایہ متعین کرنا فی نفسہٖ درست ہے؛ کیوں کہ یہاں اصل معاملہ کرایہ داری کا ہے، اور ہیوی ڈپوزٹ کی رقم قرض کے درجہ میں ہے؛ تاہم اولیٰ یہی ہے کہ مکان کا کرایہ عام مروجہ کرایہ کے موافق ہی ہونا چاہئے؛ تاکہ قرض پر نفع کا شبہ نہ پایا جائے۔

عن سعيد بن المسيب قال: قال عمر: إن آخر ما نزل من القرآن آية الربا وأن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قبض ولم يفسرها فدعوا الربا والريبة. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ١/٣٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رشتہ کرانے پر مقررہ اُجرت لینا؟

سوال (۲۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک شخص لوگوں کے درمیان رشتے کراتے ہیں، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ لڑکے کے لئے مناسب لڑکی اور لڑکی کے لئے اُس کے مناسب لڑکے کا انتخاب کر کے رشتہ تلاش کرتا ہے اور اِس عمل پر دونوں سے یا ایک سے اِس کی اُجرت بھی لیتا ہے، تو کیا اُس شخص کو اِس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے حاصل شدہ اُجرت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رشتے کرانے پر کسی ایک فریق سے یا دونوں فریق سے مقررہ اُجرت لینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ بھی دلالی کی ایک شکل ہے، جس کی متأخرین فقہاء نے اجازت دی ہے۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجوا أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدًا لكثرة التعامل، وكثير من هٰذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة / باب ضمان الأجير، مطلب في أجر الدلال ۸۷/۹ زكريا، ٦٣/٦ كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ١٣٧/١٥ رقم: ٢٢٤٦٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۴/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

درزی بچی ہوئی کترنوں کا کیا کرے؟

سوال (۲۶۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کپڑوں کی سلائی کا کاروبار کرتا ہے اور گراہک سلنے کے لئے اُس کو جو کپڑے دیتے ہیں وہ اَب اُس کا بچا ہوا کپڑا واپس نہیں کرتا، تو کیا اس ٹیلر کا بنا اجازت بچا ہوا کپڑا اپنے پاس رکھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز گراہکوں کی کپڑوں کی کترنوں کی کافی تعداد اکھٹی ہونے کے بعد وہ اُن کو فروخت کر دیتا ہے حالاں کہ وہ اپنے گراہکوں سے اُن کترنوں کے اپنے پاس روکنے کے لئے اُن سے اجازت نہیں لیتا ہے، تو کیا اُس کا اُن کو فروخت کرنا اور اُن پیسوں کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص درزی کا پیشہ کرتا ہے اور کپڑا سینے کے بعد اُس کے پاس کپڑا بچ جاتا ہے، اگر بچا ہوا کپڑا اتنی مقدار میں ہے کہ سلوانے والے کے کام آسکتا ہے، تو اُس کو رکھنا درزی کے لئے درست نہ ہوگا، اور اگر وہ کپڑا سلوانے والے کے کام نہیں آسکتا تو اُس کو رکھنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ عرفاً یہ درزی ہی کا شمار ہوتا ہے۔

ویجب رد عین المغصوب لقوله عليه السلام: على اليد ما أخذت حتى ترد. (شامي، كتاب الغصب / مطلب فيما لو هُدم حائط ۹/۲٦٦ زكريا)

رجل رمى بثوبه لا يجوز لأحد أن يأخذه، إلا إذا قال وقت الرمي: فليأخذه من أراد. (الفتاویٰ التاتارخانية ۷/٤١٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۹/۴/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود:

افغانی لوگوں کا ہندوستان آکر سودی کاروبار کرنا؟

سوال (۲٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں سکونت پذیر افغانستان کے لوگ (جن کو قابولی کہا جاتا ہے) ہندوستان کے مختلف صوبوں میں لوگوں کو قرض دیتے ہیں، جس کے بدلے میں وہ لوگ متعین میعاد ختم ہونے پر متعین مقدار میں سود لیتے ہیں، اُن کے لئے اِس طرح سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اُن کے لئے ہندوستان کے غیر مسلم سے یا مسلمانوں سے سود لینے میں شرعاً کوئی فرق ہے یا نہیں؟ سود لینے کی صورت میں کیا اُن سے عطیات قبول کرنا اور مساجد و مدارس میں صرف کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال ہندوستان میں آکر جو افغانی لوگ

یہاں کے لوگوں کو سودی قرض دیتے ہیں اور اُس پر سود لیتے ہیں، یہ پورا کاروبار حرام ہے؛ کیوں کہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں یا غیر مسلموں کو حربیوں کے درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا، یہ ایک جمہوری ملک ہے، یہاں کسی کے لئے سودی لین دین کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

قال العلامة ظفر أحمد العثماني رحمه اللّٰه تعالیٰ بحثًا: ولو سلمنا جواز الربوا بين المسلم والحربي في الهند فلا ريب أن جانب الاحتياط والتوقی عنه أولیٰ وأحری. (إعلاء السنن ١٤/ ٣٦٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد اللّٰه بن حنظلة رضي اللّٰه عنه – غسيل الملائكة – قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: درهم ربویٰ يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية. (مشكاة المصابيح ١/ ٢٤٦)

وعن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أربعة حق على اللّٰه أن لا يدخلهم الجنة ولا يذيقهم نعيمها: مدمن الخمر، وآكل الربا، وآكل مال اليتيم بغير حق، والعاق لوالديه. (المستدرك للحاكم ٢/ ٤٣ رقم: ٢٢٦٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۳/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹیکس سے بچنے کے لئے انکم ٹیکس کی چوری کرنا؟

سوال (۲۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا انکم ٹیکس کی چوری ٹیکس کی بھاری رقم سے بچنے کے لئے جائز ہے کہ نہیں؟ یعنی آمدنی ایک لاکھ ہو اور بتائے صرف دس پندرہ ہزار روپیہ، کیا یہ صحیح ہے؟ اور کیا ایسا بھی کچھ ہے کہ حکومت اسلامی ہو تو جائز نہیں اور غیر اسلامی ہو تو جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِنکم ٹیکس کی چوری کرنا گناہ تو نہیں ہے؛ لیکن خطرہ میں

پڑنا بھی شرعاً پسند نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۴ ۱۵۲، فتاویٰ احیاء العلوم ۱۷۲)

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [البقرة، جزء آيت: ۱۹۵]

عن حذيفة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (سنن الترمذي / أبواب الفتن ۲/ ۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۷/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حکومتِ سعودیہ کے ٹیکس سے بچنے کے لئے ایک لاکھ کے مال کا ۵۰-۶۰/ ہزار کا بل بنوانا؟

سوال (۲۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک سعودی عرب کی پارٹی وہاں کی حکومت سے ٹیکس سے بچنے کے لئے ہم سے یہ چاہتی ہے کہ ہم اس کو ایک لاکھ کے مال کا بل بجائے ایک لاکھ کے ۵۰/ یا ۶۰/ ہزار کا بنادیں، اس کو اس طرح سے ایک لاکھ کے بجائے ۵۰/ یا ۶۰/ ہزار کا ٹیکس حکومت کو دینا پڑے گا، ہمارے بقیہ روپئے وہ الگ سے ادا کرے گا، کیا اس طرح کی خرید وفروخت دونوں طرف کے لوگوں کے لئے شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ اس طرح کا بل بنا کر دینے سے وہ یا ہم کوئی گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ صورت میں پارٹی اور آپ کی رضامندی سے معاملہ طے ہونے کے بعد جب آپ کو مال کی پوری قیمت ایک لاکھ روپئے مل رہی ہے، تو آپ کا ۵۰/ یا ۶۰/ ہزار روپئے کا بل بنا کر دینا اور بقیہ رقم بغیر بل کے لینا شرعاً درست ہے، اور اس طرح کی خرید وفروخت جائز ہے، نیز اس صورت میں دونوں فریق میں سے کسی پر بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

والمسئلة مستفادة من مسئلة المهر: تواضعًا في السر على مهر ثم تعاقدا في العلانية بأكثر والجنس واحد، فإن اتفقا على المواضعة فالمهر مهر السر.

(شامي / باب المهر، مطلب في مهر السر ومهر العلانية ٥/٤ ٣١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۲/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی جمع شدہ رقم پر ملنے والے سود کو کہاں خرچ کریں؟

سوال (۲۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) مدرسہ کا فنڈ بینک میں جمع کی جاتا ہے بینک کے قوانین کے مطابق جمع رقوم میں سود دیا جاتا ہے، اس سود کی رقم کو مدرسہ کی کس مد میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟

(۲) مدرسہ میں مقیم طلبہ کے لئے بیت الخلاء، مطبخ، دار الطلبہ کی ضرورت ہے، پہلے سے تعمیر بہت بوسیدہ ہوچکی ہے، اِس سود کی رقم کو جدید تعمیر میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کا سود بیت الخلا یا کسی بھی جدید قدیم عمارت کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اسے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم کردیا جائے، کوئی طالب علم اگر بہت ہی نادار ہو تو اس کی ذاتی ضرورت مثلاً کھانے پینے اور کپڑے میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۳۸۴ ڈابھیل)

لیکن چوں کہ طالبانِ علوم نبوت ایک گونہ اکرام کے مستحق ہیں، اِس لئے حتی الامکان اُن پر سودی رقم خرچ کرنے میں احتیاط برتنی چاہئے اور طلبہ کے علاوہ دیگر فقراء پر خرچ کرنا بہتر ہوگا۔

ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي ٦/٣٨٥ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۰/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا روپیہ نادار داماد کو دینا؟

سوال (۲۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: باپ کے پاس بیاج کا پیسہ ہے، لڑکی اور نواسہ دونوں بیمار ہیں، اور داماد مزدور ہے، اگر وہ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائے گا تو کھانے پینے میں کمی آجائے گی، نواسہ کے دل میں سوراخ ہے، اور لڑکی کی بیماری ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آتی ہے، اور دہلی دکھانا ہے تو کیا بیاج کا پیسہ بغیر کسی ثواب کی نیت کے اپنی لڑکی یا داماد کو دینا علاج کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ضرورت مند نادار داماد کو سود کا پیسہ بلا نیت ثواب دے سکتے ہیں۔

قال: ویستفاد من کتب فقهائنا کالهدایة وغیرها أن من ملک بملک خبث ولم یمکنه الرد إلی المالک فسبیله التصدق علی الفقراء …… قال: إن المتصدق بمثله ینبغي أن ینوي به فراغ ذمته، ولا یرجو به المثوبة الخ. (معارف السنن ۳۴/۱ المکتبة الأشرفیة دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُدھار پر نفع جائز نہیں؟

سوال (۲۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے اور میری خالہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا کہ میں نے اُن سے دو لاکھ روپئے ادھار کے طور پر لئے تھے اور طے یہ ہوا تھا کہ میں آپ کو ہر مہینہ کل رقم کا دو فیصد ادا کروں گا، جس کی مقدار چار ہزار روپئے ہے، میں پابندی سے ادا کرتا رہا (اُن کی موجودگی تک) اَب گذشتہ مہینہ میری خالہ جاں بحق ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

واضح رہے کہ میری خالہ کے کوئی اولاد نہیں ہے صرف بھائی بہن ہیں جو وراثت کا دعویٰ کرتے ہوئے کل رقم کا مطالبہ کرر ہے ہیں، میں دینے کے لئے تیار ہوں جس کے لئے میں نے کچھ وقت مانگا ہے، جس کی متعینہ تاریخ ۳۱/مارچ ۲۰۱۶ء ہے۔ اب وارثین کا کہنا یہ ہے ہمیں کل رقم کے ساتھ ساتھ جو میں ان کو ہر مہینہ دو فیصد ادا کیا کرتا تھا وہ بھی ادا کرنا ہوگا ادائیگی کی مدت تک۔

تو مفتیانِ کرام سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے اوپر خالہ کے انتقال کے بعد کل رقم کے ساتھ ساتھ دو فیصد ادا کرنا جائز طریقے سے لازم ہوگا یا نہیں؟ اور روارثین کا دو فیصد کا مطالبہ کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

نوٹ:- میں نے اَب تک اُن کو تقریباً ڈیڑھ پونے دولاکھ روپئے کم وبیش اُن کی حیات تک اُن کو دئے جانے والے طے شدہ مہینہ کی شکل میں دے دئے تھے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں دولاکھ روپئے قرض پر ہر ماہ چار ہزار روپیہ متعین طور پر ادا کرنے کا جو معاملہ ہوا، وہ سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قطعاً ناجائز تھا، اَب خالہ مرحومہ کو آخرت میں مؤاخذہ سے بچانے کی واحد شکل یہ ہے کہ اُن کی زندگی تک آپ نے ماہ بماہ اُن کو جو رقم ادا کردی وہ سود میں شمار نہ کر کے اُن سے لئے ہوئے دولاکھ روپئے قرض ہی میں سے منہا کر دئے جائیں اور مابقیہ رقم خالہ کے ورثہ کے حوالہ کردی جائے، اور ورثہ کو مابقیہ رقم کے علاوہ مزید کسی رقم کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اَب آپ حساب لگا کر دیکھ لیں کہ کتنا روپیہ ادا ہوا ہے؟ اور کتنا باقی ہے؟ جو رقم باقی ہو وہ جلد از جلد خالہ کے وارثین کے حوالے کردیں۔

وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذٰلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ كل شهر قدرًا معينًا ويكون رأس المال باقيًا. (التفسير الكبير ۹۱/۷، الأعلام لابن القيم ۳۵۱/۲)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في

القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ١٤ /٥١٨ إدارة القرآن كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة الله البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۲/۷ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض سے جنریٹر خرید کر مقرض کو نفع میں سے حصہ دینا؟

سوال (۲۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے بھائی کا سالہ اس کا جنریٹر کا کاروبار ہے، اُسے جنریٹر خریدنے کے لئے میرے بھائی سے دو لاکھ تیس ہزار روپئے قرض چاہئے، وہ جنریٹر خریدے گا، اور اُسے بھاڑے سے دے گا، مہینے کے آخر میں جنریٹر کا بھاڑا تیس ہزار روپئے آئے گا، اس میں سے پچیس ہزار روپئے میرے بھائی کو دے گا اور پانچ ہزار روپئے خود رکھے گا اُس کے بعد میرے بھائی نے جو دو لاکھ تیس ہزار روپئے جنریٹر کے لئے دئے تھے، وہ میرے بھائی کو واپس دے دے گا، تو مفتی صاحب سے دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ شکل جائز ہے یا نہیں؟ اور عدم جواز کی صورت میں جواز کی کوئی متبادل شکل ہو تو ضرور رہنمائی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر آپ کا بھائی اپنے سالے کو دو لاکھ تیس ہزار روپئے بطور قرض دے اور اُن کا سالہ اِس رقم سے اپنے لئے جنریٹر خرید کر کرایہ میں سے ہر مہینے پچیس ہزار روپئے آپ کے بھائی کو دیتا رہے اور پھر بعد میں قرض کی رقم پوری کی پوری لوٹا دے تو یہ معاملہ قرض پر نفع اٹھانے کے دائرے میں آکر ناجائز اور حرام ہوگا۔ اور جواز کی صورت

یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کا بھائی جو رقم اپنے سالے کو دے اُس سے وہ بھائی ہی کے لئے جنریٹر خریدے اور جنریٹر پر ملکیت بھائی کی ہوجائے، تو ایسی صورت میں اُس کا کرایہ بھائی کے لئے حلال ہوگا، اور سالہ جو پانچ ہزار روپئے لے گا وہ اس کے جنریٹر کی دیکھ ریکھ کی اُجرت سمجھی جائے گی، پھر جب یہ معاملہ ختم کرنا ہو تو یہ جنریٹر یا اُس کی قیمت بھائی کو لوٹادی جائے۔

الخراج بالضمان. (الأشباه والنظائر ص: ۳۷۶)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ۳۹۵/۷ زكريا)

الأجير الخاص هو من يعمل لمعين عملاً مؤقتًا، ويكون عقده لمدة، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة؛ لأن منافعه صارت مستحقة لمن استاجره في مدة العقد. (الموسوعة الفقهية ۲۸۸/۱ كويت)

وهو من يعمل لواحدٍ عملا مؤقتًا بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل كمن استُوجر شهرًا للخدمة أو شهرًا لرعي الغنم المسمى بأجر مسمى. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الإجارة / باب ضمان الأجير، مبحث: الأجير الخاص ۹۵/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ضرورت کے لئے بینک میں کھاتہ کھلوانا؟

سوال (۲۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک میں اگر کرنٹ کھاتہ کھلوایا جائے؛ تاکہ سودی رقم نہ ملے تو یہ کیسا ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کرنٹ کھاتہ میں بھی سود ملتا ہے، مگر وہ خلافِ شریعت یا اسلام مخالف کاموں پر خرچ کیا جاتا ہے، اس لئے کرنٹ کھاتہ نہ کھلوایا جائے؛ تاکہ سودی رقم غریبوں کو دے دی جائے اور ثواب کی نیت

نہ کی جائے، صحیح کیا ہے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت کی بنا پر بینک میں کرنٹ یا سیونگ کھاتہ کھلوانے کی بھی گنجائش ہے، اور اس پر جو تھوڑا بہت سود ملے اُسے بینک سے نکال کر غریبوں پر خرچ کردیا جائے؛ البتہ زیادہ سود حاصل کرنے کے مقصد سے بینک میں ایف ڈی کرانا یہ جائز نہیں، اس سے بچنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۴/۳۷۴، کفایت المفتی ۸/۷۵)

المستفاد: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾. [المائدة، جزء آیت: ۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مروجہ مسلم فنڈ اور اُس کے طریقۂ کار کے متعلق شرعی حکم؟

سوال (۲۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

مسلم فنڈ کا قیام وافتتاح:

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کی تحریک پر حضرت ہی کے دستِ مبارک سے ۱۲/ اپریل ۱۹۹۵ء کو افتتاح ہوا۔ اور ۱۳/ اپریل ۱۹۹۵ء سے باضابطہ قائم کیا گیا۔

مسلم فنڈ کے مقاصد:

(۱) مسلمانوں کو بچت کا عادی بنانا۔

(۲) اِجرائے قرض بلا سود کے ذریعہ خانگی ومعاشی اُمور میں اُن کا تعاون کرکے سرکاری وغیر سرکاری سودی اور ہلاکت خیز پروگراموں سے حفاظت کرنا۔

(۳) مسلم فنڈ کے ذاتی سرمایہ سے تعلیمی، ٹیکنیکل مراکز قائم کرنا۔

(۴) مسلم فنڈ کے ذاتی سرمایہ سے غرباء کو مفت وسائل آمدنی فراہم کرنا۔

(۵) حوادث وفسادات میں لٹے پٹے اِنسانوں کی مدد کرنا۔

طریقۂ کار:

(۱) بلاتفریق مذہب وملت ہر شخص اپنی مرضی سے مسلم فنڈ کا کھاتہ دار بن کر اپنی رقم جمع کرسکتا ہے۔

(۲) کھاتہ کھولنے کے وقت پاس بک برائے جمع اَمانت بالعوض دی جاتی ہے، معاوضہ کی رقم مسلم فنڈ کی ذاتی رقم ہوتی ہے جو نا قابلِ واپسی ہے۔

اِجرائے قرض کی شرطیں:

(۱) طالب قرض کو مسلم فنڈ کا مستقل کھاتہ دار ہونا ضروری ہے۔

(۲) زرضمانت سونے چاندی کا زیور یا ایسا چیک اور ڈرافٹ وغیرہ ہو، جس سے مدیون سے اَدائے قرض سے عجز کی صورت میں قرض کی وصولی یقینی ہو۔

(۳) لین دین میں طالبِ قرض کا ریکارڈ بے داغ ہونا چاہئے۔

(۴) بہرصورت طالبِ قرض کو مسلم فنڈ کے ضابطہ کے مطابق مطلوبہ قرض کی مقدار کے اعتبار سے مسلم فنڈ سے فارم برائے اِجرائے قرض خریدنا ہوگا۔

زرضمانت میں احتیاط:

(۱) سونے چاندی کے زیورات ماہر صراف کے ذریعہ جانچ کراتے ہیں۔

(۲) چیک کی صورت میں طالبِ قرض کی حیثیت واِمیج خاص طور سے ملحوظ ہوتی ہے۔

(۳) چیک کے پس پشت پکا ہوا مال ہونا لازمی ہے، جس کے بدلے پارٹی نے کیش کے بجائے چیک دیا۔

(۴) چیک کاٹنے والی پارٹی کی اِمیج اَچھی ہونی چاہئے، یعنی اُس کے دئے ہوئے چیک

یقینی طور پر کیش ہوجایا کرتے ہوں۔

(۵) چیک پر بطور قرض محدود رقم دی جائے گی (۱۰۰۰۰)۔

(۶) سونے چاندی کے زیورات یا چیک وڈرافٹ صرف بطور ضمانت رکھے جاتے ہیں، مدیون مسلم فنڈ کا قرض اَدا کرتا ہے اور زرِ ضمانت لے جاتا ہے۔

مسلم فنڈ کے ذاتی سرمایہ کے ذرائع:

(۱) پاس بک کی بکری (۲) فارم برائے اِجرائے قرض کی بکری (۳) مخیرّ اور مخلص حضرات کے عطیات۔

ذاتی سرمایہ کے مصارف:

(۱) ملازمین کی تنخواہ۔

(۲) مقاصد مذکورہ۔

(۳) دفتری اِخراجات، کھاتہ داروں کی جمع شدہ رقم یومیہ لین دین کی ممکنہ مقدار کے علاوہ باقی رقوم یونین بنک خیرآباد میں جمع ہوتی ہے، حسبِ ضرورت بینک سے واپس منیجر اور صدر کے دستخط سے ہوتی ہے، چوں کہ بینک میں سیونگ کھاتہ مسلم فنڈ کے نام سے ہے، سرکاری طور پر جمع شدہ رقم کا انٹرسٹ (سود) سال میں ضابطہ کے مطابق ملتا ہے، اُس کو مسلم فنڈ کے ذاتی اصل سرمایہ میں شامل نہیں کیا جاتا؛ بلکہ حسبِ موقع مندرجہ ذیل مدات میں خرچ کردیا جاتا ہے۔

(۱) غریبوں اور بیواؤں کو روزگار مہیا کرنے کے لئے سانچہ و چرخہ کا نظم۔

(۲) سردیوں میں کمبل کی تقسیم۔

(۳) شاہراہِ عام پر ہینڈ پائپ لگوانا۔

(۴) اَمراض کے علاج میں ممکنہ تعاون۔

نوٹ:- رقومِ اَمانت مسلم فنڈ کا ذاتی سرمایہ نہیں ہے، اِس لئے وہ صرف واپسی اَمانت اور

اجراءِ قرض کے لئے مختص ہے، مسلم فنڈ کسی صورت میں اُسے خرچ نہیں کرسکتا۔

جواب طلب اُمور:

(۱) ہمارے مقاصد، شرائط جمع اَمانت، شرائط اِجرائے قرض، وسائل آمدنی اور مصارف میں شرعاً کوئی خامی ہو تو اُس کی نشان دہی فرمائی جائے؟

(۲) پاس بک اور فارم برائے اِجرائے قرض کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کیا نقدین یا معتبر چیک کی ضمانت پر اِجرائے قرض بیع صرف ہے؟

(۴) ایسا مسلم فنڈ قائم کرنا اور اُس میں اپنی جان و مال اور اَوقات لگانا طاعت ہے یا معصیت؟

نوٹ:- ہمارے دستور میں بصراحت مذکور ہے کہ اگر بالفرض خدانخواستہ کبھی مسلم فنڈ بند کرنا پڑا، تو کھاتے داروں کی جمع شدہ رقم کو ادا کرنے کے بعد بچا ہوا سارا سرمایہ دینی مدارس اور رفاہی اِداروں میں دے دیا جائے گا، مسلم فنڈ کے کسی عہدہ دار یا ممبر کا اُس میں کوئی حق و حصہ نہیں ہوگا، آپ کا صرف حکم شرعی بیان کردینا ہی کافی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مسلم فنڈ کے قیام کے جو مقاصد ذکر کئے گئے ہیں سب درست ہیں، اور قوم کے لئے نفع بخش ہیں، شرائط جمع اَمانت میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے، اِجرائے قرض کی ابتدائی کاروائی شرعی ضابطہ کے مطابق ہے؛ لیکن تجدید قرض کے لئے اَصل رقم جمع کرائے بغیر نئے فارموں کی خانہ پری پر مزید رقم لینا شرعاً درست نہیں ہے، اِس نظام کی اِصلاح ضروری ہے، کیوں کہ عام طور پر مسلم فنڈ کے ذمہ دار اس معاملہ میں عملی دشواریاں بتا کر لاپرواہی اور کوتاہی برت رہے ہیں۔ اور رہ گئی آمدنی کی بات تو مسلم فنڈ کی تمام رقومات بینک کے کرنٹ اِکاؤنٹ میں ہی رکھنی چاہئے؛ تاکہ مسلم فنڈ میں سودی رقم کسی طرح بھی نہ آنے پائے اور جو رقم کسی وجہ سے آجائے اُس کو صرف غرباء پر تقسیم کردینا چاہئے، مسلم فنڈ کی تعمیر و ترقی میں لگانا قطعاً جائز نہیں ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعًا كل قرض جر منفعة فهو ربوا. (إعلاء السنن،

كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٦/١٤ ٥٦ رقم: ٤٨٥٨ دار الكتب العلمية بيروت، شرح معاني الآثار للإمام الطحاوي ٢٢٩/٢، نصب الراية ٦٠/٤)

كل قرض جر نفعًا حرام. (شامي / مطلب: كل قرض جرّ نفعًا حرام ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٨٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

(۲) کھاتے کے اِجراء کے لئے ''پاس بک'' کی فروختگی درست ہے اور اِجرائے قرض کے لئے پہلے مرحلے میں فارموں کی فروختگی بھی جائز ہے؛ البتہ مدتِ متعینہ میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں تجدید قرض کے فارم کے نام پر قرض دار سے کوئی رقم لینا درست نہیں ہے۔

وقال أبويوسف لا يكره هذا البيع؛ لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوا على ذلك، ولم يعدوه من الربا، حتى لو باع كاغذة بألف يجوز ولا يكره. (فتح القدير، كتاب الكفالة / قبيل فصل الضمان ٢١٢/٧ بيروت)

(۳) زیورات یا معتبر چیک رہن رکھ کر قرض جاری کرنا درست ہے، یہ معاملہ بیع صرف کا نہیں؛ بلکہ رہن کا ہے۔

ويجوز رهن الدراهم والدنانير والمكيل والموزون؛ لأنه يتحقق الاستيفاء منه، فكان محلاً للرهن. (الهداية ٥١٥/٤ إدارة المعارف ديوبند)

(۴) جو مسلم فنڈ، شرعی اُصول کے مطابق اِس نیت سے چلایا جائے کہ لوگ سود کی لعنت سے نجات پائیں بڑا مفید کام ہے، اور اِس میں اِن شاء اللہ اَجر کی قوی اُمید ہے؛ لیکن جو ذمہ داران اُصولِ شریعت کا لحاظ رکھے بغیر اسے چلائیں گے وہ عند اللہ مؤاخذہ سے بچ نہیں پائیں گے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر / الفن الأول ٥٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مزارعت ومساقات:

ہر فصل پر ایک کوئنٹل پیداوار لینے کی شرط پر زمین بٹائی پر دینا؟

سوال (۲۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنی زمین کو اِس شرط پر دوسروں کو بٹائی پر دیتا ہے کہ ہر فصل میں ایک بیگھہ زمین پر ایک کوئنٹل پیداوار لیں گے، تو اِس طرح شرط کے ساتھ زمین بٹائی پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو زمین بٹائی پر دینے کی جو صحیح شکل ہے تحریر فرمائیں؟ ہر ایک سوال کا جواب مع حوالہ مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعین وزن کے ساتھ پیداوار لینے کی شرط درست نہیں ہے، جواز کی شکل یہ ہے کہ حصہ مشاع مثلاً پیداوار کا دسواں بیسواں حصہ وغیرہ لینا طے کیا جائے؛ تاکہ کسی فریق کو کوئی نقصان نہ ہو۔

فتبطل إن شرط لأحدهما قفزان مسماة، أو ما يخرج من موضع معين.

(الدر المختار مع الشامي ۹/ ۴۰۰ زکریا)

قال أبو حنيفة: المزارعة بالثلث والربع باطلة – إلیٰ قوله – وقالا: جائزة، – إلی قوله – إلیٰ أن الفتویٰ علی قولهما. (الهداية ۴/ ۴۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۸/۲۷/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پھل دار درختوں پر قلم لگانا؟

سوال (۲۷۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پھل دار درختوں پر پیوند چڑھانے کا رواج ہے، یعنی چھوٹے بیروں والی بیری کے درخت پر

بڑے بیروں کے لئے پیوند چڑھانا یا کھٹے پھل کے درخت پر میٹھے پھل کے لئے پیوند چڑھانا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھل دار درختوں پر قلم لگانا یا پیوند چڑھانا جائز ہے۔

كذا تستفاد عن الرواية الآتية: عن رافع بن خديج رضي الله عنه قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة، وهم يأبرون النخل، يقول: يلتمون النخل فقال ما تصنعون؟ قالوا كنا نصنعه، قال: لعلكم لو لم تفعلوا كان خيراً، قال: فتركوه فنفصت أو قال: فنقصت، قال: فذكروا ذٰلك له، فقال: إنما أنا بشر إذا أمرتكم بشيء من دينكم فخذوه به، وإذا أمرتكم بشيءٍ من رائي فإنما أنا بشر.

(صحيح مسلم ٢/ ٢٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مضاربت وشرکت:

سابقہ فاسد معاملہ کو کیسے نپٹائیں؟

سوال (۲۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا ریڈیمیڈ کا کارخانہ ہے، تقریباً ۱۲؍سال قبل زید کو کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی، زید نے عمر سے رقم مانگی تو عمر نے زید کو ایک لاکھ روپئے دیا، اور زید سے کہا کہ تم مجھے اپنے کاروبار میں پارٹنر بنالو، زید نے عمر سے کہا کہ تم دو روپئے عدد کے نفع ونقصان کے پاٹنر بن جاؤ، اِس طرح کاروبار چلتا رہا، ہر سال کے پورا ہونے پر جتنے عدد زید کے کارخانہ میں بنتے تھے، اُن سب کو چھوڑ کر دو روپئے کے حساب سے عمر کا نفع بنتا تھا، اور اس پورے سال میں یعنی جتنا نقصان ہوا، یعنی جتنے عدد چوری ہوگئے، یا بکنے سے رک گئے، یا بیوپاریوں نے واپس کئے، یعنی جتنا نقصان ہوا،

ہمارے عدد جوڑ کر دو روپے کے حساب سے جتنی رقم بنتی تھی اتنی عمر کے نفع میں سے کاٹ کر عمر کا حساب کر دیا جاتا تھا، اِس طرح کام چلتا رہا، پانچ سال قبل زید نے عمر سے کہا کہ پہلے میرا کاروبار چھوٹا تھا جب آپ نے ایک لاکھ روپے لگائے تھے، اَب کاروبار بہت بڑھ گیا ہے، روپیہ اور لگاؤ تب عمر نے اپنی نفع کی رقم سے ساڑھے تین لاکھ روپے زید کے پاس اور جمع کر دئے۔ اِس طرح زید کے پاس عمر کا ساڑھے چار لاکھ روپے جمع ہوگئے اور کاروبار چلتا رہا۔ دو سال سے عمر کے بار بار اصرار کرنے پر زید نے حساب نہیں بنایا، آخر عمر نے عاجز آکر زید سے کہا کہ میرا حساب کر دو، میں آپ کے ساتھ کاروبار نہیں کرنا چاہتا۔ اِس پر زید نے کہا کہ کاروبار بہت بڑا ہو چکا ہے، میں حساب نہیں کرسکتا؛ لہٰذا اندازہ سے حساب کرلو، عمر نے کہا بھائی جیسے چاہو حساب کر دو۔ اِس پر زید نے کہا کہ ۲؍سال میں آپ کے ۲؍لاکھ روپے نفع کے ہوئے، عمر نے کہا کہ بھائی جو ہوئے وہ دے دو۔ اِس پر زید نے کہا کہ اِس شرط پر دیں گے کہ تم یہ کہو کہ میں نے سب معاف کر دیا، اللہ کے یہاں کوئی حساب نہیں، عمر نے کہا کہ ایسا نہیں کہہ سکتا؛ کیوں کہ اگر تمہارا میری طرف نکلتا ہوگا، میں اللہ کے یہاں دوں گا، اور اگر میرا تمہاری طرف نکل رہا ہے تو لے لوں گا، اِس پر زید نے کہا کہ فتویٰ لے آؤ، جب کہ زید کے حساب سے ساڑھے چار لاکھ روپے جو عمر کے جمع ہیں، اور دو لاکھ کا نفع کل ساڑھے چھ لاکھ روپے بنتے ہیں۔ اِس تناظر کی روشنی میں حضرت آپ سے یہ دریافت کرتا ہے کہ:

(۱) مذکورہ بالا شکل میں زید اور عمر کا اِس طرح کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اِس عرصہ میں زید اور عمر نے جتنا نفع کمایا یہ پیسہ جائز تھا یا نہیں؟ اگر ناجائز تھا تو شریعت کی روشنی میں اُس کی تلافی کی کیا شکل ہے؛ کیوں کہ اِس رقم کی زید نے بہت پراپرٹی بنالی ہے، اور عمر نے اپنی رقم خرچ کر دی ہے؟

(۳) اَب کاروبار ختم کرنے کی شکل میں عمر کو یہ ساڑھے چھ لاکھ روپے لینے کا حق ہے یا نہیں؟ اور اِس رقم کو لے کر عمر اپنی ذات پر خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اِس رقم کا مصرف کیا ہے؟

(۴) عمر نے جو زید کے ساتھ کاروبار کیا تھا، تو کیا عمر کا زید کی پوری پراپرٹی پر کوئی حق بنتا

ہے؟ اگر حق بنتا ہے تو وہ کتنا بنتا ہے؟ کیا دونوں آدھے آدھے کے حق دار ہوں گے؟ یا عمر کا وہی حق ہے جو طے ہوا تھا؟ جب کہ عمر نے صرف رقم لگائی تھی، محنت نہیں کی، ساری محنت زید نے کی ہے؟

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں کارخانہ میں ہر عدد پر دو روپے عمر کو دینے کی شرط فاسد تھی، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حاصل شدہ نفع میں فیصد کے اعتبار سے حصۂ نفع متعین ہوتا؛ لہٰذا اصل معاملہ جب فاسد ہوا تو اُس پر ہونے والا لین دین بھی صحیح قرار نہیں پائے گا، اَب اِس معاملہ کو نپٹانے کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) اول یہ کہ زید اور عمر دونوں آپس میں صلح کرلیں اور جس بات پر بھی رضا مند ہوجائیں اُس پر متفق ہوکر ہر ایک دوسرے کا حق معاف کردے؛ تاکہ آخرت میں مؤاخذہ نہ ہو۔

(۲) اور دوسری صورت ضابطہ کے مطابق یہ ہوگی کہ عمر نے جس قدر رقم لگائی ہے اُس سے زید کو جتنا بھی نفع ہوا وہ سب عمر کو اَدا کرے اور اِس نفع کے حصول میں زید نے جتنی محنت کی ہے اُس کا معاوضہ اجر مثل کے طور پر عمر سے وصول کرلے، اور اِسی اُصول کے اعتبار سے دونوں طرف سے جو لین دین ہوا ہے اُس کو منطبق کرلینا چاہئے۔

(وشرطها) أمور سبعة ...... كون الربح بينهما شائعًا، فلو عيّن قدرًا فسدت. (الدر المختار / كتاب المضاربة ٤٣٣/٨ زكريا)

قال الإتقاني: وذٰلک لأن النقود من عقد المضاربة هو الشركة في الربح، فإذا شرط لأحدهما دراهم مسماة كالمأة ونحوها تفسد المضاربة؛ لأن شرط ذٰلک يقضي إلى قطع الشركة؛ لأنه ربما لا يكون الربح إلا ذٰلک القدر فلا يبقىٰ للآخر شيء من الربح. قال شمس الأئمة البيهقي في الكفاية: شرط أن يكون قدرًا معلومًا مشاعًا من كل الربح مثل الثلث والربع، فإذا شرط لأحدهما بأرض الربح مثلاً أو مأة مع

الثلث أو الثلث إلا مأة، والباقي للآخر لم تجر المضاربة؛ لأنه يؤدي إلىٰ قطع الشركة، في الربح لجواز أن لا يربح إلا ذٰلک القدر(حاشية چلپي على تبيين الحقائق ٥١٩/٥)

ومنها: أن يكون نصيب المضارب من الربح معلومًا على وجهٍ شائعٍ كالنصف والثلث أو نحوهما، أما إذا عين عددًا مخصوصًا كان قال له: اعمل في هٰذا المال مضاربة ولک عشرون جنيها من الربح؛ فإن العقد يكون فاسدًا، وكذٰلک إذا ضم إلى نصيبه عددًا معينًا، كما إذا قال له: اعمل مضاربة ولک نصف الربح وعشرون جنيهًا فوق ذٰلک؛ فإنه لايصح ...... أما إذا شرط أن له ربح نصف المال أو ثلثه بدون تعيين نصف خاص أو ثلث خاص فإنه يصح. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل، مباحث المضاربة / دليل المضاربة وحكمة تشريعها ٦٢/٣ المكتبة العصرية صيدا بيروت)

فإذا فسدت ظهرت الإجارة حتى استوجب العامل أجر مثله، وإذا خالف كان غاصبًا لوجود التعدي منه على مال غيره ...... ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لايستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح؛ لأن شرط ذٰلک يقطع الشركة بينهما؛ فإن شرط زيادة عشرة فله أي العامل أجر مثله. (فتح القدير ٨٧٠/٨)

والربح لرب المال؛ لأنه نماء ملكه وهو الحكم في كل موضع لم تصح المضاربة. (الهداية / كتاب المضاربة ٢٤١/٣-٢٤٢ إدارة المعارف ديوبند، فتح القدير / كتاب المضاربة ٤٤٦/٨-٤٤٧ دار الفكر بيروت)

قوله: والربح رب المال؛ لأنه نماء ملكه. فتعين أجر المثل، وهٰذا التعليل يوجب ذٰلک في كل موضع فسدت المضاربة.(العناية مع فتح القدير / كتاب المضاربة ٤٤٩/٨ دار الفكر بيروت)

رابعها: إذا فسدت المضاربة يكون حكم المضارب حكم الأجير، بمعنى أن الربح جميعه يكون لرب المال، والخسارة تكون عليه، وللمضارب أجرمثله.

وخامسها: وإذا خالف المضارب شرطًا من الشروط يكون غاصبًا، وحكم الغاصب أن يكون آثما، ويجب عليه رد المغصوب. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل، مباحث المضارب / دليل المضاربة وحكمة تشريعها ٤/٣ ٦٢ المكتبة العصرية صَيدا بيروت

ثم المدفوع إلى المضارب أمانة في يده لكن لفظ المضاربة تقتضي رأس المال. (تبيين الحقائق ٦/٥ ٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک کا نقصان دوسرے کا نفع کی شرط لگا کر مضاربت کا معاملہ کرنا؟

سوال (۲۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دو شخصوں میں اس طرح کاروبار شروع ہوا کہ ایک کے پاس رقم تھی، دوسرے کے پاس تجربہ، تجربہ والے شخص نے رقم والے شخص سے کہا کہ نقصان میرا اور فائدہ تمہارا، آخر اس کاروبار میں ۵۴/ ہزار روپئے کا نقصان ہوا، اب اس نقصان میں دونوں شریک رہیں گے یا نہیں؟ دونوں فریقین میں سے کونسا فریق نقصان بھرے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’نقصان میرا اور فائدہ تمہارا‘‘ کی شرط سے یہ مضاربت کا معاملہ فاسد ہوگیا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مضارب (تجربہ والا شخص) نقصان کا بالکل بھی ذمہ دار نہیں ہے، اور نفع میں بھی شریک نہیں ہے، بس اپنے عمل کی اُجرت مال والے سے لے سکتا ہے۔

وإجارة فاسدة إن فسدت فلا ربح للمضارب حينئذٍ؛ بل له أجر مثل عمله مطلقًا ربح أو لا. (الدر المختار / أول كتاب المضاربة ٨/ ٤٣١ زكريا)

ومنها: شرط كون الخارج لأحدهما؛ لأنه شرط يقطع الشركة التي هي من

خصائص العقد. (بدائع الصنائع، كتاب المزارعة / فصل في الشروط المفسدة للمزارعة ٢٧٤/٨ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب المزارعة / الباب الأول ٢٣٥/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲۴/ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والد کی نگرانی میں حلاق کی دوکان پر کام کرنے والے شریکوں کی ملکیت وغیرہ کے مسائل؟

سوال (۲۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد ایوب ساکن ہلدوانی نے اپنے دو بیٹوں کو سعودی عرب میں ایک دوکان کرایہ پر دلوائی تاکہ حلاقی کا کام کیا جائے اور دوکان کے لئے ۱۴۰۰۰/ ریال کا فرنیچر خریدا، جس میں سے ۷۰۰۰/ ریال ایک بیٹے نے دئے اور کرایہ داری کا معاملہ بھی والد صاحب نے طے کرایا، اور دوکان دو بیٹوں کے حوالے کردی اور خود اپنی دوکان پر جو پہلے سے سعودی میں چلاتے تھے کام کرنے لگے :مذکورہ بیٹے اس دوکان میں کام کرنے لگے اور اس پر جو بھی کرایہ بجلی کا بل تعمیرات وفرنیچر کا خرچ آتا ہے، اس کو ادا کرتے تھے اور مابقیہ آمدنی والد صاحب کو دیتے تھے اس دوکان کی آمد سے ہلدوانی میں مکان بھی خریدے گئے پھر والد صاحب (ایوب) کا انتقال ہوگیا، انتقال کے بعد سعودی میں کام کرنے والے ایک بیٹے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک مکان بیچ کر اس کی شادی کردی اس وقت والد صاحب کے پانچ بیٹے ہیں۔

سوال طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ دوکان کی آمد والد صاحب کی کہلائے گی یا صرف مذکورہ دونوں بیٹوں کی اور بچے ہوئے مکان اور باقی ماندہ میں سے تمام بیٹوں کو حصہ ملے گا یا نہیں - اگر آمد والد صاحب کی ہے تو شادی پر ہوئے خرچ کو شادی والے بھائی سے واپس لیا جائے گا یا نہیں؟ جس دوکان پر دو بیٹے کام کرتے تھے، اب والد صاحب کے انتقال کے بعد آمد کس کی ہوگی، والد صاحب کی یا کام کرنے والے بیٹے کی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال محمد ایوب مرحوم نے جن دو بیٹوں کو سعودی عرب میں دوکان کروائی تھی تو وہ دونوں بیٹے دوکان کا خرچ ادا کرنے کے بعد مابقیہ سب آمدنی والد کے پاس جمع کراتے تھے، اُن کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ پورا کاروبار والد کی نگرانی میں چل رہا تھا، اور بیٹے والد کے معاون تھے۔ بریں بناء والد کی زندگی میں ان سب دوکانوں سے جو کچھ بھی آمدنی ہوئی وہ والد کی ملکیت شمار ہوگی، اور اس آمدنی سے جو جائیدادیں خریدی گئیں والد کے انتقال کے بعد اُن کے ترکہ میں شامل ہوں گی، اور حسبِ حصص شرعیہ سب وارثین میں تقسیم ہوں گی؛ البتہ والد کے انتقال بعد دوکان کی آمدنی کے مالک وہی بیٹے ہوں گے جو دوکان پر کام کرتے ہوں؛ اِس لئے کہ حلاق کی دوکان میں آمدنی کا تعلق سامان سے نہیں؛ بلکہ خود اپنے عمل سے ہوتا ہے؛ البتہ دوکان کے فرنیچر کو ترکہ میں شمار کرکے اس کی قیمت لگاکر وارثین میں تقسیم کیا جائے گا، اور تقسیم سے پہلے جس بیٹے نے شروع میں اپنی ذاتی آمدنی سے سات ہزار ریال لگائے تھے، اس کی ادائیگی کی جائے گی، اسی طرح والد صاحب کے انتقال کے بعد جس بیٹے کی شادی کے لئے ہلدوانی کا ایک مکان بیچا گیا، اس کی قیمت لگاکر مذکورہ بیٹے کی طرف اس کے حصۂ شرعی سے جو زائد رقم چلی گئی ہے، دیگر ورثہ کو اس کی واپسی کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما مال فالكسب كله للأب، إذا كان الإبن في عيال الأب لكونه معينًا له. (الفتاوىٰ الهندية/الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الأعمال ٣٢٩/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة تحت قوله: والإرث حق قابل للتجزي يثبت لمستحق بعد موت من كان له ذلك القرابة ...... حقيقةً وحكمًا. (السراجي في الميراث ٥)

كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب

حصصهم، كذٰلك يكون الدَّين الذي له في ذمة آخر مشتركًا بينهم على قدر حصصهم. (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشركة / الفصل الثالث ۱/ ۰ ٦۱ رقم المادة: ۱۰۹۲ المكتبة الحنفية كوئٹه)

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح فالربح للمتصرف وحده، كذا في الفتاوىٰ الغياثية. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الشركة / الباب السادس في المتفرقات ۲/ ۳٤٦ دار إحياء التراث العربي الإسلامي بيروت)

ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الشركة / أنواع الشركة وأركانها وشرائطها وأحكامها وما يتعلق بها ۲/ ۳۰۱ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دین اور قرض:

اپنا قرض اَدا کرنے کے لئے قرض لینے کی مختلف شکلیں؟

سوال (۲۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید دو کمپنیوں کا مالک تھا، دونوں کمپنیاں بہت اچھی چل رہی تھیں، سالانہ زکوٰۃ بھی اچھی خاصی نکل جاتی تھی؛ لیکن اچانک ملک نیپال کے حالات نے کروٹ لی، راجا شاہی کے خاتمہ کے بعد ہی دونوں کمپنیاں دن بدن خسارے کا شکار ہوتی رہیں، نتیجۃً دونوں کمپنیاں فروخت ہوچکی ہیں، حتیٰ کہ رہنے کا مکان بھی گروی میں رکھنا پڑا، سواری تک بک گئی، اِس کے باوجود آج بھی زید سات لاکھ پچاسی ہزار ایک سوستر روپئے (۷۸۵۱۷۰) کے قرض تلے دبا ہوا ہے، اِس گراں بارِ قرض سے نجات حاصل کرنے کے لئے اَب وہ قرضِ حسنہ کا طالب ہے، اگر وہ اِس نیت سے قرض لے رہا ہے کہ باعتبارِ سہولت قسط وار وہ قرض چکاتا رہے گا، اِس قرض کو حاصل کرنے کے لئے اُس کے

سامنے تین صورتیں ہیں:

(۱) زکوٰۃ کی رقم سے قرض لیا جائے۔

(۲) بینک میں جمع شدہ رقوم کے منافع سے۔

(۳) انکم ٹیکس کی رقم سے؟

آنجناب سے مؤدبانہ التماس ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں اِس بات کی وضاحت فرمائیں کہ مذکورہ تینوں صورتوں سے قرض حاصل کیا جاسکتا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں قرض لینے والے اور قرض دینے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں سب سے اَہون شکل یہ ہے کہ آپ اِنکم ٹیکس سے بچائی ہوئی رقم سے غیر سودی قرض حاصل کریں، ایسی صورت میں قرض دینے والا بھی انشاء اللہ اَجر کا مستحق ہوگا، اور زکوٰۃ اور سودی رقم سے حتی الامکان اجتناب کرنا لازم ہے۔

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: دخل رجل الجنة فرأی علی بابها مکتوبًا الصدقة بعشر أمثالها، والقرض بثمانیة عشر. (مجمع الزوائد ٤/١٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۷/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض لے کر ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا یا سرے سے انکار کرنا؟

سوال (۲۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی شاہد کو پانچ سال قبل تقریباً پندرہ ہزار روپئے کسی مد میں خرچ کرنے کو دئے تھے، اُن کے کہنے پر کہ رقم میں تم کو جلد ہی واپس کردوں گا؛ لیکن اب وہ منکر ہیں، اور رقم دینا نہیں چاہتے ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ جواب تحریر فرمائیں کہ مجھے اَب کیا کرنا

چاہئے؟ اور ایسے شخص کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض لےکر ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا یا سرے سے انکار کردینا سخت گناہ ہے، مسئولہ صورت میں آپ کو اپنے قرض کی رقم کے وصول کرنے کا پورا حق حاصل ہے اور اُس کے لئے ہر مناسب تدبیر اپنا سکتے ہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: مطل الغني ظلمٌ ......الخ . (صحيح البخاري، كتاب الحوالات / باب في الحوالة وهل يرجع في الحوالة؟ ۳۲۳/۱ رقم: ۲۲۸۷ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب تحريم مطل الغني الخ رقم: ۱۵٦٤ بيت الأفكار الدولية)

ويذكر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: لَيُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته، قال سفيان: عرضه يقول: مَطَلْتَنِي وعقوبته الحبس . (صحيح البخاري ۳۲۳/۱ رقم: ۲۳۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شفعہ وعاریت:

مدرسہ سے متصل زمین کے فروخت ہونے کے بعد اہلِ مدرسہ کا بطور شفعہ کے خریدنا؟

سوال (۲۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک دینی مدرسہ سے متصل کسی ایک شخص کی ایک مملوکہ زمین تھی، جس پر صاحبِ زمین کا قبضہ بھی تھا، صاحبِ زمین ایک مدت سے اہلِ مدرسہ کو وہ زمین اپنے سے خریدنے کو کہتا چلا آیا، مگر

اُنہوں نے وہ زمین نہیں خریدی۔ نیز صاحبِ زمین نے وہ زمین فروخت کرنے کی عام اطلاع عوام میں بھی کردی، فی الحال کسی ایک مسلمان نے وہ زمین خریدی ہے، اور مشتری نے زمین کی مناسب قیمت ادا بھی کردی ہے، نیز بائع نے اُس قیمت پر قبضہ بھی کرلیا ہے، ایسی صورت میں زمین کا مالک کون ہے؟ واضح رہے کہ زمین فروخت ہوجانے کے بعد اَب اَرکانِ مدرسہ اور تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات نے وہ زمین خریدنے کی کوشش کی، مگر چوں کہ زمین فروخت ہوچکی ہے، اِس لئے بائع نے صاف انکار کرکے اپنی مجبوری کا اظہار کردیا ہے، تو ایسی صورتِ حال میں مستقبل میں مدرسہ کے کسی مفاد کے پیشِ نظر اہل مدرسہ اور تبلیغی جماعت کے ذمہ داران حضرات کا زبردستی اُس زمین پر قبضہ جمانا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ زمین اگر مدرسہ سے بالکل متصل ہے، اور زمین کے فروخت ہونے کے فوراً بعد اہلِ مدرسہ نے اسے خود خریدنے کے لئے شفعہ کے قانون کے مطابق قانونی کاروائی کی ہے، تو اگر عدالت اہل مدرسہ کے حق میں فیصلہ کردے، تو اہل مدرسہ اُس زمین کو مناسب قیمت پر خریدنے میں حق بجانب ہوں گے؛ لیکن اگر باقاعدہ عدالتی کارروائی نہیں کی گئی ہے، تو زورزبردستی سے اہل مدرسہ کو اس زمین پر قبضہ کرنے کا حق نہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ آپس میں صلح صفائی کرکے اِس معاملہ کو سلجھالیا جائے۔

وإذا علم الشفيع بالبيع أشهد في مجلسه ذٰلک على المطالبة، ثم ينهض منه يعني من المجلس ويشهد على البائع إن كان المبيع في يده، معناه لم يسلم إلى المشتري أو على المبتاع أو عند العقار، فإذا فعل ذلک استقرت شفعته.

(الهداية ٤/ ٣٩٢ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۵/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عاریت پر دی گئی جگہ میں مالکانہ تصرف؟

سوال (۲۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک زمین پر کسی زمین دار نے کسی شریف عورت کو رہائش کے لئے گھر بنانے کی اجازت دے دی، وہ اس پر رہتی رہی، پھر بعد میں اُنہوں نے وہ اراضی کسی اور کو بیچ دی اور اُس نے کسی اور کو بیچ دی، اس طرح ملکیت باقی رہی، حالیہ مالک نے اس سے انخلاء کا مطالبہ کیا، اُس نے انخلاء نہیں کیا؛ بلکہ مالک کے غائبانہ میں اور بڑھ کر نئی زمین پر بھی قبضہ کرلیا، جہاں اُس کے تاؤ رہتے تھے، جو وفات پاچکے ہیں۔ مزید برآں وہ گورنمنٹ سے اُسی زمین پر اندرا واس کی رقم اٹھا کر پختہ تعمیر کرنا چاہتی ہے اور زمین پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتی ہے، جب کہ اسے خود معلوم ہے کہ وہ نہ مالک ہے، نہ اس نے خریدی ہے اور نہ رجسٹری کروائی ہے۔

کچھ لوگ اُن کا ساتھ دینا چاہتے ہیں کہ اُن کو اتنی ہی زمین دوسری جگہ مالک زمین دے یا اُسی زمین پر جہاں پر وہ رہی ہے اُس کو گھر بنوانے کی اجازت دے، جب کہ مالک زمین اس پر صدق دل سے راضی نہیں ہے، کیا مالک زمین پر اُن لوگوں کا جبر کرنا درست ہے؟ قابض کا ساتھ دینا جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال میں ذکر کردہ واقعہ صحیح ہے اور مذکورہ غریب عورت کو زمین دار نے مالک نہیں بنایا تھا؛ بلکہ صرف بطور عاریت رہائش کی اجازت دی تھی، تو اَب اُس عورت کو اس جگہ پر مالکانہ حق کا دعویٰ کرنا یا اس جگہ کے معاوضہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔ اور اِس معاملہ میں اُس کا ساتھ دینے والے بھی غلطی پر ہیں، صحیح حدیث میں زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کے بارے میں شدید وعید وارد ہے۔

عن سعید بن زید رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من أخذ شبرًا من الأرض ظلمًا، فإنہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع أرضین.

(صحيح البخاري، باب ما جاء في سبع أرضين ٤٥٤/٢ رقم: ٣١٩٨، صحيح مسلم رقم: ١٦١٠، مشكاة المصابيح / باب الغصب ٢٥٤ رقم: ٢٩٣٨ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱۵/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہبہ و ہدیہ:

وقف علی الاولاد کے بارے میں مشورہ؟

سوال (۲۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری ایک آراضی ہے جس کا رقبہ تقریباً چار سو گز ہے، میں اُس کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہوں، جس میں میری یہ آرزو ہے کہ اس پر عمارت بنا کر اُس کے نیچے حصہ میں تعلیم وتعلم کا نظم اور میرے وارثین میں سے جو اس تعلیم وتعلم میں حصہ لیں اور اس میں کام کریں، اُن کی رہائش اُس کے اوپری حصہ میں رہے، اور یہی وارثین اس درس گاہ کے نظم ونسق کے بھی ذمہ دار ہوں، اگر کام کرنے والے بہت سے وارثین ہوجائیں تو جگہ میں گنجائش نہ ہونے کی صورت میں کس کو رہائش کا استحقاق ہوگا اور کس کو نہیں؟ اس طرح کے مسائل میں شرعی حل کس طرح ہوگا؟ وقف علی الاولاد کی شرعی شکل اور اُس کا اُصول وضابطہ کیا ہے؟

وقف علی اللہ زیادہ بہتر ہے یا وقف علی الاولاد؟ وقف علی اللہ کی کیا شکل ہے؟ رہنمائی فرمائیں، میرے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) وقف علی الاولاد بھی اگرچہ شریعت میں حسبِ شرائط جائز ہے؛ لیکن موجودہ زمانہ میں عام طور پر یہ دیکھا جارہا ہے کہ وقف علی الاولاد والی جائیدادیں یا تو مناسب دیکھ ریکھ نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوجاتی ہیں یا پھر کوئی ایک وارث اُن پر قابض ہوکر دیگر مستحقین کو محروم کردیتا ہے۔ نیز مستحقین کی تعداد کثیر ہونے کی وجہ سے نہ اُس سے

کسی کے لئے فائدہ اٹھانا ممکن رہتا ہے اور نہ ہی اسے فروخت کیا جاسکتا ہے، اِس لئے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ وارثین کا جوحق بنتا ہو وہ اُن کو دے کر اُنہیں مالک وقابض بنادیا جائے، اور کوئی جائیداد اگر وقف کرنی ہو تو اُس کو وقف علی الاولاد کے بجائے وقف علی اللہ کردیا جائے، مثلاً مسجد یا مدرسہ بنادیا جائے اور اُس کی تولیت کے بارے میں مناسب انداز میں وصیت کردی جائے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه قال: أصاب عمر أرضًا بخيبر فأتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يا رسول اللّٰه! إني أصبت أرضًا بخيبر لم أصب مالاً قط هو أنفس عندي منه، فما تأمرني به؟ قال: إن شئت حبست أصلها، وتصدقت بها، قال: فتصدق بها عمر أنه لا يباع أصلها ولا يبتاع ولا يورث، ولا يوهب. قال: فتصدق عمر في الفقراء وفي القربىٰ وفي الرقاب وفي سبيل اللّٰه وابن السبيل والضيف، لا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف، أو يطعم صديقًا غير متمول فيه. (صحيح مسلم مع تكملة فتح الملهم، كتاب الوقف / وقف عمر أرض خيبر ١٢١/٢ رقم: ٤١٠١ مكتبة دار العلوم كراچی)

قال العبد الضعيف عفا اللّٰه عنه: الظاهر من القول المفتي به عند الحنفية أن الوقف لا يكون ملكًا للموقوف عليهم، وإنما يكون ملكًا للّٰه تعالىٰ، ينتفع به الموقوف عليهم، ويصير الوقف كالشخص المعنوي في الاصطلاح القانوني العصري، فيبيع، ويشتري، ويملك، ويقرض، ويستقرض بواسطة وَاليه، ولهذا قد صرح الفقهاء بأن ما اشتراه المتولي من غلة الوقف لم يصر وقفًا في الأصح وإنما كان ملكًا للوقف. (تكملة فتح الملهم، باب الوقف / هل الوقف يكون ملكًا للموقوف عليه؟ ١٢٥/٢ مكتبة دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۶/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَولاد کے درمیان برابری؟

سوال (۲۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا نام جلیل خاں ہے، میرے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، تین لڑکیوں کی شادی کے فرائض میں سبک دوش ہو چکا ہوں، دو بیٹیاں کی اَبھی شادی نہیں کی ہے، بیٹوں میں دولڑکوں کی شادی کرچکا ہوں اور ایک لڑکا شادی سے ابھی باقی ہے، میری جائیداد میں میرے پاس ایک مکان ہے اور ایک دوکان جو کرائے کی ہے، دوکان پر منجھلا بیٹا ۱۸؍ برس سے بیٹھ رہا ہے، میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو بیٹا دوکان لے گا وہ گھر سے ناحق رہے گا اور جو دولڑکے گھر میں رہیں گے وہ ہمارا خرچ اور دونوں لڑکیوں کی شادی کا پورا پورا خرچ کریں گے، منجھلا بیٹا جو دوکان پر ہے وہ کہتا ہے کہ دوکان پر ۵۰-۵۰ ہزار روپئے تینوں آدمی لگاؤ اور تینوں ہی بیٹھیں گے، دوکان بہت چھوٹی ہے اُس میں تین کیا دو کا بھی گذارہ نہیں ہوسکتا اور گھر میں سے بھی مجھے حصہ دو میرا جو فیصلہ ہے وہ قطعی طور پر نہیں مان رہا ہے، دین کے حساب سے مجھے کیا فیصلہ کرنا چاہئے، منجھلا بیٹا کہتا ہے کہ اگر گھر میں حصہ نہیں دے رہے تو آٹھ لاکھ روپئے دو اور دوکان قطعی طور پر مجھے دو، میری رہنمائی فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنا مال اور جائیداد زندگی میں تقسیم کرنا ہو تو بہتر یہ ہے کہ سب لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر برابر دیا جائے، اور حسبِ تحریر سوال چوں کہ آپ کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، تو اُن کی تعداد کے اعتبار سے کل مال آٹھ حصوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کو ایک حصہ دے کر قابض و مالک بنا دیا جائے اور اِسی طرح کی تقسیم نفع اُٹھانے کے اعتبار سے آپ کی قبضہ میں کرایہ والی دوکان کبھی ہونی چاہئے۔ بریں بنا آپ کا یہ فیصلہ کر لینا کہ جو لڑکا دوکان لے گا وہ مکان سے ناحق رہے گا اور جن لڑکوں کو مکان ملے گا، وہ دونوں لڑکیوں کی شادی کا پورا خرچ اُٹھائیں گے، یہ فیصلہ انصاف کے خلاف ہے، بہرحال تقسیم اِس طرح ہونی چاہئے کہ کسی بھی بیٹے اور بیٹی کو کوئی اشکال واعتراض نہ ہو، اِس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ کے چھوٹے بیٹے کا یہ مطالبہ کرنا کہ

اگر گھر کا حصہ نہیں دے رہے ہیں تو آٹھ لاکھ روپئے دو اور مزید دو کان مجھے دو، یہ بھی درست نہیں۔

عن النعمان بن بشير رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألك بنون سواه؟ قال: نعم، قال: فكلهم أعطيت مثل هٰذا، قال: لا، قال: فلا أشهد على جور. (صحيح مسلم ٢/٣٧ رقم: ٦٢٣)

قال العبد الضعيف عفا الله عنه: قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور في التسوية بين الذكر والأنثىٰ في حالة الحياة أقوىٰ وأرجح من حيث الدليل ولكن ربما يخطر بالبال أن هٰذا فيما قصد فيه الأب العطية والصلة، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته؛ لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبة، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال بما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث. (تكملة فتح الملهم ٢/٧٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۷/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہبہ مشاع؟

سوال (۲۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے دادا کی چاراً ولادیں ہیں ۳ لڑکے، ایک لڑکی، زید کے والد سب سے بڑے تھے، زید کے دادا نے زید کے والد کو بعض جائیدادیں دی تھیں، اِسی طرح اپنے دو دوسرے بیٹوں (زید کے چچاؤں) کو بعض جائیدادیں دی تھیں؛ لیکن جو جائیدادیں زید کے چچاؤں کو دیں وہ دونوں میں مشترک تھیں، ہبہ مشاع کے طور پر دی گئی تھیں، زید کے والد کا انتقال ہوا تو اُن کے ترکہ (جائیداد وغیرہ) کی تقسیم اُن کے ورثہ میں کردی گئی، زید کے دونوں چچا ابھی حیات ہیں، اور دونوں لا ولد ہیں، بعض جائیدادیں اُنہوں نے فروخت کردی ہیں، اور بعض ابھی اُن کے پاس ہیں، چوں کہ زید کے دادا کا انتقال بھی زید کے والد سے پہلے ہو چکا ہے۔

اَب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا زید کے چچا ان جائیدادوں کے بلاشرکت غیر مالک ہیں، اگر ہیں تو ٹھیک ہے، اگر نہیں ہیں؛ بلکہ اس میں زید کے دادا کے دوسرے ورثہ کا بھی حصہ ہے تو کیا صورت ہو کہ دوسرے ورثہ اپنے حصے سے دست بردار ہوسکیں؛ کیوں کہ ہم لوگ اپنا حصہ لینا نہیں چاہتے؛ تاکہ قطع رحمی نہ ہو، اور زید کے چچا ابھی اِس مسئلہ سے واقف بھی نہیں ہیں، نیز جو جائیدادیں اُنہوں نے فروخت کردی ہیں، کیا وہ بیع درست ہوگئی؟ اگر نہیں تو کیا صورت ہو کہ اس سے حاصل شدہ مال زید کے چچاؤں کے لئے حلال ہوسکے؟ براہِ کرم باحوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں اگر زید کے دادا نے اپنے مذکورہ بیٹوں کو بعض جائیدادیں ہبہ مشاع کے طور پر دے کر اُن کے نام رجسٹری کرادی ہے اور وہ اُن جگہوں پر زید کے دادا کی زندگی میں ہی قابض ودخیل بن چکے ہیں، تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق یہ ہبہ مشاع اُن کے حق میں درست ہوچکا ہے، اِس میں زید کے دادا کے دیگر وارثین کا کوئی حق نہیں ہے، یہ صرف زید کے دونوں چچاؤں کی ذاتی ملکیت ہے، اور اُنہوں نے جو جائیدادیں فروخت کردی ہیں، اُن کی بیع بھی درست ہوچکی ہے، اور اگر صورت واقعہ اِس کے برخلاف ہو تو دوبارہ تفصیلی تحریر ارسال کی جائے۔

تنعقد بالإيجاب والقبول وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات والتبرع لا يتم إلا بالقبض. (شرح المجلة ١/٤٦٢ رقم المادة: ٨٣٧)

وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم (الدر المختار مع الشامي / كتاب الهبة ٨/٤٩٠ زكريا، ٥/٦٨٨ كراچی)

وأما الشيوع من طرف الموهوب له فمانع من جواز الهبة عند أبي حنيفة خلافًا لهما. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الهبة / الباب الثاني فيما يجوز في الهبة وما لا يجوز ٤/٣٧٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والد کے کاروبار میں معاون بن کر کام کرنے والی اَولاد کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں یا نہیں؟

سوال (۲۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الحمدللہ ہمارے والدین حیات ہیں، ہم چار بھائی اور ایک بہن ہے، ہمارے والد صاحب کا قصبہ ہنگولی میں ایک کھیت تھا، جسے بڑے دو بھائیوں نے زبردستی بیچ کر شہر اورنگ آباد میں ایک 20x30 کا مکان خریدا تھا، ۱۹۹۸ء میں اس وقت اُس کی قیمت تین لاکھ ۲۵ / ہزار روپئے تھی، بقول اُن دونوں بھائیوں کے، اور اِس کے علاوہ قصبہ ہنگولی میں والد صاحب اور ہم تین بھائی سوائے دوسرے نمبر کے بھائی کے ہم لوگ سالانہ ٹھیکے پر ایک مارواڑی کی کھیتی کیا کرتے تھے، جس میں ترکاری وغیرہ اُگائی جاتی تھی، خصوصاً پھول گوبی زیادہ تر، سب لوگ اجتماعی طور پر اپنی اپنی ذمہ داریوں کے حساب سے کام کرتے تھے، الحمدللہ سب کچھ اچھا چل رہا تھا، ہمارے والد صاحب کھیت میں کام کے اَوقات کے علاوہ گوبی کا پتہ (جسے بکریاں کھاتی ہیں) اور گھاس نکال کر بیچتے تھے، والد صاحب یہ پیسے حج کی نیت سے جمع کررکھے تھے، جس کی وجہ سے والد صاحب اور بڑے بھائی صاحب میں اکثر بحث ہوا کرتی تھی، پھر بھی والد صاحب نے بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے بڑے بھائی صاحب کے ہاتھ میں پورا کاروبار دے دیا تھا؛ اِس لئے کہ والد صاحب پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، پھر والد صاحب نے قصبہ ہنگولی میں جس گھر میں ہم رہ رہے تھے ناکافی ہونے کی وجہ سے دوسرا گھر خریدا، اُن گھاس کے پیسوں سے ۱۹۹۴-۱۹۹۵ء میں گھر خریدنے کے بعد والد صاحب نے ہی کھیت کے پڑوس میں اینٹوں کی بھٹی والوں سے چارے کے عوض گھر تعمیر کے لئے ہزاروں اینٹیں خریدی، پھر الحمدللہ اجتماعی طور پر گھر کی تعمیر ۱۹۹۷ء میں مکمل ہوئی، اور سب لوگ نئے گھر میں رہنے لگے۔ واضح ہو کہ دوسرے نمبر کے بھائی صاحب نے ہنگولی میں گھر کی تعمیر کے لئے ایک روپیہ بھی نہیں دیا، بقول بڑے بھائی صاحب کے، اَب والد صاحب نے تقسیم کا ذکر بڑے دو بھائیوں سے کیا، تو دونوں بھائی حساب بتانے لگے۔

نمبرایک بھائی صاحب کا کہنا ہے کہ قصبہ ہنکو لی کا گھر میری کمائی سے بنا ہے اور آخری دو چھوٹے بھائیوں نے کچھ بھی کما کر نہیں دیا۔ اور میں نے والدین کی بیماری کے لئے ایک لاکھ روپئے سے زیادہ خرچ کیا ہے اور دونوں چھوٹے بھائیوں کی شادیاں بھی کی ہیں؛ اِس لئے قصبہ ہنکو لی کا گھر پورا میرا ہے، کسی کا کوئی حصہ نہیں۔

مفتی صاحب ہم دو چھوٹے بھائی ضرور کمانے کے قابل نہ تھے؛ لیکن والد صاحب اور ہم سب مل کر کھیت میں کام کیا کرتے تھے اور پورا حساب بڑے بھائی صاحب کے پاس ہوتا تھا؛ اِس لئے وہ پورا حق اپنا ہی سمجھ رہے ہیں۔

اِس کے بعد دوسرے نمبر کے بھائی صاحب کا کہنا ہے کہ اورنگ آباد کے گھر میں میں نے ۸۰/ ہزار روپئے دئے تھے، اور اُن کا کہنا ہے کہ میں نے والدین کو ۲/ لاکھ ۵۰/ ہزار روپئے لگا کر حج کروایا ہے؛ اِس لئے دوسرے نمبر کے بھائی صاحب اورنگ آباد کے گھر پر قبضہ کرکے بیٹھ گئے۔

واضح ہو کہ دوسرے نمبر کے بھائی صاحب نے ملت ندوہ سے فراغت کے بعد علومِ عصریہ بھی پاس کیا ہے اور ۱۹۹۰ء سے سرکاری نوکری پر معمور ہے، یہ مولوی صاحب مہمانوں کی دعوت کا خرچ بھی والد صاحب کو بتاتے ہیں اور والد صاحب سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی قابلیت پر تعلیم حاصل کی، آپ کا اُس میں کچھ بھی تعاون نہیں ہے، اِس وجہ سے والد صاحب اُن سے سخت ناراض ہیں۔

نوٹ:- یہ مولوی صاحب کی کارگذاری اِس لئے بیان کرنا ہے کہ یہ بندہ علومِ دینیہ سے اچھی طرح واقف ہے؛ اِس لئے والد صاحب کو اُن سے صحیح انصاف کی اُمید تھی؛ لیکن تدبیر اُلٹی ہوگئی؛ اِس لئے یہ کٹھن مسئلہ کا حل آپ اہل علم حضرات کے گوشہ گذار ہے۔

بندہ ناچیز بڑے ہی عاجزی کے ساتھ درخواست کرتا ہے کہ قرآن اور سنت کی روشنی میں اِس مسئلہ کا حل اور شریعت کے رو سے تقسیم کس طرح ہو بتائیں عین نوازش ہوگی، شکریہ۔

نوٹ:- یہ تحریر میرے والدین کے حکم سے لکھی گئی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً آپ کے دو بڑے بھائیوں نے والد صاحب کا کھیت بیچ کر اورنگ آباد میں ایک مکان خریدا تھا، تو شرعاً یہ مکان والد صاحب کی ملکیت میں سمجھا جائے گا، اِسی طرح والد صاحب کی سرپرستی میں جو کھیتی باڑی کا کام ہوتا رہا، اُس کی سب آمدنی کے مالک اَصلاً والد صاحب ہی ہیں اور سب بچے اُن کے معاون ہیں، اس کاروبار کی آمدنی سے جو کچھ بھی جائیداد وغیرہ خریدی گئی وہ سب بھی والد صاحب کی ملکیت ہوگی اور دو بڑے بھائیوں کا بعض جائیدادوں پر قبضہ کر کے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم نے والد صاحب پر بیماری میں یا حج کے موقع پر اپنی ذاتی رقم صرف کی ہے؛ کیوں کہ اگر یہ مذکورہ کھیتی کے کاروبار سے حاصل شدہ رقم ہے، تو یہ سب والد کی ملکیت ہے، جیسا کہ اوپر گذرا۔ اور اگر بالفرض بھائیوں نے کسی اور کاروبار سے رقم کمائی ہو تو بھی اُس کا والد صاحب پر خرچ کیا جانا جائیداد کے معاوضہ میں نہیں ہے؛ بلکہ تبرع کے طور پر ہے، جس کا اَجر وثواب آخرت میں ملنے کی اُمید ہے؛ لیکن اِس کی بنا پر دنیا میں والد صاحب سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ اور حسبِ تحریر سوال والد صاحب چوں کہ ابھی باحیات ہیں؛ اِس لئے اُن کے مال میں اِس وقت اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ والد صاحب کی مرضی پر ہے، وہ اگر چاہیں تو زندگی میں سب اَولاد کو برابر دے سکتے ہیں، کسی اَولاد کو من مانی کرتے ہوئے اُن کی ملکیت والی جائیدادوں پر قبضہ کرنا اور دیگر بھائیوں کو محروم کر دینا ہرگز جائز نہیں۔ اور والد صاحب کے انتقال کے بعد اُن کا سب ترکہ اُن کے وارثین میں حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم کیا جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۰۴ ڈابھیل)

الأب وابنـه يكتسبان في صنعةٍ واحدةٍ ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معيناً. (رد المحتار ۶/۵۰۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۸/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدین میں امام سے مصافحہ کر کے ہدیہ دینا؟

سوال (۲۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ عیدین میں نماز کے بعد صرف امام صاحب سے مصافحہ کرتے ہیں، اور امام صاحب کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں، اُس میں دور سے آنے اور قریب کے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، اس میں جو لوگ ہدیہ نہیں دیتے وہ لوگ مصافحہ بھی نہیں کرتے ہیں، تو یہ مصافحہ جو ہدیہ دینے کی غرض سے ہوتا ہے، وہ بھی بدعت میں شامل ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصافحہ فی نفسہٖ مسنون ومستحب ہے، مگر کسی وقت کو خاص کر کے یا کسی غرض کے لئے مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہے؛ کیوں کہ مصافحہ کی مشروعیت اول ملاقات کے وقت ہے، اور ہدیہ دینا ہے تو بغیر مصافحہ کے بھی دیا جاسکتا ہے، اس کے لئے مصافحہ ضروری نہیں۔

إن عمل الناس في الوقتين المذكورين ليس على وجه الاستحباب المشروع؛ فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هٰذا من السنة المشروعية؟ ولهٰذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذ، وأنها من البدعة المذمومة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، الآداب / باب المصافحة والمعانقة ٤٩٤/٨ دار الكتب العلمية بيروت)

أي ثابتة موجودة فيهم حال ملاقاتهم بعد السلام زيادة للمودة والإكرام. ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة؛ ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة أصل لها في الشرع، وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع

المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في أدبار الصلوات.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٥٤٧/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۲/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم کا تحفہ؟

سوال (۲۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غیر مسلم کا تحفہ قبول کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر تحفہ کھانے پینے کی چیز ہے تو کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو غیر مسلم کا تحفہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی پیش کردہ کھانے پینے کی چیزوں میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ بتوں پر چڑھاوے کی ہوں یا اُن کے ناپاک یا حرام ہونے کا شبہ ہو تو ایسی چیزیں قبول نہیں کی جائیں گی، اور جہاں ایسا شبہ نہ ہو تو اُن کے قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه لما فتحت خيبر أهديت لرسول الله صلى الله عليه وسلم شاة فيهما سمّ. (صحيح البخاري ٦١٠/٢ رقم: ٤٠٨٨)

قال الحافظ ابن حجرؒ: وقد اشتملت قصة خيبر على أحكام كثيرة: منها: الأكل من طعام أهل الكتاب وقبول هديتهم. (فتح الباري ٦٣٤/٧)

النذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا يكون للمخلوق. (شامي ٤٢٧/٣ زكريا، البحر الرائق ٢٨٨/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنی نیکیاں دوسرے کو دینا؟

سوال (۲۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید وعمر میں گہری دوستی ہے، اگر زید تحفہ میں اپنی ساری نیکیاں عمر کو دے دے، تو کیا عمر کو ساری نیکی مل جائیں گی، کیا ایسا کرنے سے دوسرے کو نیکیاں دے اور لے سکتے ہیں؟ اگر اِس میں شرعی گنجائش ہے، تو کیا دوسرے کو دینے کے باوجود دینے والا ثواب کا مستحق ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفلی نیکیاں دوسرے شخص کو دینا بلا اختلاف حنفیہ کے نزدیک درست ہے، اور امید ہے کہ دینے والے کے اَجر میں بھی کمی نہیں آئے گی؛ البتہ فرائض وواجبات دوسرے کو دینے میں اختلاف ہے۔

وفي البحر: من صام أو صلّٰی أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة، كذا في البدائع. ثم قال: وبهٰذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتًا أو حيًا الخ. (شامي، الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له ۳۴۳/۲ کراچی، ۱۵۲/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/۱۰/۱۴۱۳ھ

ہبہ سے متعلق بعض مسائل

نوٹ:- اسلامک فقہی اکیڈمی کے ۲۳/ویں فقہی سیمینار کے موقع پر منعقدہ جامعہ اسلامیہ جمبوسر گجرات میں ''ہبہ سے متعلق بعض مسائل'' کے موضوع پر حضرت الاستاذ نے درج ذیل مقالہ تحریر فرمایا تھا، جو قارئین کے اِفادہ کے لئے درج ذیل ہے۔ (مرتب)

سوال (۲۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چوں کہ لوگ عام طور پر احکام شرعیہ سے واقف نہیں ہوتے؛ اس لئے بعض اختیارات کو

استعمال کرنے کے لئے طریقۂ کار کی جو تفصیلات ہیں، وہ ان کو روبہ عمل نہیں لا پاتے ہیں، ان ہی میں سے ایک ہبہ کا مسئلہ ہے، حنفیہ کے نزدیک ہبہ کے درست ہونے کے لئے اس کا مقسوم ہونا ضروری ہے، ہبہ مشاع درست نہیں ہے؛ جب کہ بعض اوقات ماں باپ اپنے بعض بچوں کو تقسیم کئے بغیر کوئی جائیداد ہبہ کر دیتے ہیں، یہ بات دوسرے ورثاء کے علم میں بھی ہوتی ہے اور ہبہ کردہ شئے کی تقسیم کے سلسلہ میں موہوب لہم کے درمیان کوئی نزاع بھی نہیں ہوتی، اس پس منظر میں چند اُمور دریافت طلب ہیں:

(۱) ہبہ کے درست ہونے کے سلسلہ میں شئے موہوب کے مقسوم ہونے سے متعلق فقہاء کے مذاہب اور ان کے دلائل نیز ان کی آراء کی مصلحتیں کیا ہیں؟

(۲) مشاع نہ ہونے کی شرط کیا ایسی چیزوں کے لئے ہے، جن میں مختلف حصوں کی حیثیت واہمیت میں فرق ہو، جیسے زمین کا کچھ حصہ سڑک کے کنارہ اور کچھ حصہ دوسری جانب ہو، یا اس صورت میں بھی ہے کہ پوری شئے موہوب مساوی حیثیت کی حامل ہو؟

(۳) اگر ہبۂ مشاع کیا گیا؛ لیکن اس پر تقسیم اور قبضہ کے سلسلہ میں موہوب لہ کے درمیان کوئی نزاع نہیں ہے تو اس صورت میں بھی ہبہ درست نہیں ہوگا؟

(۴) ہبہ کے لئے قبضہ کی شرط کے سلسلہ میں فقہاء کے نقاط نظر اور ان کے دلائل کیا ہیں؟ اور ہبہ میں قبضہ کی کیا حیثیت ہے؟

(۵) اگر ہبہ کرتے وقت موہوب لہ نابالغ تھا اور واہب خود اس کا گارجین تھا تو کیا واہب کا موجودہ قبضہ ہی ہبہ کے مکمل ہونے کے لئے کافی ہوگا اور اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے اپنے قبضہ ہی میں رکھا تو ہبہ کے وقت بحیثیت گارجین اس کا سابق قبضہ کافی سمجھا جائے گا؟ یا بالغ ہونے کے بعد شئے موہوب اس کے قبضہ میں دینے کے بعد ہی ہبہ تام ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق (۱):- جو جائیداد قابل تقسیم ہو، اس میں ہبہ کے صحیح ہونے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حصہ موہوبہ کا متعین اور مقسوم ہونا شرط ہے؛ اس لئے کہ اس

کے بغیر حقیقی قبضہ متحقق نہیں ہو پائے گا؛ کیوں کہ جب تک مقسوم و متعین نہ ہو، تو اس میں دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوسکتا، مثلاً اس حصہ کو گھیر کر تعمیر نہیں کرسکتا وغیرہ۔

اس کے برخلاف حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس طرح کی جائیداد میں تقسیم و تعیین سے قبل بھی ہبہ صحیح اور نافذ ہو جاتا ہے، ان کے نزدیک قبضہ کی تکمیل کے لئے تعیین ضروری نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

اس بارے میں ائمہ ثلاثہ کا استدلال درج ذیل احادیث وآثار پر ہے۔

(۱) آیت: ﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ میں نصف مفروض واجب کیا گیا ہے؛ لہٰذا اس سے ہبہ مشاع کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

واستدل الشافعي رحمه اللّٰه بظاهر قوله عزوجل: ﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَعْفُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۳۷] أوجب سبحانه وتعالىٰ نصف المفروض – إلى قوله – فيدل على جواز هبة المشاع في الجملة. (بدائع الصنائع ۵/۱۷۰)

(۲) مالِ غنیمت میں تقسیم سے قبل ہبہ حدیث سے ثابت ہے، اس سے بھی ہبہ مشاع کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔

وبما روي أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لما شدّد في الغلول – إلى قوله – أما نصيبي فهو لک وسأسلمک الباقي (مسند أحمد ۲/۱۸۴)

(۳) حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اور دو حضرات نے اپنا حصہ تقسیم سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا، اور آپ نے اسے قبول بھی فرمالیا، اس سے بھی ہبہ مشاع کی صحت کی دلیل ملتی ہے۔

وروي أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نزل على أيوب الأنصاري – إلى قوله – فوهب اسعدؓ نصيبه من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فوهبا أيضاً نصيبهما من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقد قبل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم

الهبة في نصيب أسعدؒ وقبل في نصيب الرجلين أيضاً ولو لم يكن جائزاً لما قبل.

(بدائع الصنائع ١٧٠/٥ زكريا، مسبوط سرخسي ٦١/١٢)

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

اور اس بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صحابہ کی موجودگی میں صاف طور پر ہبہ کی صحت کے لئے اس کے مقسوم و متعین ہونے کو شرط قرار دیا ہے، جو اجماع کی دلیل ہے۔

ولنا إجماع الصحابة رضي اللّٰه عنهم فإنه روي أن سيدنا علي رضي اللّٰه عنه أنه قال: "من وهب ثلث كذا أو ربع كذا لا يجوز مالم يقاسم" وكل ذٰلک بمحضر من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولم ينقل أنه أنكر عليهم منكر فيكون أجماعاً. (بدائع الصنائع ١٧١/٥ زكريا)

(۲) امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے کھجور کے باغ کے چند درخت غیر متعین طور پر ہبہ فرمائے تھے؛ لیکن آپ نے ان پر قبضہ نہیں کیا؛ تا آں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الوفات میں مبتلا ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ مال سب وارثوں کا ہے۔

روي أن سيدنا أبابكر رضي اللّٰه عنهم قال في مرض موته لسيدتا عائشة رضي اللّٰه عنها: "إن أحب الناس إلي غنىً أنتِ وأعزهم علي فقراً أنت، وإني كنت نحلتکِ جداد عشرين وسقاً من مالي بالعالية وإنک لم تكوني قبضته ولا جَذّيتِيه، وإنما هو اليوم مال الوارث. (أخرجه مالك في المؤطأ، في القضاء باب مالا يجوز من النحل، بدائع الصنائع ١٧١/٥ زكريا)

(۳) امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا فتویٰ دیا ہے کہ ہبہ مشاع معتبر نہیں ہے۔

عن عمر رضي الله عنه قال: ما بال أحدكم ينحل ولده نحلاً لا يحوزها ولا يقسمُها ويقول: إن متُّ فهوله، وإن مات رجعتُ إلي وأيم الله لا ينحل أحدكم ولده نحلاً لا يحوزها ولا يقسمها، فيموت إلا جعلتها ميراثاً لورثته.

(المنصف لابن أبي شيبة ۵۲۰/۱۰ رقم: ۳۸۹۵، بدائع الصنائع ۱۷۱/۵)

علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

واعتمادنا في المسئلة على إجماع الخلفاء الراشدين: فقد روينا في أول الكتاب شرط القسمة عن أبي بكر وعمر وعثمان وعلي رضي الله عنهم من وهب ثلث كذا أو ربع كذا لا تجوز حتى يقاسم والمعنى فيه أن شرط القبض منصوص عليه في الهبة فيراعي وجوده على أكمل الجهات التي تمكن. (المبسوط للسرخسي ۶۵/۱۲)

وفي الجملة: وإن الخلفاء الراشدين وغيرهم اتفقوا على أن الهبة لا تجوز إلا مقبوضة محوزة. (الفقه الإسلامي وأدلته ۶۹۱/٤)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

حنفیہ کی طرف سے شافعیہ کے دلائل کے درج ذیل جوابات دئے جاسکتے ہیں:

(۱) آیت: ﴿فنصف ما فرضتم﴾ سے عین نہیں؛ بلکہ دین مراد ہے، اور دین کا اسقاط مشاع میں بالاتفاق جائز ہے۔

وأما الآية فلا حجة له فيها؛ لأن المراد من المفروض الدين لا العين، ألا ترىٰ أنه قال: إلا أن يعفون، والعفو إسقاط، وإسقاط الأعيان لايعقل، وكذا الغالب في المهر أن يكون ديناً وهبة الدين لمن عليه الدين جائز؛ لأنه إسقاط الدين عنه وإنه جائز في المشاع. (بدائع الصنائع ۱۷۲/۵ زكريا)

(۲) اور مالِ غنیمت میں سے جو حصہ دینے کا حدیث میں ذکر ہے اس سے ایک حصہ دینا

مراد نہیں؛ بلکہ سب حصہ داروں سے لے کر ہبہ کرنا مقصود ہے؛ کیوں کہ اسی حدیث میں آپ نے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ ابھی میرا حصہ لے لو اور بقیہ میں تمہیں دلواؤں گا، اور ایسا کرنا ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔

وأما حديث الكبة فيحتمل أن النبي صلى الله عليه وسلم وهب نصيبه منه واستوهب البقية من أصحاب الحقوق: فوهبوا وسلموا الكل جملة، وفي الحديث: ما يدل عليه فإنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ''وسأسلمک الباقي'' وما كان هو عليه الصلاة والسلام ليخلف في وعده وهبة المشاع على هٰذا السبيل جائز عندنا على أن ذٰلک كان هبة مشاعٍ لا ينقسم من حيث المعنى، لأن كبة واحدة لو قسمت على الجم الغفير لا يصيب كلا منهم إلا نزر حقير لا ينتفع به فكان في معنى مشاعٍ لا ينقسم. (بدائع الصنائع ۱۷۲/۵)

(۳) اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں بھی یہی احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ سب حصوں کو جمع کر کے حضور کو پیش کیا گیا ہو اور ایسی صورت میں انجام کے اعتبار سے ہبہ مشاع نہیں رہتا۔

وأما حديث أسعد بن زرارة فحكاية حالٍ يحتمل أنه وهب نصيبه وشريكاه وهبا نصيبهما منه وسلموا الكل جملة، وهٰذا جائز عندنا ويحتمل أن الأنصباء كانت مقسومة مفرزة ويجوز أن يقال في مثل هٰذا بينهم إذا كانت الجملة متصلة بعضها ببعض كقرية بين جماعة أنها تضاف إليهم، وإن كانت أنصباؤهم مقسومة واحتمل بخلافه، فلا يكون حجة مع الاحتمال؛ لأن حكاية الحال لا عموم له. (بدائع الصنائع ۱۷۲/۵ زکریا)

جواب (۲):- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہبہ مشاع ناجائز ہونے کی دو علتیں ہیں:

(۱) مشاع ہونے کی وجہ سے قبضہ کا تام نہ ہونا:- اور یہ علت ہر طرح کی شیٔ

مشاع میں پائی جاتی ہے، چاہے ان کی حیثیتوں میں یکسانیت ہو یا فرق۔

(۲) مفضی الی النزاع ہونا:- یہ علت صرف ان موہوب چیزوں میں پائی جائے گی جن کے مختلف حصوں میں حیثیت واہمیت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، اور جہاں سب حصے مساوی ہوں ان میں یہ علت ممانعت نہیں پائی جاتی۔

ولأن القبض شرط جواز هٰذا العقد والشيوع يمنع من القبض؛ لأن معنى القبض هو التمكن من التصرف في المقبوض والتصرف في النصف الشائع وحده لا يتصور؛ فإن سكنى نصف الدار شائعاً وليس نصف الثوب شائعاً محال ولا يتمكن من التصرف فيه بالتصرف في الكل؛ لأن العقد لم يتناول الكل. (بدائع الصنائع ۱۷۱/۵ زکریا)

إن أبا حنيفةؒ يعتبر الشيوع عند القبض مانعاً من صحة الهبة. (بدائع الصنائع ۱۷۳/۵ زكريا، الفقه الإسلامي وأدلته ٦٨٧/٤)

وإذا وهب الرجل للرجل نصيباً مسمى من دارٍ غير مقسومة وسلمه إليه مشاعاً أو سلَّم إليه جميع الدار لم يجز يعني لا يقع الملك للموهوب له بالقبض قبل القسمة عندنا. (المبسوط للسرخسي ٦٤/١٢)

جواب (۳):- یہاں دو صورتیں پائی جاتی ہیں، اگر واہب باحیات ہے اور اس نے چند افراد کو ہبہ مشاع کیا اور پھر ان موہوب لہ افراد نے باہمی رضامندی سے واہب کی زندگی ہی میں اپنے اپنے حصے متعین کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور واہب نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی، تو یہ ہبہ انجام کار درست ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہ دراصل مشاع رہا ہی نہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ واہب نے موہوب لہ کو ہبہ مشاع کیا تھا؛ لیکن اس کی زندگی میں موہوب لہم نے آپس میں حصے تقسیم کر کے ان پر قبضہ نہیں کیا، اسی دوران واہب کا انتقال ہو گیا تو اب گو کہ موہوب لہم میں نزاع نہ بھی ہو، پھر بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہبہ تام نہ ہوگا؛ کیوں کہ مشاع ہونا تکمیل قبضہ سے مانع ہے۔

فإن قسّمه أي الواهب بنفسه أو نائبه أو أمر الموهوب له بأن يقسم مع شريكه كل ذٰلک يتمُّ به الهبة كما هو ظاهر لمن عنده أدنى فقهٍ(شامی ۴۹۵/۸ زکریا)

ولو وهب نصف الدار من رجل ثم قسَّم وسلَّم جاز . (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۲۵/۱۴ قم: ۲۱۵۸ زکريا)

إن أبا حنيفة يعتبر الشيوع عند القبض مانعاً من صحة الهبة. (الفقه الإسلامي وأدلته ۶۸۷/۴، بدائع الصنائع ۱۷۳/۵ زکريا)

روي أن سيدنا أبا بكر رضي الله عنه قال في مرض موته لسيدتنا عائشة رضي الله عنها: إن أحب الناس إلي غنىً أنت وأعزهم علي فقراً أنت، وإني كنت نحلتکِ جداد عشرين وسقاً من مالي بالعالية وإنک لم تکوني قبضتيه و لا جَذَّيتِيهِ وإنما هو اليوم مال الوارث. (أخرجه الإمام مالك في المؤطأ في القضاء في باب: "مالا يجز من النحل"، بدائع الصنائع ۱۷۱/۵ زکريا)

جــــواب (۴):- ہبہ میں قبضہ کے شرط ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں علماء کی آراء درج ذیل ہیں:

(۱) جمہور علماء کے نزدیک ہبہ کی صحت کے لئے قبضہ شرط ہے۔

(۲) امام مالکؒ کے نزدیک قبضہ شرط نہیں ہے، اور قبضہ کے بغیر بھی موہوب لہ کی ملکیت آجاتی ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عقد تملیک ہے؛ لہٰذا جس طرح وصیت میں قبضہ کے بغیر ملکیت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اسی طرح ہبہ میں بھی ملکیت منتقل ہوجائے گی، جب کہ جمہورؒ فرماتے ہیں کہ ہبہ میں قبضہ کی شرط پر صحابہؓ کا اجماع ہے؛ لہٰذا اسی رائے کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

الأول: في بيان أصل القبض أنه شرط أم لا؟ فقد اختلف فيه، قال عامة العلماء: شرط، والموهوب قبل القبض في ذٰلک الواهب، يتصرف فيه كيف شاء، وقال مالکؒ: ليس بشرط ويملكه الموهوب له من غير قبض(بدائع الصنائع ۱۷۵/۵ زکريا)

وجه قول الإمام مالک: أن هٰذا عقد تبرع بتملیک العین؛ فیفید الملک قبل القبض کالوصیة، ولنا إجماع الصحابة وهو ما روینا أن سیدنا أبابکر وسیدنا عمر رضي اللّٰه عنهما اعتبرا القسمة والقبض لجواز النحلي بحضرة الصحابة ولم ینقل أنه أنکر علیهما منکر فیکون إجماعاً. (بدائع الصنائع ۵/۱۷۶ زکریا)

وروي عن سیدنا أبي بکر وعمر وعثمان وعلي وابن عباس رضي اللّٰه عنهم أنهم قالوا: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة محوزة ولم یرد عن غیرهم خلافه ولأنها عقد تبرع، فلو صحت بدون القبض لثبت للموهوب له ولایة مطالبة الواهب بالتسلیم فتصیر عقد ضمان وهٰذا تغییر المشروع.(بدائع الصنائع ۵/۱۷۶ زکریا)

جواب(۵):- اگر نابالغ کو شئ موہوب مقسوم ہبہ کی ہے، جس میں اور کوئی شریک نہیں، تو نابالغ کی طرف سے ولی کا قبضہ معتبر ہوگا، اور اگر مشاع کے طور پر ہبہ کیا ہے تو اس وقت تک ہبہ تام نہیں ہوسکتا جب تک کہ شئ موہوب کو متعین اور مشخص نہ کردیا جائے۔

عن سعید رضي اللّٰه عنه قال: شکی ذٰلک إلی عثمان رضي اللّٰه عنه: أن الولد إذا کان صغیراً لا یحوز، فرأی أن أباه إذا وهب له وأشهد حاز. (المصنف لابن أبي شیبة ۱۰/۵۲۰، رقم: ۲۰۴۹۶)

حدثنا عبد اللّٰه بن المبارک عن معمر عن الزهري قال: تصدق رجل بمائة دینار علی ابنه وهما شریکان والمال في یدی إبنه قال: لایجوز حتی یحوزُها قضی أبوبکر وعمر رضي اللّٰه عنهما: أنه إن لم یحز فلا شیئ له. (المصنف لابن أبي شیبة ۱۰/۵۲۰ رقم: ۲۰۴۹۴)

إن وهب من له الولایة علی الطفل للطفل یتم بالعقد ولا یفتقر إلی القبض؛ لأنه هو الذي یقبض له فکان قبضه کقبضه وصار کمن وهب لاٰخر شیئاً وکان الموهوب في ید الموهوب له، فإنه لا یحتاج إلی قبض جدید. (تکملة شامی ۱۲/۵۹۹ زکریا، الدر المختار مع الشامي ۸/۴۹۹ زکریا)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما رجل نحل ابنه نحلاً، فبان به الابن فاحتاج الأب، فالإبن أحق به وإن لم يكن بان به الابن فاحتاج الأب فالأب أحق به. (المعجم الأوسط ۷۱/۳ رقم: ۳۸۹۵)

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق ہبہ مشاع میں قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت منتقل نہیں ہوتی، جب کہ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہبہ مشاع بھی نافذ ہوجاتا ہے، اس لئے اصل حکم تو یہی بتایا جائے گا کہ ہبہ مشاع فاسد ہے؛ لیکن اگر کوئی مفتی حالات کا جائزہ لے کر معاملہ کی نزاکت سمجھتے ہوئے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دے تو بظاہر اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين أو من جماعة عندهما صحيحة وعند أبي حنيفة فاسدة، وليست بباطلة حتى يفيد الملک عند القبض، وفي الغياثية هو المختار. (الفتاویٰ الهندية ۳۷۸/٤، الفتاویٰ التاتارخانية ٤٢٤/١٤ زكريا)

ولو وهب إنسان داراً من رجلين أو مداً من حنطة أو ألف درهم أو نحو ذٰلک مما يقسم فإنه لا يصح عند أبي حنيفةؒ وعند الصاحبين يصح (الفقه الإسلامي وأدلته ٦٨٧/٤، بدائع الصنائع ١٧٣/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۳/۱۸ھ

کتاب الوقف:

زبان سے وقف کرنے سے بھی وقف ہوجاتا ہے؟

سوال (۲۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۵/ اپریل ۱۹۹۴ء بروز جمعہ مزرعہ لال پور کاں تحصیل صدر ضلع رام پور یوپی کے لوگوں نے

مدرسہ صدیقیہ منہاج العلوم کے لئے اپنی قیمتی زمین (واقع لال پور کرنپور روڈ رام پور یوپی) زبانی طور پر وقف کردی تھی، جس کی موقع پر ہی حد بندی بھی کرادی تھی، آیا مذکورہ بالا زمین مدرسہ کے حق میں (دیانۃً وقضاء) وقف ہوگئی یا نہیں؟ اگر وقف ہوگئی ہے تو ''**الوقف لا یملک**'' کی روشنی میں بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبانی طور پر بھی وقف درست ہوجاتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر واقعی زمین وقف کی گئی ہے تو اُس کا وقف تام ہوگیا ہے، اَب اُس کی منتقلی اور خرید وفروخت درست نہیں رہی۔

ولو قال أرضي هٰذه صدقة موقوفة مؤبدة جاز عند عامة العلماء إلا أن حد شرط التسليم إلى المتولي واختاره جماعة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب في وقف المريض ٦/٥٣٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲؍۷؍۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حکومتِ اسلامیہ کے لئے زمین وقف کرنا؟

سوال (۲۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حکومتِ اسلامیہ پر وقف کرنا جائز ہے؟ کیا یہ وقف تام ہوجائے گا؟ حکومتِ اسلامی پر وقف کرنے سے مراد کسی مکان یا زمین یا دوکان کو حکومت ہی کے استعمال کے لئے دینا یا اُن کو حکومت کے اخراجات کے لئے وقف کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی حکومت کے استعمال کے لئے زمین وقف کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ پوری حکومت ایک اِدارے اور شخص حکمی کے مانند ہے؛ لہٰذا جس طرح کسی

مدرسہ یا مسجد یا قومی یا ملی تنظیم کے لئے وقف درست ہوجاتا ہے، اِسی طرح حکومتِ اسلامیہ کے لئے بھی وقف درست ہوجائے گا۔

وقف عقارًا علی مسجدٍ أو مدرسةٍ هيأ مكانًا لبنائها قبل أن يبنيها، اختلف المتأخرون، والصحيح الجواز، وتصرف غلتها إلى الفقراء إلى أن تبنى. (فتح القدير، كتاب الوقف / ويجوز وقف العقار الخ ۲۰۰/۶ زكريا، ۲۱/۵/۶-۲۱۶ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ریلیف کی پس ماندہ رقم کا استعمال؟

سوال (۲۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ارضِ حادثاتِ سماوی آفات اور فرقہ وارانہ فسادات کے مواقع پر انسانی ہمدردی رکھنے والی مختلف تنظیموں اور جماعتوں کی جانب سے متأثرین کو راحت اور ریلیف پہنچانے کی خدمت انجام دی جانے کی عوام سے اپیل کی جاتی ہے، اور خیر کا جذبہ رکھنے والے لوگ رقوم واشیاء خوردنی کی شکل میں تعاون کرتے ہیں، بعض اَوقات ضرورت مندوں میں تقسیم امداد کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے، جو اِس طرح کی اَشدضرورت کے لئے محفوظ رہتی ہے، اِس سلسلہ میں ایک غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا از روئے شریعت اس کی اجازت ہے کہ ریلیف کی پس ماندہ رقم میں سے کسی اور رفاہی، فلاحی، اجتماعی ضرورت کے لئے اس شرط پر قرض دیا جاسکتا ہے کہ آئندہ ریلیف کی ضرورت کے وقت لازماً قرض کی واپسی کا انتظام کیا جائے گا، اور اس کی واضح قرائن بھی موجود ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً کوشش کرنی چاہئے کہ ریلیف کی رقم ضرورت مندوں کو فی الفور تقسیم کی جائے؛ تاکہ بچا کر رکھنے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اگر بالفرض کسی طرح بچ بھی جائے تو اُسے ریلیف فنڈ میں محفوظ کر کے رکھنا ضروری ہے؛ تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے،

قرض دینے پر اس اِمدادی رقم کے ڈوب جانے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا اُسے کسی اِدارے یا شخص کو ہرگز قرض پر نہ دیا جائے۔

ویعطي بقدر الحاجة الذي في الزیلعي ھٰکذا: ویجب علی الإمام أن یبقی اللّٰہ تعالیٰ ویصرف إلی کل مستحق قدر حاجتہ من غیر زیادۃ؛ فإن تصرف ذٰلک کان اللّٰہ تعالیٰ علیہ حسیبًا. (الرد المحتار علی الدر المختار ١٦٦/٦ زکریا)

ویبدأ من غلتہ بعمارتہ، ثم ما ھو أقرب لعمارتہ، کإمام مسجد ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم. (الدر المختار / کتاب الوقف ٣٦٦/٤ دار الفکر بیروت، کذا في البحر الرائق / کتاب الوقف ٣٥٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حرمین شریفین پر وقف قرآنِ کریم کو دوسری جگہوں میں استعمال کرنا؟

سوال (۲۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل جو حجاج سفر حج وعمرہ کرتے ہیں وہ قرآنِ کریم خرید کر مسجد حرام یا مسجد نبوی کے لئے وقف کر دیتے ہیں، اور اِس طرح کے قرآن جب زیادہ تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں تو حرمین شریفین کی انتظامیہ حجاج کے درمیان تقسیم کر دیتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ حرمین پر وقف کردہ قرآنِ کریم کو اِس طرح تقسیم کرنا اور لینے والوں کا اس میں تلاوت کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرمین شریفین میں جو قرآنِ پاک خرید کر دئے جاتے ہیں وہ مطلقاً قرأت قرآنِ پاک کے لئے وقف ہیں، خواہ انہیں کہیں بھی پڑھا جائے اور شرعاً حرمین شریفین میں پڑھے جانے کے لئے خاص نہیں ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں قرآنِ کریم کی تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے حرمین شریفین کی انتظامیہ کا اُن مصاحف کو حجاج اور معتمرین میں تقسیم کرنا

فی نفسہٖ درست ہے، اور یہ حجاج اور معتمرین اُس میں تلاوت کر سکتے ہیں؛ لیکن چوں کہ یہ قرآنِ کریم وقف ہو چکے ہیں اِس لئے اُن کا فروخت کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ یا تو خود تلاوت کرے یا تلاوت کے لئے دوسرے کو دیدے۔

وقف مصحفًا على أهل مسجد للقراءة إن يحصون جاز، وإن وقف على المسجد جاز، ويقرأ فيه، ولا يكون محصورًا على هٰذا المسجد، وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها، والفقهاء بذٰلک مبتلون. فإن وقفها على مستحقي وقفه، لم يجز نقلها. (الدر المختار / كتاب الوقف ٤/٣٦٥ كراچی، وكذا في البحر الرائق / كتاب الوقف ٥/٣٣٨ زكريا، مجمع الأنهر ٢/٥٨١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۴/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متنازعہ زمین پر مدرسہ کا قیام؟

سوال (۲۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک زمین جس کے متعلق شیر نبی چمن کا دعویٰ ہے کہ یہ زمین میری ہے، اس کے مقابل ایک سرکاری محکمہ ڈی ڈی اے یہ کہتے ہیں کہ یہ زمین ہماری ہے، اُن کا پورا قضیہ کورٹ میں چلا گیا اور مقدمہ چل رہا ہے، ابھی کیس فائنل بھی نہیں ہوا ہے۔ اِسی اثناء میں محمد شکیل نے (جب کہ اُس کو زمین کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے) شیر نبی چمن سے دوسو گز زمین قیمۃً خریدی، اُس شخص نے زمین کے دستاویز کی بنیاد پر کچی رجسٹری محمد شکیل کے نام کردی، چوں کہ دہلی شہر میں پکی رجسٹری بوقت خرید وفروخت منجانب حکومت بند تھی، بہرکیف محمد شکیل نے وہ زمین مدرسہ کے نام وقف کرتے ہوئے عوام کے سپرد کردی، اور اِس کی ذمہ داری ایک عالم صاحب کو دے دی، اَب وہ عالم صاحب لوگوں سے اس مدرسہ میں چندہ دینے کی ترغیب دیتے ہیں، اس علاقہ میں مولویت کا مدرسہ نہیں ہے، اِس لئے الحمد للہ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر اِس مدرسہ میں حصہ لیا ہے، مدرسہ کا تعمیری کام چالو

ہے، اور الحمد للہ اَب تک تعلیم کے لئے ایک ہال، مطبخ، بچوں کی رہائش کے واسطے دو کمرے، دار الاقامہ اور غسل خانہ، وضوخانہ، بیت الخلاء، استنجاء خانہ وغیرہ تعمیر ہو چکے ہیں، آپ کی اور مدرسہ ہٰذا سے منسلک تمام بزرگانِ دین، علماء عظام کی دعاؤں کی برکت سے تعلیم شروع ہو چکی ہے، اور تقریباً ایک سو پچاس طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، باہر کے بچے بھی ہیں اور اس خریدی ہوئی زمین سے ایک حصہ نماز کے لئے مختص کر رکھا ہے، پانچوں نمازیں باجماعت، جمعہ اور عیدین کی نمازیں اس میں ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ تقریباً گیارہ مہینوں سے جاری ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس زمین پر مدرسہ قائم کرنا اور لوگوں کا اس میں چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو تعمیر شدہ عمارت کا کیا کریں؟ اور اہل علاقہ وغیرہ نے جو نمازیں اس زمین پر پڑھی ہیں اُن نمازوں کا کیا ہوگا؟ مدرسہ میں جو نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور جو نمازیں مسجد میں پڑھی جاتی ہیں دونوں میں کچھ فرق ہے؟ اگر فرق ہے تو کس اعتبار سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحتِ واقعہ مسئولہ صورت میں جب کہ بائع شیر نبی چمن نے مذکورہ زمین پر ملکیت کے دعویٰ کی بنیاد پر محمد شکیل نے یہ زمین اُس سے خرید کر وقف کی ہے، تو اصولاً یہ خریدنا اور وقف کرنا درست اور نافذ ہو چکا ہے، اور اس جگہ پر دیگر مسلمانوں کے تعاون سے تعمیر کرنا اور نماز پڑھنا اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری کرنا سب درست ہے؛ البتہ اگر آئندہ کبھی مقدمہ میں بائع کی ملکیت کا دعویٰ خارج ہو جائے تو اس مسئلہ پر از سرنو غور کیا جائے گا۔

وحکمه ثبوت الملک أي في البدلين لکل منهما في بدل، وهٰذا حکمه الأصلي. (شامي، کتاب البیوع / مطلب: شرائط البیع أنواع أربعة ۱۶/۷ زکریا، ۵۰۶/۴ کراچی)

وشرط المعقود علیه ستة: کونه موجود مالاً متقومًا مملوکًا في نفسه، وکون الملک للبائع فیما یبیعه لنفسه، وکونه مقدورًا التسلیم (شامي، کتاب البیوع / مطلب: شرائط البیع أنواع أربعة ۱۵/۷ زکریا، ۵۰۵/۴ کراچی)

اعلـم أن أسبـاب الـمـلک ثلاثة: ناقل أي من مالک إلی مالک کبیع و هبة.

(الدر المختار مع الشامي / أول کتاب الصید ۶/۴۶۳ کراچی، ۱۰/۴۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدارس میں تنخواہوں کے تعین کا معیار کیا ہے؟

سوال (۲۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور علم میں برکت نصیب فرمائے، بعدہ آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں، اُمید ہے کہ آپ با حوالہ مدلل ومفصل جواب دے کر احسان فرمائیں گے۔

الحمد للہ میں ایک مدرسے میں ۲۷/سال سے خدمت انجام دیتا ہوں، میری تنخواہ دس ہزار روپیہ ہے، مدرسے میں چھ گھنٹے تعلیم ہوتی ہے، صبح چار گھنٹے دوپہر میں دو گھنٹے۔ ہمارے وہاں عرف میں اس کو دو وقت کا مدرسہ کہا جاتا ہے، اب میں گھریلو عذر کی وجہ سے صرف صبح تین گھنٹے خدمت انجام دیتا ہوں۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ صبح تین گھنٹہ خدمت انجام دیتا ہوں، اُس کی تنخواہ مجھے چھ گھنٹے کے اعتبار سے ملنی چاہئے یا عرف میں دو وقت مدرسہ ہے اس اعتبار سے ملنی چاہئے؟

بروئے شرع جس اعتبار سے تنخواہ ملے اس میں دس ہزار کے اعتبار سے کتنی تنخواہ ملنی چاہئے؟ اور اگر میں صبح چار گھنٹہ خدمت انجام دوں تو مجھے کتنی تنخواہ ملنی چاہئے؟ اور اگر صرف دوپہر کو دو گھنٹہ خدمت انجام دوں تو مجھے کتنی تنخواہ ملنی چاہئے؟ مدلل ومفصل جواب دے کر احسان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنخواہ اور وقت کی تعیین کا تعلق دراصل مدرسے کی

انتظامیہ کمیٹی یا مہتمم کی صواب دید پر ہے، متعلقہ اسباق کی اہمیت یا پڑھانے والی شخصیت کے اعتبار سے جو تنخواہ اور جتنا معاوضہ اور وقت طے ہو جائے شرعاً وہ سب درست ہے، اسی طرح اگر کسی مدرسہ میں تنخواہوں کے تعین میں گھنٹوں کے اعتبار سے ضابطہ بنایا جائے کہ ایک گھنٹہ کے درس پر اتنا معاوضہ ہوگا، تو اس کے اعتبار سے بھی تنخواہ کی مقدار متعین کی جاسکتی ہے، الغرض سارا مدار ذمہ داران مدرسہ کے مقرر کردہ اصول پر ہے؛ البتہ چھٹی لینے کے بارے میں ہمارے مدارس کا عرف یہ ہے کہ اگرچہ صبح کے وقت گھنٹے زائد اور شام کے وقت گھنٹے کم ہوتے ہیں؛ لیکن اگر نصف یوم کی رخصت لی جاتی ہے تو تنخواہ کاٹنے میں گھنٹوں کا اعتبار نہیں ہوتا؛ بلکہ مطلقاً صبح وشام کے دورانیہ کا اعتبار ہوتا ہے، یعنی چاہے صبح کی چھٹی لیں یا شام کی، تنخواہ آدھے دن کی ہی کاٹی جاتی ہے، اور کسی مدرسہ کا ضابطہ اس کے برخلاف ہو تو اسی ضابطہ پر عمل کیا جائے گا۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أو أحلَّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين لناس ٢٥١/١)

إنما تعتبر العادة إذا طردت أو غلبت المعروف عرفًا كالمشروط شرطًا.

(الأشباه والنظائر / الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة ٢٧٨/١ إدارة القرآن كراچی، شرح المجلة لسليم رستم باز رقم المادة: ٤٣، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية ٣٧/١ المكتبة الحنفية كوئٹه)

ويعتبر ويراعي كل ما اشترط العاقدان. (شرح المجلة ٢٦٤/١ رقم المادة: ٤٧٣)

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال في حديث: فما راٰه المؤمنون حسنًا فهو حسن، وما راٰه المؤمنون قبيحًا فهو عند الله قبيحٌ. (حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني ٣٧٥/١، مسند أبي داؤد الطيالسي ٣٣، حياة الصحابة ٢٣/١، المستدرك للحاكم ٦٤/٣، شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت ١٤٤/٣ زكريا، الأشباه والنظائر /

القاعدة السادسة ص: ۲٦٨ زکریا)

الأجرة لا تجب بالعقد وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاد المعقود عليه. (الهداية / باب الأجر متى يتسحق ۲۹٤/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوریٰ کے اندر اختلاف آراء کی صورت میں کثرتِ رائے پر فیصلہ؟

سوال (۲۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شہر میں ایک دینی مدرسہ ہے، جس میں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، اِس کے نظم ونسق کو چلانے کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی ہے، اس میں موجود عہدے داران واَراکین کے باہم مشورہ سے مختلف اُمور اَنجام پاتے ہیں، کسی مسئلہ میں اختلاف آراء کی شکل میں جب دو گروہ ہوجاتے ہیں، تو ایک گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ کثرت رائے پر عمل کرو اور مدرسہ کے دستور العمل میں بھی یہی لکھا ہے۔ اور دوسرے گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ قوتِ رائے پر عمل کرو اور اَمیرِ مجلس کثرتِ رائے اور دستور العمل جو دینی مدرسہ کا موجود ہے، اُس پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہیں، چاہے اِس طرح اَفراد کم کیوں نہ ہوں؟ کثرتِ رائے پر عمل کرنے والا گروہ اپنی دلیل میں مدرسہ کا دستور العمل پیش کرتے ہیں، جس میں تحریر ہے کہ: ''مجلسِ شوریٰ اور تمام مجالس میں فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوگا اور بصورتِ تساوی آراء صدر جلسہ کو فیصلہ کن رائے دینے کا اختیار ہوگا (تساوی آراء کی صورت میں وہ صورت بھی داخل ہے، جس میں صدر کی ذاتی رائے بھی شامل ہوکر تساوی ہوتی ہے)

اور قوتِ رائے پر عمل کرنے والا گروہ قرآنِ مجید کی درج ذیل آیتیں اپنی دلیل میں پیش کرتا ہے:

(۱) سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۹: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾

ترجمہ :-اور اُن سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے، پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے۔

(۲) سورۂ انعام آیت ۱۱۷: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾

ترجمہ :-اور دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ اُن کا کہنا ماننے لگیں، تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، وہ محض بے اَصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔

(۳) سورہ ص آیت ۲٦: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾

ترجمہ :-اور جو لوگ خدا کے رستے سے بھٹکے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہوگا، اِس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔

(۴) سورۂ نساءآیت ۵۹: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾

ترجمہ :-اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہلِ حکومت ہیں اُن کا بھی، پھر اگر کسی اَمر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اُس امر کو اللہ اور رُس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو، اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ اُمور سب بہتر ہیں، اور اِن کا انجام خوشتر ہے۔ (یہ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ترجمہ سے ماخوذ ہے)

اوپر مذکورہ آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی کی کتاب ''شوریٰ ہیئتِ حاکمہ'' نہیں۔ علمائے دیوبند کی واضح تحریرات میں بھی اِس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ قوتِ رائے پر عمل کیا جائے گا نہ کہ کثرت رائے پر۔

اَب سوال یہ ہے کہ:

(۱) اختلاف کی صورت میں مجلسِ منتظمہ اور مجلسِ شوریٰ میں کثرتِ رائے پر عمل ہوگا یا قوتِ رائے پر؟

(۲) کثرتِ رائے پر عمل کرنے کی صورت میں قرآنِ مجید کی آیتوں کا کیا جواب ہوگا؟

(۳) قوتِ رائے پر عمل کرنے کی صورت میں اوپر مذکور مدرسہ کے دستورالعمل کو یونہی باقی رکھا جائے یا فتویٰ کے مطابق اُس میں ترمیم کی جائے؟

(۴) جو شخص قرآن وحدیث کی روشنی میں دیئے گئے فتویٰ کو نہ مانے، یا ماننے میں تذبذب کرے، یا اُس کی تردید میں کوئی جملہ کہے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۵) مدرسہ کی شوریٰ اور انتظامیہ کمیٹی کے اَفراد شرعی اعتبار سے کیسے ہونے چاہئیں؟

(۶) قوتِ رائے کی تفصیلات کیا ہیں؟ اور قوتِ رائے کسے کہتے ہیں؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مدارس باقاعدہ شوریٰ اور کمیٹی کے ماتحت چل رہے ہیں، اُن میں اصل حاکمانہ حیثیت کسی ایک فرد کو حاصل نہیں ہوتی؛ بلکہ پوری شوریٰ ہیئتِ حاکمہ کو ہوتی ہے، اور تمام ملازمین، مہتمم اور عہدے داران سب شوریٰ کے ماتحت ملازم ہوتے ہیں، اور اُنہیں مقررہ دستور کی پابندی لازم ہوتی ہے؛ لہٰذا مدرسہ مذکورہ کے دستور میں جب کمیٹی میں اختلاف کے وقت کثرت رائے کو معیار بنایا گیا ہے، تو اُس کی اتباع ضروری ہے، اور درحقیقت قوتِ رائے بھی اِسی جانب ہے؛ کیوں کہ دیانت دار اربابِ حل وعقد کی اکثریت جب کسی رائے کی قائل ہوگی تو عموماً قوت بھی اُسی جانب ہوگی؛ لہٰذا اِس طرح کا دستور اُن آیات وغیرہ کے خلاف نہیں ہے جن میں قوتِ رائے کو معیار بنایا گیا ہے۔ اِسی پہلو کو سامنے رکھ کر امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل انتخاب خلیفہ کے لئے جو شوریٰ متعین فرمائی تھی اُس میں کثرتِ رائے ہی کو معیار بنایا تھا؛ تاکہ بعد میں فتنہ انگیزی نہ ہو۔ (تاریخ طبری ۲/۵۸۱)

آج کل نفسانیت کا دور دورہ ہے، عموماً ممبران اپنی بات پر خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی دکھاتے ہیں، ایسے ماحول میں اگر کثرتِ رائے کا خیال نہ رکھا جائے تو فتنوں کے دروازے کھل جائیں گے، اور ہر شخص اپنی رائے کو مضبوط اور دوسرے کی رائے کو کمزور قرار دینے کی کوشش کرے گا؛ کیوں کہ ہمارے پاس مباح معاملات میں قوت وضعف کے جانچنے کا کوئی مقررہ معیار نہیں ہے، ایسی صورت میں کثرت رائے کو اپنانا ہی محفوظ راستہ ہے، البتہ اگر کوئی رائے شریعت کے خلاف ہو تو پھر کثرت رائے کے باوجود اسے رد کر دیا جائے گا؛ اِس لئے کہ شریعت کی نافرمانی کسی کے لئے کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ (شوریٰ کی شرعی حیثیت ۲۸۵، فتاویٰ محمودیہ ۲۲۵/۶)

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:...... والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۴/۶/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِداروں میں مالیہ فراہمی کے لئے پیشگی ٹکٹ فروخت کرنا؟

سوال (۲۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ حالات میں اسلامی اداروں مساجد، مکاتب اور اسلامک اسکول وغیرہ میں اپنے اخراجات کو مہیا کرنے، نیز اپنے تعمیری وترقی کے منصوبوں کو بروئے کار لانے میں اقتصادی ومالی فراہمی میں دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، ان اسباب کی فراہمی کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جارہے ہیں، جن میں سے بعض طریقے وہ ہیں جو ماضی قریب تک کے اسلاف کرام کی زندگیوں میں نیز ان کے اداروں میں ڈھونڈھے سے بھی نظر نہیں آتے، یہ وہ طریقے ہیں جو انگریزی تمدن سے ماخوذ ومستفاد ہیں۔ مثلاً: ظہران (دوپہر کا کھانا) یا عشائیہ (شام کا کھانا) یا باربکیو وغیرہ اشیائے طعام کو

بیچنے کا طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے ان کے لئے پیشگی ٹکٹ بیچ دیا جاتا ہے یا موقع پر ہی ان اشیاء کو خرید لیا جاتا ہے، اور جن حضرات نے ٹکٹ خریدا ہوتا ہے، وہ ٹکٹ دے کر کھانا وصول کر لیتے ہیں، ان مواقع پر ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت سے احباب خام اشیاء خور طعام مثلاً مرغیاں، اناج وغیرہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں، پھر ان چیزوں کو پکا کر بیچ دیا جاتا ہے، اور اس طریقے سے حاصل شدہ آمدنی کو مذکورہ بالا اسلامی اداروں وغیرہ کے منصوبوں میں صرف کیا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے آپ مدظلہم کی خدمت میں چند سوالات ارسال کر رہے ہیں:

(۱) کیا کوئی مذکورہ بالا اسلامی ادارہ اپنے اقتصادی ومالی تعاون حاصل کرنے کے لئے مذکورہ طریقے کو اختیار کر سکتا ہے؟

(۲) کیا مذکورہ طریقے کو ہمارے اسلاف کرام کے طریق کار سے مناسبت ہے؟

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف کرام رحمہم اللہ کا چندہ فراہم کرنے کا کیا طریقہ تھا؟

(۴) اگر کوئی اسلامی ادارہ مذکورہ طریقہ پر چندہ فراہم کرے تو مسلمانوں کو اس کا تعاون کرنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پیشگی ٹکٹ فروخت کر کے حاصل کردہ رقم سے کھانا یا ناشتہ وغیرہ بنا کر فروخت کرنا اور اس کے منافع سے اسلامی اداروں کی ضروریات پوری کرنا فی نفسہٖ جائز ہے؛ کیوں کہ یہ تراضی کے ساتھ بیع وشراء کی شکل ہے، اس میں مالِ زکوٰۃ اور صدقات کی کوئی آمیزش نہیں ہے، اس طرح کے کھانے اور ناشتہ کی تیاری کے لئے جو لوگ اپنی خوشی سے خام اشیاء طعام پیش کریں، اس میں بھی کوئی حرج نہیں، جب کہ دینے والوں کو پہلے ہی سے یہ معلوم ہو کہ یہ اشیاء کہاں خرچ کی جائیں گی، یہ اصل مسئلہ کا حکم ہے؛ لیکن اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ بار بار اس طرح کے پروگرام کرنے اور اس میں عوام کی آمد ورفت کی وجہ سے ادارہ کے ماحول

اوراس کے وقار پر منفی اثر نہ پڑے؛ اس لئے کہ بعض حضرات کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ مغربی ممالک میں ایسے پروگراموں میں شرکت کے لئے لوگ اپنی فیملی سمیت آتے ہیں، جس سے ادارہ کے دینی ماحول پر غلط اثر پڑتا ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو اس طرح کے پروگراموں سے بچنا لازم ہے۔

البيع...... هو مبادلة المال بالمال بالتراضي بطريق التجارة. (حاشية الهداية ۱۸/۳)

(۲) اسلافِ کرام کے زمانہ سے اس طریقۂ کار کا ثبوت نہیں ہے؛ لیکن اصل حکم وہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں چندہ کا طریقہ یہی تھا کہ لوگوں سے اجتماعی یا انفرادی طور پر تعاون کی اپیل کی جاتی تھی اور لوگ اپنی مرضی سے کبھی نقدی ادا کرتے تھے اور کبھی سامان کی شکل میں تعاون کرتے تھے، جب کہ اسلامی حکومت میں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نمائندے علاقوں میں جا جا کر وصولی کیا کرتے تھے، اس کی تفصیلات کتب فقہ وحدیث میں موجود ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جاءه السائل او طلبت إليه حاجة، قال: اشفعوا توجروا ويقضى الله على لسان نبيه ما شاء. (صحيح البخاري ۱۹۲/۱)

عن ابى سعيد الخدري رضى الله عنه قال: أصيب رجل في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ثمار ابتاعها فكثر دينه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لغرمائه: خذوا ما وجدتم وليس لكم إلا ذٰلك (سنن الترمذى ۱٤۱/۱)

(۴) کیوں کہ فی نفسہٖ مذکورہ طریقہ ناجائز نہیں ہے، اس لئے ایسے ادارہ کے تعاون میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے جلسہ کے لئے جمع شدہ رقم اگر بچ جائے تو کیا کریں؟

سوال (۳۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک دینی مدرسہ کے سکریٹری، صدر مدرس اور دیگر اراکین نے مدرسہ کی جانب سے ایک جلسہ دستار بندی واصلاحِ معاشرہ کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی، اِس سلسلے میں اراکین مدرسہ کے ذریعہ ایک مجلس شوریٰ کا انعقاد کیا گیا، جس میں دیگر باتوں کے علاوہ ایک کنوینر جو گاؤں کی پنچایت کے مکھیا (پردھان) بھی ہیں کو مقرر کیا گیا۔

کنوینر موصوف کی زیرنگرانی ایک مجلسِ استقبالیہ تشکیل دی گئی، جس میں طے پایا کہ جو بھی آمدنی ہوگی بذریعہ رسید ہوگی، اِس ضمن میں کنوینر صاحب کے حکم سے من جانب مدرسہ مدرسے کی ۳۲ر رسید جلدیں جاری کی گئیں، چناں چہ جلسہ کی تیاری کے لئے ساری آمدنی مدرسہ سے جاری کردہ رسید جلدوں کے ذریعہ حاصل ہوئی۔

معینہ تاریخ کے مطابق جلسہ منعقد کیا گیا، بحمدہ تعالیٰ جلسہ کامیاب رہا، ۳۱ر حفاظِ کرام کی دستار بندی بھی عمل میں آئی، بعد اَز جلسہ مجلس استقبالیہ کی جانب سے حساب سنایا گیا، تو آمدنی تقریباً ۱۲ر لاکھ روپئے سے زائد اور اخراجات تقریباً دس لاکھ روپئے سنائے گئے۔

(۱) جواب طلب امر یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں جلسہ دستار بندی کے تعلق سے مدرسہ کی رسید کے ذریعہ جو چندہ کیا گیا وہ چندہ کی پسماندہ رقم مدرسہ کی ہوگی یا مجلس استقبالیہ کی؟

(۲) کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ چندہ کی پسماندہ رقم سے عیدگاہ بنائی جائے، کیا مذکورہ چندہ کی رقم سے عیدگاہ یا عیدگاہ کی زمین خرید نا درست ہوگا؟

(۳) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اِس رقم سے رفاہِ عام کا کوئی کام کیا جائے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(۴) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اِس پسماندہ رقم سے گاؤں کی جانب سے (مدرسہ کی جانب سے نہیں ایک جلسہ کیا جائے، اِس رقم سے کوئی دوسرا جلسہ کرنا جو مدرسہ کی جانب سے نہ ہو درست ہوگا؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے لئے جو بھی آمدنی مدرسہ کی

رسید پر ہوئی ہے، وہ سب مدرسہ کی ملکیت ہے؛ لہٰذا جلسہ کے اخراجات کے بعد ما بقیہ رقم مدرسہ کی تحویل میں جمع کردی جائے اور بہتر ہے کہ ذمہ داران مدرسہ اس رقم کو آئندہ مدرسہ کی جانب سے منعقد ہونے والے دینی واصلاحی پروگراموں پر خرچ کرنے کا التزام کریں، یہ رقم نہ تو مجلس استقبالیہ کو دی جائے گی اور نہ اِس کو عیدگاہ یا رفاہِ عام میں لگانا درست ہوگا اور نہ ہی گاؤں والے مدرسہ سے ہٹ کر اپنی جانب سے کئے جانے والے پروگرام میں اسے خرچ کرسکتے ہیں۔

فإن كان الوقف معينًا على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء. (شامي ٣٦٧/٤ كراچی)

وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره (شامي ٢٦٩/٢ كراچی)

أما لو كان معينًا كالدار الموقوفة على الذرية أو الفقراء، فإنه بعد العمارة يصرف الريع إلىٰ ما عينه الواقف. (شامي ٥٦١/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد یا مدرسہ کا پیسہ بطور قرض دینا؟

سوال (۳۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد یا مدرسہ کا پیسہ کسی کو بطور قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر قرض دینا جائز نہیں ہے تو ہم لوگ جو مدرسہ کے مدرس اور ملازم اور مسجد کے امام اور مؤذن ہیں، مسجد اور مدرسہ سے قرض لے سکتے ہیں یا پیشگی تنخواہ کہہ کر لے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کا پیسہ دوسروں کو بطور قرض دینا جائز نہیں؛ البتہ امام ومؤذن وملازمین کو حسبِ ضابطہ قرض دینے کی گنجائش ہے؛ اِس لئے کہ دوسروں کو قرض

دینے سے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے، جب کہ ملازمین کو دینے سے ایسا اندیشہ نہیں ہے؛ بلکہ اس قرض کی واپسی کی اُمید زیادہ ہے، دوسرے یہ کہ غیر متعلق لوگوں کو قرض دینا مسجد ومدرسہ کے مصارف میں شامل نہیں، جب کہ ملازمین کو ضابطہ کے مطابق قرض دینا اُن کے مصرف میں شامل ہے۔

مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد، قال في جامع الفصولين: ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن، وكذا المستقرض. (البحر الرائق / كتاب الوقف ٥/٤٠١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱/۷/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بارہویں کلاس پاس کرنے والوں کو حکومت کی طرف سے ملنے والے پیسے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۳۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کاروباری آدمی ہے اور بارہویں کلاس پاس ہے، وہ چاہتا ہے کہ حکومت کی طرف سے بارہویں پاس کو جو سہولت دی جاتی ہے، وہ حاصل کرے، اُس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ حکومت ہر بارہویں پاس کو ایک لاکھ روپیہ دیتی ہے، اور اُس سے مارک شیٹ لیتی ہے، اور یہ رقم اُسے قسط وار طریقہ سے صرف پچھتر ہزار روپئے بغیر سود کے ادا کرنا پڑے گا، اور باقی پچیس ہزار معاف ہوجائیں گے، آیا یہ رقم لے کر زید کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہوگا یا نہیں، جو بھی شکل ہو وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بظاہر یہ تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کے لئے حکومت کی طرف سے ایک تعاون کی اسکیم ہے، جس میں سود دینا نہیں پڑتا؛ بلکہ حکومت اپنی طرف سے چھوٹ دے کر مدد کرتی ہے؛ لہٰذا اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲۶۵/۹-۲۶۶) لیکن قسطیں بر وقت ادا کرنی لازم ہیں، ورنہ سود بھی لازم آ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدعنوان اِداروں کے خلاف عوامی تحریک چلانا؟

سوال (۳۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلم معاشرہ میں معاشرہ کی فلاح و بہبودی کی غرض سے بہت سے دینی ودنیوی اِدارے وغیرہ، مذکورہ دینی ودنیوی وقف اِدارے دارالعلوم، اسکولس، ہائی اسکولس، شفا خانے، یتیم خانے، مسافر خانے بیوہ عورتوں کی فلاح کے لئے اِدارے وغیرہ مذکورہ دینی ودنیوی وقف ادارے اپنے اپنے ٹرسٹیز بورڈ منتظمہ، انتظامی کمیٹیاں قائم کر کے اپنی فراست اور آپس کے صلاح ومشورہ سے اپنے اپنے دستور کے موافق قوم وملت کی خدمات کی امکانی کوشش کرتے ہیں، مذکورہ تمام فلاحی اِداروں کے اخراجات مسلم عوام کی سخاوت، عطایا اور تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔

ہمارا اِیمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ازلی غیر مخلوق اور ہر عیب ونقص سے پاک ہے، اُس کی ذاتِ عالی کے علاوہ ہر شئ مخلوق ہے؛ اِس لئے اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر مخلوق چاہے وہ کوئی فرد ہو یا اِدارہ، عیب اور نقص سے بری نہیں ہوسکتا، اور اِداروں کے اراکین وافراد وغیرہ سے خطاء وغلطی کا صدور ممکن وفطری بات ہے۔

مسلم عوام کے تعاون سے چل رہے اِن اداروں کے منتظمین قانوناً اداروں کے حسنِ انتظام کے ذمہ دار اور جواب دہ ہوتے ہیں۔ قابلِ استفسار بات یہ ہے کہ ایسے اداروں کے متعلق ان منتظمین کے علاوہ عوام پر شرعاً کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ اربابِ انتظام کے علاوہ معاشرہ کے افراد کی ذمہ داریوں کی حیثیت ونوعیت کیا ہوسکتی ہے؟

عوام الناس کو اگر کسی دینی ادارے کی غیر معمولی بدنظمی اور بدعنوانی معلوم ہو، مثلاً طلبہ کے

داخلہ کے بارے میں کوئی حد بندی نہ ہو، کثیر تعداد میں طلبہ کو داخلہ تو دے دیا جائے، مگران کی وضع قطع، رہن سہن، تعلیمی پابندی اور اخلاق واطوار کی واجبی نگرانی کا فقدان ہو، اِسی طرح ہر شعبے کے کارکنوں میں ضرورت سے زیادہ تقرر کیا جارہا ہو، اوران کے انتخاب وتقرر کا کوئی معقول معیار نہ ہو، نتیجۃً اسٹاف میں غیر معیاری افراد واساتذہ کی شمولیت ہو۔ اِسی طرح ادارہ کے لئے کسی بھی طرح کے سامان کی خریداری میں کمیشن لیا جارہا ہو، اور کسی طرح کی بدعنوانیاں ہورہی ہوں، دفتر مالیات ومحاسبی میں باربار چوری کی وارداتیں؛ بلکہ چوری کے نام پر مالی رقوم کے ہتھیانے کے واقعات ہورہے ہوں، ادارے کے چندہ میں بدعنوانی ہوتی ہو، کسی خاص گروپ کے ذریعہ تشدد اور داداگیری کا ماحول بنانا، اِسی طرح دانستہ ونادانستہ طور پر مدرسہ کی املاک کا غلط استعمال، طلبہ میں گروپ بندی اوراس گروپ بندی کو دانستہ ونادانستہ منتظمین اور مختلف اساتذہ کی طرف سے پشت پناہی مل رہی ہو، غیر ضروری تعمیری اخراجات اور اس کے ذریعہ کسی خاص طبقہ کو مل رہے فوائد اوراس طرح مسلم عوام کے خون پسینہ کی گاڑھی کمائی کے لاکھوں کروڑوں روپیوں کی بربادی اوراس کے علاوہ مبارک دینی تعلیمی اداروں میں لواطت اور اغلام بازی کی بڑھتی ہوئی بدی اور ایسے واقعات میں انتظامیہ کی چشم پوشی کے چرچے سرعام ہو، اوران بدعنوانیوں اور بدنظمی کے ثبوت وشواہد ہوتے ہوئے بھی منتظمین کا مناسب کارروائی اور کوئی اقدام نہ کرنا، اپنی ذمہ داری اور فریضہ کو ادا نہ کرنا، ایسے حالات میں ایسے وقف اداروں کے متعلق عوام کی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شرعی حکم کے تحت آخرت کے مؤاخذہ کے خوف سے (منتظمین کے علاوہ) ملت کے چند خیرخواہوں دینی اداروں کے ہمدردوں کے دل ودماغ میں چند سوالات پیدا ہورہے ہیں۔

حضرت والا سے اِن حسبِ ذیل سوالوں کے شرعی جوابات، رہنمائی اور مفید مشورے سے ہم نیازمندوں کو نوازکر ممنون فرمائیں۔ سوالات حسبِ ذیل ہے:

(۱) عوام سے کچھ خاص افراد یا عوام کی نمائندہ کمیٹی مذکور بدعنوانیوں کے شکار ادارہ کی ٹرسٹی صاحبان، اربابِ اہتمام وانتظامیہ سے مذکورہ بدعنوانیوں کی بابت نیز اس میں ملوث قصورواروں کی

بابت واجبی محاسبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس طرح کی بدعنوانیوں کے واقعات پر منتظمین میں محاسبانہ کارروائی کی تحقیق اور دفع مفاسد کے لئے کئے گئے اقدامات کی وضاحت کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) چندہ کے مالی فنڈ کے بے جا اسراف پر احتجاج کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) بدنظمی کے شواہد و دلائل پیش کرنا ممکن ہو، ایسے حالات میں ایسے ادارے کی اصلاح، نظم ونسق کے متعلق مناسب معروضات پیش کر کے اس پر عمل درآمد ہو، اس بات کا دباؤ ڈالنا شرعاً کیسا ہے؟

(۴) غلط کاریوں میں ملوث افراد چاہے وہ سزا سے بچے رہے ہوں، یا بری کر دئے گئے ہوں، یا فی الحال کسی غلط کاری میں مبتلا ہوں، ایسے افراد چاہے وہ کسی بھی شعبہ میں ہوں، ذمہ دار ہوں یا طالب علم، ایسے غلط کار افراد کا ادارہ سے اخراج کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے مجرمانہ امر کے مرتکبین کا صرف اخراج ہی کافی ہوگا یا عبرت کے لئے اخراج کے علاوہ ان کے خلاف اور کوئی تعزیری کارروائی بھی کرنی چاہئے؟

(۵) اگر کوئی طالب علم گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہو اور ارتکابِ گناہ ثابت بھی ہو چکا ہو، ایسے طالب علم کا اخراج کرنا چاہئے یا نہیں؟ کیا ایسے طالب علم کا اخراج اس کو علم سے محروم کر دیا جانا سمجھا جائے گا؟

(۶) دینی اداروں کے ٹرسٹی صاحبان اربابِ اہتمام وانتظام نیز قوم وملت کے ہمدرد وفکر مندوں کی ان فلاحی اداروں کے متعلق شرعاً کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

(۷) مذکورہ بدنظمی کی بابت عوام کی نمائندہ کمیٹی یا چند مخصوص افراد کی طرف سے کیا گیا محاسبہ یا اصلاح ماحول کی خاطر پیش کئے گئے مطالبات ومعروضات یا ادارہ کی فلاح وترقی کے لئے پیش کئے گئے مشورہ وغیرہ، کیا اداروں کے انتظام میں بے جا دخل اندازی سمجھی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ ایسے بدعنوان اداروں کے خلاف عوامی تحریک چلانے کے بجائے اُن اداروں کے ممبرانِ شوریٰ وانتظامیہ کو توجہ دلائی جائے، اور اُن کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے ادارہ کی اصلاح کریں، اور اختلاف کا اظہار بھی خیر خواہانہ اور حکمت آمیز

انداز میں کیا جائے؛ تاکہ منتظمین اسے ذاتی مخاصمت پر محمول نہ کریں؛ کیوں کہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس دور پرفتن میں گروپ بندی کے ساتھ مخالفت بڑے فتنوں کا دروازہ کھلنے کا سبب بنتی ہے، اور اس سے فائدہ کے بجائے سخت نقصان ہوتا ہے؛ لہٰذا حکمت عملی کے ساتھ ہی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ [النحل، جزء آیت: ۱۲۵] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۵/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس اسکول میں مذہبی پابندیاں اور منکرات ہوں وہاں اپنے بچوں کو تعلیم دینا؟

سوال (۳۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غیر مسلموں کا انگلش میڈیم اسکول جو C.B.S.E سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کے تحت چل رہا ہے، اور اس میں تقریباً دو ہزار مسلم طلبہ وطالبات بھی زیر تعلیم ہیں اور اُن طلبہ وطالبات کے ڈریس مثلاً بیلٹ، کوٹ، جرسی اور کورس کی کتابوں پر مورتی کی تصویر بنی ہوتی ہے، اور اسکول والوں نے اُس کو لازم کررکھا ہے، اور تصویر کے ہٹانے پر سخت سزا بھی دیتے ہیں، اور نماز وغیرہ کے پڑھنے پر پابندی لگاتے ہیں، یعنی نماز کے وقت اسکول سے جانے کی اجازت نہیں دیتے جیسے جمعہ کی نماز وغیرہ۔

(۱) مسلمانوں کو اپنے بچوں کو ایسے اسکول میں پڑھانا کیسا ہے؟ جب کہ اُس کا بدل بھی موجود ہے؟

(۲) اِس طرح کے کپڑوں میں نماز ہوگی یا نہیں؟

(۳) اگر وہ لوگ نماز جمعہ کی اجازت نہ دیں تو اِس صورت میں ظہر پڑھیں یا غیر حاضری کریں؛ کیوں کہ بہت سے طلبہ وطالبات بالغ بھی ہیں؟

(۴) اور اِس اسکول کا بائیکاٹ کیا جائے یا نہیں؟

(۵) حکومت کی جانب سے اس کا کوئی قانون ہے یا اپنی طرف سے تھوپ رہے ہیں؟ اِن مسائل کو لے کر ہمارے یہاں کافی انتشار ہے؛ لہٰذا مفصل ومدلل جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس اسکول میں مورتی تصویر کے استعمال کو لازمی قرار دیا گیا ہو، اور نماز وغیرہ پڑھنے پر پابندی ہو تو مسلمانوں کے لئے ایسے اسکول میں بچوں کو پڑھانا جائز نہیں؟ اِس کے بجائے اُن اسکولوں میں تعلیم دلائی جائے جہاں دین وایمان پر کوئی پابندی نہ ہو۔

قال سعيد بن جبير رضي اللّٰه عنه: إذا عمل بالمعاصي في أرض فاخرج منها. (تفسير القرآن الكريم للقرطبي ۳۴۷/۵)

(۲) جس کپڑے میں تصویر بنی ہوئی ہو اُس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ولبس ثوب فيه تصاوير؛ لأنه يشبه حامل الصنم فيكره. (البحر الرائق ۴۷/۲ زكريا)

صلى ومعه سرة أو كيس فيه دنانير أو دراهم فيها صور صغار فلا تكره، ومقتضاه أنها لو كانت مكشوفة تكره الصلاة. (شامي، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۴۱۸/۲ زكريا)

(۳) اگر اسکول والے نماز جمعہ کی اجازت نہ دیں اور اسکول شہر میں واقع ہو تو بالغ طلبہ کے لئے جمعہ چھوڑنے کی اجازت نہیں، اُنہیں بہرحال جمعہ پڑھنا چاہئے، اگرچہ اسکول کی غیر حاضری کرنا پڑے۔

وشرط لافتراضها ...... إقامة بمصر ...... وصحة ...... وحرية ...... وذكورة...... وبلوغ ...... وعقل. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۲۶/۳-۲۸ زكريا)

(۴-۵) جس اسکول میں مذہبی آزادی نہ ہو اُس میں مسلمانوں کو اپنے بچوں کو نہیں پڑھانا چاہئے، اور اِس بارے میں حکومت کا قانون کیا ہے؟ اِس کے متعلق ہمیں تفصیلات کا علم نہیں۔

قـال سعيـد بن جبير رضي الله عنه: إذا عمل بالمعاصي في أرض فاخرج منها. (تفسير القرآن الكريم للقرطبي ٣٤٧/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر آباد جگہ سے مسجد تبدیل کرنا کیسا ہے؟

سـوال (۳۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مسجد ایسی جگہ واقع ہوجائے کہ وہاں آس پاس مسلم آبادی نہ رہے اور اسے آباد رکھنے کی بظاہر کوئی شکل نہ ہوتو کیا کیا جائے؟ کیا وہ جگہ بدل کر مسجد کسی دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے؟ یا اُس پر ہمیشہ مسجد ہی کے اَحکام جاری ہوں گے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بھی واضح فرمائیں کہ قوتِ دلیل کے اعتبار سے کونسا پہلو مضبوط ہے؟

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی مسجد ایسی جگہ واقع ہوجائے کہ وہاں آس پاس مسلم آبادی نہ رہے اور اسے آباد رکھنے کی بظاہر کوئی شکل نہ ہوتو کیا کیا جائے؟ اس بارے میں بنیادی طور پر فقہاء احناف میں حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی آراء میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اسے بدلا نہیں جاسکتا، جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ وہ جگہ مسجد بنانے والے کی ملکیت کی طرف لوٹ آئے گی۔

قوت دلیل کے اعتبار سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مضبوط ہے، اسی لئے اکثر فقہاء نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے؛ لیکن بعض مشائخ احناف سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر فتویٰ بھی منقول ہے، جو غالباً خصوصی حالات پر مبنی ہے۔

دوسری طرف بعض عبارات سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی غاصب شخص وقف کی

زمین پر جبراً قبضہ کرلے اور اس سے واپسی کی کوئی شکل نہ رہے اور وہ اس جگہ کا بدل یا قیمت دینے پر آمادہ ہو تو اسے مجبوراً لینے کی گنجائش ہے۔ اور بعض جزئیات میں یہ بھی صراحت ہے کہ مغصوبہ وقف کی زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بقیہ کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ محولہ بالا عبارات درج ذیل ہیں، جن کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) ہدایہ میں ہے:- **ولو خرب ما حول المسجد واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند ابی یوسفؒ؛ لانه اسقاط منه، فلا یعود الی ملکه، وعند محمدؒ یعود الی ملک البانی او الی وارثه بعد موته؛ لانه عینه لنوع قربة، وقد انقطعت، فصار کحصیر المسجد وحشیشه اذا استغنی عنه، الا ان ابا یوسفؒ یقول فی الحصیر والحشیش: انه ینقل الی مسجد اٰخر.** (الهداية / كتاب الوقف ٤/ ٤١١-٤١٢)

(۲) شارح ہدایہ علامہ کمال الدین ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:- **ولو خرب ما حول المسجد واستغنی عنه ای استغنی عن الصلاة فیه اهل تلک المحلة او القریة بان کان فی قریة فخربت وحوّلت مزارع یبقی مسجداً علی حاله عند ابی یوسف، وهو قول ابی حنیفة ومالک والشافعی. وعند احمد یباع نقضه ویصرف الی مسجد اٰخر، وکذا فی الدار الموقوفة اذا خربت یباع نقضها ویصرف ثمنها الی وقف اٰخر لما روی ان عمر کتب الی ابی موسیٰ لما نقب بیت المال الذی بالکوفة انقل المسجد الذی بالتمارین واجعل بیت المال فی قبلة المسجد وعن محمد یعود الی ملک الواقف ان کان حیا والی ورثته ان کان میتاً وان لم یعرف بانیه ولا ورثته کان لهم بیعه والاستعانة بثمنه فی بناء مسجد اٰخر. وجه قوله انه عینه لقربة وقد انقطعت فینقطع هو ایضاً وصار کحصیر المسجد وحشیشه اذا استغنی عنه وقندیله اذا خرب المسجد یعود الی ملک متخذه، وکما لو کفن میتاً فافترسه سبع عاد الکفن الی ملک مالکه، وکهدی الإحصار اذا زال الاحصار**

فادرک الحج کان له ان یصنع بهدیه ما شاء. واستدل ابو یوسف وجمهور العلماء بالکعبة، فان الاجماع علی عدم خروج موضعها عن المسجدیة والقربة، الا ان لقائل ان یقول: القربة التی عینت له هو الطواف من اهل الاٰفاق، ولم ینقطع الخلق عن ذٰلک زمان الفترة، وان کان لا یصح منهم لکفرهم، علی ان الایمان لم ینقطع من الدنیا رأسا، فقد کان لمثل قس بن ساعدة امثال، فالاوجه انه بعد تحقق سبب سقوط الملک فیه لا یعود کالمعتق کما لا یعود اذا زال الی مالک من اهل الدنیا الا بسبب یوجب تجدد الملک، فما لم یتحقق لم یعد، واما ما قاس علیه من هدی الاحصار فلیس بلازم لانه لم یزل ملکه قبل الذبح، وکذا الکفن باق علی ملک مالکه، انما اباح الانتفاع به علی ملکه وقد استغنی المستعیر فیعود الی المعیر. واما الحصیر والقندیل فالصحیح من مذهب ابی یوسف انه لا یعود الی ملک متخذه بل یحول الی مسجد اٰخر او یبیعه قیم المسجد للمسجد، ولانه ما جعله مسجداً لیصلی فیه اهل تلک المحلة لا غیر بل یصلی فیه العامة مطلقاً اهل تلک المحلة وغیرهم. واما استدلال احمد بما کتبه عمر لا یفیده لانه یمکن انه امره باتخاذ بیت المال فی المسجد، واستدلاله بالانتفاع بالاستبدال مردود بالحدیث المشهور. وفی الخلاصة: قال محمد فی الفرس اذا جعله حبیساً فی سبیل اللّٰہ فصار بحیث لا یستطاع ان یرکب یباع ویصرف ثمنه الی صاحبه اوورثته کما فی المسجد، وان لم یعلم صاحبه یشتری بثمنه فرس اٰخر یغزی علیه ولا حاجة الی الحاکم، ولو جعل جنازة وملاءة ومغتسلاً وقفا فی محلة ومات اهلها کلهم لا یرد الی الورثة بل یحمل الی مکان اٰخر، فان صح هٰذا من محمد فهو روایة فی الحصر والبواری انها لا تعود الی الورثة، وهٰکذا نقل عن الشیخ الامام الحلوانی فی المسجد والحوض اذا خرب ولا یحتاج الیه

لنفرق الناس عنه انه يصرف اوقافه الى مسجد اٰخر او حوض اٰخر.

واعلم انه يتفرع على الخلاف بين ابی یوسف ومحمد فيما اذا استغنى عن المسجد لخراب المحلة والقرية وتفرق اهلها ما اذا انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يمكن به عمارته انه يبطل الوقف رجع النقض الى بانيه او ورثته عند محمد خلافاً لابی یوسف. (فتح القدير ۲۳٦/٦-۲۳۷)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: - ولو خرب ما حول المسجد واسغنى عنه على بناء المفعول يبقى مسجداً عند ابی یوسف الى انه قال: وعند محمد يعود الى ملک البانی. قال فی النهاية: وفی الحقيقة هٰذه المسئلة مبنية على ما بيناه، فان ابا يوسف لا يشترط فی الابتداء اقامة الصلاة فيه ليصير مسجداً فكذٰلک فی الانتهاء، وان ترک الناس الصلاة فيه لا يخرج من ان يكون مسجداً ومحمد يشترط فی الابتداء اقامة الصلاة فيه بالجماعة ليصير مسجداً فكذٰلک فی الانتهاء، واذا ترک الناس الصلاة فيه بالجماعة يخرج من ان يكون مسجداً، وحكى ان محمداً مر بمزبلة فقال: هٰذا مسجد ابی یوسف، يريد به انه لما لم يقل يعوده الى ملک البانی يصير مزبلة عند تطاول المدة، ومر ابویوسف باصطبل فقال: هٰذا مسجد محمد: يعنی انه لما قال يعود ملكاًفربما يجعله المالک اصطبلا بعد ان كان مسجدا، فكل واحد منهما استبعد مذهب صاحبه لما اشار اليه، استدل ابویوسف بانه سقط ملكه فی ذٰلک المقدار فلا يعود الى ملكه واستظهر بالكعبة، فان فی زمان الفترة قد كان حول الكعبة عبدة الاصنام، ثم لم يخرج موضع الكعبة به نانيكون موضعاً للطاعة والقربة خالصاً للّٰه تعالىٰ، فكذٰلک فی سائر المساجد، ومحمد يقول: عين هٰذا الجزء من ملكه مصروفاً الى قربة بعينها، فاذا انقطع ذٰلک عاد الى ملكه او ملک وارثه وصار كحشيش

المسجد وحصيره اذا استغنى عن، الا ان ابا يوسف يقول فى الحصير والحشيش ينقل الى مسجد اٰخر .(العناية ٦/٢٣٦-٢٣٧)

(۳) بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:- وقال ابو العباس الناطفى – رحمه اللّٰه – فى الاجناس: قال محمد – رحمه اللّٰه – فى النوادر: اذا خرب المسجد حتى لا يصلى فيه فالذى بناه ان شاء ادخله داره وان شاء باعه. وكذٰلك الفرس اذا جعله حبساً فى سبيل اللّٰه فصار لا يستطيع ان يركب فانه يباع ويصير ثمنها لصاحبها او لورثته فان لم يعرف للمسجد بانيه فخرب وبنى اهل المسجد اٰخر ثم اجمعوا على بيعه واستعانوا بثمنه فى مكمل المسجد الاٰخر فلا بأس بذٰلك.

ثم نقل الناطفى عن كتاب ''الصلاة'' مسجد بأوائله وعطلت الصلاة فيه لم يجز للاٰخر ان يهدمه، ولا يجبر به منزلاً ولا يبيعه، قال الناطفى: هٰذا عند قول ابى يوسف – رحمه اللّٰه. (البناية شرح الهداية ٧/٤٥٧)

(۴) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:- ونقل فى الذخيرة عن شمس الائمة الحلوانى: انه سئل عن مسجد او حوض خرب، ولا يحتاج اليه لتفرق الناس عنه هل للقاضى ان يصرف اوقافه الى مسجد او حوض اٰخر؟ فقال: نعم، ومثله فى البحر عن القنية، وللشرنبلالى رسالة فى هٰذه المسألة اعترض فيها ما فى المتن تبعاً للدرر بما مر عن الحاوى وغيره؛ ثم قال: وبذٰلك تعلم فتوىٰ بعض مشائخ عصرنا، بل ومن قبلهم كالشيخ الامام امين الدين بن عبد العال والشيخ الامام احمد بن يونس الشلبى والشيخ زين بن نجيم والشيخ محمد الوفائى، فمنهم من افتى بنقل بناء المسجد، ومنهم من افتى بنقله ونقل ماله الى مسجد اٰخر، وقد مشى الشيخ الامام محمد بن سراج الدين الحانوتى على القول المفتى به من عدم نقل بناء المسجد، ولم يوافق المذكورين. ثم ذكر الشرنبلالى: ان هٰذا فى

المسجد، بخلاف حوض وبئر ورباط ودابة وسيف بثغر وقنديل وبساط وحصير مسجد، فقد ذكر في التاترخانية وغيرها جواز نقلها. قلت: لكن الفرق غير ظاهر، فليتأمل. والذى ينبغى متابعة المشائخ المذكورين فى جواز النقل بلا فرق بين مسجد او حوض، كما افتى به الامام ابو شجاع والامام الحلوانى وكفى بهما قدوة، ولا سيما فى زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، وكذٰلک اوقافه يأكلها النظار او غيرهم، ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الأخر المحتاج الى النقل اليه، وقد وقعت حادثة سألت عنها فى امير اراد ان ينقل بعض احجار مسجد خراب فى سفح قاسيون بدمشق ليبلط بها صحن الجامع الاموى فافتيت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالى، ثم بلغنى ان بعض المتغلبين اخذ تلک الاحجار لنفسه، فندمت على ما افتيت به، ثم رأيت الأن فى الذخيرة، قال: وفى فتاوىٰ النسفى: سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها الى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه، وينقلونه الى دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان يبيع الخشب بامر القاضى، ويمسک الثمن ليصرفه الى بعض المساجد او الى هٰذا المسجد؟ قال: نعم، وحكى انه وقع مثله فى زمن شيدنا الامام الاجل فى رباط فى بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به، وله اوقاف عامرة، فسئل هل يجوز نقلها الى رباط اٰخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم، لان الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذٰلک بالثانى (شامي ٦/ ٤٣٠ بيروت)

(۵) مجمع الانہر میں ہیں:- وفى المنح: والمسجد اذا استغنى عنه المسلمون ولا يصلى فيه وخرب ما حوله يعود الى ملک صاحبه كما كان عند الطرفين، وقال ابويوسف: يبقى مسجداً ابداً، انتهى. (مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر ١/ ٧٤٩)

(۶) عالمگیری میں ہے:- واذا خرب المسجد واستغنی اهله وصار بحيث لا يصلى فيه عاد ملكاً لواقفه او لورثته حتى جاز لهم ان يبيعوه او يبنوه داراً، وقيل هو مسجد ابداً وهو الاصح. (الفتاویٰ الهندية ۴۵۸/۱)

(۷) علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:- ولو جعل داره مسجداً فخرب جوار المسجد او استغنى عنه لا يعود الى ملكه ويكون مسجداً ابداً عند ابى يوسف، وعند محمد يعود الى ملكه.

وجه قول محمد: انه ازال ملكه بوجه مخصوص وهو التقرب الى الله تعالىٰ بمكان يصلى فيه الناس فاذا استغنى عنه فقد فات غرضه منه فيعود الى ملكه، كما لو كفن ميتاً ثم اكله سبع وبقى الكفن يعود الى ملكه، كذا هٰذا.

ولأبى يوسف: انه لما جعله مسجداً فقد حرره وجعله خالصاً لله تعالىٰ على الاطلاق وصح ذٰلك فلا يحتمل العود الى ملكه كالاعتاق، بخلاف تكفين الميت لانهما حرر الكفن وانما دفع حاجة الميت به وهو ستر عورته وقد استغنى عنه فيعود ملكاً له.

وقوله: ازال ملكه بوجه وقع الاستغناء عنه، قلنا: ممنوع فان المجتازين يصلون فيه، وكذا احتمال عود العمارة قائم وجهة القربة قد صحت بيقين فلا تبطل باحتمال عدم حصول المقصود. (بدائع الصنائع ۳۳۰/۵)

(۸) المحیط البرہانی میں ہے:- وفى الاجناس: اذا خرب المسجد، ولا يعرف بانيه، وبنى اهل المسجد مسجداً آخر، ثم اجمعوا على بيعه، واستعانوا بثمنه فى ثمن المسجد الآخر، فلا بأس به. قال ابو العباس الناطفى: فى الاجناس: فقياسه فى وقف هٰذا المسجد انه يجوز صرفه الى [عمارة] مسجد آخر، كما اذا لم يعرف الواقف، ولا وارثه، فاما اذا عرف لاهل المسجد بانٍ، فليس لاهل

المسجد ان يبيعوه؛ لانه لما خرب، ووقع الاستغناء عنه، عاد الى ملك بانيه، او ورثته، فلا يكون لاهله ان يبيعوه. وما ذكر من الجواب اذا لم يعرف بانيه قول محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ، لا قول ابی یوسف؛ لان علی قول ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ: هو مسجد ابداً، فلا يكون لأهل المسجد أن يبيعوه.(المحيط البرهاني ١٢٩/٩)

(۹) علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:- لو استولی علی الوقف غاصب وعجز المتولی عن استرداده واراد الغاصب ان يدفع قيمتها كان للمتولی اخذ القيمة او الصلح علی شیءٍ ثم يشتری بالماخوذ من الغاصب ارضاً اخری فيجعله وقفاً علی شرائط الاولیٰ لانه حينئذٍ صار بمنزلة المستهلك(البحر الرائق ٢٤٢/٥)

مجمع الانہر میں ہے:- وقف موضعاً فی حياته وصحته واخرجه من يده فاستولی عليه غاصب وحال بينه وبينه تؤخذ من الغاصب قيمته ويشتری بها موضع اٰخر فيوقف علی شرائطه لان الغاصب لما جحد صار مستهلكاً والشیء المسبل اذا صار مستهلكاً وجب الاستبدال به. (الفتاویٰ الهندية ٤٤٩/٢)

واذا صح الوقف فلا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن الخ، وقيل يجوز دفع البعض لظالم طمع فيه لحفظ الباقی. (مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر ٧٤٠/١)

سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ راجح قول کے مطابق مسجد شرعی کو بدلا نہیں جاسکتا؛ البتہ مخصوص حالات میں بعض مشائخ نے تبدیلی کی گنجائش دی ہے۔

ہندوستان کے مخصوص حالات کے تناظر میں دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ ایک طرف شرعی حق کا معاملہ ہے اور دوسری طرف جان و مال کے تحفظ کا مسئلہ ہے، اور بظاہر حالات سر دست ایسی کوئی شکل نظر نہیں آتی کہ مسلمان اپنے حق میں عدالتی فیصلہ آنے کے باوجود متعینہ جگہ پر مسجد بنانے پر قدرت رکھتے ہوں، اور بالفرض اگر گنجائش والا پہلو پیش نظر رکھا جائے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اس کو نظیر بنا کر دیگر مساجد بھی خطرہ میں آجائیں، اور ایسے

حالات پیدا کردیے جائیں کہ کوئی بھی مسجد محفوظ نہ رہے۔ دونوں پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کر کے ہی رائے قائم کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱؍۵؍۱۴۳۷ھ

نیچے وضوخانہ اوپر مسجد بنانا؟

سوال (۳۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جگہ کم ہونے کی وجہ سے ہم نچلے حصے بیسمینٹ میں وضوخانہ، بیت الخلاء، اسٹور روم، امام صاحب کا حجرہ وغیرہ بنانا چاہتے ہیں، اور اُس کے اوپر یعنی ایک تلا سے مسجد تعمیر کرنے کی نیت رکھتے ہیں، تو کیا شریعت اِس کی اجازت دیتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نئی مسجد تعمیر ہو رہی ہے اور شروع ہی سے نیچے کے حصہ میں وضوخانہ اسٹور روم اور امام کا حجرہ بنانے کا اِرادہ ہے، تو نیچے کی منزل میں یہ چیزیں بنا کر اوپر والے حصہ میں اصل مسجد یعنی جماعت خانہ مقرر کر سکتے ہیں؛ لیکن مسجد شرعی (جماعت خانہ) کے حدود میں نیچے یا اوپر کہیں بھی بیت الخلاء یا پیشاب گھر بنانا درست نہ ہوگا، کیوں کہ یہ مصالح مسجد میں داخل نہیں ہیں، نیز اِس کی وجہ سے مسجد میں بدبو وغیرہ آنے کا احتمال بلکہ غالب گمان ہے؛ لہٰذا بیت الخلاء وغیرہ مسجد شرعی کی حد سے باہر کچھ فاصلہ پر ہی بنانا چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۱۳؍۳۵۰-۳۵۱)

وإذا جعل تحته سردابًا لمصالحه أي المسجد جاز. (تنویر الأبصار مع الدر المختار ۶/۵٤۷ زکریا)

الظاهر عدم الجواز؛ لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه. (تقريرات الرافعي ۲/۸۵ زكريا)

وكره تحريمًا الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء،

وكـذا إلـىٰ تحت الثرىٰ ...... لو جعل الواقف تحته بيتًا للخلاء، هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق لم أره صريحًا. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد ٤٢٨/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۵/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مارکیٹ کی چوتھی منزل پر مسجد بنانا؟

سوال (۳۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں ایک نئی مارکیٹ بنی ہے، مارکیٹ کا نام ''حاجی مارکیٹ'' ہے جو چار منزلہ ہے، اس کی پہلی منزل میں دوکانیں ہیں اور دوسری اور تیسری منزل پر مسلمان لیڈر نے لاج بنایا ہے اور چوتھی منزل پر مسجد بنائی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ چوتھی منزل پر مسجد بن سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مستقل طور پر چوتھی منزل کو مسجد بنانے کی نیت کرلی گئی ہے، اور وہاں جگہ کی قلت کی بنا پر اس طرح مسجد بنانے کی ضرورت بھی پائی جاتی ہے، تو وہ منزل حضرت اِمام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق مسجد شرعی بن جائے گی، اور اس پر مسجد کے تمام احکامات جاری ہوں گے۔

وعن أبي يوسف أنه جوز في الوجهين، حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة (الهداية) وقال في الفتح: هٰذا تعليل صحيح؛ لأنه تعليل بالضرورة. (فتح القدير، كتاب الوقف / وإذا بنى مسجدًا لم يزل ملكه عنه ٢٣٤/٦-٢٣٥ دار الفكر بيروت، ٢١٨/٦ زكريا)

وفي التاتارخانية: وفي جامع الفتاوىٰ: إذا كان السفل مملوكًا وفوقه مسجدًا جاز. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٨١/٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی رقم سے جماعت کے لئے کمرہ بنانا؟

سوال (۳۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل جماعت کا کام الحمدللہ عروج پر ہے، اور آنے والی جماعتوں کے لئے مساجد میں کافی آسانیاں موجود ہیں، اِس کے باوجود مسجد انتظامیہ اگر جماعت کے ساتھیوں کے کہنے پر آنے والی جماعتوں کے لئے خاص طور پر الگ سے قیام کے لئے کمرہ اور کھانا بنانے کے لئے رسوئی کا انتظام مسجد کے فنڈ سے کرے تو کیا یہ جائز ہے کہ انتظامیہ عوامی چندہ کو کسی خاص طبقہ کے لئے استعمال کرے؟ جب کہ عوام مسجد کی ضرورت کے لئے چندہ دیتی ہے، نہ کسی طبقہ کے لئے، اگر مقامی ساتھی اور انتظامیہ ایسا عمل کرے تو شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے چندہ دہندگان کی صراحۃً یا دلالۃً اِجازت سے مسجد میں جماعت کے قیام کے لئے کمرہ وغیرہ بنانے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ بھی عرفاً مسجد کے توابع میں داخل ہے۔

قال في الحاوي القدسي: والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أم لا؟ ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة. (شامي ٦/٥٦٠ زكريا، البحرالرائق ٥/٣٥٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہٗ ۱۴/۷/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کے خاص راستہ میں مکان کا دروازہ کھولنا؟

سوال (۳۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، اُس مسجد کے لئے مسجد کے ہی پیسوں سے ایک گلی خریدی گئی

ہے، جس کی لمبائی تقریباً پچاس قدم ہے اور چوڑائی پانچ قدم ہے، اس گلی کے اردگرد لوگوں کے مکانات ہیں، تو اگر کوئی شخص پیچھے ہٹ کر اپنی زمین پر اس گلی میں دروازہ رکھ لے؛ تاکہ وہ نماز کے لئے اس گلی سے آئے جائے۔

واضح ہو کہ وہ اس گلی میں دروازہ رکھے گا تو نماز کے علاوہ وقت میں بھی نکلے گا اور جب ایک شخص دروازہ رکھے گا تو باقی لوگوں کو بھی نہیں منع کیا جاسکتا۔ فرمائیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز چیئرمین کی جانب سے سرکاری پیسوں سے کیا اس گلی میں کھرنجا (سڑک) بچھائی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گلی کی جو زمین مسجد کے پیسوں سے خریدی گئی ہے، اس میں کسی کو اپنے مکان کا دروازہ کھولنے یا گذرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

لأنه لا شركة لهم فيها ولا حق المرور، وليس لهم أن يفتحوا منها بابًا، فكانت كالمملوكة لأهلها. (حاشية: الهداية ٤/٣٩١)

اور سرکاری قانون اگر اجازت دیتا ہو تو مسجد کی اس جگہ پر سرکاری پیسہ سے راستہ بنایا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۱۰/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی اَمانت مسجد میں کیسے لگائیں؟

سوال (۳۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جناب محمد اسم باری محلّہ ٹھٹھیرہ مرادآباد بڑی مسجد ٹھٹھیرہ کے تقریباً پندرہ سال سے متولی تھے، تین سال قبل محلّہ کے اتفاق رائے سے امر تولیت جناب حاجی عبدالواحد صاحب کے سپرد کردیا گیا، سابق متولی کے پاس مسجد کا نیا وپرانا بہت سامان بطور امانت تھا، جس کو وہ امر تولیت سے برطرف ہونے سے لے کر اَب تک حالیہ متولی اور کمیٹی کو پیش کررہے ہیں؛ لیکن وہ اُس کو کسی بھی صورت

سے لینے کو تیار نہیں ہیں، سامان ضائع اور خراب ہو رہا ہے۔

عرض خدمت یہ ہے کہ سابق متولی موجودہ صورتِ حال میں شرعاً کیا کریں؟ آیا وہ اُس کو کسی دوسری مسجد کے حوالے کردیں یا اُس کو فروخت کر کے اُس کے روپئے کو کسی مسجد کی تعمیر پر صرف کردیں اور اگر وہ ضائع ہوگیا تو اُس کا وبال کس پر ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا جو سامان سابق متولی صاحب کے پاس رکھا ہے، اگر وہ اِس قابل ہے کہ موجودہ حالت میں بعینہٖ مسجد کے کام آسکتا ہے، تو اسے مسجد میں لگوادیا جائے، اور اگر وہ مسجد کے استعمال کے قابل نہ رہا ہو، تو اُسے کمیٹی کی نگرانی میں فروخت کر کے اُس کی قیمت مسجد کے فنڈ میں جمع کرادی جائے۔ اور موجودہ متولی اور کمیٹی کو سابقہ متولی کے پاس رکھے ہوئے سامان کو اپنی تحویل میں رکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے؛ کیوں کہ یہ مسجد کی امانت ہے اِس کو ضائع ہونے سے بچانا متولی اور کمیٹی کی ذمہ داری ہے۔

المسجد إذا خرب واستغنیٰ عنه أهل القرية، فرفع ذٰلک إلی القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلی مسجد آخر جاز …… ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم.

(شامي، كتاب الوقف / مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره ٦/٥٥٠ زكريا، ٤/٣٥٩ كراچی، فتح القدير، كتاب الوقف / وإذا بنی مسجدًا لم يزل ملكه عنه ٦/٢٣٧ دار الفكر بيروت، البحر الرائق، كتاب الوقف / فصل في أحكام المسجد ٥/٢٥٢ كوئٹه)

وفي فتاویٰ النسفي: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعیٰ مسجدها إلی الخراب، وبعض المتغلبة يستولون علی خشبه وينقلونه إلیٰ دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسک الثمن ليصرفه

إلی بعض المساجد أو إلیٰ هٰذا المسجد؟ قال: نعم. (شامي، کتاب الوقف / مطلب في نقل أنقاض المسجد ٦/٥٥٠ زکریا، ٤/٣٦٠ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مساجد میں میوزک والی گھڑی رکھنا؟

سوال (۳۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مساجد میں میوزک والی گھڑی رکھنا جائز ہے یا نہیں، نیز گھروں میں رکھنے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میوزک سننا اور سنانا ناجائز ہے؛ لہٰذا میوزک بجانے والی گھڑیاں نہ مسجد میں لگائی جائیں اور نہ اُنہیں گھروں میں لگایا جائے۔

واستماع ضرب الدف والمزمار وغیر ذٰلک حرام، وإن سمع بغتة یکون معذورًا، ویجب أن یجتهد أن لا یسمع، قهستاني. (شامي، کتاب الحضر والإباحة / فصل في البیع ٦/٣٩٥ کراچی، ٩/٥٦٦ زکریا)

والسادس أن لا یرفع فیه الصوت من غیر ذکر اللّٰه تعالیٰ. (الفتاویٰ الهندیة / الباب الخامس من کتاب الکراهیة ٥/٣٢١ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۲/۳ھ

میوزک والے گھنٹے مسجد میں لگانا؟

سوال (۳۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں شہر کی کچھ مساجد میں باجے کی شکل میں میوزک والے گھنٹے لگے ہوئے ہیں،

جن کی آواز سے نمازیوں کو بھی نماز میں خلل ہوتا ہے، بعض تو مائک کے ذریعہ اتنی زور سے بولتے ہیں کہ ٹن ٹن، ٹن ٹن، ٹنا ٹن آواز ہر پندرہ منٹ نصف گھنٹہ پون گھنٹہ ایک ایک گھنٹہ پر شور کرتا ہے کہ سونے والوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے، یہاں تک کہ کوئی ضروری دین اسلام کی بات ہو، تو اِس درمیان میں بہت دشواری ہوجاتی ہے، ایک مسجد میں تو یہاں تک بات پہنچ گئی ہے کہ کچھ مصلی تو اِس فیور میں ہیں اور کچھ حضرات خلاف ہیں، اور آپس میں جھگڑے کی نوبت کئی مرتبہ آچکی ہے، مندرجہ بالا صورتِ حال میں اس قسم کے گھنٹے کا بجنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ گھنٹے جس میں میوزک کی آواز ہو، اُن کو مسجد وغیرہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔

قال ابن مسعود رضي اللّٰه عنه: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات. (الدر المختار / كتاب الحظر والإباحة ۵۰۲/۹ زكريا)

إن الملاهي كلها حرام. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / قبيل فصل في اللبس ٣٤٨/٦ كراچی، ۵۰۲/۹ زكريا)

واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق؛ فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذٰلك حرام (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٩٥/٦ كراچی، ٥٦٦/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۲/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میوزک والی گھڑی مسجد یا گھر میں لٹکانا؟

سوال (۳۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک الیکٹرانک گھڑی زید نے مسجد میں شادی کے موقع پر لگائی، اِس گھڑی میں گھنٹہ بجنے سے پہلے میوزک کی آواز آتی ہے، اس کے بعد گھنٹہ بجتا ہے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح باجہ بجنے والی گھڑی کا مسجد میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میوزک والی گھڑی مسجد میں یا گھر میں رکھنا شرعاً درست نہیں ہے۔

واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذٰلك حرام، وإن سمع بغتة يكون معذوراً، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع ٣٩٥/٦ كراچی، ٥٦٦/٩ زكريا)

وعن الحسن: لا بأس بالدف في العرس ليشتهر، وفي السراجية: هٰذا إذا لم يكن له جلاجل ولا يضرب على هيئة التطرب، وفي التحفة: أنه حرام عند أكثر المشائخ. (بدر المتقى في شرح الملتقى على هامش المجمع، كتاب الكراهية / فصل في المتفرقات ٥٥٣/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۹/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری فنڈ سے عیدگاہ کا فرش بنوانا؟

سوال (۳۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل وزارتِ شہری ترقیات کی جانب سے تمام قصبات وشہروں میں ترقیاتی اُمور کی اَنجام دہی کا سلسلہ تیزی سے چل رہا ہے، سڑکوں اور قبرستان کی چہار دیواری، شہیدانِ وطن ودیگر محبینِ وطن شخصیات کے نام سے موسوم دروازے، پارک وشمشان گھاٹ وغیرہ پر ایک خطیر رقم صرف ہورہی ہے، اگر مسلم چیئرمین کسی قصبہ یا شہر کی عیدگاہ کے فرش وغیرہ پر اِسی طرح کچھ تعمیری

کام کرانا چاہے تو اُس میں شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سرکاری ضابطہ کے موافق عامۃ الناس کے فائدے کے طور پر سرکاری فنڈ سے عیدگاہ کا فرش بنوایا جائے اور بعد میں اِس تعاون کی وجہ سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو سرکار سے ایسا تعاون لینا درست ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۱۰۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۷/۱/۳۰ھ

عام موقوفہ قبرستان کو کسی برادری کے لئے خاص کرنا؟

سوال (۳۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں کے وقف علی الخیر سرکاری قبرستان کی تقریباً چار ماہ قبل سرکاری روپیہ سے چار دیواری ہوئی ہے؛ تاکہ کسی ایک برادری کے لئے کامل طور پر قبضہ کے کسی اور دیگر کو دفن نہ ہونے دیا جائے؛ حالاں کہ قبل ازیں دیگر برادری کے آباد واجداد دفن ہوتے رہے ہیں، نیز قبرستان میں ذاتی تالا لگانا از روئے شرع کیسا ہے؟ اور اُن لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے، جو کچھ دنوں سے کچھ لوگوں کو دفن ہونے سے روک رہے ہیں؟

مذکورہ معاملہ میں اگر کوئی فتنہ وفساد ہوتا ہے تو اُس کا وبال عنداللہ وعندالشرع کن لوگوں کے سر رہے گا؟ یا کون لوگ مجرم قرار پائیں گے؟

شرع شریف میں اُن لوگوں کے لئے کیا وعیدیں ہیں جو اِس فعل کو انجام دے رہے ہیں؟ جواب مفصل طور پر تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قبرستان عام لوگوں کے لئے سرکار کی طرف سے وقف کردہ ہے اور جس میں سبھی برادری کے لئے مرحومین کو بلا کسی امتیاز کے زمانہ سابق سے دفن کیا

جا تا رہا ہے، اِس طرح کے قبرستان کو کسی ایک برادری کے لئے خاص کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، جو لوگ بھی اِس قبرستان میں دیگر برادری کے لوگوں کو دفن کرنے سے روک رہے ہیں، وہ شرعاً گنہگار ہیں اور عوام کا حق غصب کرنے والے ہیں انہیں اپنے فعل سے باز آنا لازم ہے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن (الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب مهم: فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة الخ ٣٥٢/٤ دار الفكر بيروت، ٥٣٩/٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متفرقات:

اِختلافِ رائے اور وحدتِ اُمت

نوٹ: - اسلامک فقہی اکیڈمی کے ۲۵/ویں فقہی سیمینار منعقدہ ۲۶ - تا - ۲۸/ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۶ - تا - ۸/فروری ۲۰۱۶ء آسام کے لئے ''اِختلافِ رائے اور وحدتِ اُمت'' کے موضوع پر حضرت الاستاذ نے درج ذیل جوابات تحریر فرمائے تھے، جو سوال ۳۱۶ - تا ۳۲۰ ہیں، قارئین کے اِفادہ کے لئے ذیل میں درج ہیں۔ (مرتب)

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو اتحاد واجتماعیت کا حکم فرمایا ہے، اور باہمی اختلافات اور تفرقہ بندی سے سختی سے منع کیا ہے، اِرشادِ باری ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا﴾

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾

دوسری طرف یہ واقعہ ہے کہ اُمت مسلمہ کے افراد کے درمیان مختلف قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں، اور فکر ونظر کا اختلاف ایک ایسی سچائی ہے جس کو نہ تو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ یہ اختلافات بعض دفعہ عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے دورِ قدیم میں اہل سنت، اہل تشیع، معتزلہ اور خوارج وغیرہ کے اختلافات ہیں، اور کبھی ان اختلافات کا تعلق عملی، غیر قطعی احکام سے ہوتا ہے، جیسے ائمہ مجتہدین کے درمیان پائے جانے والے فروعی اختلافات اور کبھی

ان اختلافات کا تعلق رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی بنیاد پر پائی جانے والی عصبیتوں سے ہوتا ہے، جن کی اسلام نے شدت سے مخالفت کی ہے، اور اُنہیں ختم کرنے کا حکم دیا ہے۔

دورِ حاضر میں بعض اختلافات نے انتہائی بھیانک شکل اختیار کر لی ہے، اور ان اختلافات کے بھڑکانے کی وجہ سے اُمت اسلامیہ زار و نزار ہے، اس کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی ہے، اور دشمنانِ اسلام ان اختلافات کو بھڑکا کر اُمت مسلمہ کی تباہی و بربادی دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں، مثلاً دورِ حاضر میں شیعہ سنی اختلافات جس نے عالم عرب اور عالم اِسلام کے خاصے بڑے حصہ کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا ہے، لاکھوں مسلمان شیعہ سنی جنگوں میں مارے جا چکے ہیں، دسیوں لاکھ کلمہ گو خانہ بدوش اور بے وطن ہو چکے ہیں۔ اِسی طرح بعض ملکوں اور علاقوں میں دیوبندی، بریلوی اختلافات، سلفی غیر سلفی اختلافات، نیز اسلام پسند اور لبرل طبقے کے اختلافات نے بڑی شدت اختیار کر لی ہے، اور ان کے باہمی نزاعات انتہائی ناگوار شکلیں اختیار کر چکے ہیں۔

موجودہ حالات کے پس منظر میں علماء امت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان اختلافات کی شرعی حیثیت واضح کریں اور یہ بتائیں کہ کونسا اختلاف محمود ہے اور کونسا مذموم؟ اختلاف کے حدود وآداب کیا ہیں؟ اور بعض اعتقادامور میں اختلاف کے باوجود اختلاف رکھنے والی جماعتیں اور فرقے ایک دوسرے کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں، اختلافات کو مٹانے اور کم کرنے کی کیا شکلیں ہیں؟ اور اختلاف کے باوجود امت مسلمہ کے وحدت کو کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے، اور موجودہ حالات میں امت مسلمہ کا شیرازہ جس طرح بکھر رہا ہے، اُس کے سدباب کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں؟ موجودہ حالات کے تناظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں، اُمید ہے کہ آپ اپنے علم وتفقہ کو بروئے کار لا کر ان سوالات کے تحقیقی جوابات تحریر فرمائیں گے، اور اُمت مسلمہ کی شیرازہ بندی اور اتحاد میں بھرپور حصہ لیں گے۔

سوال (۳۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فقہی مسالک کے اختلافات کا بڑا حصہ وہ ہے جن میں اختلاف کی نوعیت، اَفضل غیر

اَفضل، راجح، مرجوح کی ہوتی ہے، چند ہی مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف کی نوعیت حلال وحرام، یا جائز وناجائز کی ہو، اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت جائز اور ناجائز یا حلال وحرام کی ہوتی ہے، اُن میں بھی چوں کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے، اور اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک کو ترجیح دی جاسکتی ہے؛ لیکن مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا اور اس اختلاف کو حق اور باطل کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہوتا ہے، مگر موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مصنفین، مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں، جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے، یا اُس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہے، اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی کی جاتی ہے۔ ان فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے اور کن حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہئے، جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- مجتہد فیہ مسائل میں جو آراء کا اختلاف پایا جاتا ہے، اُس کی بنیاد یا تو دلائل کے تعارض پر ہے، یا اَصل نصوص میں صریح حکم نہ ملنے پر ہے؛ بریں بنا ایسے مسائل میں اختلاف فطری اور واقعی ہے، جسے شریعت کی نظر میں برا نہیں سمجھا جاتا، اور شروع سے لے کر آج تک ہر زمانے میں ایسے فروعی اختلافات کو اُمت میں برداشت کیا جاتا رہا ہے، اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو دورِ نبوت میں غزوۂ بنوقریظہ کے موقع پر پیش آیا کہ پیغمبر علیہ السلام نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ کوئی شخص عصر کی نماز بنوقریظہ کی بستیوں تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے قافلے روانہ ہوئے اور عصر کا وقت تنگ ہونے لگا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ظاہری حکم کے موافق برابر چلتے رہے اور وقت گذرنے کے بعد بنوقریظہ میں پہنچ کر ہی نماز ادا کی، جب کہ بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام کے حکم کو تعجیل پر محمول کیا، اور وقت کے اندر اندر بیچ راستہ میں رک کر نماز ادا کرلی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے کسی پر نکیر نہیں کی۔ (بخاری شریف ۵۹۱/۲)

بعینہٖ یہی صورت مجتہدین کے آپسی اختلافات کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے ''صواب محتمل خطا ہے'' یعنی صحیح ہے مگر اس میں غلطی کا بھی احتمال ہے لیکن ایک مجتہد کے ماننے والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مجتہد کے مستنبط مسائل کی بالکل تغلیط کریں، یا اُن پر عمل کرنے والوں کو فاسق اور گمراہ قرار دیں، مذاہب اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ) میں مسائل کا اختلاف اسی نوعیت کا ہے، کہ ان میں ہر مذہب حق ہے اور قابل اتباع ہے، یہ اختلاف حق و باطل کا نہیں، بلکہ علم وفہم اور استنباط کا ہے۔

لیکن واضح رہے کہ ایسی آراء پر بحث ومباحثہ صرف علمی ماحول میں ہونا چاہئے، اور عوام جو دلائل کی گیرائی سے واقف نہیں ہوتے، اُن کو ایسے بحث ومباحثہ میں شامل ہونا ملت میں سخت انتشار کا سبب ہے، جس علاقہ میں جو فقہی مسلک رائج ہو اور عوام کی اکثریت اُس سے مانوس ہو اور اُس کے مطابق صدیوں سے عمل کرتی چلی آئی ہو، اُن کے درمیان دوسرے مسلک کی اسی طرح تبلیغ کرنا جس سے اسی علاقہ کے عوام کا سابقہ عمل بالکل غلط قرار پائے، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اور آج دنیا میں جو فروعی اختلافات اُبھارے جا رہے ہیں، اُن کے پس پشت ائمہ اربعہ کے مقلدین ومتبعین نہیں ہیں؛ بلکہ وہ غیر مقلدین ہیں جو بزعم خود نصوص کو سمجھ کر اپنے علاوہ سب کو گمراہ اور باطل قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں، اِس وقت ملت کو اُن فتنہ انگیزوں سے بچانے کی سخت ضرورت ہے، اُن کا یہ عمل سلف صالحین کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔

روى الدارمي في سننہٖ: إن حميدًا الطويل قال للخليفة الراشد عمر بن عبد العزيز: لو جمعت الناس على الشيء! فقال ما يسرني أنهم لم يختلفوا. قال: ثم كتب إلى الآفاق أو إلى الأمصار، ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاء هم.

وروى أبو زرعة الدمشقيؒ عن سليمان بن حبيب المحاربي التابعي الثقة القاضي بدمشق أنه قال: أراد عمر بن عبد العزيز أن يجعل أحكام الناس والأجناد

حکـمًـا واحدًا، ثم قال: إنه قد كان في كل مصر من أمصار المسلمين وجندٍ من أجنـاده نـاس مـن أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، وكانت فيهم قضاة قـضـوا بـأقـضية أجازهـا أصـحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ورضوا بها، وأمـضـاهـا أهـل الـمصر، كالصلح بينهم، فهم على ما كانوا عليه من ذٰلک، فترک عـمـر مـا كان أراده، وكان حريصًا جدًا على أن لا يغير من واقع الأمة شيئًا مألوفًا عندهم، ما دام على وِجهة شرعية. وانتظِر خبره الدال على ذٰلک ......

قال ابن أبي حاتم: قال مالک: ثم قال لي أبو جعفر المنصور: قد أردت أن أجعـل هٰـذا العلم علمًا واحدًا، فكتب به إلیٰ أمراء الأجناد وإلى القضاء فيعملون بـه، فـمن خالف ضربتُ عنقه، فقلت له: يا أمير المؤمنين! أو غير ذٰلک؟ قلت: إن الـنبـي صـلـی الـلّٰـه عـلیـه وسـلم كان في هٰذه الأمة، وكان يبعث السرايا، وكان يـخـرج، فـلم يفتح من البلاد كثيرًا حتى قبضه اللّٰه عزوجل. ثم قام أبو بكر رضي الـلّٰـه عـنـه بـعـده: فـلـم يفتح من البلاد كثيرًا، ثم قام عمر رضي اللّٰه عنه بعدهما فـفتـحـت البـلادُ عـلى يديه، فلم يجد بدًا من أن يبعث أصحاب محمد صلی اللّٰه عـلیـه وسـلـم مـعلمين، فلم يزل يؤخذ عنهم كابرًا عن كابرٍ، إلى يومهم هٰذا، فإن ذهبـت تحولهم مما يعرفون إلى ما لا يعرفون رأوا ذٰلک كفرًا (معالم أرشادية لصناعة طالب العلم ٣٦٧-٣٦٨ للشيخ محمد عوامة)

يـحـكى نسبة هٰذه القصة إلى هارون الرشيد، وأنه شاور مالكاً في أن يعلق الـمرطأ في الكعبة ويحمل الناس على ما فيه، فقال: لا تفعل، فإن أصحاب رسول الـلّٰـه صـلـی الـلّٰـه علیه وسلم: اختلفوا في الفروع وتفرقوا في البلدان وكل سُنَّةٍ مضت، قال: وفقک اللّٰه يا أبا عبد اللّٰه(حجة اللّٰه البالغة ١/١١٤)

ومـنـها أن أكثر صور الاختلاف بين الفقهاء لا سيما في المسائل التي ظهر

فيها أقوال الصحابة في الجانبين، إنما هو في ترجيح أحد القولين، وكان السلف لايختلفون في أصل المشروعية، وإنما كان خلافهم في أولي الأمرين، ولذالک لم يزل العلماء يُجوّزون فتاوىٰ المفتين في المسائل الاجتهادية، ويسلمون قضاء القضاة، ويعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم. (حجة اللّٰه البالغة ٤٤٣/١)

﴿وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتِ﴾

ثم إن هٰذا الاختلاف المذموم محمول كما قيل على الاختلاف في الأصول دون الفروع واستدل على عدم المنع من الاختلاف في الفروع بقوله عليه الصلاة والسلام: اختلاف أمتي رحمةٌ، وبقوله: مهما أوتيتم من كتاب اللّٰه فالعمل به لا عذر، لأحد في تركه؛ فإن لم يكن في كتاب اللّٰه فسنة مني ما ضيه، فإن لم يكن سنة مني فما قال أصحابي: إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء فأيما أخذتم به اهتديتم واختلاف أصحابي لكم رحمة. (روح المعاني ٣٨/٣ زكريا)

والثالث في الفروع كالاختلاف في الحلال والحرام ونحوهما، والذي نقطع به، أن الاتفاق خير منه أيضًا لكن هو ضلال كالقسمين الأولين أم لا؟ فيه خلاف، فكلام ابن حزم ومن سلک مسلكه ممن يمنع التقليد يقتضي الأول، وأما نحن فإنا نجوز التقليد للجاهل والأخذ عند الحاجة بالرخصة من أقوال بعض العلماء من غير تتبع رخص وهو يقتضي الثاني، وفي هٰذا الوجه قد يصح أن يقال: "الاختلاف رحمة". (روح المعاني ٣٩/٣ زكريا)

وأما حكم مسائل الاجتهاد فإن الاختلاف فيها بسبب استخراج الفرائض ودقائق معاني الشرع وما زالت الصحابة يختلفون في أحكام الحوادث، وهم مع ذٰلک متآلفون(أحكام القرآن للقرطبي ١٥٩/٤)

إن اختلاف الفقهاء محصور فقط بين المأخوذ من مصادر الشريعة؛ بل

هـو ضـرورة اجتهـادية يميلها الاجتهاد نفسه في فهم الحكم من الأدلة الشرعية مباشرة، كما هو الشان في تفسير نصوص القوانين، واختلاف الشراح فيما بينهم، وذلك إما بسبب طبعة اللغة العربية المجملة أو المحتملة، وإما بسبب رواية الحديث، وإما بسبب التفاوت بين المجتهدين في كثرة أو قلة الاعتماد على مصدر تشريعي أو لمراعاة المصالح والحاجات والأعراف المتجددة المتطورة. (الفقه الإسلامي وأدلته ۷۶/۱ للدكتور: وهبة الزحيلي رحمه اللّٰه)

سوال (۳۱۷):- جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدے سے ہے، مثلاً شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیوبندی اور بریلوی اختلافات، سلفی اور غیر سلفی اختلافات، اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلہ خیال کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے، جس سے باہمی منافرت میں اِضافہ نہ ہو اور کم از کم ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- اَولاً یہ واضح رہنا چاہئے کہ کسی بھی شخص یا فرقہ کو کافر قرار دینا بہت بھاری بات ہے، جب تک بھی کسی شخص کی بات میں مناسب تاویل کی گنجائش ہو، تو اُس کو بہتر معنی پر محمول کرتے ہوئے اُس کے قائل کی تکفیر سے احتراز کیا جائے گا۔ علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق (باب المرتد ۱۲۴/۵) میں فتاویٰ صغری سے نقل کیا ہے کہ کفر بڑی بھاری چیز ہے، مجھے اگر کوئی بھی روایت مل جائے (گوکہ وہ ضعیف ہو) تو میں کسی صاحب ایمان کو کافر نہیں بناؤں گا، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلمان کے کلام کو امکانی حد تک ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو اس کی تکفیر کا موجب نہ ہو۔ اور اگر کسی مسلمان کو کفر سے بچانے کے لئے مذہب کی کسی ضعیف روایت کا سہارا لینا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے گا۔ (شرح عقود رسم المفتی ۸۳ سہارنپور)

وفي الفتاوىٰ الصغرىٰ: الكفر شيء عظيمٌ، فلا أجعل المؤمن كافرًا متى وجدت روايةً أنه لا يكفر، وفي الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسئلة وجوهٌ توجب

التكفير، ووجه واحد يمنعه، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينًا للظن بالمسلم. زاد في البزازية: إلا إذا سرها بإرادة موجب الكفر، فعد ينفعه التاويل. وفي التاتارخانية: لا يكفر بالمحتمل؛ لأن الكفر نهاية في العقوبة، فيستدعي نهاية في الجناية، ومع الاحتمال لا نهايةَ، والذي تُحرر أنه لا يفتى بكفر مسلمٍ، أمكن حمل كلامه على محمل حسنٍ، أو كان في كفره اختلافٌ، ولو رواية ضعيفةً. (شامي / كتاب الجهاد ۳۵۸/٦ زكريا)

لیکن اگر کسی شخص کا عقیدہ ایسا ہو جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، یا جو اِجماعِ امت کے بالکل خلاف ہو تو اِس معاملہ میں نرم رویہ اختیار نہیں کیا جاسکتا، ایسے عقائد کی تردید لازم ہے، اِس بارے میں مداہنت روا نہیں؛ کیوں کہ اگر اِس میں نرمی برتی جائے گی تو حق اور باطل کا امتیاز ختم ہوجائے گا، اور دین اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہے گا۔

اس مرحلہ پر ممکن ہے کہ ہر فرقہ یہ دعویٰ کرے کہ میں ہی معیارِ حق بننے کے لائق ہوں، اور دوسرے سب گمراہ ہیں، تو اس معاملہ میں محض زبانی جمع خرچ کافی نہیں، بلکہ درج ذیل دو کسوٹیوں پر جو فرقہ پورا اترے گا وہی اہلِ حق کہلائے جانے کا مستحق ہوگا:

(۱) اس فرقہ کے عقائد قرآن کریم کے موافق ہوں: ارشادِ خداوندی ہے، ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا''۔ (آل عمران:۱۰۳) (اور اللہ کی رسی (قرآن کریم) کو مضبوطی سے پکڑلو، اور پھوٹ نہ ڈالو) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہلِ حق کو جانچنے کا اولین معیار یہ ہے کہ وہ قرآن کریم میں بیان کردہ عقائد پر ثابت قدم ہوں، اور قرآن کریم سے ثابت شدہ کسی بات کے منکر نہ ہوں، ورنہ وہ ہرگز اہلِ حق میں نہیں کہلائے جاسکتے۔

(۲) اس کے عقائد واعمال، سنت اور حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق ہوں: چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے اور ان میں صرف ایک فرقہ کے جنتی ہونے کا تذکرہ کیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کہ نجات پانے والی جماعت کون سی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ''، یعنی جماعت ناجیہ صرف وہ جماعت ہے

جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلنے والی ہو۔ (ترمذی شریف ۲/۹۳)

ان دونوں معیاروں کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فرقۂ ناجیہ کے مصداق وہی حضرات ہوسکتے ہیں، جو پکے موحد ہوں، فکری اور عمل بدعات سے نفور ہوں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے متبع ہوں، اور دین میں آزادخیالی اور خود رائی سے دور ہوں، (اگرچہ ان کے فقہی مذاہب الگ الگ ہوں) ان باتوں کے بغیر حقانیت کا دعویٰ محض فریب ہوگا۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ...... وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً، وتفترق أمتي على ثلاثٍ وسبعين ملةً، كلهم في النار، إلا ملةً واحدة، قالوا: من هي يا رسول اللّٰه! ما أنا عليه وأصحابي. (سنن الترمذي ٢/٩٣)

عن ثوبان رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر اللّٰه وهم كذٰلک. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٩/٢٠٤ رقم: ١٨٨٢٥، صحيح البخاري ٢/١٠٨٧ رقم: ٧٠١٩ ف: ٧٣١١)

عن معاوية بن قرة عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يزال طائفة من أمتي منصورين لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة. (مشكاة المصابيح ٥٨٤)

فأوجب تعالىٰ علينا التمسک بكتابه وسنة نبيه والرجوع إليها عند الاختلاف، وأمرنا بالاجتماع على الاعتصام بالكتاب والسنة اعتقادًا وعملاً، وذٰلک بسبب اتفاق الكلمة وانتظام الشتات الذي يتم به مصالح الدنيا والدين، والسلامة من الاختلاف وأمر بالاجتماع ونهي عن الافتراق الذي حصل لأهل الكتابين هٰذا معنى الآية على التمام. (أحكام القرآن للقرطبي ٤/١٦٤)

أمـا الاختـلاف فـي الـعـقيـدة فهو الذي يعيبها، ويفرق بين أبنائها، ويمزق شـملها، ويضعف كيانها لهٰذا، فإن العودة إلى العمل بالفقه الإسلامي، والاعتماد علـى تـقـنيـن مـوحـد مستـمـد مـنـه سبيل لتدعيهم وحدة الأمة الإسلامية ونبذ خلافاتها. (الفقه الإسلامي وأدلته ٧٦/١)

سوال (٣١٨):- جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو؛ لیکن اُن کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدے پر تنقید اور جس فکر یا عقیدے کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اُس کی بنیاد پر اُس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو، اُس پر تنقید دونوں میں شرعی لحاظ سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اُس کی وضاحت کی جائے اور دونوں قسم کے فکر اور عقیدہ پر تنقید کے حدود وآداب بیان کئے جائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- سنجیدہ اور مثبت انداز میں عوام کو بدفکری اور بدعقیدگی سے بچانے کی فکر کرنا نہی عن المنکر میں شامل ہے؛ لہٰذا جو فرقے جس درجے کے گمراہ ہوں اُسی اعتبار سے اُن سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کرنا اور اُس کے متعلق اطمینان بخش علمی دلائل فراہم کرنا علماء کا منصبی فریضہ ہے، اور جن فرقوں کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہوں، اُن سے بدرجہ اولیٰ بچنے کی تلقین کی جائے گی۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اُدْعُ اِلىٰ سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل، جزء آيت ١٢٥]

وأمره أن يدعو إلى دين اللّٰه وشرعه بتلطف ولين دون مخاشنة وتعنيف، وهٰكذا ينبغي أن يوعظ المسلمون إلى يوم القيامة، فهي محكمة في جهة العصاة من الموحدين، ومنسوخة بالقتال في حق الكافرين، وقد قيل ان من أمكنت معه هٰذه الأحوال من الكفار ورجى إيمانه بها دون قتال فهي فيه محكمة. (أحكام القرآن للقرطبي ٢٠٠/١٠)

بالطريقة التي هي أحسن طرق المناظرة والمجادلة من الرفق واللين

واختيـار الـوجـه الأيسر واستعمال المقدمات المشهورة تسكينًا لِشغبهم وإطفاء لـلهبهـم، واسـتـدل أربـاب الـعـقـول بـالآية عـلـى أن الـمعتبر في الدعوة من بين الـصـنـاعـات الـخمس إنما هو البرهان والخطابة والجدل حيث اقتصر في الآية على ما يشير إليه. (روح المعاني ٣٧٦/٨ زكريا)

قـال رسـول الـلّٰـه صـلـى الـلّٰـه عليه وسلم: يرث هٰذا العلم من كل خلف عـدولـه يـنـفون عنه تأويل الجاهلين، وانتحال المبطلين وتحريف الغالين. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٣٩٣/١٠ رقم: ٢٠٩١١)

عـن طـارق بـن شهاب قال: أول من قدم الخطبة قبل الصلاة مروان، فقام رجل، فقال لمروان: خالفت السنة، فقال: يا فلان! تُرك ما هناك؟ فقال أبو سعيد: أمـا هٰـذا فـقـد قـضى ما عليه، سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من راٰى مـنـكـم مـنكرًا فليغيره بيده، ومن لم يستطع فبلسانه، ومن لم يستطع فبقلبه، وذٰلک أضعف الإيمان (صحيح مسلم ٥٠/١، سنن الترمذي ٤٠/٢)

أجـمـع الـمسلمون فيما ذكر ابن عبد البر أن المنكر واجب تغييره على كل من قـدر عليه، وأنه إذا لـم يـلـحقه بتغييره إلا اللوم الذي لا يتعدي إلى الأذى، فإن ذٰلک لا يـجب أن يمنعه من تغييره، فإن لم يقدر فبلسانه، فلم لم يقدر فبقلبه ليس عليه أكثر من ذٰلک، ...... وباللسان على العلماء وبالقلب على الضعفاءيعني عوام الناس، فالمنكر إذا أمكنت إزالته باللسان للناس فليفعل. (أحكام القرآن للقرطبي ٤٨/٤)

قـال ابـن عـطية: والإجـمـاع مـنعقد على أن النهي عن المنكر فرض لمن أطـاقه وأمن الضرر على نفسه وعلى المسلمين، فإن خاف فينكر بقلبهٖ ويهجر ذا المنكر ولا يخالطه. (أحكام القرآن ٢٥٣/٦ تحت سورة المائدة ٧٩)

ســــوال (٣١٩):- اِس وقت شیعہ سنی کے اختلافات اور تنازعات بھیانک شکل اختیار

کر چکے ہیں، اور اُن کی بنیاد پر اُمت مسلمہ بدترین جنگ وخوں ریزی میں مبتلا ہے، اور دشمنانِ اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے، ایک فرقے کے لوگ بے تحاشہ دوسرے فرقہ کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، اور اِس کو کارِثواب سمجھنے لگے ہیں، کیا اسلام اِس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم اُن لوگوں کو جنہیں اُن کے بعض عقائد کی بنا پر گمراہ یا خارج از اسلام سمجھتے ہیں، بے دریغ قتل کریں، ایک دوسرے کی زیر انتظام مساجد اور اِداروں پر حملہ کریں، ایک دوسرے کی اہم مذہبی شخصیات کو قتل کریں؟ اِس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں (شام، عراق، یمن، پاکستان) میں شیعہ سنی آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے، شرعی نقطہ نظر سے اُس کا حکم کیا ہے؟ اور اِس خوں ریزی کو روکنے کے لئے علماء، اَصحابِ فکر و دانش اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں:

(۱) اول یہ کہ گمراہ فرقوں کے عقائد کی علمی طور پر تردید اور عوام کو گمراہی سے بچانے کی کوشش یہ تو برابر جاری رکھنی چاہئے، اِس کے بغیر دین کا تحفظ نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ کسی فرقہ کی گمراہی کی وجہ سے عوام الناس کا آپس میں قتل وغارت گری کرنا، تو اِس کی اسلام میں مطلقاً اجازت نہیں ہے، اور آج عقیدہ کی بنیاد پر مختلف ممالک میں آپس میں جو خوں ریزیاں جاری ہیں، وہ قطعاً حرام ہیں۔

البتہ خاص حالات میں صرف اسلامی حکومت کے حاکم کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ دعویٰ، شہادات اور متعلقہ شخص یا فرقے کی فتنہ انگیزیوں کو دیکھ کر قرار واقعی سزا (جس میں قتل بھی شامل ہے) کا فیصلہ کرے، عوام کو اپنے طور پر یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور حکومت کو بھی یہ اختیار صرف اُنہیں جگہوں میں حاصل ہے جہاں اس کے بغیر فتنہ کا استیصال ممکن ہی نہ ہو، اور اگر حالات اِس کے برعکس ہوں تو بہر حال مصالح اور انجام کا خیال رکھا جائے گا، سیاستِ شرعی کا تقاضہ یہی ہے۔

قال محمد: ليس للذي يستعمل على رستاق على مؤنة أو خراج، استيفاء

الحدود، وإنما ذٰلک إلی أمراء الأمصار والمدن، وذٰلک هو الإمام. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب السرقة / الفصل الخامس عشر في بیان من له إقامة الحدود ٦/ ٤٩٢ رقم: ٩٨٢٣ زکریا)

التعزیر مفوض إلی رأی الإمام. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦/ ٣٩٨ رقم: ٩٤٣٧ زکریا، شامي ٦/ ١٠٣ زکریا)

وفي القهستاني: السیاسة لا تختص بالزنا، بل تجوز في کل جنایةٍ، والرأي فیها إلی الإمام علی ما في الکافي، کقتل مبتدعٍ یتوهم منه انتشار بدعته، وإن لم یحکم بکفره، کما في التمهید ...... الخ. فالسیاسة استصلاح الخلق بإرشادهم إلی الطریق المنجي في الدنیا والآخرة، فهي من الأنبیاء علی الخاصة والعامة في ظاهرهم وباطنهم، ومن السلاطین والملوک علی کل منهم في ظاهره لا غیر، ومن العلماء ورثة الأنبیاء علی الخاصة في باطنهم لا غیر، کما في المفردات وغیرها. (شامي / کتاب الحدود ٦/ ٢٠ زکریا)

وفي نور العین عن التمهید: أهل الأهواء إذا ظهرت بدعتهم بحیث توجب الکفر فإنه یباح قتلهم جمیعًا، إذا لم یرجعوا ولم یتوبوا...... الخ. والمبتدع لو له دلالة ودعوةٌ للناس إلی بدعته، ویتوهم منه أن ینشر البدعة، وإن لم یحکم بکفره، جاز للسلطان قتله سیاسةً وزجرًا؛ لأن فساده أعلیٰ وأعم، حیث یؤثر في الدین، والبدعة لو کان کفرًا یباح قتل أصحابها عامًا، ولو لم تکن کفرًا یقتل معلمهم ورئیسهم زجرًا وامتناعًا. (شامي / کتاب الجهاد ٦/ ٣٨٦ زکریا)

سوال (٣٢٠):- دنیا کے مختلف ملکوں میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں، دونوں فرقے سیکڑوں سال سے اُن ملکوں اور علاقوں میں آباد ہیں، کیا یہ دونوں فرقے (خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں) پرامن بقاء باہم کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتے، جس طرح بہت سے ملکوں میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پرامن بقاء باہم کے اُصولوں پر زندگی گذار رہے ہیں، اور شریف اِنسانوں کی طرح اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، اگر شرعی لحاظ

سے یہ دونوں فرقے ایک ملک اور ایک علاقہ میں اَمن وسلامتی کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں، تو اس کے لئے کیا شرعی اُصول وآداب ہیں، اور باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؛ تاکہ دونوں فرقے پُرامن طور پر زندگی گذار سکیں، اور ایک دوسرے کے انسانی حقوق کا خیال کرتے ہوئے باہم رہ سکیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - جن علاقوں میں شیعہ سنی مشترک آبادیاں ہیں، وہاں دونوں فرقے پرامن بقائے باہم کے اُصول کے ساتھ زندگی گذار سکتے ہیں، اور دنیا کے بہت سے ممالک اور شہروں میں صدیوں سے یہ دونوں فرقے ساتھ رہتے آئے ہیں، ہر فرقے پر لازم ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو، بالخصوص شیعوں پر لازم ہے کہ وہ خلفاء ثلاثہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا بازی سے باز آئیں، اور سنیوں سے بغض وعناد کا راستہ چھوڑ کر شریف پڑوسیوں کی طرح زندگی گذاریں۔

عن أبي سعيد رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تسبوا أصحابي، فوالذي نفسي بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحدٍ ذهبًا ما بلغ مدّ أحدهم ولا نصيفه. (السنن الكبریٰ للبيقهي ١٠/٣٩٢ رقم: ٢٠٩٠٧، صحيح مسلم ٢/٣١٠)

عن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: اكرموا أصحابي؛ فإنهم خياركم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب. (مشكاة المصابيح ٥٥٤)

عن عبد اللّٰه بن مغفل رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اللّٰه اللّٰه في أصحابي! لا تتخذوهم غرضًا من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى اللّٰه، ومن آذى اللّٰه فيوشک أن يأخذه(سنن الترمذي ٢/٢٢٥)

عن ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ

علیہ وسلم: إذا رایتم الذین یسبون أصحابي فقولوا لعنة اللّٰہ علی شرکم. (سنن الترمذي ٢٢٥/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٦/٣/ ١٤٣٧ھ

مملوکہ درخت پر کسی چیز کے سایہ کے وہم سے اُسے نہ کٹوانا؟

سوال (۳۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا آبائی مکان ہے اور بہت زیادہ کمزور ہے، میں اُس کی تعمیرِ نو کرانا چاہتا ہوں، میرے اُس مکان میں تقریباً دو سو پچاس سال پرانا نیم کا درخت ہے، جس کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ اُس پر کسی کا سایہ ہے، حالاں کہ ہمیں اِس طرح کی کوئی چیز کبھی دیکھائی نہیں دی، جس کی وجہ سے تعمیرِ نو نہیں ہو پا رہی ہے، تو کیا میں اُس کو کٹوا کر مکان بنا سکتا ہوں، اور میں نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اُس کی لکڑی مسجد میں دینی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ درخت آپ کی زمین میں ہے، اور آپ کی ملکیت ہے، اس کو کٹوا کر اپنے استعمال میں لانا یا مسجد میں دینا سب درست ہے، اِس وہم کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ اُس پر کسی چیز کا سایہ ہے، آپ یہ وہم دل سے نکال دیں۔

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء (بیضاوي شریف ٧)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ١٣/١١/١٤٢١ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روتے بچہ کو چپ کرنے کے لئے عورتوں کا کہنا کہ ''وہ آئی اللہ کی رحمت اُسے دے دوں گی''

سوال (۳۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے علاقہ میں دین دار گھرانے کی عورتوں کا یہ مزاج ہے کہ جب اُن کا بچہ روتا ہے، یا ضد کرتا ہے یا کوئی غلط کام کرتا ہے، تو اُس بچہ کو خاموش کرنے کے لئے یا ضد سے باز آنے کے لئے یوں کہتی ہے کہ ''وہ آئی اللہ کی رحمت'' یا یوں کہتی ہیں کہ ''یا تو چپ ہوجا ورنہ تجھے اللہ کی رحمت کو دے دوں گی''۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ جملے کہیں اللہ کی رحمت سے ڈرانے کے لئے تو نہیں ہیں؟ کیا یہ جملے بولنا صحیح ہے یا ایسے موقع پر بچوں کو اللہ کے خوف سے ڈرانا چاہتے کہ یا تو چپ ہوجا، ورنہ اللہ مارے گا، یا اللہ کھانے پینے کو نہیں دے گا، اِس طرح کے جملے بولنا چاہئے، اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ کی رحمت کوئی ڈرانے کی چیز نہیں ہے؛ اِس لئے بچوں کو ایسے الفاظ سے نہیں ڈرانا چاہئے، بچوں کا ذہن آئینہ کی طرح صاف ہوتا ہے جو بات بچپن میں اُن کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے وہ پوری زندگی نہیں نکلتی، اگر اللہ کی رحمت سے اُنہیں ڈرایا جائے گا تو رحمت کا ڈر اُن کے دل میں بیٹھ جائے گا، جو کسی طرح مناسب نہیں؛ البتہ اللہ کے غضب سے یا اللہ کے عذاب سے ڈرانے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا اُن کی دینی تربیت کئے لئے بہت مفید ہے؛ کیوں کہ اگر اللہ کے عذاب کا ڈر ابھی سے اُن کے دل میں بیٹھا رہے گا، تو آئندہ چل کر وہ اپنے کو ہر ایسے کام سے بچانے کی کوشش کریں گے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ رَحۡمَةَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ [الأعراف، جزء آیت: ٥٦]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ﴾ [النور: ٥٢] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۲/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انجکشن سے دودھ نکلوانا؟

سوال (۳۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک گائے جس کا دودھ خشک ہوگیا ہے اور وہ گابھن بھی نہیں رہ پاتی، اَب اگر انجکشن سے اُس کا دودھ حاصل کیا جاتا ہے، تو کیا یہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجکشن سے دودھ حاصل کرنا درست ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۸/۲۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۳/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھینس کے بچے کو بدل کر دوسرا بچہ اُس کے سامنے ڈالنا؟

سوال (۳۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی بھینس بچہ دے، اور بچہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے، ایک کٹرا دوسرے کٹیا، بھینس نے کٹرا دیا اور بھینس کے سامنے کٹیا ڈال دی اور بھینس نے سمجھا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، تو جانوروں کے ساتھ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اِس عمل سے بھینس کو ایذاء نہ ہوتی ہو، تو ایسا کرنے میں حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۳۸۹، احسن الفتاویٰ ۸/۱۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

کھیت میں پتلا بنا کر کھڑا کرنا؟

سوال (۳۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آدمی کا پتلہ جو کسان لوگ ہرن وغیرہ کو بھگانے کے لئے اپنے اپنے کھیتوں میں لگاتے ہیں، جانور اُن کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں اور فصل تباہ نہیں کرتے، کبھی کبھی کسان اُن کا چہرہ ناک

کان بھی بنادیتے ہیں، جو دور سے دیکھ کر بالکل آدمی معلوم ہوتے ہیں، آیا یہ جائز ہے کہ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور وغیرہ کو بھگانے کے لئے ایسا پتلہ بنانا کہ دور سے بالکل آدمی معلوم ہو جائز نہیں؛ البتہ سر اور چہرہ کے بغیر ڈنڈے وغیرہ پر کوئی چیز ڈالنا کہ دور سے دیکھنے سے آدمی کی شبیہ معلوم نہ ہو جائز ہے۔

أو مقطوعةُ الرأس أو الوجه، سواء كان من الأصل أو كان لها رأس ومحي. (شامي ٤١٨/٢ زكريا)

لاتمثال إنسان أو طير لحرمة تصويرٍ ذي الروح. (شامي ٥١٩/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱۱/۲۸ھ

چربی، خون اور پسی ہوئی ہڈی سے جانوروں کا چارہ تیار کرنا؟

سوال (۳۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانوروں کے کھلانے کے لئے مخصوص غذا تیار کی جاتی ہے جن میں گوشت کے مختلف اجزاء، پسی ہوئی ہڈی، چربی اور خون شامل ہوتا ہے، کیا ایسی غذا جانوروں کو کھلانا اور اُنہیں تیار کرنا شرعاً جائز ہے؟ بعض لوگوں کو خون شامل کرنے کی وجہ سے شک ہے، اور یہ بھی سوال کیا جاتا ہے کہ جانوروں کے خون کی مصنوعات تیار کرنا اور اُن کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں کو کھلانے کے لئے جو غذا تیار کی جاتی ہے اُس میں اگر حلال مذبوح جانور کے بدن کے مختلف اَجزاء مثلاً گوشت، ہڈی، چربی، وغیرہ شامل ہوں تو اُس کے تیار کرنے اور جانور کو کھلانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اگر حرام یا غیر مذبوح جانوروں کے گوشت کے اَجزاء غذا میں شامل کئے جائیں تو اُن

میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بعینہٖ اَجزاءِ شامل کئے جائیں، اور وہ اپنی اصل حالت پر باقی رہیں تو وہ غذا ناپاک شمار ہوگی، اور اگر اُن اَجزاء کو تکنیکی عمل سے گزار کر اُن کی ماہیت کو تبدیل کر دیا جائے تو اُن پر اُصولاً پاکی کا حکم لگے گا۔

اور دم مسفوح (یعنی بہتا ہوا خون جو ذبح کرتے وقت جانوروں کی شہ رگ سے نکلتا ہے) اُس میں شامل کیا جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ بعینہٖ شامل ہوتا ہے یا تبدیل ماہیت کے بعد یعنی پاؤڈر وغیرہ بنا کر، اگر بعینہٖ شامل ہے تو حسبِ اُصول وہ غذا ناپاک ہوگی، اور اگر تبدیل ماہیت کے بعد شامل ہوتا ہے تو وہ غذا پاک سمجھی جائے گی، جانوروں کے خون کی سبھی مصنوعات کے بارے میں درج بالا تفصیل پیشِ نظر رکھنی چاہئے۔ (کتاب الفتاویٰ ۴/۱۹۰-۱۹۱، فتاویٰ حقانیہ ۲/۵۶، منتخبات نظام الفتاویٰ ۳/۴۰۵، فتاوی محمودیہ ۶/۱۶۳ ڈابھیل)

ويكره تحريمًا على الأوجه من الشاة سبع أشياء ومعلومة وهو الفرج والخصية والمثانة والذكر والغدة والمرارة والدم المسفوح للأثر الوارد في كراهة ذلك (الدر المنتقىٰ على مجمع الأنهر ٤/٤٨٩ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، بدائع الصنائع ٤/١٩٠ المكتبة النعيمية ديوبند، الدر المختار ١٠/٤٧٧ زكريا)

وذبح ما لا يؤكل يطهر لحمه وشحمه وجلده، وفي الشامي: وهل يجوز الانتفاع به في غير الأكل؟ قيل: لا يجوز اعتبارًا بالأكل، وقيل: لا يجوز كالزيت إذا خالطه ودك الميتة، والزيت غالب لا يؤكل وينتفع به في غير الأكل (الدر المختار مع الشامي ٩/٤٤٠ زكريا)

وشعر الميتة وعظمها ...... لا بأس بالانتفاع بها، وبيع ذٰلك كله جائز؛ لأنه لا حياة في هٰذه الأشياء فلا يحلها الموت، فلا يتنجس. (المحيط البرهاني ٧/٣٠٢)

لأنها طاهرة، لا يحلها الموت لعدم الحياة. (الهداية ٣/٥٥)

جعل الدهن النجس في صابون، يفتىٰ بطهارته؛ لأنه تغير، والتغير عند محمد، ويفتى به للبلوىٰ، وظاهره أن دهن الميتة كذٰلك لتعبيره بالنجس دون

المتنجس، إلا أن يقال: هو خاص بالنجس؛ لأن العادة في الصابون وضع الزيب دون بقية الأدهان، ثم رأيت في شرح المنية ما يؤيد الأول حيث قال: وعليه يتفرع ما لو وقع إنسان أو كلب في قدر الصابون، فصار صابونًا يكون طاهرًا لتبدل الحقيقة. (شامي ۵۱۹/۱ زکریا)

ومقتضاه عدم اختصاص ذٰلک الحکم بالصابون، فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير وانقلاب حقيقةً نحو خمر صار خلا، وحمار وقع في مملحة فصار ملحًا ...... فإن ذٰلک کله انقلاب حقيقة إلیٰ حقيقة أخرى (شامي ۵۱۹/۱-۵۲۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گوبر کو کھاد اور جانوروں کی غذا میں استعمال کرنا؟

سوال (۳۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانوروں کے بڑے بڑے مذبح ہیں، وہاں بڑی مقدار میں گوبر ہوتا ہے، آج کل گوبر بھی فروخت ہوتا ہے، نیز گوبر کو مشینوں کے ذریعہ چھان کر اُس میں سے دانہ وغیرہ نکالا جاتا ہے جنہیں جانوروں کے لئے بنائی جانے والی اغذیہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کیا گوبر کی تجارت کرنا خواہ وہ کھاد کے لئے یا جانوروں کی اغذیہ کے لئے یا کسی اور مصرف کے لئے شرعاً جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہٖ گوبر کی خرید وفروخت اور اُس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے؛ لہٰذا جس طرح پوری دنیا میں گوبر کو کھیتی میں بطور کھاد استعمال کرنے کا رواج ہے، اِسی طرح اگر گوبر کو مشینوں اور کیمیکل کے ذریعہ جانوروں یا پرندوں کی غذا بنادیا جائے تو اُس کی بھی گنجائش ہوگی، اور گوبر کے اندر سے مشینوں کے ذریعہ سے جو دانہ نکالا جاتا ہے وہ عموماً نجاست کی تری سے پھول جاتا ہے اور ایسے پھولے ہوئے دانے کی پاکی کے لئے فقہاء نے یہ تدبیر لکھی ہے کہ اُسے ۳؍ مرتبہ وقفہ وقفہ سے اس طرح دھودیا جائے کہ ہر مرتبہ پانی کا تقاطر بند ہوجائے، اس عمل

کے ذریعہ گوبر سے نکالے ہوئے دانے پاک ہوجائیں گے اور اُن کا ہر طرح کا استعمال درست ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۱۴/۲۹۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۱۹۴، ۱۶/۶۴ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۶/۵۲۱)

وجاز بيع السرقين مطلقًا في الصحيح عندنا لكونه مالاً منتفعًا به لتقوية الأرض في الإنبات. (مجمع الأنهر ٣/١ ٢١، المحيط البرهاني ٢/٧ ٣٠، شامي ٩/٢ ٥٥ زكريا)

كره بيع العذرة لا السرقين؛ لأن المسلمين يتمولون السرقين وانتفعوا به في سائر البلاد والأمصار من غير نكير؛ فإنهم يلقونه في الأراضي لاستكثار الريع. (البحر الرائق / فصل في البيع ٣٦٥/٨ كوئته)

قال الإتقاني: ولنا أن السرقين مال فجاز بيعه كسائر الأموال. (حاشية چلپي على تبيين الحقائق ٥٧/٧)

وأما أبو حنيفة رحمه الله والكوفيون فقد ذهبوا إلى جواز بيع السرقين ...... وكل ما فيه منفعة مباحة؛ لأن مدار حلة البيع ليس على طهارة المبيع عندهم وإنما مداره على كونه منتفعًا به في صورة ما، نكل ما فيه منتفعة مباحة جاز بيعه. (تكمله فتح الملهم ٥٥٩/١)

الحنطة إذا أصابتها خمرٌ وتشربت فيها وانتفخت من الخمر فغسلها عند أبي يوسف رحمه الله أن ينقع في الماء حتى يتشرب كما تشرب الخمر، ثم يجفف لينعل كذلک ثلاث مرات، ويحكم بطهارتها عند أبي يوسف رحمه الله. (المحيط البرهاني ٣٨٣/١، شامي ٥٤١/١ زكريا)

دجاجة شويت فخرج من بطنها شيء من الحبوب يتنجس موضع الحبوب وتطيره أن تطبخ ثلاث مراتٍ بالماء الطاهر وتبرد في كل مرة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٥٧/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑھتی ہوئی آبادی کے پیشِ نظر اَشیاءِ خورد ونوش کا بورڈ قائم کرنا؟

سوال (۳۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کے دور میں آبادی اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ اگر یہی حالات رہے، تو ماہرین اقتصادیات کی رائے کے مطابق اشیاءِ خورد ونوش کی قلت ہو جائے گی، اور عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ چھوٹی فیملی والے لوگ خوش حال نظر آتے ہیں؛ کیوں کہ اگر گھریلو مسائل کم ہوتے ہیں تو مختصر وسائل والے بھی گذر اَوقات کر لیتے ہیں، دیگر یہ کہ آج انسانی ضروریات کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ بڑی فیملی والے لوگ وہ تمام ضروریات زندگی حاصل نہیں کر پاتے جن کی اُن کو ضرورت ہے، جب کہ آرام دہ زندگی کا ہر شخص خواہش مند ہے، اور ایک مقولہ یہ بھی ہے کہ ''حالات بدلنے سے احکام بدلتے ہیں''، تو اسلامی احکام میں موجودہ حالات کے پیشِ نظر تبدیلی ممکن ہے، اِس ترقی کے دور میں روز بروز نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں، کیا علماء نے اُن کے استعمال کی اجازت اور ممانعت کے لئے کوئی بورڈ قائم کر رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اُن چیزوں کے استعمال کے لئے اسلامی احکامات سے مطلع کریں، کیا علماء اِس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اِسلامی نظریہ کے مطابق رزاق اللہ تعالیٰ ہے، آبادی کی کثرت وقلت سے رزق پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ بلکہ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آج جیسے آبادی بڑھ رہی ہے اُسی رفتار سے پیداوار بڑھ رہی ہے۔ آج بازاروں میں اشیاءِ خورد ونوش کی اتنی بہتات ہے جو پہلے نظر نہیں آتی تھی، پھل فروٹ، غلہ جات کی ہر سال ریکارڈ توڑ پیداوار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولاد کا خون نہ کرو، ہم تمہیں بھی روزی دیں گے اور تمہاری اولاد کو بھی کھلائیں گے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا﴾ [بني إسرائيل: ۳۱]

اِس لئے ماہرین اقتصادیات کا مزعومہ خطرہ بالکل بے جا اور بے معنی ہے، ایک مسلمان کو

اِس طرح کے خطرات پر ہرگز دھیان نہ دینا چاہئے، اور رہ گیا نئے مسائل کے حل کا معاملہ، تو علماء اِس سے غافل نہیں ہیں، وہ حسبِ ضرورت عوام کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مملوکہ مکان میں کوچہ سربستہ نگر پالیکا کی جانب دروازہ کھولنا

سوال (۳۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسماۃ بشنی بیگم نے ما لکان سے اُن کا ایک قطعہ آراضی خرید لیا، دستاویز تحریر پا گئی، دوسرے دن مسماۃ مذکورہ نے یہ اقرار نامہ تصدیق کیا کہ بوقتِ تعمیر مکان وہ بجانبِ غرب وبجانبِ جنوب پن نالے مکان کی مجاز ہوگی؛ تاہم اپنی اطراف یعنی بجانب غرب وبجانب جنوب کوچہ وسربستہ میں کوئی دروازہ یا کھڑکی نہیں نکال سکے گی۔ اَب صورتِ حال یہ ہے کہ تنہا وارث مسماۃ مذکورہ بجانب جنوب یعنی کوچہ سربستہ میں دروازہ قائم کرنے پر آمادہ ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ بجانب جنوب کوچہ سربستہ اَب نگرنگم کی ملکیت میں شمار ہے، کسی کا ذاتی نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیرِ صحتِ سوال صورت مسئولہ میں بحالتِ موجودہ مذکورہ مکان کے جنوبی جانب کوچہ سربستہ نگر پالیکا کی ملکیت ہے، جس میں قانونی طور پر سب کو دروازہ اُس کوچہ کی جانب کھولنے سے قانوناً وشرعاً روکا نہیں جاسکتا؛ البتہ اخلاقی طور پر یہ بہتر ہوگا کہ مذکورہ وارث مسماۃ مذکورہ کی طرف سے کیے گئے تحریری وعدے کی پاس داری کرے؛ تاکہ کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔

إن کان مملوکًا فهو في حکم غیر النافذ والطریق النافذ الذي لایستحق به الشفعة ما لا یملک أهله سده؛ لأنه إذا کان کذلک یتعلق به حق جمیع المسلمین فکانت شرکته عامة فیشبه الإباحة. (بدائع الصنائع ۴/۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نصرانی بننے کے لئے جو روپیہ لیا گیا تھا وہ مسلمان ہونے کے بعد کہاں خرچ کرے؟

سوال (۳۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مال کی لالچ میں مرتد ہوکر نصرانی بن گیا، کچھ وقت کے بعد اسے احساس ہوا اور وہ پھر سے مسلمان ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ جو مال اسے نصرانی بننے کے لئے دیا گیا تھا، کیا اس کا استعمال یہ کرسکتا ہے یا اس مال کو صدقہ کرنا ہوگا یا اُن نصرانیوں کو لوٹانا ہوگا؟

مسئلہ کی تحقیق میں بندہ کو درجہ ذیل عبارتوں کے علاوہ واضح کوئی بات نہیں ملی، بندہ کو ابھی بھی انشراح نہیں ہورہا ہے کہ اس مال پر کیا حکم لگایا جائے؛ اس لئے کہ جس وقت یہ مال اس شخص کو ملا اس وقت تو یہ مال حرام ورشوت کے حکم میں تھا؛ لیکن جب وہ شخص مرتد ہوگیا اور یہ مال اسی کی ملک میں رہا، تو پھر دوبارہ اسلام لانے کے وقت اس کا صدقہ کرنا یا لوٹانا سمجھ میں نہیں آرہا ہے؛ کیوں کہ مرتد کے مال میں حقوقِ واجبہ جیسے کہ کسی سے لیا قرض یا امانات وغیرہ تو باقی رہتے ہیں؛ لیکن مرتد کا حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال اسی کا رہتا ہے، چاہے شراب کو بیچ کر کمایا ہو، قابل تصدیق نہیں، تو پھر اس مال پر کیسے صدقہ کا حکم لگایا جاسکتا ہے جب کہ یہ اسی کی ملک ہے۔

مال المرتد: وأما مال المرتد فإنه علی وجهين: أحدهما: ما اكتسبه قبل الردة، والآخر: ما اكتسبه بعد الردة، فأما الذی اكتسبه قبل الردة فإن المرتد إذا قتل أو لحق بدار الحرب فإن ذلک المال لورثته يقسم بينهم بعد ما تقضی ديونه، وتنفذ وصاياه وتعتق أمها أولاده من جميع ماله، ويفتدی مدبروه من ثلثه فإن رجع مسلما لم يرد شيء من ذلک غير أنه إذا وجد شيء من ماله في أيدي ورثته لم يستهلک أو في أيدي أهل الوصية فهو أحق به، وهذا كله في قول أبي حنيفة وصاحبه وأبي عبد الله، وفي قول مالک والشافعي ما يكون لبيت مال المسلمين، وأما الذي اكتسبه بعد ردته فإنه في قول أبي حنيفة ومالک والشافعي لبيت مال

المسلمين، وفي قول أبي يوسف ومحمد وأبي عبد اللّٰه هو أيضًا لورثته من المسلمين كماله الذي اكتسبه قبل الردة. (النتف في الفتاویٰ ٢/ ٦٩١)

اوران عبارتوں سے بندہ یہ سمجھا ہے کہ: مرتد کے مال کی دوقسمیں ہیں، ایک وہ جوارتداد سے قبل کمایا، دوسرے وہ جوارتداد کے بعد کمایا، اگر اسلامی حکومت ہے تو پہلی قسم کا مال اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ اور دوسری قسم کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا؛ لیکن چونکہ اسلامی حکومت کا نظام نہیں ہے تو وہ اپنا مال خود استعمال کرسکتا ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں، کما فی النتف فی الفتاوی۔ اب آپ والا سے مزید رہنمائی کی درخواست ہے، برائے کرم رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اسلامی حکومت میں جو شخص نعوذ باللہ مرتد ہوجائے اور حاکم وقت اس کے مرتد ہونے کا فیصلہ کردے تو اس کے مال کے بارے میں وہ تفصیل ہے، جو آپ نے سوال میں ذکر کردہ عبارت میں لکھی ہے؛ لیکن اگر حاکم کے فیصلہ سے قبل وہ مرتد دوبارہ مسلمان ہوجائے تو مالی معاملات میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا وہ مرتد ہی نہ ہوا ہے۔ اور اس کا ہر طرح کا سامان اسی کے قبضہ اور تصرف میں رہتا ہے جیسا کہ درمختار کی اس عبارت سے واضح ہے:

فإن جاء مسلما قبله قبل الحكم فكأنه لم يرتد (الدر المختار) وقال الشافعي: فلا يعتق مدبره وأم ولده ولا تحل ديونه وله إبطال ما تصرف فيه الوارث لكونه فضوليًا وما مع وارثه يعود لملكه بلا قضاء ولا رضا من الوارث.

(شامي ٦/ ٣٩٦ زكريا)

اَب ہندوستان میں چونکہ مسلم حکومت نہیں ہے؛ لہٰذا جو شخص مرتد ہوکر دوبارہ اسلام میں لوٹ آئے تو اس کا سب مال اسی کے تصرف میں رہے گا؛ البتہ اس نے نصرانیت قبول کرنے کے لئے جو مال لیا ہے وہ اجارہ علی المعصیت ہونے کی بنا پر مال خبیث ہے، اس کا اصل حکم یہ ہے کہ جس نے یہ مال دیا ہے اسی کو لوٹا دیا جائے، اور اگر یہ کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو اسے بلانیت ثواب فقراء پر تقسیم کردیا جائے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٨٥ كراچی، ۹/۵۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردار جانور بھنگی کے حوالہ کرنا؟

سوال (۳۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری بستی میں اور اطراف کے دیہاتوں میں یہی طریقہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں مرغی یا بکرا بکری یا کٹرا بھینس وغیرہ مرجاتی ہیں، تو اُن مردار جانوروں کو بھنگی کھانے کے لئے اٹھا کرلے جاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا مردار کو کھانے کے لئے کسی غیر مسلم کو دینا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا ان کو دفن کردیں یا یوں ہی جنگل میں پھینک دیں؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردار جانوروں کو بہتر یہ ہے کہ زمین میں دفن کردیا جائے، اور اگر کوئی بھنگی وغیرہ خود اٹھا کرلے جائے تو اُس کو اٹھانے کی اجازت بھی دے سکتے ہیں، پھر وہ اس کو لے جاکر جو چاہے کرے، اس کی ذمہ داری مالک پر نہ ہوگی۔

وقد ذكر الحافظ في الفتح ٣٥٢/٤: أن الخطابي رحمه الله استدل على جواز الانتفاع بشحم الميتة بإجماعهم على أن من مات له دابة ساغ له إطعامها لكلاب الصيد، فكذلك يسوغ دهن السفينة بشحم الميتة ولا فرق. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة / حكم بيع الأصنام وشحم الميتة ٥٦١/١، فتح الباري، كتاب البيوع / باب بيع الميتة والأصنام ٥٣٥/٤ تحت رقم: ٢٢٣٦ دار الكتب العلمية بيروت)

وأجاب عنه شيخنا في إعلاء السنن ٨٥/١٤: بأننا لا نجوز الإطعام، وإنما نجوز أن تطعمه الكلاب بأنفسها، ولا نتعرض لهم بالمنع من ذلك؛ لأن الكلاب ليست

مکلفة. (تکملة فتح لملهم، کتاب لمساقات / حکم بیع الأصنام و شحم المیتة ۱/ ۵٦۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری زمین میں بورنگ کرانا؟

سوال (۳۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے نگر پالیکا کے ذریعہ سیمینٹیڈ شدہ روڈ کو توڑ کر چیئر مین کی اجازت کے بغیر بورنگ کرلی، اور اِس بورنگ کا پانی گھر اور مسجد میں لے جا کر استعمال کیا جاتا ہے، اور پھر روڈ کو بالکل درست کردیا، جس سے آنے جانے والے لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ اِس طرح روڈ میں تصرف کرنا بلا اجازتِ میونسپل بورڈ کے صحیح ہے؟ نیز اِس کا پانی مسجد میں استعمال کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری روڈ سے ہر طرح کا فائدہ اٹھانا آس پاس کے لوگوں کے لئے جائز ہے، بشرطیکہ دیگر مستحقین کی حق تلفی نہ ہو؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب روڈ کے نیچے بورنگ کرکے اوپر سے روڈ کو بالکل درست کردیا گیا ہے، جس سے گذرنے والوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی، تو اس بورنگ کے پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

أما الأحداث فقد قال شمس الأئمة الحلوانيؒ: إن کان الأحداث یضر بأهل الطریق ...... فلیس له أن یحدث ذٰلک، فإن کان لا یضر بأحد لسعة الطریق جاز له أحداثه فیه ما لم یمنع منه؛ لأن الانتفاع في الطریق بالمرور فیه من غیر ذٰلک یضر بأحد جائز، فکذا ما هو مثله فیلحق به إذا احتاج إلیه، وإذا أضر بالمارة لا یحل له لقوله علیه السلام: ''لا ضرر ولا ضرار في الإسلام'' وهٰذا نظیر من علیه الدین؛ فإنه لا یسعه التاخیر إذا طالبه صاحبه ولو لم یطالبه جاز له تاخیره، وعلیٰ هٰذا القعود في الطریق للبیع والشراء یجوز إن لم یضر بأحد، وإن أضر لم یجز لما قلنا. (تبیین الحقائق

۲۹۸/۷ زكريا، كذا في الظهيرة، الفتاوىٰ الهندية ٤٦٥/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۲/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاڑی کے انجن سے بچے ہوئے پیٹرول کا کیا کرے؟

سوال (۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکار نے ایک کمیٹی قائم کر کے اس کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ جائزہ لیں کہ کار ایک گھنٹہ میں کتنا پیٹرول کھاتی ہے، کمیٹی نے متفقہ فیصلہ دیا کہ سرکاری ملازمین کو دس گھنٹوں کے لئے ۵/لیٹر پیٹرول دیا جائے؛ لیکن میری گاڑی دس گھنٹوں میں صرف ساڑھے چار لیٹر پٹرول کھاتی ہے، تو اب بچے ہوئے آدھے لیٹر کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں بچا ہوا پٹرول اگلے دن استعمال میں لے آئیں، یا اگر سرکار کی طرف سے دلالۃً اجازت ہو، تو اپنے ذاتی استعمال میں خرچ کرلیں۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٢٥٥، مرقاة المفاتيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ١١٨/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٢/٥، شعب الإيمان للبيهقي ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۳/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ